NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar No. 2
KARACHI
PH. 7211795

قرآن شناسی

آیت اللہ سیّد محمد حسین الحسینی الجلالی دام ظلہ

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar No. 2
KARACHI
PH. 7211795

قرآن شناسی

آیت اللہ سیّد محمد حسین الحسینی الجلالی دام ظلہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

ناشر : صراطِ حق فاؤنڈیشن
پوسٹ باکس ۲
پرنسٹن جنکشن، نیوجرسی، امریکا
کتاب : قرآن شناسی
تالیف : آیت اللہ سید محمد حسین الحسینی الجلالی دام ظلہ
ترجمہ : عمران حسین راجانی
حواشی : سید تسنیم زیدی
طابع : العباس پرنٹرز
پاکستان چوک کراچی۔ پاکستان
اشاعت اوّل : ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ

انتساب

ہر اُس فرد کے نام جو اِس پر ایمان رکھتا ہو کہ قرآن وہ نص یگانہ ہے جو دنیا کے ہر خطے میں مسلمانوں کو متّحد رکھتا ہے، جسے اللہ نے ہر طرح کی تحریف اور تردید سے مامون رکھا ہے اور جس کی مسلمانوں نے نسل بعد از نسل حفاظت کی ہے نیز اُن صاحبانِ فضل علما کی ارواح کے نام جنھوں نے قرأت، تحریر اور تفسیر کے ذریعے فریضۂ تحفظ قرآن بصد امانت واخلاص ادا کیا.

مؤلف

فہرست

علوم قرآن ۶
قرآن در لغت ۸
قرآن در قرآن ۱۰
قرآن کتاب ہدایت ہے ۱۱
در روایات اہلبیت علیہم السلام ۱۲
حقیقت وحی ۱۴
وحی در قرآن ۱۶
اہلبیت علیہم السلام کی روایات میں ۱۸

حصہ اوّل

نصی اعتبار سے قرآنی احوال

نزول قرآن ۲۷
سب سے پہلا اور سب سے آخری نزول ۳۱
سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت ۳۲
نزول قرآن کی جدول ۳۶
قرآنی سورتیں ۳۹
سورت کا تعین ۴۱
سورتوں کی ترتیب ۴۲
سبع طوال ۴۳
مئون ۴۶

مثانی ۴۷
مفصلات ۴۷
سورتوں کی نام گزاری ۴۹
سورتوں کی گروہ بندی ۵۰
سورتوں کی تعداد ۵۱
سورۂ انفال اور سورۂ برائت ۵۲
سورۂ والضحیٰ اور سورۂ الم نشرح ۵۳
آیت کا مفہوم اور مصداق ۵۳
آیت کا تعین ۵۵
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵۹
آیتوں کی تعداد ۶۰
تعداد آیت کی جدول ۶۵
کتابِ وحی ۷۲
دیگر روایات ۷۳
جمع آوریٔ قرآن ۷۵
شاذ اَقوال ۷۶
موقفِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۷۷
جمع آوریٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۷۹
جمع آوریٔ خلیفہ اوّل (۱۱-۱۳ھ) ۸۲
جمع آوریٔ خلیفہ ثانی (۱۳-۲۳ھ) ۸۴
حروف سبعہ (سات طرز) ۸۷
متعدد حروف کے معنیٰ ۹۲
اَحادیث عرض (تقابلی پیشکش) ۹۶

مصاحف صحابہ ۹۸
۱۔مصحف اُبی ابن کعبؓ (متوفی-۳۰ھ) ۹۸
۲۔عبداللہ ابن مسعودؓ (متوفی-۳۲ھ) ۱۰۰
۳۔علی ابن ابی طالب علیہ السلام ۱۰۳
۱۔نسخۂ نجف اشرف-روضۂ حیدریہ میں ۱۰۵
۲۔نسخۂ مقام سرِ حسینؑ- قاہرہ ۱۰۷
۳۔نسخۂ مکتب رضا-رام پور (بھارت) ۱۰۸
۴۔نسخۂ توپ کاپی-استنبول ۱۰۸
۵۔خط کوفی میں تحریر شدہ مصحف ۱۰۹
۶۔امام علی علیہ السلام کا تحریر کردہ مصحف ۱۰۹
۷۔امام علی علیہ السلام کا تحریر کردہ مصحف ۱۱۰
۸۔حضرت علی علیہ السلام کا تحریر کردہ مصحف ۱۱۰
۹۔امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا تحریر کردہ مصحف ۱۱۰
۱۰۔حضرت علی علیہ السلام کا تحریر کردہ مصحف ۱۱۰
۱۱۔کتب خانہ امام یحییٰ میں رکھا گیا مصحف-صنعاء (یمن) ۱۱۰
مصاحف صحابہ میں ترتیب قرآن کی جدول ۱۱۲
مصاحف صحابہ کا باہم مختلف ہونا ۱۱۸
عبداللہ ابن مسعودؓ کی دیگر روایات ۱۳۲
نتیجہ ۱۳۴
مصحف امام ۱۳۷
جمع آوریٔ خلیفہ ثالث (۲۳-۳۵ھ) ۱۳۷
جمع آوری کا سبب ۱۳۸
حذیفہ ابن یمان (متوفی-۳۶ھ) ۱۳۹

ماخذ جمع آوری ۱۴۱
کمیٹی برائے جمع آوری ۱۴۲
۱۔ زید ابن ثابتؓ (۱۱ ق ھ-۴۵ھ) ۱۴۳
۲۔ عبداللہ ابن زبیر (۲-۷۳ھ) ۱۴۵
سعید ابن عاص (۱-۵۹ھ) ۱۴۶
عبدالرحمٰن ابن حارث ابن ہشام (متوفی- حدود ۴۰ھ) ۱۴۶
کیفیت جمع آوری ۱۴۷
نتیجہ جمع آوری ۱۴۹
انتخاب ۱۵۱
عمل ردعمل ۱۵۲
خلاصہ ۱۵۴
صحابہ اور اہلبیت کا موقف ۱۵۵
مصحف امام میں لحن ۱۵۶
وہ رسم الخط کہ جس کے مطابق قرآن تحریر کیا گیا ۱۵۹
کوفہ کے تین رسم الخطوط ۱۶۵
مصاحف عثمانیہ کے نسخے ۱۶۶
مصاحف عثمانیہ میں موجود اختلافات ۱۷۱
نص قرآنی کو تنقیط، اعجام اور تشکیل کے ذریعے محفوظ کرنا ۱۷۸
تنقیط ۵۳ھ کی حدود میں واقع ہوئی ۱۸۰
اعجام ۹۵ھ کی حدود میں واقع ہوا ۱۸۲
تشکیل ۱۷۰ھ کی حدود میں واقع ہوئی ۱۸۳
تجزی مصحف ۲۱۸ھ کی حدود میں عمل میں آئی ۱۸۴
قرآن کریم کا اشاعتی تقابل ۱۹۱

مطبوعۂ سوڈان ۱۹۱

مطبوعۂ نائیجیریا ۱۹۱

مصحف امام کی عبارت ۱۹۲

مصحف کے رسم الخط کا توقیفی ہونا ۱۹۳

مصحف میں کلمات کا رسم الخط کا مختلف ہونا ۱۹۹

تحریف وتصحیف ۲۱۶

تحریف کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ ۲۱۶

تحریف معنوی ۲۱۸

تحریف لفظی ۲۱۹

موارد تحریف ۲۲۱

۲۔ تحریف ابن ابی سرح ۲۲۶

۳۔ آیت رضاعت ۲۲۹

۴۔ آیت رجم (سنگسار) ۲۳۱

۵۔ آیت وادیٔ ذہب (سونے کی وادی) ۲۳۴

۶۔ آیت فراش (نسخ تلاوت) ۲۳۶

دعویٰ شدہ سورتیں ۲۴۲

۱۔ سورۂ خلع (من گھڑت) ۲۴۲

۲۔ سورۂ حفد (من گھڑت) ۲۴۳

۳۔ سورۂ ولایت (من گھڑت) ۲۴۵

۴۔ سورۂ نورین (من گھڑت) ۲۴۶

ضمیمہ ۲۵۲

تکملہ ....

روایات تحریف ۲۵۳

خوئیؒ اور تحریف ۲۵۵
تحریف اور تصحیف کی نفی ۲۵۷
خلاصۂ بحث ۲۶۵
موقف نوریؒ ۲۶۶
نوریؒ کے مآخذ پر ایک نظر ۲۶۹
قرائات کی متعلقہ روایات کا تفصیلی جائزہ ۲۷۲

دوسرا حصّہ

اقوال کی روشنی میں احوالِ قرآن کریم

آزاد قرأت ۳۴۳
قرائات کا تعین ۳۴۶
قرائات سبع اور ابن مجاہد (متوفی-۳۲۴ھ) کا کردار ۳۴۷
ابن شنبوذ (متوفی-۳۲۸ھ) ۳۵۱
ابن مقسم (متوفی-۳۳۲ھ) ۳۵۵
طریقۂ ابن مجاہد ۳۵۸
تنقید ابن مجاہد ۳۶۲
قرائات سبع ۳۶۴
۱۔ابو عامر دمشقی (متوفی-۱۱۸ھ) ۳۶۹
۲۔ابن کثیر (متوفی-۱۲۰ھ) ۳۷۴
۳۔عاصم کوفی (متوفی-۱۲۸ھ) ۳۷۸
۴۔ابو عمرو بصری (متوفی-۱۵۴ھ) ۳۸۴
۵۔حمزہ زیات (متوفی-۱۵۶ھ) ۳۹۱
۶۔نافع (متوفی-۱۶۹ھ) ۳۹۶

روش قالون ۴۰۰
۷۔ کسائی (متوفی۔۱۸۹ھ) ۴۰۳
قرائات عشر (دس قرائات) ۴۱۰
۸۔ ابوجعفر مدنی (متوفی۔۱۲۷ھ) ۴۱۳
۹۔ یعقوب ابن اسحٰق حضرمی (متوفی۔۲۵۰ھ) ۴۱۶
۱۰۔ خلف ابن ہشام (متوفی۔۲۲۹ھ) ۴۱۹
قرائات اربعہ عشر (چودہ قرائات) ۴۲۱
۱۱۔ حسن بصری (متوفی۔۱۰۰ھ) ۴۲۴
۱۲۔ ابن محیصن (متوفی۔۱۱۳ھ) ۴۲۵
۱۳۔ سلیمان اعمش (متوفی۔۱۴۸ھ) ۴۲۵
۱۴۔ یحیٰی یزیدی (متوفی۔۲۰۲ھ) ۴۲۶
جمع آوریٔ قرائات ۴۲۹
اصطلاحات ۴۳۱
طرق ۴۳۴
قرائات کا متواتر ہونا ۴۳۵
صحیح قرأت ۴۴۴
شاذ قرأت ۴۵۲
تعداد شواذ ۴۵۵
شاذ قرأت کے احکام ۴۵۶
قرأت اہلبیت علیہم السلام ۴۵۹
عاصم کے ذریعہ سے حفص کی روایت ۴۶۶
حفص اسدی (۹۰۔۱۸۰ھ) ۴۶۷
مصری مقاریوں کی کمیٹی کا مصحف (۱۳۳۷ھ) ۴۷۰

کمیٹی کے مآخذ ۴۷۱
مطبوعہ ۱۳۷۱ھ ۴۷۳
۱۔عبارت ۴۷۴
۲۔ضبط ۴۷۵
مصحف مُرتّل (۱۳۷۸ھ-۱۹۵۹ء) ۴۷۵
عین مشورہ ۴۷۶
سندِ قرأت ۴۷۸
علوّ اسناد ۴۸۱
سندِ مؤلف ۴۸۳
والد بزرگوار سید محسن جلالی (۱۳۲۰-۱۳۹۶ھ) ۴۸۴
۱۔شیخ محمد علی سرابی (متوفی-۱۳۸۴ھ) ۴۸۷
۲۔سید علوی ابن عباس مالکی (۱۳۳۵ - ۱۳۹۱ھ) ۴۸۸
۳۔شیخ محمود حصری (۱۳۳۷-۱۴۰۱ھ) ۴۹۰
۴۔سید اسد اللہ مدنی (۱۲۹۳-۱۴۰۱ھ) ۴۹۲
۵۔سید شہاب الدین مرعشی (۱۳۱۸-۱۴۱۱ھ) ۴۹۳
۶۔عبداللہ صدیق (متوفی-۱۳۲۸-۱۴۱۳ھ) ۴۹۵
۷۔شیخ حمود ابن عباس مؤید ۴۹۶
اہم اصطلاحات کے معانی ۵۰۱
کتاب ہذا کے اہم مآخذ ۵۰۷
تواریخ قرآن کریم ۵۱۸

حرفِ آغاز

بسم الله الرحمن الرحیم

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے درحقیقت آیت اللہ سیّد محمد حسین الحسینی الجلالی دام ظلہ کی تالیف ”دراستۃ حول القران الکریم“ کا اردو ترجمہ ہے۔

سیّد جلالی دام ظلہ ۲۸ محرم ۱۳۶۳ھ کو کربلائے معلیٰ کے ایسے جلیل القدر علمی گھرانے میں پیدا ہوئے جو کئی صدیوں سے علومِ آلِ محمد علیہم السلام کی تحقیق و خدمت میں مشغول ہے۔

آپ کے والدِ گرامی آیت اللہ سیّد محسن الحسینی الجلالی قدس سرہ، فقیہِ بزرگ آیت اللہ العظمیٰ شیخ محمد حسین نائینی نور اللہ مرقدہ کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کی والدہ مرحومہ علویہ جلیلہ، فقیہِ اکبر آیت اللہ العظمیٰ سیّد ہادی خراسانی کی دختر تھیں۔ آپ کے برادرِ معظم الحجۃ سیّد تقی الجلالی شہید، آیت اللہ العظمیٰ ابوالقاسم خوئی طاب ثراہ کے معاونِ خاص تھے اور عہدِ صدام ملعون میں بعثی حکومت کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی اور برادرِ بزرگ کی نگرانی میں مکمل کرنے کے بعد آپ کربلا سے نجفِ اشرف تشریف لے گئے۔ حوزۂ علمیہ نجف میں ۱۵ سال آپ نے اُس عہد کے نامور ترین اساتذہ سے فقہ و اصول کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے جن علما کے دروسِ خارج میں شرکت فرمائی ان میں آیت اللہ العظمیٰ سیّد محسن الحکیم، آیت اللہ العظمیٰ سیّد ابوالقاسم خوئی، آیت اللہ العظمیٰ سیّد عبدالاعلیٰ سبزواری، آیت اللہ العظمیٰ سیّد میرزا حسن بجنوردی قدس اللہ اسرارھم شامل ہیں۔ آیت اللہ العظمیٰ سیّد میرزا حسن بجنوردی اپنے عہد میں نجفِ اشرف کے ممتاز ترین استادِ فقہ و اصول سمجھے جاتے تھے۔ سیّد بجنوردی نے آقائے جلالی کو اپنے

لائق ترین شاگردوں میں شمار کرتے ہوئے اجازۂ اجتہاد عطا فرمایا۔ عظیم محقق اور محدث و رجالی آغا بزرگ طہرانی رحمۃ اللہ علیہ سے سیّد جلالی کو خصوصی تقرب حاصل تھا۔ آپ نے برس ہا برس آغا بزرگ کی زیرِ نگرانی تحقیق و تعمق کے مراحل طے کیے۔ آغا بزرگ طہرانی اعلی اللہ مقامہ نے دو بار آپ کے لئے اجازۂ روایتِ حدیث تحریر فرمایا۔ علاوہ ازیں متعدد بزرگ علماءِ نے جن میں اہلِ سنّت کے مشہور علماءِ حدیث بھی شامل ہیں، آپ کے لئے اجازاتِ روایتِ حدیث تحریر کیے۔

علومِ قرآن سے سیّد جلالی دام ظلہ کو خصوصی التفات حاصل ہے، آپ نے ایک مدت تحقیق کے بعد یہ کتاب تحریر فرمائی جس میں آپ نے تاریخِ قرآن اور روایتِ قرآن کو محققانہ انداز میں اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ مکتب اہل بیت علیہم السلام کا مؤقف قاری پر واضح ہو جائے۔ اردو زبان میں اس موضوع پر کتابیں نہ ہونے کے برابر ہیں، اسی وجہ سے ہم نے اس کتاب کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس کتاب کے ترجمے میں جناب عمران حسین راجانی نے بہت زحمت اور محنت فرمائی جس کے لئے ہم اُن کے ممنون ہیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب کی اردو میں منتقلی کے مراحل میں جناب عنایت حسین رضوی اور جناب انیس عباس رضوی کی کوششیں لائقِ شکر گزاری ہیں، خدا ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ملتمسِ دعا
سید تسنیم زیدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

از قلمِ علاّمہ طالب جوہری مدّ ظلہ العالی

محقق بصیر اور دانشمند خبیر سید محمد حسین جلالی حفظہ اللہ کا تعلق شہر کربلا کے ایک ایسے خانوادے سے ہے جو اپنے علم و فضل اور دیانت و تقویٰ میں ماضی بعید سے معروف چلا آرہا ہے۔ سید جلالی ایک ایسے قلم کار ہیں جو اپنے وطن سے ہزاروں میل دُور بیٹھے ہوئے دین اور علم کی خدمت میں مشغول ہیں۔ مجھے حال ہی میں اُن کی ایک مبسوط تالیف کے مطالعے کا موقع نصیب ہوا جس کا نام ''دِرَاسَةُ حَوْلَ القُرْآنِ'' ہے۔ یہ کتاب قرآن مجید کے سلسلے میں بنیادی اور اہم معلومات پر مشتمل ہے۔ جس میں آیت و سورت کے معنٰی سے لے کر ترتیب نزول اور جمع قرآن کے ساتھ ساتھ بعض اہم قرآنی نسخوں پر بھی گفتگو شامل ہے گویا یہ کتاب قرآنیات کے سلسلے کی ایک مختصر دائرۃ المعارف ہے۔

قاری جب اس کتاب کی طرف متوجہ ہوگا تو اُسے شعوری یا لاشعوری طور پر اس سوال کا سامنا ہوگا کہ وہ یہ کتاب کیوں پڑھے؟ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ قرآن مجید ملّتِ اسلامیہ کے نصاب کی کتاب ہے، یہ ایسا فرقان ہے جو طیب اور خبیث، خیر اور شر، حق اور باطل میں تمیز کرنا سکھلاتا ہے۔ ایسا نور ہے جو زندگی کی راہوں کو منور کرتا ہے، ایسا علم ہے جو اللہ کے بتلائے ہوئے نظامِ حیات سے انسانوں کو روشناس کراتا ہے۔ یہ انسان کا ماضی بھی ہے، حال بھی ہے اور مستقبل بھی اور آج ملّتِ اسلامیہ کے زوال اور انحطاط کا واحد سبب قرآنِ مجید سے رُوگردانی ہے، لہٰذا ملّتِ اسلامیہ پر واجب و لازم ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ قرآن کا مقصد کیا ہے، وہ انسانوں سے کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا اور اس کے موضوعات و مطالب اور اوامر و نواہی کیا ہیں۔ مختصر لفظوں میں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ قرآن میں کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قاری اس جواب سے مطمئن ہوتے ہی ایک دوسرے سوال سے دوچار ہوگا کہ یہ درست ہے کہ ہمیں اس کتاب سے ہدایت لینی ہے اور اس کتاب کو اپنے عقائد اور اعمال کا سرچشمہ قرار دینا ہے، لیکن اُس کتاب کو جو قرآن کے موضوعات پر نہیں ہے، خود قرآن پر لکھی گئی ہے، ہم کیوں پڑھیں؟ اس کا جواب سوالِ اوّل سے زیادہ آسان ہے کہ ''قرآن میں کیا ہے؟'' اُس وقت مُفید ہوگا جب یہ سمجھ لیا جائے کہ ''قرآن کیا ہے؟'' زیرِ نظر کتاب اِسی سوال کا جواب ہے۔

ایک دُوسرا رُخ یہ ہے کہ علمِ کلام کے ماہرین نے قرآن مجید پر دو محاذوں سے حملہ کیا ہے۔ ایک محاذ میں قرآن کے

مطالب و موضوعات کو نشانہ بنایا گیا ہے اور دوسرے محاذ میں خود قرآن، اس کے اِستناد، اِس کی حجیت، جمع آوری، ترتیب آیات وسُوَر، قرأتوں کے اختلافات اور نسخوں کے فرق وجہات پر اِعتراضات کیے گئے ہیں۔ سید جلالی حفظہ اللہ نے اِن موضوعات میں سے بعض پر سیر حاصل اور بعض پر مختصر گفتگو کی ہے۔ لیکن، یہ اعتراف نہ کرنا نا انصافی ہوگی کہ اُنہوں نے موضوع کا حق ادا کیا ہے۔

ایک تیسرا رُخ یہ ہے کہ انسان جن چیزوں سے محبت وعقیدت رکھتا ہے، اُن کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب اُن لوگوں کے لئے بیش قیمت تحفہ ہے جو قرآن سے عقیدت رکھتے ہیں اور اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننے کے خواہشمند رہتے ہیں۔ اس کتاب میں قرآنیات سے متعلق کچھ ایسے مسائل بھی زیرِ بحث آئے ہیں جو اس سے قبل کی کتابوں میں نظر نہیں آتے اور کچھ ایسے بھی مباحث ہیں جو اگرچہ قرآنیات کی کتابوں میں موجود ہیں لیکن تشنہ ہیں۔ فاضلِ موصوف نے مختلف مصاحف پر جو جائزہ رقم کیا ہے وہ اس کتاب کی اہمیت اور اِفادیت میں اضافہ کرتا ہے اور تحریف کی بحث قاری کو بعض نئی جہات سے روشناس کراتی ہے۔ مجھے ذاتی طور پر سید القراۃ کی بحث میں ایک خاص لطف محسوس ہوا جس کا بیان کی گرفت میں آنا دشوار ہے۔

سید جلالی ایک قادر قلم کار ہیں لہٰذا اس کتاب کی زبان شستہ ہے، نثر مستحکم ہے اور مطالب کے بیان میں نہ غیر ضروری تطویل نہ نامناسب اِختصار۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اُردو داں طبقہ کے لئے اس مفید کتاب کا ترجمہ شائع کیا جارہا ہے۔

میں نے جستہ جستہ اس ترجمہ کو دیکھا جس میں بہت حد تک روانی اور سلاست پائی جاتی ہے اگرچہ اسے مزید نکھارا اور سنوارا جاسکتا ہے اور اُس معیار سے قریب کیا جاسکتا ہے جو سید جلالی کی عربی نثر کا معیار ہے۔ اس کے باوجود یہ ترجمہ ایک ایسی کوشش ہے جو ہر لحاظ سے نافع اور قابل اِستفادہ ہے۔

میں دُعاگو ہوں کہ رب العزت بہ طفیل کتاب و وارثانِ کتاب علیہم السلام دانشمند عالیقدر سید محمد حسین حسینی جلالی کو تادیر قائم رکھے اور اُنہیں خدمتِ دین وشریعت کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ میں مترجم زادمجدُہ کے لئے بھی دُعاگو ہوں کہ اللہ اُن کے توفیقات میں اضافہ فرمائے کہ وہ علوم ومعارف کی خدمت سرانجام دیتے رہیں اور نفیس اور اعلیٰ کتابوں کو اُردو زبان میں منتقل کرتے رہیں و آخر دعوانا اَن الحمد للہ رب العالمین

(طالب جوہری)

مقدمہ مؤلف

بلاشبہ قرآن کریم نے دَورِرسالت میں تندخو مشرکوں کے حملوں کا سامنا کیا اور اس کے بعد ہمہ وقت اور ہر مقام پر ان مشرکوں کے چاہنے والوں کی بھی زد پہ رہا حتیٰ کہ دورِ حاضر میں بھی...

ہر وہ شخص جو اسلام کو دین، قرآن کو آئینِ حیات اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور قائد تسلیم نہیں کرتا اُس قرآن پر یلغار کرنے پر کمربستہ ہے جو اگر تمام تر میسر وسائل کو بروئے کار لایا جائے تو (حقیقتاً) مسلمانوں کی قوت کا سرچشمہ ہے!

نیز تمام مسلمان اپنے اپنے دور میں حتی الامکان-- تلاوت، کتابت، اشاعت اور اس کو محفوظ کر لینے کے ذریعے -اِس کی حفاظت پر ڈٹے رہے کہ اگر ان کی لگاتار کوششیں نہ ہوتیں تو قرآن کریم تحریف و تبدیلی کی نذر ہو سکتا تھا۔

تاریخ قرآن اُن دقیق مضامین میں سے ہے کہ اس پر بہتیرے کینہ پرور قلم اُٹھے تا کہ اس مسئلہ میں شکوک وشبہات کو جنم دے سکیں جبکہ ان کے مقابلہ میں صاحبانِ ایمان کے قلم جاری رہے! اسی لئے یہ تحقیقی کاوش ازبس ضروری تھی کہ اس کا ہدف ان تدریجی تبدیلیوں کی نشاندہی کرنا ہے جو زمانۂ وحی سے لے کر دورِ حاضر تک پشت بہ پشت چلی آرہی ہیں اور اس سلسلہ میں ان کے تطبیقی پہلوؤں کا خیال رکھتے ہوئے اسلام کے بنیادی مآخذ پر بھروسہ کیا جا رہا ہے نہ کہ اُن مآخذ پر جو دلیلوں سے عاری ہیں۔

یہ تحقیقی کاوش میری اس ذاتی جدوجہد کا نتیجہ ہے جو میں نے تاریخِ قرآن کریم کی معرفت کی خاطر کی یعنی میں نے اسے بچپن میں حفظ کیا، اس کی بکثرت تلاوت کی اور بوقت وحشت میں نے اسی کو اپنا مونس بنایا؛ چنانچہ زندگی کی مہلک راہوں میں تنہائی کے موقع پر یہ بہترین ساتھی اور مددگار ثابت ہوا! نیز میں نے وحی اور تنزیل کی حفاظت کرنے والوں سے اس کے سمجھنے میں معاونت کی درخواست کی کہ جنہوں نے اس حقیقی میراث کو کسی بھی قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ رکھا۔

خدا کرے یہ تحقیق بھی اس کی حفاظت اور اس کے نص ہونے میں کسی قسم کے شکوک وشبہات کو اس سے دُور رکھنے یا اس کے مفاہیم کو تحریف یا اس کی ترسیل کی صورت کو مسخ ہونے سے اس کو بچائے رکھنے کی جانب ایک اچھا قدم ثابت ہو۔

﴿وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

محمد حسین حسینی جلالی

علومِ قرآن

موجودہ زمانہ میں "علومِ قرآن" کی اصطلاح زبان زدِ خاص و عام ہے اور اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ قرآن سے متعلقہ چند اُمور کی تحقیق کرلی جائے جبکہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ جس نے باریک بینی سے کام لیتے ہوئے اس کی تعریف بیان کی ہو۔ بلکہ یہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ ''یہ ایک ایسا علم ہے جو کتابت، تلاوت اور معنٰی کے لحاظ سے نصِ قرآنی کے احوال سے متعلق جستجو کرتا ہے'' اس قاعدہ کی رُو سے توحید جیسے قرآنی مضامین اس سے خارج ہوجاتے ہیں کیونکہ یہ نصِ قرآنی کے احوال نہیں ہیں بلکہ یہ تو قرآن کے مضامین اور معانی ہیں۔ نیز یہ اصطلاح قرآن کے رسم الخط، پڑھنے کے طریقوں اور ناسخ و منسوخ کو بھی اپنے اندر شامل کرلیتی ہے، بلکہ تاویل و تفسیر اور اس کی مختلف اقسام کے درمیانی فرق کے بارے میں تحقیق کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے؛ کیونکہ یہ نصِ قرآنی کے اَحوال میں شمار ہوتے ہیں۔ البتہ تفسیر کا علم اس میں سے خارج ہوجاتا ہے کیونکہ یہ نص کے معنٰی ہے اَحوالِ نص نہیں۔

جہاں تک اس اصطلاح کے استعمال کی تاریخی ابتدا کی بات ہے تو یہ واضح نہیں ہے اور بظاہر ایسا لگتا ہے کہ آخری چند اَدوار میں اس کا استعمال رائج ہوا ہوگا؛ علماء نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق الگ الگ تحقیقات کی ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے جس نے قرآن کے اعراب گذاری میں تحقیق کی وہ امام علیؑ ہیں، کیونکہ آپؑ نے ابوالاسود دوئلی (متوفی۔۶۹ھ) کو اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ''میں نے کلامِ عرب میں غور و فکر کیا تو میں نے دیکھا کہ یہ اس سُرخ قوم (یعنی عجمیوں) کی وجہ سے فاسد ہوا ہے'' اس کے بعد آپؑ نے فرمایا ''کلام ہمیشہ اسم، فعل اور حرف ہوتا ہے'' اور سرانجام آپؑ نے تفصیل بیان کی کہ ''اس نحو (جانب) رُخ کرو اور تمہارے سامنے جو نتیجہ برآمد ہوا سے اس میں شامل کردو!'' اور یہی وجہ ہے کہ اس علم کا نام ''علمِ نحو'' رکھا گیا۔ (معجم الأدباء۔ جلد۱۲۔ صفحہ۳۴)

دانی کہتا ہے: ابوالاسود وہ پہلا شخص ہے جس نے امام علیؑ کے ارشاد پر قرآن پر نقطے دیئے۔ (نقط المصاحف مؤلف: دانی۔ صفحہ۱۳۲)

یہ اَمرِ طبیعی ہے کہ ابتدائی زمانے کے علماء نے حسبِ ایجاد ضرورت جدید تحقیقات کی جانب کافی توجہ کی ہے اور مخصوص مضامین پر ۔ جیسے کہ آگے تذکرہ ہوگا۔ ہمیں ان کے الگ الگ رسالے ملتے ہیں کہ ان میں تفسیر، اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ، قرأت کے طریقے، نوادرِ قرآن، مشکلاتِ قرآن، اعجازِ قرآن، اَمثالِ قرآن اور مجازِ قرآن وغیرہ... جیسے مضامین شامل ہیں۔

شاید جس شخص نے علوم قرآن کے متعلق سب سے پہلے تالیف کی وہ ابن جوزی (متوفی۔ ۵۹۴ھ) ہے؛ اس کی کتاب کا عنوان تھا ''فنون الأفنان فی علوم القرآن'' جبکہ اس موضوع سے متعلق آجکل کے مشہور ترین مآخذ میں دو کتابوں کا شمار ہوتا ہے:

۱۔ البرھان فی علوم القرآن ۔ مؤلف: بدرالدین زرکشی (متوفی۔ ۷۹۴ھ)؛ یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے کہ جس کی طباعت قاہرہ شہر میں ۱۳۹۱ھ بمطابق ۱۹۷۲ء میں ہوئی۔

۲۔ الإتقان فی علوم القرآن ۔ مؤلف: جلال الدین سیوطی (متوفی۔ ۹۱۱ھ)؛ یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کی طباعت بھی قاہرہ شہر میں ۱۳۷۰ھ بمطابق ۱۹۵۱ء میں ہوئی۔

زرکشی نے علوم قرآن کی سینتالیس قسمیں شمار کی ہیں جبکہ سیوطی نے اسی سے متعلق اسّی عنوانات پر بحث کی ہے۔

مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ میں اس تحقیقی مقالہ کو علوم قرآن اور وحی کی تعریف کے بارے میں ایک مقدمہ اور چند ابواب پر مرتب کروں کہ جن میں نصِ قرآنی کے احوال، قرآن کی جمع آوری، تلاوت قرآن سے متعلق ترتیل اور تجوید وغیرہ...، احوال قرآن کے معانی اور ترجمۂ قرآن وغیرہ... کے متعلق گفتگو کی جائے۔ لیکن ان میں سے اکثر مضامین پر انفرادی طور پر رسالے، کتب اور دائرۃ المعارف تصنیف کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر عبدالحمید علوجی نے مجھ سے بیان کیا کہ لاکھوں کتابچے قرآنی مقالات پر مشتمل ہیں اور اس کتاب کے متعلق ایسی بات کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ جسے دنیا کے ہر گوشے کے مسلمان دن رات کے ہر لمحہ میں تلاوت کرتے ہیں اور اسی وجہ سے میں نے اس مقالہ میں صرف انھیں باتوں پر اکتفا کیا ہے کہ سند اور بیان کے لحاظ سے احوال قرآن کے سلسلہ میں جن کی ضرورت ہے؛ ان کی مزید تفصیل کے لئے دستیاب مآخذ کی طرف رجوع کیا جائے۔

قرآن در لُغت

کلمہ الـقـرآن مشتق ہے قرأت سے بہ معنٰی تلاوت؛ یہ فُعلان کے وزن پر مصدر ہے جیسے غُفران (مغفرت)؛ علی ابن حازم لحیانی (متوفی-۲۱۵ھ) اسی نظریہ کا قائل ہے، کیونکہ وہ کہتا ہے کہ یہ قَرَأتُ کا مصدر ہے جیسے رُجحان اور غُفران، اسی سے "الـکتـاب الـمـقـرُوء" (پڑھی جانے والی کتاب) ہے یعنی اس پر مفعول کو مصدر کے طور پر استعمال کرنے والے قانون کو لاگو کیا گیا ہے'' (الإتقان- جلد۱- صفحہ:؟)

عجیب وغریب بات تو وہ ہے جسے شافعی نے اپنے اُستاد ابن قسطنطین سے نقل کیا ہے کہ ''الـقـرآن اسم ہے اور یہ مہموز ہے اور نہ ہی اس کو قـــرأت سے لیا گیا ہے، کیونکہ اگر اس کو قـــرأت سے لیا جاتا تو ہر وہ شے جس کو پڑھا جاتا قرآن ہو جاتی؛ بلکہ یہ قرآن کا مخصوص نام ہے جیسے توریت اور انجیل۔ نیز قـــرأت کو ہمزہ کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں مگر قرآن کو نہیں (البرھان- جلد۱- صفحہ۲۷۸)

لفظ قرآن کو ہمزہ کے ساتھ اور تلاوت کے معنٰی میں بھی قرآن ہی میں سورۂ قیامت کی ۱۷ ویں اور سورۂ بنی اسرائیل کی ۷۸ ویں آیت میں استعمال کیا گیا ہے۔ بنابریں ہر وہ چیز کہ جس کو پڑھا جائے لغوی طور پر قرآن کہلائے گی -جس طرح کہ مذکورہ دو آیتوں میں- اور یہ کلام اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ اصطلاحی طور پر یہ نبی مُرسل پر نازل کردہ وحی کے لئے اسم ٹھہرے۔

قرآن میں لفظ قرآن کا پڑھنے کے معنٰی میں استعمال ہونا ہماری اس بات کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إن علينا جمعه و قرآنه. بلاشبہ اس کی جمع آوری اور اس کا پڑھنا ہماری ذمہ داری ہے'' (سورۂ قیامت- آیت ۱۷) لہٰذا ضروری ہے اس آیت میں قرآن سے قرأت کے معنٰی مراد ہوں، کیونکہ اگر مذکورہ آیت میں قرآن کا مطلب جمع کرنا لیں گے تو اس سے تکرار لازم آئے گی جو کسی صورت مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ یہ طبیعی اَمر ہے کہ اس میں کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں جس طرح کہ مذکورہ آیت شریف کی نص میں واضح طور پر موجود ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: أقم الصلوة لدلوک الشمس إلى غسق اللّيل و قرآن الفجر إنّ قرآن الفجر كان مشهوداً. سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کرو اور نمازِ صبح (بھی) کیونکہ صبح کی نماز پڑھنے کی گواہی دی جاتی ہے'' (سورۂ اِسراء- آیت ۷۸)...

نیز مذکورہ بالا آیت میں اوقاتِ نماز کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور اس کے لئے تین اوقات مقرر کئے گئے ہیں:

پہلا وقت: زوال شمس سے لے کر غروب آفتاب تک۔ اور یہ وقتِ ظہر ہے۔

دوسرا وقت: غروب آفتاب کا وقت کہ یہی مغرب اور عشاء کی نماز کی فضیلت کا وقت ہے۔

تیسرا وقت: فجر کا وقت کہ یہ صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔

اس کے علاوہ اللہ سبحانہ نے اس کی تعبیر لفظ قرآن سے کی ہے کیونکہ اس وقت کی نماز میں قرأت بلند آواز سے کی جاتی ہے اور دیگر یہ کہ یہ وقت علی الصبح واقع ہوتا ہے کہ عام طور سے انسان اس موقع پر سستی برتتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ دیگر نمازوں کے مقابلہ میں اس نماز (فجر) پر اللہ کے ہاں گواہ بنائے جاتے ہیں جبکہ دیگر نمازوں میں اللہ کے ساتھ ساتھ لوگ بھی گواہ ہوتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے ''اس پر اللہ، دن کے فرشتے اور رات کے فرشتے (بھی) گواہ بنتے ہیں'' (المیزان۔ جلد ۱۳۔ صفحہ ۱۷۵)

قرآن بہ زبانِ قرآن

قرآن کریم میں لفظ ''قرآن'' کی ۵۸ مرتبہ تکرار ہوئی ہے (المعجم المفہرس- صفحہ ۵۳۹) اور یہ بات طبیعی ہے کہ ان آیات کے نزول کے وقت قرآن کا نزول پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا، کیونکہ مفروض یہ ہے کہ قرآن کے نزول اور اس کی کتابت کی تکمیل سے پہلے ہی یہ آیتیں نازل ہو چکی تھیں۔ لہٰذا ''قرآن در قرآن'' کا فقرہ ناگزیر ہے اور یہ بھی لازمی ہے کہ یہ اسم جنس جمعی ہو جو قلیل و کثیر پر مشتمل ہوتا ہے جیسے پانی۔ لہٰذا نبیؐ کے قلب پر وحی اور اعلان کی صورت میں جو کچھ بھی نازل ہوا وہ سب کا سب قرآن ہی متصور ہوگا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ اور خواہ اُس کا نزول دفتین کے مابین اس کی تکمیل سے پہلے ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔

دفتین کے درمیان سے اس کی تعبیر کرنا صرف اسی صورت میں مفید ہوگا کہ جب ہم مادۂ قرآن کے مفہوم کی تطبیق اس کے فردِ اکمل پر کریں، خواہ ہم اس بات کے قائل ہوں کہ اِس کا نزول لوح محفوظ سے ہوا ہے یا اس بات کے کہ یہ براہِ راست نازل ہوا تھا۔

ان اٹھاون آیتوں میں غور و فکر کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی اَساس دو باتوں پر قائم ہے:

۱۔ وحی کہ اسی کی وجہ سے قرآن اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اَحادیث میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ وحی کو پڑھنا اور عوام الناس پر اس کا اظہار کرنا واجب ہے، چنانچہ حدیث قدسی اس سے خارج ہو جاتی ہے اور قرآن اور اِس میں امتیاز پیدا ہوتا ہے اگرچہ حدیث قدسی بھی وحی ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآنُ هدىً للنّاس... ماہِ رمضان کہ اس میں قرآن کو لوگوں کی ہدایت... کے لئے نازل کیا گیا۔ (سورۂ بقرہ- آیت ۱۸۵)

وأُوحي إليّ هذا القرآن لأنذركم به. میری جانب اس قرآن کو وحی کیا گیا تا کہ اس کے ذریعہ میں تم لوگوں کو ڈراؤں۔ (سورۂ انعام- آیت ۱۹)

قال الذين لا يرجون لقائنا ائت بقرآن غير هذا أوْ بدّله. جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی اُمید نہیں تھی انہوں نے کہا کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس کو تبدیل کر دو۔ (سورۂ یونس- آیت ۱۵)

کلمۂ قرآن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تبلیغ کے لئے نازل ہونے والی وحی کے لئے اسمِ علَم بن گیا اور علمائے کرام نے اس وحی کے نوے سے بھی زائد نام شمار کئے ہیں۔ (الاتقان - جلد ۱- صفحہ ۱۵۱ اور البرھان- جلد ۱- صفحہ ۲۷۲ تا ۲۷۸ کی طرف

رجوع کیا جائے) مگر ان کے عمیق مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ اسماء محض اوصاف ہیں کہ جن کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کتاب عزیز کی توصیف بیان کی ہے اور ان میں سے سوائے "قرآن" کے کوئی بھی اسم علم نہیں۔ [۱]

قرآن کتابِ ہدایت ہے

قرآنی آیتیں اس بات پر بھی زور دیتی ہیں کہ قرآن کا ہدف ایسی وحی نہیں ہے جو عمل سے عاری ہو، بلکہ ضروری ہے کہ انفرادی اور معاشرتی رہن سہن قرآنی وحی پر مبنی ہو؛ ہم ان میں سے چند آیتوں پر اکتفا کرتے ہیں:

أفلا یتدبّرون القرآن. تو کیا وہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے ؟! (سورۂ نساء- آیت ۸۲)

واُوحی إلیّ هذا القرآن لاُنذرکم به. میری جانب اس قرآن کو وحی کیا گیا تا کہ میں اس کے ذریعہ تم لوگوں کو ڈراؤں۔ (سورۂ انعام- آیت ۱۹)

إنّ هذا القرآن یهدی للتی هی اَقوَمُ. بلاشبہ یہ قرآن اُس راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔ (سورۂ اسراء- آیت ۹)

ولقد ضربنا للناس فی هذا القرآن من کُل مثلٍ لعلّهم یتذکرون. اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں تمام لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثل بیان کر دی ہے کہ شاید وہ لوگ نصیحت حاصل کر لیں۔ (سورۂ زُمر- آیت ۲۷)

ولقد یسّرنا القرآن للذّکر فهل من مدّکر. اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے واسطے آسان کر دیا تو ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے۔ (سورۂ قمر میں اس آیت کی چار مرتبہ تکرار ہوئی- آیت ۱۷، ۲۲، ۳۲ اور ۴۰ میں)

قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو پیدا ہونے سے مرنے تک حیاتِ انسانی کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور قرآن ہی ہے جو معاشرہ کو مطلوبہ قوانین کی اساس پر برقرار رکھتا ہے تا کہ عقیدہ اور اخلاقی اعتبار سے عدل قائم ہو جائے جبکہ کسی انسان کے لئے ناممکن ہے کہ وہ ان فطری قوانین کے بغیر سعادت سے ہمکنار ہو اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی بات پر زور دے رہا ہے:

فاقم وجهک للدّین حنیفاً فطرت الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله ذٰلک الدّین القیّم. پس اے رسولؐ، تم باطل سے کترا کے اپنا رُخ دین کی طرف کئے رہو۔ یہی فطرت خدا ہے کہ اس پر اللہ نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی کہ یہی اُستوار دین ہے۔ (سورۂ رُوم- آیت ۳۰)

اس بات کی تاکید کہ دین اُستوار ہی دین کی وہ فطرت ہے کہ جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خلق کیا ہے اور اس کے ساتھ ربنا الذی اعطی کُلَّ شیءٍ خلقه ثُمَّ هدیٰ. ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے اپنی مخلوق کو ہر شے عطا کی اور اس کے بعد اس کی رہنمائی کی۔ (سورۂ طٰہٰ - آیت ۵۰) جیسے فرمان سے اس بات کا افادہ حاصل ہوتا ہے کہ ہدایت صرف اسی فطرت کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے اور یہی دین راست ہے۔ نیز اس کی شان اسی میں ہے کہ اس نے لازمی طور پر حیات انسانی کا احاطہ کرلیا ہو کیونکہ فطرت حیاتِ انسانی سے علیحدہ شے نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ زندگی کے تمام ضروری لوازمات بھی مکمل طور پر اس میں شامل ہوں اور جب تک زندگی رہے یہ ہمیشہ اس کے شامل حال رہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ قارئین بھی قرآن کریم کے ان اُصول وضوابط کو جان لیں کہ جن سے ایک اسلامی معاشرہ قائم ہوتا ہے اور اسی طرح سے آپ اسلام میں شمولیت اور کمال کو حاصل کرسکیں گے۔

اھل بیتؑ سے منقولہ روایتیں

اہلبیت علیھم السلام سے وارد ہونے والی روایتیں قرآن کی تلاوت اور اس کو سیکھنے کی تاکید کرتی ہیں:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے'' (بحار الانوار - جلد۹۲ - صفحہ ۱۸۶) ؁

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''قرآن سیکھو اور اس کی انوکھی باتوں کی تعلیم حاصل کرو، اس کے عجائب، فرائض اور حدود (کی بھی)، کیونکہ قرآن پانچ قسم کی باتوں سے متعلق نازل ہوا: حلال، حرام، محکم، متشابہ اور اَمثال۔ لہٰذا تم لوگ اس کے حلال سے واقف ہوجاؤ، حرام باتوں کو ترک کردو، محکم پر عمل کرو، متشابہ کو چھوڑ دو اور مثالوں سے عبرت حاصل کرو'' (ایضاً - صفحہ ۱۸۶)

(خطبۂ فدک میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیھا فرماتی ہیں: ''اللہ کے لئے تم میں ایک زمانہ مخصوص ہے کہ وہ تمہارے پاس آچکا ہے اور باقی ماندہ کو تم سے دُور رکھا گیا ہے۔ کتابِ خدا کی بصیرتیں روشن ہیں، یہ ایک ایسی نشانی ہے کہ جس کے اَسرار منکشف ہیں، ایسی روشن دلیل ہے جس کی ظاہری باتیں جلوہ گر ہیں اور ایک ایسی قائد ہے جو

؁ اسم علم: جو کسی خاص شخص، چیز یا مقام کا نام ہو۔ بالفاظ دیگر باوجود یکہ لفظ قرآن لغوی طور پر صرف کتاب خدا کے لئے ہی مستعمل نہیں ہے، لیکن اب یہ اسی کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے اور قرآن کے علاوہ دوسرے ناموں سے بادی النظر میں ذہن کتاب خدا ہی کی طرف نہیں جاتا۔

اپنے پیروکاروں کو جنت کی طرف لے جاتی اور اس کی اتباع کرنے والوں کو نجات دلاتی ہے؛ اس میں اللہ کی درخشندہ حجتوں، اس کے حرام کردہ محرّمات اور درج شدہ فضائل کا بیان ہے..." (ایضاً۔ صفحہ ۱۳)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "قرآن کے بارے میں خاص طور سے اللہ کا پاس رکھو کہ مبادا تمہارے علاوہ کوئی دوسرے لوگ اس پر عمل کرنے میں تم سے آگے بڑھ جائیں" (نھج البلاغہ۔ نامہ ۴۷)

نواسۂ رسولؐ، امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں: "بلاشبہ اس قرآن میں نور کے چراغ ہیں اور سینوں کی شفا ہے، لہٰذا بصارت کے لئے جلا حاصل کرنے والے کو جلا حاصل کرنی چاہئے اور خواص کو اسے اپنی سوچ کا مرکز بنانا چاہئے کہ غور و فکر کرنا ایک بابصیرت کے قلب کی حیات ہے، جس طرح کہ تاریکی میں روشنی کا متلاشی نور کے سہارے ہی چلتا ہے" (ایضاً۔ صفحہ ۲۰)

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: "کتاب خدا عزوجل چار قسم کی باتوں پر مشتمل ہے: عبارت، اشارہ، لطائف (باریکیاں) اور حقائق؛ چنانچہ عبارت عام لوگوں کے لئے ہے، اشارہ خواص کے لئے ہے، لطائف (باریکیاں) اولیاء کے لئے اور حقائق انبیاءؑ کے لئے ہیں" (ایضاً۔ صفحہ ۲۰)

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: "اے میرے اللہ، جب تو نے اس کی تلاوت پر ہماری معاونت فرمائی ہے اور ہماری زبانوں کے حواس کو اس کی حسنِ عبارت کے لئے سہل کر دیا ہے تو اب ہمیں ان لوگوں میں سے قرار دے جو اس کی کما حقہ رعایت کرتے ہیں اور عقیدتمندانہ اس کی محکم آیات کو تسلیم کرتے ہوئے تیرے قائل ہیں" (صحیفۂ سجادیہ۔ صفحہ ۴۲)

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "قرآن کا ایک باطن ہے اور اس باطن کا بھی ایک باطن ہے جبکہ اس کا ایک ظاہر (بھی) ہے اور اس کے ظاہر کا بھی ایک ظاہر ہے۔ اے جابر، تفسیر قرآن سے زیادہ کوئی شے انسانی عقلوں سے دُور تر نہیں کہ بلاشبہ آیت کا ابتدائی حصہ کسی ایک شے کے متعلق ہوتا ہے تو اس کا آخری حصہ کسی دوسری شے کے متعلق؛ یہ وہ کلامِ متصل ہے جو کئی طریقوں سے گویا ہے" (بحار الانوار۔ جلد ۹۲۔ صفحہ ۹۵)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "بلاشبہ قرآن کے لئے بھی گھر کی مانند مقررہ حدود ہیں"

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "قرآن کو حفظ کرنے اور اس پر عمل کرنے والا نیکوکار مکرّم سفیروں کے ساتھ ہوگا۔ (ایضاً۔ صفحہ ۱۷۷)

امام رضا علیہ السلام نے (قرآن کے متعلق) فرمایا: یہ اللہ کی مضبوط رسی، اس کا محکم ترین رشتہ اور اس کا مثالی راستہ ہے اور یہی جنت کی طرف لے جاتا اور دوزخ سے نجات بخشتا ہے۔ یہ زمانے گذر جانے پر بھی کہنہ نہیں ہوتا اور نہ ہی عام لوگوں پر اس کو ارسال کیا گیا ہے کیونکہ اس کو کسی مخصوص زمانہ کے لئے نہیں رکھا گیا، بلکہ ہر انسان کے لئے اس کو روشن

دلیل کی جانب رہنما اور حجت قرار دیا گیا ہے۔ (ایضاً۔ جلد ۹۲۔ صفحہ ۱۴)

عام طور سے اہلبیت علیہم السلام کی روایتیں اس بات پر زور دیتی ہیں کہ قرآن اُن مبادیات پر مشتمل ہے کہ انسان اُن کا اپنی زندگی میں محتاج ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قرآن کا سیکھنا بہترین عمل ٹھہرا۔ اس کو سیکھنے اور سکھانے میں ہی مسلمانوں کی بھلائی ہے۔ اس کے علاوہ یہ انتہائی سنجیدہ کلام ہے نہ کہ یاوہ گوئی، کیونکہ قرآن کا علم عمل کی دعوت دیتا ہے: قرآن ایک فکری بے نیازی ہے اور اس کے بعد فکر کو کوئی محتاجی نہیں رہتی کیونکہ یہی حقیقی ثقافت ہے۔

قرآن میں زندگی کی مشکلات کا حل پایا جاتا ہے لہٰذا اس کی طرف رجوع کرنا اور اس سے بازخواہی ضروری ہے کیونکہ یہ وہ نصیحت کنندہ ہے جو دھوکہ نہیں دیتا اور وہ ہدایت کنندہ ہے جو گمراہ نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے امام علیؑ کو وقت وفات اس بات کا ڈر تھا کہ مبادا مسلمان قوم قرآنی ثقافت کی رعایت نہ کرے اور اس طرح غیر مسلم قوم اس پر عمل کرنے میں مسلمانوں پر سبقت لے جائے، جبکہ امام حسنؑ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ قرآن فہمی کا حقیقی ستون اس میں غور وفکر کرنا ہے، جس طرح کہ امام حسینؑ اس بات کی جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ قرآن تمام طبقات کے لئے ہے اور یہ کسی مخصوص رُوحانی طبقہ کے لئے نازل نہیں ہوا اور اسی میں قرآن کی عظمت پوشیدہ ہے کیونکہ ہر پڑھنے والا اپنی لیاقت کے مطابق اس سے معنیٰ اخذ کر کے اسی کا قائل ہو جاتا ہے جبکہ یہ کسی خاص رُوحانی طبقہ کے لئے نہیں ہے، جس طرح کہ گذشتہ ادیان کی مقدس کتابوں کا حال ہے۔

البتہ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ تفسیر قرآن کے لئے ہمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُن احادیث کی ضرورت ہی نہیں رہی کہ جو عملی زندگی میں اس کی تفسیر کرتی ہیں اور جنہیں اہلبیت علیہم السلام نے پشت بہ پشت نقل کیا ہے، کیونکہ ترسیلِ قرآن کو سمجھنے کے ذریعہ قرآن فہمی کل کی مانند ہے نہ کہ بعض کی مانند۔ چنانچہ شرعی معاملات اور شرعی سیاست کو چھوڑ کر صرف اس کے عبادی پہلوؤں پر توجہ مرکوز کرنا ترسیلِ قرآن اور اس کی حدود سے دُوری کا سبب ہے اور حافظ قرآن کے لئے اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ یہ کسی اِنسان کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ تو وحیِ الٰہی ہے۔

وحی کی حقیقت

وحی کے لغوی معنیٰ ''مخفی طور پر کچھ بتلانا'' ہیں اور لغت میں جو معانی بیان ہوئے ہیں وہ دو باتوں سے خالی نہیں: یا وہ بتلانا ہوگا یا پھر چھپانا خواہ اس میں مخفی رکھنے کا قصد کیا گیا ہو یا نہیں۔

احمد ابن فارس (متوفی۔ ۳۹۵ھ) کہتا ہے: ''وحی... ایک ایسی اصل ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پوشیدہ طور پر یا کسی اور طور سے تم نے اپنے علاوہ کسی کو کوئی بات بتلائی ہے۔ لہٰذا وحی کا مطلب ہے اشارہ اور وحی کتاب اور رسالت

ہے۔ اسی طرح ہر وہ شے وحی کہلائے گی جو تم اپنے علاوہ کسی دوسرے کو بتاتے ہو یہاں تک کہ اسے اس بات کا علم ہو جائے خواہ وہ کسی طور سے بھی ہو...... وحی سَریع اور وحی صوت۔ واللہ اعلم (معجم مقاییس اللغة - جلد۶- صفحہ ۹۳)

عرضِ مؤلف: بنابریں لفظ وحی کی اساس اس کے مشتقات کے اعتبار سے ہوگی اور جہاں تک پوشیدہ رکھنے کی بات ہے تو خواہ وحی کرنے والے نے مخفی رکھنے کا ارادہ کیا ہو یا نہیں وہ وحی ہی کہلائے گی۔ لہٰذا اشارہ، رسالت، سُرعت اور صوت (آواز) کے معانی میں مشترک بات وحی کرنے والے کے علاوہ دوسروں سے پوشیدہ رکھنا ٹھہرے گی اگرچہ وحی کرنے والے نے اس کا قصد نہ کیا ہو جس طرح کہ حضرت مریمؑ کے قصہ میں بیان ہوگا۔ بہرصورت، وحی مصدر ہے جسے مفعول یعنی جو چیز وحی کی جائے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

شیخ محمد عبدہٗ نے وحی کی تعریف اس طرح سے بیان کی ہے: ''یہ وہ معرفت ہے جو کوئی شخص بذات خود یقین کے ساتھ حاصل کر لیتا ہے کہ فلاں بات بالواسطہ یا بلاواسطہ خدا کی جانب سے آئی ہے جبکہ پہلی صورت میں ایک آواز ہوتی ہے جو اس کے کانوں سے ٹکراتی ہے یا آواز کی صورت میں نہیں ہوتی...'' (الوحی المحمدی - صفحہ ۴۴)

محمد علی تھانوی نے وحی کی تعریف کچھ اس طرح سے بیان کی ہے: ''اصطلاحِ شریعت میں یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جسے اُس نے اپنے کسی نبی پر نازل کیا ہو۔ کرمانی اور معین میں بھی اسی طرح سے ہے'' (کشاف اصطلاحات الفنون- مادّۃُ الوحی)

ہمارے اُستاد علوی (متوفی-۱۳۹۱ھ) اپنے رسالہ "العُقد المنظم فی أنواع الوحی المعظم - مطبوعۂ قاہرہ" میں اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے رقم کرتے ہیں: ''شرعی طور پر یہ شریعت کی اطلاع دینا ہے جبکہ بسا اوقات وحی کا اطلاق اُس وقت بھی ہوتا ہے جب اس سے اسمِ مفعول کا ارادہ کیا جائے یعنی وحی کی جانے والی شے اور یہی اللہ کا وہ کلام ہے جو اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا''

وحی کی یہ تعریف اس کے مصدری معنیٰ کے لحاظ سے کی گئی ہے جبکہ یہ وحی کی حقیقی تعریف نہیں ہے کیونکہ اس کی حقیقت سے صرف وہی واقف ہوتا ہے کہ جس پر وحی کی جائے۔

علامہ طباطبائیؒ (متوفی-۱۴۰۲ھ) نے وحی کی جو تعریف کی ہے اس کو ہم لفظ بہ لفظ بیان کرتے ہیں: ''پس نبوت حالتِ الٰہیہ ہے کہ جسے آپ چاہیں تو غیبی (حالت) بھی کہہ سکتے ہیں۔ ادراک اور فعل سے اس عمومی حالت کی نسبت ایسی ہی ہے جیسے بیداری کو نیند سے نسبت حاصل ہے کہ بیداری کے ذریعہ انسان ایسے معارف کا ادراک کرتا ہے کہ ان کی وجہ سے حیاتِ انسانی میں اختلافات اور تناقضات ختم ہو جاتے ہیں اور اسی ادراک اور القا کو قرآن کی زُبان میں وحی کا نام دیا گیا ہے۔۔

" (المیزان۔ جلد۲۔ صفحہ۱۳۱)

عرضِ مؤلف: بہتر یہ ہے کہ وحی کی تعریف یوں کی جائے کہ یہ ماورائے طبیعت ایک مشاہدہ ہے اور یہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کا نفس مادّیات سے یکسر عاری ہو۔ نیز یہ ایک ایسی رُوحانی حالت ہے جو صرف انبیاءؑ کو حاصل ہوتی ہے، کیونکہ مادّی پیمانوں سے اس تک رَسائی ممکن نہیں۔

اب جہاں تک اُس صلاحیت کا تعلق ہے جو اُن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو انبیاء نہیں ہیں مگر اُن کے نفوس انسان کی انتہائی ممکنہ حد تک مادّیات سے عاری ہیں تو اس کا نام الہام ہے۔ آیات سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے، جس طرح کہ میں نے اس کی شرح المعجم میں کردی ہے لہٰذا اُس کی جانب رجوع کیجئے!

وحی کے موقع پر نبیؐ کی حالت کو بیان کرنے والی روایتیں دراصل اُن اَوصاف کو بیان کرتی ہیں کہ جن کا صحابہ نے مشاہدہ کیا۔ چنانچہ یہ اُن کے مخصوص تاثرات کو تو بیان کردیتی ہیں مگر وحی کی اُس حقیقت کی تعبیر نہیں کرتیں کہ جس کا تجربہ صرف اس شخص کو ہوتا ہے جس کی طرف وحی کی گئی ہو اور ایسا تو سوائے نبیؐ کے کسی کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

وحی در قرآن

قرآن مجید میں لفظ وحی اپنے مصدری معنیٰ میں پانچ مرتبہ اور اس مادہ سے مشتق الفاظ ۷۶ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں، جبکہ تمام کی تمام آیتیں پوشیدگی کے معنیٰ پر متفق ہیں اور مفسرین نے بھی اس کے کئی معانی بیان کئے ہیں مگر ان میں سے سوائے مندرجہ ذیل چار کے کوئی معنیٰ بھی وحی کے اصطلاحی معنیٰ نہیں:

۱. الہام: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وأوحی ربک إلی النحل أن اتخذی من الجبال بیوتاً. اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کی طرف الہام کیا کہ پہاڑوں میں چھتے بنالو (سورۂ نحل۔ آیت ۶۸)

۲. اشارہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فخرج علی قومه من المحراب فاوحی الیھم أن سبحوا بکرةً و عشیاً. پس جب وہ اپنی عبادت گاہ سے باہر اپنی قوم کے پاس آئے تو انہوں نے اُن لوگوں کو اشارہ کیا کہ صبح وشام تسبیح کرو (سورۂ مریم۔ آیت ۱۱)

یہ اشارہ حضرت زکریاؑ نے کیا تھا اور اس میں اشارہ سے مراد غیر ارادی طور پر آواز کو چھپا کرنا ہے کیونکہ مقصود مخفی رکھنا ہے۔

۳. شیطانی وسوسہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: و إنّ الشیاطین لیوحون إلی أولیآئھم. اور یقیناً شیطانوں نے اپنے دوستوں کو وسوسہ میں ڈالا (سورۂ انعام۔ آیت ۱۲۱) چنانچہ شیطان کی وحی تو صرف مخفی طور پر وسوسہ میں ڈالنا ہی ہوسکتی ہے۔

۴. وحیِ نبوت: قرآن کریم میں اس معنٰی میں بے شمار آیتیں موجود ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالٰی نے اس وحی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وما کان لبشر اَن یکلّمه الله اِلاّ وحیاً اَو من ورآئ حجاب أو یرسل رسولاً فیوحی باِذنه ما یشآء. اور کسی آدمی کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ خدا اُس سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا کسی پردہ کے پیچھے سے یا پھر کسی فرستادہ کے ذریعہ، چنانچہ وہ اپنے اختیار سے جو چاہے وہی وحی بھیجتا ہے۔ (سورۂ شوریٰ۔ آیت ۵۱)

وحیٔ نبوت کے تین طریقے ہیں:

۱۔ طبیعی وحی

۲۔ پردہ کے پیچھے سے کلام کرنا

۳۔ فرستادہ کے ذریعہ (یہاں پر خدا کے فرشتہ حضرت جبرئیلؑ مراد ہیں)

طبیعی وحی کی ابتدا سچے خواب کے ذریعہ سے ہوتی ہے جبکہ پردہ کے پیچھے سے نبی ٔخدا حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بات کی گئی۔ فرمانِ الٰہی ہے: وکلّم الله موسیٰ تکلیماً. اور اللہ نے موسیٰؑ سے بہت سی باتیں کیں۔ (سورۂ نساء۔ آیت ۱۶۴) جبکہ فرستادہ یعنی حضرت جبرئیلؑ جو ایک امانت دار پیغامبر ہیں کے ذریعہ سے وحی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنه لقول رسول کریم. ذی قوة عند ذی العرش مکین. مُطاعٍ ثَمّ اُمین. وما صاحبکم بمجنون. ولقد رآه بالاُفق المبین. بے شک یہ ایک معزز فرستادہ کا کلام ہے جو بڑے قوی عرش کے مالک کی بارگاہ میں بلند مرتبہ ہے۔ وہاں امانت دار سردار ہے اور تم لوگوں کا ساتھی دیوانہ نہیں ہے اور یقیناً انہوں نے اس کو کھلے کنارہ پر دیکھا ہے۔ (سورۂ تکویر۔ آیت ۱۹ تا ۲۳) وکذلک اَوحینا اِلیک قرآناً عربیاً. اور اسی طرح ہم نے تمہاری جانب عربی قرآن کی صورت میں وحی بھیجی۔ (سورۂ شوریٰ۔ آیت ۷)

وَلا تعجل بالقرآن من قبل اَن یقضیٰ اِلیک وحیه. اور قبل اس کے کہ تمہاری طرف وحی کی جائے (قرآن کے) پڑھنے میں جلدی نہ کرو۔ (سورۂ طٰہٰ۔ آیت ۱۱۴) مذکورہ آیت کریمہ نے یہ نص قائم کردی کہ قرآنی وحی اس کے اتمام سے پہلے بھی موجود تھی بایں معنٰی کہ قرآن کی تبلیغ اور جدید وحی اور جدید اُمر کے اعلان سے پہلے بھی نبیؐ کو قرآن کا علم تھا جس طرح کہ قرآن نے صدقِ رسالت کو اپنے اس فرمان کے ذریعہ اُستوار کردیا: ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل. لاَخذنا منه بالیمین. اگر رسولؐ ہماری نسبت کوئی جھوٹ بات گڑھتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔ (سورۂ حاقہ۔ آیت ۴۴ و ۴۵) یہ ایک ایسی تہدید تھی کہ قرآن میں اس سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی جس طرح کہ نبیؐ کی جانب رُخ کرنے والی ہر تہمت کی نفی کردی گئی۔

روایاتِ اہلبیتؑ

وحی کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے منقول ہے: ''جب حارث ابن ہشام نے آپؐ سے دریافت کیا کہ آپؐ کے پاس وحی آنے کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: کبھی تو گھنٹی کی جھنکار کی طرح آتی ہے اور یہ اس کا سخت ترین طریقہ ہے: جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو میں ہر کہی ہوئی بات کو یاد کر لیتا ہوں جبکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ میرے سامنے آدمی کی صورت میں آ کر مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں ہر اُس بات کو یاد کر لیتا ہوں جو وہ کہتا ہے'' (بحار الأنوار - جلد۱۸- صفحہ۲۶۱)

سورۂ مائدہ کے متعلق حضرت علیؑ فرماتے ہیں: جس وقت یہ سورت آپؐ پر نازل ہوئی تو آپؐ اپنے چتکبرے خچر پر سوار تھے اور وحی آپؐ کے لئے ثقیل ثابت ہوئی تو آپؐ ٹھہر گئے اور اپنا شکم نیچے کر لیا حتیٰ کہ میں نے آپ کی ناف کو دیکھا کہ قریب تھا کہ وہ زمین کو چھو لے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر غشی طاری ہو گئی یہاں تک کہ آپؐ نے اپنا ہاتھ منبہ ابن وہب جمی کے ماتھے کے بالوں پر رکھا اور اس کے بعد آپؐ اس حالت سے باہر نکل آئے اور ہم پر سورۂ مائدہ کی تلاوت فرمائی۔ (ایضاً- صفحہ۲۷۱)

اِنَّ اللہ یامُر بالعدل و الاحسان و ایتائ ذی القُربیٰ و ینھیٰ عن الفحشاء و المنکر و البغی یعظکم لعلّکم تذکرون. بے شک اللہ انصاف، نیکی کرنے اور قرابتداروں کو عطا کرنے کا حکم کرتا ہے اور وہ بدکاری اور ناشائستہ حرکتوں اور سرکشی کرنے سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (سورۂ نحل- آیت۹۰)

مذکورہ آیت کے متعلق امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں ''ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ عثمان ابن مظعون نے کہا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں موجود تھا۔ کہتا ہے: جب میں آپؐ کے قریب سے گذرا تو میں نے آپؐ کو اپنے گھر کے صحن میں دیکھا اور میں آپؐ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ آپؐ مجھ سے باتیں ہی کر رہے تھے کہ یکایک میں نے دیکھا کہ آپ کی نگاہ آسمان کی جانب اٹھی اور پھر آپؐ کے دیکھنے کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے آپؐ کو نگاہ نیچی کرتے دیکھا اور پھر آپؐ نے انہیں داہنی طرف کر کے مجھے اپنے زانو کے نزدیک کیا اور سر کو جھکا لیا گویا ان کو کوئی شے الہام ہو رہی ہو۔ بعد ازیں میں نے دیکھا کہ آپؐ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اُٹھائی اور پھر اُسے بائیں جانب گھمایا اور بالآخر میری جانب رُخ کیا جبکہ اُس وقت آپؐ کی یہ حالت تھی کہ آپ کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا اور آپؐ پسینہ میں شرابور تھے۔

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ، میں نے آپؐ کو کبھی ایسا کرتے نہیں دیکھا جیسا کہ آج آپؐ نے کیا، یہ

آپ کی کیا حالت ہو رہی ہے؟

آپ نے فرمایا: کیا تم نے واقعی دیکھ لیا؟

میں نے عرض کی: جی ہاں!

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: یہ جبرئیلؑ تھے کہ ان کو یہ حوصلہ میسر نہیں تھا اور آپ پر دو آیتوں کی تلاوت کی... (ایضاً۔ صفحہ ۲۶۹)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں ''... جب اللہ نے جبرئیلؑ کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب بھیجا تھا تو آسمانوں کے رہنے والوں نے قرآنی وحی کی آواز سنی تھی گویا لوہا چٹان سے ٹکرا گیا ہو تو اس پر آسمانوں کے رہنے والے چکا چوندھ ہو کر رہ گئے اور جب وحی سے فارغ ہوئے تو جبرئیلؑ نیچے اُتر آئے؛ جب بھی وہ آسمان میں رہنے والوں کے پاس سے گذرتے اُن کے دل دھڑک جاتے'' (ایضاً۔ صفحہ ۲۵۹)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ''نبیؐ پر وحی آنے کا سلسلہ رُک سا گیا تو آپؐ سے کہا گیا: اے اللہ کے رسولؐ، آپؐ پر وحی آنے کا سلسلہ کیونکر رُک گیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اور کیوں نہ رُک جائے جبکہ تم لوگ اپنے ناخن تراشتے ہو اور نہ ہی بدبو برطرف کرے ہو'' (ایضاً۔ صفحہ ۲۵۵)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''جبرئیلؑ جب نبیؐ کی خدمت میں تشریف لاتے تو اُنؐ کے سامنے ایسے بیٹھتے جیسے کوئی بندہ بیٹھتا ہے اور اُس وقت تک آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوتے جب تک کہ آپؐ سے اجازت طلب نہ کر لیتے'' (ایضاً۔ صفحہ ۲۵۶)

جب زُرارہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیونکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے خائف نہیں تھے کہ اللہ کی جانب سے جو کچھ اُن کے پاس آ رہا ہے مبادا وہ شیطان کی کوئی شرارت ہو؟ تو آپؑ نے فرمایا: ''جب اللہ کسی بندہ کو رسول بناتا ہے تو اس پر طمانیت اور وقار کو نازل کرتا ہے۔ پس جو کچھ اللہ عز وجل کے ہاں سے آپؐ کے پاس آتا تھا اس کی مثال ایسی تھی کہ جسے آپؐ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ (ایضاً۔ صفحہ ۲۶۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''...جبرئیلؑ آ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کرتے تھے اور اگر وہ ایسی حالت میں ہوتے کہ انہیں اجازت دینا مناسب نہ ہوتا تو آپؐ اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے پاس باہر آ جاتے اور اگر آپؐ اجازت دے دیتے تو وہ ان کی خدمت میں اندر آ جاتے...'' (ایضاً۔ صفحہ ۲۶۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''...ہوتا یہ تھا کہ جب کبھی آپؐ پر اللہ کی جانب سے بلا واسطہ وحی آتی کہ

جبرئیلؑ ان دونوں کے درمیان میں نہ ہوتے تو اس وحی کی گرانی کی وجہ سے آپؐ پر غشی طاری ہو جاتی تھی جبکہ اگر جبرئیلؑ ان دونوں کے درمیان میں ہوتے تو آپ کی ایسی حالت نہیں ہوتی تھی" (ایضاً۔ صفحہ ۲۶۸)

امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں: "...جس وقت نبی خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس سال پورے کر لئے اور اللہ عزوجل نے ان کے قلب کی طرف نظر کی تو اللہ نے اس کو سب سے افضل، جلا شدہ، مطیع ترین اور سب سے زیادہ خشوع وخضوع کرنے والا پایا؛ آسمانی دروازوں کو اجازت ملی تو وہ کھل گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف نگاہ کی اور فرشتوں کو اجازت ملی تو وہ نیچے اُتر آئے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا نیز روح الامین حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا جو نور کے ہالہ میں گھرے ہوئے تھے، طاؤس الملائکہ ان کی جانب اُتر آئے اور آپؐ کے پہلو کو (کمر یا بازو) پکڑ کر ہلایا اور کہنے لگے: اے محمدؐ، پڑھو! آپؐ نے فرمایا: کیا پڑھوں؟! کہنے لگے: اے محمدؐ، اقرأ باسم ربک الذی خلق. پڑھو اپنے پروردگار کے نام سے کہ جس نے پیدا کیا۔ (سورۂ اقرأ۔ آیت ۱) الخ

اس کے بعد جس بات کا ان کے پروردگار عزوجل نے حُکم کیا تھا اُسے اُن کی طرف وحی کر دیا اور پھر وہ اوپر کی جانب چلے گئے جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑ سے نیچے اُتر آئے اور اللہ کے جلال کی تعظیم کے طور پر آپؐ پر غشی طاری ہوگئی؛ اس کی شان وبزرگی کی وجہ سے آپؐ پر بخار وکپکپی جیسی کیفیت طاری ہوگئی" (بحار الأنوار۔ جلد۱۸۔ صفحہ۲۰۶)

امام بخاری روایت نقل کرتے ہیں: جب آپؐ غار حرا میں موجود تھے تو آپؐ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا: "پڑھو!" آپؐ نے فرمایا "میں پڑھنے والا شخص نہیں ہوں" فرمایا "پھر اُس نے مجھے پکڑ کر غوطہ دیا یہاں تک کہ میں تھک کر چُور ہو گیا، اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو تو میں نے کہا کہ میں پڑھنے والا شخص نہیں ہوں تو اس نے مجھے پکڑا اور دوسرا غوطہ دیا یہاں تک کہ میں تھک کر چُور ہو گیا، اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا کہ پڑھو تو میں نے کہا کہ میں پڑھنے والا شخص نہیں ہوں تو اس نے مجھے پکڑا اور تیسرا غوطہ دیا یہاں تک کہ میں تھک کر چُور ہو گیا، اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا اور کہا: إقرأ باسم ربک الذی خلق☆خلق الإنسان من علق☆إقرأ وربک الأکرم☆. پڑھو تم اپنے پروردگار کے نام سے کہ جس نے پیدا کیا☆اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا☆پڑھو جبکہ تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے☆(سورۂ علق۔ آیت ۱ تا ۳)

اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم گھر کو لوٹ گئے جبکہ آپ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ آپؐ حضرت خدیجہؑ بنت خویلد کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "سب میرے ساتھ آ کر بیٹھو، سب میرے ساتھ آ کر بیٹھو!" لہٰذا سب اُن کے پاس آ گئے یہاں تک کہ آپ کا ہراس زائل ہو گیا تو آپؐ نے حضرت خدیجہؑ کو سب کچھ بتلا دیا اور اُن سے کہنے لگے:

''مجھے جان جانے کا ڈر تھا!'' حضرت خدیجہؓ نے فرمایا ''ہرگز نہیں! بخدا، اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی رُسوا نہیں کرے گا؛ آپ تو صلۂ رحمی کرتے ہیں، ہر شے کو جھیل جاتے ہیں، فوت شدہ کا بھی تدارک کر لیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، حق کی تلخیوں کے باوجود معاونت کرتے ہیں... حضرت خدیجہؓ اسی طرح گفتگو فرماتی رہیں یہاں تک کہ ورقہ ابن نوفل ابن اسد ابن عبدالعزیٰ جو حضرت خدیجہؓ کے چچازاد تھے آگئے جبکہ یہ دورِ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی کتاب لکھا کرتے تھے اور انجیل سے بھی جتنا اللہ نے چاہا عبرانی میں تحریر کیا تھا؛ یہ عُمر رسیدہ تھے اور اب ان کی بینائی زائل ہو چکی تھی تو حضرت خدیجہؓ نے اُن سے کہا: ''اے میرے چچا کے بیٹے، اپنے بھانجے کی باتوں کو سنئے'' تو ورقہ نے آپؐ سے کہا ''اے میرے بھتیجے، آپ کیا دیکھتے ہیں؟!'' اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہر دیکھی چیز بیان کر دی تو ورقہ نے آپؐ سے کہا: ''یہ وہ آئین ہے جسے اللہ نے حضرت موسیٰؑ پر نازل کیا تھا'' (صحیح بخاری۔ جلد۱۔ صفحہ۳ تا۴)

مذکورہ روایت نبوت کے متعلق شکوک وشبہات کو جنم دینے میں پیش پیش ہے اور یہ وحی کی حقیقت کے بھی منافی ہے، بلکہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ ورقہ ہی نبی تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نبوت کو تسلیم کر لیا تھا جبکہ میرا نہیں خیال کہ کوئی مسلمان بھی اس بات کا قائل ہوگا! مزید یہ کہ نبیؐ اس بات سے تو بالاتر ہیں کہ ان کی نبوت کسی عُمر رسیدہ نابینا کی نبوت کے ذریعہ ثابت ہو۔ اب میں یہ سمجھتا ہوں، جبکہ خدا زیادہ واقف کار ہے، کہ اس روایت کا شمار اسرائیلیات میں سے ہوتا ہے۔

ابن عباسؓ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ جب آپؐ پر قرآن نازل ہوتا تھا تو آپؐ اسے اپنی زبان اور ہونٹوں پر جاری کرتے اور اس طرح اپنی شدت کا علاج کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی: **لا تحرک به لسانک**۔ (اے رسولؐ) آپؐ اس کے ذریعہ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ (سورۂ قیامت۔ آیت ۱۶) نیز جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ کو سخت تکلیف پہنچتی، سر پھٹنے لگتا اور آپؐ گرانی محسوس کرتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے: **انّا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً** (سورۂ مزمّل۔ آیت ۵) بے شک ہم عنقریب تم پر ایک ثقیل حکم نازل کریں گے۔ (**بحار الأنوار** جلد۱۸۔ صفحہ۲۶۱)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں ثقالت کی تفسیر بیان کی گئی ہے باوجودیکہ مذکورہ آیت میں ثقالت ایک معنوی اُمر ہے نہ کہ مادّی کیونکہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے تو پھر یہ جسمانی اثر کیونکر ہو سکتی ہے؟

بعض مآخذ اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک صحابی دحیہ ابن خلیفۂ کلبی کی صورت میں آتے تھے اور ان کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ مدینہ کے سب سے خوبصورت صحابیؓ ہیں (**الاصابہ**۔ جلد۱۔ صفحہ۴۷۳ اور **اسد الغابہ**۔ جلد۲۔ صفحہ۱۳۰) جبکہ یہ ایک عجیب وغریب بات ہے، کیونکہ حضرت

جبرئیلؑ کی شخصیت نبیؐ سے مخفی تھی اور نہ ہی انہیں کسی شخصیت کا رُوپ دھارنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی جو روایت ہے کہ جبرئیلؑ جب تک نبیؐ سے اجازت طلب نہیں کر لیتے تھے آپ کی خدمت میں نہیں آتے تھے مقام نبوت کے لئے زیباترین بات ہے۔

تقریباً ساری روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا ایک جسمانی اثر ہوتا تھا اور اس اثر کی بناء پر آپؐ پسینہ میں شرابور ہو جاتے تھے یہاں تک کہ آپؐ پر اونگھ یا غشی طاری ہو جاتی تھی جیسے کہ وحی کے نازل ہونے پر صحابہ نے نبیؐ کی حالت کے جو مشاہدے کئے ہیں وہ اسی چیز کو بیان کرتے ہیں۔ البتہ ان میں سے چند مشاہدات میں مبالغہ آرائی کی گئی ہے جو "حلول" کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

چونکہ وحی کی حقیقت کی معرفت صرف نبیؐ کو ہی حاصل تھی کسی اور کو نہیں چنانچہ ایسے موقع پر ایک عام مادّی شخص کی اونگھ، غشی اور غفلت وغیرہ کا تصور نبیؐ جیسی ہستی کے لئے جو اصلاح معاشرہ پر مامور تھے، کیسے قبول کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ایک مادّی انسان جیسے چاہے تصور کر سکتا ہے! یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ حقیقی وحی کے نزول کے وقت کہ جو صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آتی تھی غشی بھی طاری ہو اور تمام حواس بھی قائم رہیں؟! اس لئے کہ وحی تو وہ ہے کہ جب نازل ہوتی ہے تو نصِ وحی پر مرتب ہونے والے حالات، اسباب اور نتائج کا انکشاف کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نے معاشرہ پر اس قدر عظیم اثر ڈالا۔

یہی اعتراض اس روایت پر بھی لاگو ہوتا ہے جو کہتی ہے کہ وحی گھنٹی کی جھنکار کی صورت میں آتی تھی اور یہ سب سے سخت ترین روش تھی نیز اس قسم کی دوسری باتیں بیان کرنے والی روایتیں جو صحیح بخاری کی جلد ۱- صفحہ ۱ تا ۳ میں اور طبقات کی جلد ۱- صفحہ ۱۳۲ میں پائی جاتی ہیں اس اشکال سے خالی نہیں ہیں۔

لگتا ہے بحار الانوار میں اس قسم کی روایتیں بھی انھی کتابوں سے لی گئی ہیں حالانکہ گھنٹی کی جھنکار کوئی بامفہوم کلام نہیں ہے کہ اسے وحی کہا جا سکے۔ ہاں، کبھی کبھار یہ وحی کا مقدمہ تو بن سکتی ہے مگر خود وحی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ فی الجملہ قرآن کی حفاظت اور قانون سازی میں اس کی حکمت حواسِ کاملہ پر دلالت کرتے ہیں کہ جن میں غفلت، اونگھ یا غشی کا کوئی ذکر نہیں۔ جہاں تک صحابہ کے اس قسم کے بیانات کا تعلق ہے تو یہ بھی شاید اُن کے ذاتی تصورات کی تشریحات ہیں کیونکہ سوائے خود نبیؐ کے کسی کو وحی کی معرفت حاصل نہ تھی اور جسے اس حالت کا کوئی تجربہ نہ ہو وہ اپنے تخیلات اور مشاہدہ کو بیان کر دے گا جبکہ اللہ ہی ان باتوں سے محفوظ رکھنے والا ہے۔

اسی طرح ایک سچے اور حقیقی طور پر واقع اور ثابت شدہ خواب پر اس قسم کے خوف وہراس اور دل کے دھک دھک

کرنے والی تاثیر ممکن نہیں کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وحی کے نتائج کا تذکرہ بھی کر دیا ہے: **کذلک لنثبت به فؤادک.** اسی طرح (نازل کیا) تاکہ ہم تمہارے دل کو تسلی دیں (سورۂ فرقان - آیت ۳۲)...انبیاءؑ کے لئے وحی محض ایک عام انسان کے مادّی امور کے لئے خواب کی طرح ہوتی ہے۔ لہٰذا روحانی طور پر کمزور انسان کے لئے تو یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی دردناک زندگی کے حقائق سے جزع فزع کرے لیکن اس نبی کے لئے یہ چیز ممکن نہیں کہ جس کا دل مضبوط ہے اور جو اپنی زندگی کا سامنا پورے حواس کے ساتھ کرتا ہے۔

ہمارے اُستاد، علوی (متوفی-۱۳۹۱ھ) نے وحی سے متعلق اپنے تحریر کردہ رسالہ میں اس کی سات قسمیں بیان کی ہیں کہ جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

پہلی قسم: وحی آپؐ کے پاس گھنٹی کی جھنکار کی طرح آتی تھی اور یہ لوہا ٹکرانے کی آواز ہوتی ہے جو ان پر دشوار ترین ثابت ہوئی۔

جو کچھ ہمارے اُستادؒ نے کہا ہے اس میں کوئی کلام نہیں کہ جھنکار کی مانند کلام کا سمجھنا کسی آدمی کی رمی بات کے سمجھنے سے زیادہ مشکل ہے۔

نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرشتہ کے پروں کے پھڑ پھڑانے کی آواز ہے اور اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ آپؐ وحی کے لئے اپنے آپؐ کو فارغ کر لیں۔

عرضِ مؤلف: یہ قول مناسب ترین ہے کیونکہ گھنٹی کی گونج کوئی کلام نہیں بلکہ یہ ایک زناٹے دار آواز ہے اور گھنٹی کی سرسراہٹ سے کسی مفہوم کا افادہ حاصل نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اس میں علامتیں اور اشارے پائے جاتے ہیں مگر یہ کوئی کلام نہیں ہے جبکہ وحی اللہ کا کلام ہے جو سید البشرؐ پر نازل کیا گیا ہے۔

دوسری قسم: حضرت جبرئیلؑ آپؐ کے سامنے کسی آدمی کی صورت میں مجسم ہوتے تھے کہ آپؐ انہیں ایک انسان تصور فرماتے تھے اور ان کی باتوں کو یاد کر لیتے تھے۔ اس کے بعد اُستادؒ نے فرشتہ کے آدمی کی صورت میں آنے کے بارے میں چار اقوال نقل کئے ہیں:

۱۔ اللہ نے زائد کو فنا کر دیا؛ امام الحرمین اسی نظریہ کے قائل ہیں۔

۲۔ اللہ نے زائد کو اُن سے برطرف کر دیا اور اس کے بعد اُسے اپنی حالت پر لوٹا دیا؛ امام الحرمین اسی کے قائل ہیں جبکہ عز ابن عبد السلام (بھی) اسی کا معتقد ہے۔

۳۔ فنا ہے اور نہ ہی برطرف کرنا، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ ہی اپنی اصلی شکل میں آئے تھے؛ شیخ الاسلام

بلقینی اسی نظریہ کے قائل ہیں۔

۴۔ یہ ایک فرشتہ ہے جو دوسری مرتبہ میں اپنے مخاطب کے سامنے اس صورت میں ظاہر ہوا؛ جس طرح کہ حافظ ابن حجر (عسقلانی) اسی نظریہ کے قائل ہیں۔

عرضِ مؤلف: یہ سب کی سب مذکورہ روایت کی توجیہات ہیں بشرطیکہ روایت صحیح ہو! تو پھر فرشتہ کو کسی آدمی کی صورت اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟! جب وحی کے توسط سے نبیؐ پر سے پردہ ہٹ جاتا ہے تو ایسی صورت میں حضرت جبرئیلؑ اپنی اُس حقیقی صورت میں ظاہر ہوتے ہوں گے جیسے اللہ نے خلق کیا اور خطاب کرنے والے کے لئے انسان کی صورت اختیار کرنا اصلی صورت میں آنے سے افضل نہیں ہے، بالخصوص جب اس کے ذریعہ بار بار وحی آتی ہو۔

تیسری قسم: سچا خواب کہ اس میں کوئی تخیّل یا گرانی نہ پائی جائے۔ رافعی سے منقول ہے: ''وحی کی ایک قسم نیند کے عالم میں آتی ہے'' اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ یہی بات صحیح ہے۔ (صفحہ ۸) ہمارے اُستاد کہتے ہیں: ''صحیح بات تو یہ ہے کہ... غشی کو اس حالت پر محمول کیا جائے جو نبیؐ کو وحی کے موقع پر لاحق ہوتی تھی اور جسے بُرحاء کہا جاتا ہے یعنی کرب کی شدت اور پسینہ'' (صفحہ ۸)

عرض مؤلف: جہاں تک سچے خواب کا تعلق ہے تو اس میں بیداری میں کچھ نہیں ہوتا جبکہ وحی تو بیداری کے عالم میں ایک کامل ادراک ہوتا ہے، لہٰذا سچا خواب وحی کے مقدمات اور علامتوں میں سے تو ہوسکتا ہے لیکن خود وحی نہیں ہوسکتا۔ اب رہ گئی بات غشی کی تو یہ آپ قارئین بھی جان چکے ہیں کہ غشی اور وحی کے موقع پر بُرحاء نامی جو حالت آپؐ پر طاری ہوتی تھی کہ جسے وحی کہا گیا ہے تمام حواس قائم رہنے کے منافی ہے اور ایسا اس لئے ہوا کہ مشاہدہ کرنے والوں نے اپنے اُمور کو مادّی فہم کے مطابق بیان کر دیا ہے جبکہ وحی کی حقیقت اس کا صاف انکار کرتی ہے۔

چوتھی قسم: (بیداری کے عالم میں) اللہ کا اپنے نبی سے بغیر کسی حجاب کے اور بلاواسطہ کلام کرنا، جس طرح کہ نماز کے فرض کیے جانے کے متعلق شبِ معراج واقع ہوا جبکہ سوائے نبیؐ کے کسی کے ساتھ ایسا واقع نہیں ہوا۔

پانچویں قسم: دل میں القا کرنا اور اس بات پر آپ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: اِنَّ روح القدس نفث فی روعی انّه لن تموت نفس حتیٰ تستکمل رزقها و اجلها. رُوح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ جب تک کوئی نفس اپنے حصہ کا سارا رزق حاصل نہ کرلے یا اپنی مدّت پوری نہ کرلے اُسے ہرگز موت نہیں آتی۔

چھٹی قسم: اللہ کا اپنے نبی سے بلاواسطہ مگر حجاب کے پیچھے سے کلام کرنا جس طرح کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ کوہِ طور پر ایسا ہی واقع ہوا۔

ساتویں قسم: الہام۔

عرضِ مؤلف: میں نہیں جانتا کہ اُستادِ علویؒ اور دیگر علمائے اَعلام رحمہم اللہ نے الہام کو وحی میں سے کیونکر شمار کرلیا جبکہ الہام تو اولیائے صالحین کو بھی حاصل ہے اور اس کا مرتبہ تو سچے خواب سے بھی کئی درجے کم تر ہے تو ایسی صورت میں اُسے وحی کیسے شمار کیا جاسکتا ہے؟!

اس کے بعد ہمارے اُستادؒ نے اپنے کلام کو یہ کہہ کر ختم کیا: "حلیمی نے ذکر کیا ہے کہ نبیؐ کے پاس چونسٹھ قسم کی وحی آتی تھیں۔ پھر ان کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ ان میں سے اکثر حاملِ وحی کے وصف کو بیان کرتی ہیں۔ (صفحہ۱۰) اُستادؒ نے بالکل ٹھیک کہا ہے اگرچہ اُن کی یہ بات درست نہیں ہے کہ "وحی دو قسموں پر منحصر ہے!" (صفحہ۱۰) یعنی جس طرح کہ آپ نے بھی جان لیا کہ گھنٹی کی جھنکار اور حضرت جبرئیلؑ کا کسی آدمی کی صورت اختیار کرنا۔ یہ بات اس لئے صحیح نہیں ہے کہ وحی نبیؐ اَطہرؐ کے دل پر حضرت جبرئیلؑ کے توسط سے نازل ہوتی تھی جس طرح کہ نبیؐ نے بھی اس کو بیان فرمایا ہے اور اس لئے بھی یہ بات صحیح نہیں کہ نبیؐ اُفق کے کنارہ پیغامبر یعنی حضرت جبرئیلؑ کو فرشتہ کے حقیقی رُوپ میں دیکھتے تھے نا کہ کسی آدمی کی صورت میں۔ نیز نبیؐ اس پیغامبر، فرستادہ اور ترسیل کو پوری توجہ کے ساتھ سنتے تھے اور اسی وجہ سے آپؐ نے انسانیت کے اعلیٰ درجات تک رسائی حاصل کی کہ آپؐ دو قوس یا اس سے بھی کم فاصلہ پر تھے۔ ان سب سے بڑھ کر آپؐ انسانِ کامل تھے۔

ان سب باتوں کی بناء پر وحی وہ روحانی حالت ہے جو مذکورہ خوبیوں پر مشتمل ہوتی ہے تاکہ حقائق کی معرفت حواسِ کاملہ کے ساتھ ہو۔

پہلا حصّہ

باعتبارِ نص احوالِ قرآن سے متعلق

نزولِ قرآن

تقریباً سارے مآخذ متفقہ طور پر یہی بتلاتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور یہ آپ کی بعثت رسالت کا دن ہے، جبکہ اہلبیتؑ سے مروی روایتوں میں اسے رجب کی ستائیسویں تاریخ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ ۶۱۰ء ہی ہونی چاہئے کیونکہ بنا بر مشہور نبی کی ولادت عام الفیل یعنی ۵۷۱ء میں ہوئی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت میں اس طرح سے ملتا ہے: "ستائیسویں رجب کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت نازل ہوئی"

علامہ مجلسیؒ نے تاریخ بعثت کے متعلق یہی کہا ہے کہ تمام شیعہ علماء اس پر متفق ہیں۔ (بحار الأنوار۔ جلد ۱۸۔ صفحہ ۱۹۰) جبکہ اس بارے میں پانچ اقوال پائے جاتے ہیں کہ باقی چار یہ ہیں: ۱۷، ۱۸ اور ۲۴ رمضان اور ۱۲ ربیع الاوّل۔

دیگر مآخذ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان میں چالیس سال کے ہوئے تھے۔

بوصیری کہتا ہے:

واتت علیه اربعون فاشرقت شمس النبوة منه فی رمضان

یعنی: اور آپ کے چالیس سال مکمل ہوئے تو رمضان میں آپ کی نبوت کا سورج چمکا

دیگر علماء نے بعثت کو ربیع الاوّل میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو آپ کی تاریخِ ولادت ہے تاکہ بعثت عین چالیسویں سال پورے ہونے پر واقع ہو۔ (السیرة الحلبیة۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۸ اور ۲۳۸)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مآخذ نے بعثت اور نزول قرآن میں تاریخی ہم آہنگی کو ضروری سمجھ لیا ہے جبکہ اہلبیتؑ کی روایتیں اس سے انکار کرتی ہیں؛ بلکہ آپ (قارئین) کو ان دونوں کے درمیان تاریخی طور پر کافی خلا نظر آئے گا۔ لہٰذا امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ سال تک مکہ میں خوف کی وجہ سے لوگوں سے مخفی رہے کہ ان کا امر ظاہر نہیں ہوا جبکہ آپؐ کے ہمراہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت خدیجہؑ بھی مخفی ہو گئے اور اس کے بعد اللہ نے انہیں حکم دیا کہ جس چیز کا اُس نے حکم دیا ہے اس کو آشکار کریں تو پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے سامنے آئے اور امر خدا کا اظہار فرمایا" (بحار الأنوار۔ جلد ۱۸۔ صفحہ ۱۷۷) مذکورہ روایت بعثت کی وحی کے نازل ہونے اور نزولِ قرآن کے درمیان پانچ سال کے خلا کی جانب اشارہ کرتی ہے جبکہ ایک دوسری روایت میں امام

جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: ''اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے وحی آنے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں تیرہ سال قیام کیا کہ جن میں سے تین سال تو خوف کی وجہ سے مخفی رہے اور ظاہر نہیں ہوئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ جس چیز کا اُس نے حکم دیا ہے اس کو آشکار کریں لہٰذا آپ نے اس وقت دعوت کا اظہار فرمایا۔ (ایضاً۔ صفحہ ۱۷۷) اور یہ ہمارے نظریہ کے عین موافق ہے، اس لئے کہ ایسا کیونکر سمجھا جا سکتا ہے کہ نزول وحی سے پہلے ہی اُس کا اظہار کر دیا جائے؟!

قرآن کریم صریحاً اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ قرآن ایک مبارک شب میں نازل ہوا جو شب قدر ہے اور یہ ماہ رمضان میں واقع ہوئی ہے۔ (تینوں) مذکورہ باتیں مندرجہ ذیل آیتوں میں بیان ہوئی ہیں:

۱۔ شهر رمضان الذی أنزل فیه القرآن. ماہ رمضان کہ اس میں قرآن کو نازل کیا گیا۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۸۵)

۲۔ انا أنزلناه فی لیلة مبارکة. بے شک ہم نے اسے (قرآن کو) مبارک شب میں نازل کیا۔ (سورۂ دخان۔ آیت ۳)

۳۔ انا أنزلناه فی لیلة القدر. بے شک ہم نے اسے (قرآن کو) شب قدر میں نازل کیا۔ (سورۂ قدر۔ آیت ۱)

پس یہ ایک ہی رات ہے کہ جس میں مذکورہ تمام صفتیں پائی جاتی ہیں۔

روزہ ماہ رمضان ہی میں کیوں فرض ہوا کے متعلق امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: ''...کیونکہ ماہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا اور اسی مہینہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی بنایا گیا'' (بحار الأنوار۔ جلد ۱۸۔ صفحہ ۱۹۰)

تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ انا أنزلناه (سورۂ قدر۔ آیت ۱) میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے اگرچہ یہ کلمہ بذات خود اس پوری سورت میں کہیں مذکور نہیں ہے۔

مذکورہ تمام آیتیں ظاہراً کئی وجوہات پر مشتمل ہیں کہ مفسرین نے ان کا ذکر کیا ہے اور اس بارے میں خصوصی طور پر وارد ہونے والی روایتوں سے اس کی تائید کی ہے۔ ان وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر قرآن لوح محفوظ سے چوتھے آسمان میں واقع بیت المعمور کی جانب نازل ہوا اور ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ نبیؐ پر مجموعی طور پر قرآن ماہ رمضان کی پہلی شب کو نازل ہوا تھا تا کہ آپؐ ان لوگوں کو اس کی تعلیم دے دیں اور لوگوں پر اس کی تلاوت کریں۔ (بحار الأنوار۔ جلد ۱۸۔ صفحہ ۲۵۳)

زرکشی (متوفی ۷۹۷ھ) نے قرآن نازل کئے جانے کی کیفیت سے متعلق تین وجوہات کا تذکرہ کیا ہے کہ جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

پہلی صورت: مجموعی طور پر دنیا میں قرآن ایک ہی مرتبہ میں شب قدر میں نازل ہوا اور اس کے بعد پورا قرآن بیس سال کے عرصہ میں نازل ہوا یا تیئس (۲۳) سال میں یا پھر پچیس سال میں۔

دوسری صورت: قرآن دنیا میں بیس سال تک بیس شبہائے قدر میں نازل ہوا۔

تیسری صورت: اس کے نازل کئے جانے کی ابتدا شب قدر سے ہوئی اور اس کے بعد پورا قرآن مختلف اوقات میں نازل ہوا۔

پھر وہ کہتا ہے کہ پہلا قول مشہور اور صحیح ترین ہے اور اکثر علما بھی اسی کے قائل ہیں۔ (جلد ا۔ صفحہ ۲۲۸) اس کے بعد تمام روایتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور عجیب وغریب بات یہ ہے کہ زرکشی نے اس شہرت کو معتبر جانا ہے جبکہ اُن قرآنی نصوص سے غافل رہا جو اس کے مجموعی طور پر نازل ہونے کی نفی کرتی ہیں:

اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے: **وقال الذین کفروا لولا نزّل علیه القرآن جملة واحدة کذلک لنثبت به فؤادک و رتّلناه ترتیلاً.** اور کفار کہنے لگے کہ اس (رسولؐ) پر قرآن ایک ہی مرتبہ میں کیوں نازل نہیں ہوا؟ (ہم نے) اسی طرح اس لئے کیا تاکہ تمہارے دل کو تسلی دیتے رہیں اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر نازل کیا۔ (سورۂ فرقان۔ آیت ۳۲)

لہٰذا یہ تو نصِ صریح ہے کہ قرآن ایک ہی مرتبہ میں نازل نہیں ہوا تو پھر اس کی مخالفت کرنے والی روایتوں سے کیونکر استنباط کیا جاسکتا ہے؟!

جہاں تک ان روایتوں کا تعلق ہے تو یہ دونوں فرقوں (شیعہ اور سنی) نے نقل کی ہیں: ان میں سے ایک تو وہ روایت ہے جسے حاکم نے کتاب مستدرک میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے: ''دنیا میں قرآن شب قدر میں ایک ہی مرتبہ میں نازل ہوا اور اس کے بعد بیس سال کے عرصہ میں'' (البرھان۔ جلد ا۔ صفحہ ۲۲۸)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''ماہِ رمضان میں قرآن ایک ہی مرتبہ میں بیت المعمور کی جانب نازل ہوا اور اس کے بعد بیت المعمور سے بیس سال کے عرصہ میں نازل کیا گیا۔'' (تفسیر العیاشی۔ جلد ا۔ صفحہ ۹۹ مطبوعہ بیروت۔ ۱۴۱۱ھ)

شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب رسالة الاعتقادات میں اسی نظریہ کو اختیار کیا ہے۔ (جلد ۱۸۔ صفحہ ۲۵۰) جبکہ شیخ مفیدؒ نے یہ کہتے ہوئے اس کا انکار کیا ہے کہ: ''...اس باب میں صرف ایک ہی حدیث ہے جس سے کسی چیز کا علم حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کیا جاسکتا ہے اور یکے بعد دیگرے واقع ہونے والے اسباب کی بناء پر قرآن کا نازل ہونا حدیث میں بیان کئے گئے مضمون کے برخلاف دلالت کرتا ہے...'' (جلد ۱۸۔ صفحہ ۱۵۰)

شیخ مفیدؒ نے بالکل بجا فرمایا ہے، کیونکہ قرآن کا مختلف واقعات وحادثات کی مناسبت سے نازل ہونا اس بات

کا تقاضا کرتا ہے کہ قرآن عین انھی مناسب اوقات میں ہی نازل ہوا ہو، نہ ان سے پہلے اور نہ ہی ان کے بعد، اس لئے کہ ہماری غرض انھی سے تعلق رکھتی ہے، جس طرح کہ اسبابِ نزول میں بھی یہی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ (فی الجملہ) ظاہر قرآن اور عقل اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ قرآن ایک ہی مرتبہ میں نازل ہوا ہے۔

اب رہ گئیں روایتیں، لہٰذا یا تو انہیں رہنے دیا جائے جس طرح کہ شیخ مفیدؒ نے کیا اور یا پھر ان کی کوئی معقول توجیہہ کی جائے، جبکہ سب سے بہترین توجیہہ تو وہی ہے جسے علامہ طباطبائیؒ نے بیان کیا ہے؛ آپ فرماتے ہیں: ''شب قدر میں قرآن نازل کئے جانے سے مراد یہ ہے کہ پوری کتاب کے حقائق کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر یکبارگی نازل کیا گیا جس طرح کہ مفصل قرآن وقفے وقفے سے کئی حالات میں بتدریج نازل کیا گیا...'' (المیزان - جلد۲ - صفحہ ۱۵)

گویا علامہ طباطبائیؒ کا مقصود قرآن کی کامل اور جامع رسالت یعنی بعثت نبویؐ ہے جو تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے اور جو عام طور سے قیامت تک کی تمام شریعتوں کو اپنے اندر شامل کئے ہوئے ہے۔ مگر، یہ توجیہہ اُسی وقت صحیح ہوگی کہ اگر لفظ "قرآن" کو اعلان کے معنٰی میں استعمال کیا جائے لیکن میرے ذہن میں ایسا کوئی شخص نہیں جو اس کا قائل ہو اگرچہ یہی حق بات ہے، کیونکہ کلمۂ قرآن سے جو چیز اخذ کی جاتی ہے وہ قرأت کے اعلان کا صیغہ اور مادّہ ہے اور یہ اسم جنس جمعی ہے جو قلیل وکثیر پر مشتمل ہوتا ہے۔ اُس قاعدہ کی رُو سے جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ چنانچہ قرآن کے نازل کئے جانے کے بارے میں مذکورہ بالا تینوں آیتوں کا مقصود شب قدر میں قرآن کے کسی جُز کو نازل کیا جانا ہے جو ماہِ رمضان کی ایک مبارک رات ہے۔ نیز جو پہلی سورت آپؐ پر نازل کی گئی اس سے ہماری مراد حاصل ہو جاتی ہے۔ مزید برآں یہ کہ آپؐ نے تمام لوگوں پر اس کا اظہار بھی فرما دیا تھا۔ جس طرح کہ پہلے بیان ہو چکا۔ اور اس کے بعد مختلف آیات کے متعدد اسباب اور مناسبتوں سے نازل ہونے کے ذریعہ نزول قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔

اجمالی طور پر حیاتِ نبویؐ کے متعلق منقولہ تاریخیں نزول قرآن کی بعض تاریخوں پر بھی روشنی ڈالتی ہیں:

۵۷۰ء نبی کی ولادت، عام الفیل۔

۵۹۵ء نبیؐ کا حضرت خدیجہؓ سے شادی کرنا جبکہ آپؐ کی عمر ۲۵ سال تھی۔

۶۱۰ء اس سال کی ستائیسویں رجب کو نبیؐ کو رسالت پر مبعوث کیا گیا۔

۶۱۳ء اس سال ماہِ رمضان میں شب قدر میں نزول قرآن اور اعلانِ دعوت کی ابتدا ہوئی۔

۶۲۳ء مدینہ کی جانب ہجرت کرنا اور یہی ہجری تقویم کا پہلا سال ہے۔

۶۳۲ء - بمطابق گیارہ ہجری۔ اس سال مدینہ میں نبیؐ کی وفات ہوئی۔

سب سے پہلا اور سب سے آخری نزول

دورِ رسالتؐ میں مسلمانوں کی زیادہ تر توجہ ترسیلِ قرآن پر مرکوز تھی جبکہ دیگر پہلوؤں پر بہت کم۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے دور میں نزولِ قرآن کے تاریخی تسلسل پر توجہ مرکوز نہ رہی اور بنابریں روایتیں ایک دوسرے سے مختلف نظر آتی ہیں۔ نیز یہی وجہ تھی کہ سب سے پہلے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی (قرآنی وحی) کے تعین سے متعلق کئی اقوال پائے جاتے ہیں اور اس مسئلہ کی تہ تک پہنچنے کے لئے پوری پوری سورتوں اور متفرق آیات پر نظر ڈالنا ضروری ہے اور پھر مکہ، مکہ سے مدینہ تک کے سفر اور مدینہ کے زمانی فاصلہ کو ملاحظہ کرنا بھی از بس ہے۔ بطورِ عموی سب سے پہلے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت کے متعلق جو اقوال پائے جاتے ہیں ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

پہلا قول: سورۂ علق اور یہی صحیح ہے (سیوطی کی نظر میں) کیونکہ اس کے متعلق شیخین (امام بخاری اور امام مسلم) وغیرہ... نے حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے۔

دوسرا قول: سورۂ مدثر: اس کے متعلق بھی شیخین نے حضرت امّ سلمہؓ سے روایت نقل کی ہے۔

تیسرا قول: سورۂ فاتحہ: کتاب کشاف میں لکھا ہے کہ اکثر مفسّرین اسی نظریہ کے قائل ہیں۔

چوتھا قول: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: ابن نقیب نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اسی کو نقل کیا ہے۔ **(الإتقان - جلد۱ - صفحہ۲۳-۲۴** کی جانب رجوع کیا جائے)

عرضِ مؤلف: مندرجہ بالا اقوال پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ان کا مرجع تین باتیں ہیں: بلاشبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی ہر سورت کی آیت ہے سوائے سورۂ توبہ کے۔ ہم نے جو بیان کیا تھا کہ مادّہ اور اشتقاق کے اعتبار سے قرآن کا مطلب وحی کا اعلان کرنا ہے تو اس بناء پر ضروری ہے کہ ہر سورہ کی ابتدا اِقْرَأْ سے ہو، کیونکہ یہ اعلان کا حکم ہے۔ یہی بات اہلبیتؑ سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اِقْرَأْ باسم ربک ... کو نازل کیا گیا'' (جلد۲- صفحہ۳۹) نیز ممکن ہے کہ آخری دو اقوال کی توجیہ یوں پیش کی جائے کہ اوّلیت نسبتی ہے یعنی وحی کا سلسلہ رُک جانے کے بعد (جب یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو) سب سے پہلے

نازل ہونے والی سورت مدثر ہے جس طرح کہ صحیح بخاری کی روایت اسی توجیہ کا تقاضا کرتی ہے۔(جلد۱۔ صفحہ۴)
یہی صورت سورۂ فاتحہ کی بھی ہے یعنی نبیؐ کی سرپرستی میں قرآن کو ترتیب دینے کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی یہی سورت ہے اور اسی وجہ سے اس کو فاتحۃ الکتاب سے موسوم کیا گیا یعنی مقدمہ کتاب؛ اس کے علاوہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مستفیضہ کے طور پر آپ کا یہ فرمان نقل کیا ہے: ''فاتحۃ الکتاب کے بغیر نماز نہیں ہوتی!'' (صحیح مسلم کی طرف رجوع کیا جائے۔ جلد۲۔ صفحہ۹)

سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت

اسی طرح سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت کے متعلق مختلف روایتیں نقل کی گئی ہیں:
زرکشی کہتا ہے: ''مسلم نے روایت نقل کی ہے کہ سب سے آخر میں سورۂ نصر نازل ہوئی'' (جلد۱۔ صفحہ۲۱)
امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''...آپؐ پر سب سے آخر میں إذا جاء نصر الله نازل ہوئی'' (جلد۲۔ صفحہ۳۹)

اس روایت میں غور کرنے پر پتا چلتا ہے کہ آخری ہونا بھی نسبتی ہے (یعنی دیگر سورتوں کی نسبت) اور مستفیضہ روایتیں کہتی ہیں کہ سورۂ نصر فتح مکہ والے سال میں نازل ہوئی لہٰذا یہ مکہ میں نازل ہونے والی سب سے آخری سورت ہے جب کہ اس کا مطلب یہی نہیں نکلتا کہ مدینہ میں یا مکہ اور مدینہ کے مابین رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں آپؐ پر سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت یہی ہے۔ یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت کے متعلق جو بے شمار اقوال پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب نسبتی ہیں چنانچہ یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی حوالہ سے اور نص قرآنی کے مدلول (جس پر دلالت کی جائے) میں اس کے متعلق غور کیا جائے۔ سوچ بچار سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: **الیوم اکملتُ لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الإسلام دیناً** آج کے دن میں نے تم لوگوں کے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا (سورۂ مائدہ۔ آیت۳) قرآن کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے، کیونکہ اس کا مدلول اسلامی رسالت کی تکمیل کی وضاحت کرتا ہے جو ترسیل قرآن ہے۔

نظریۂ اہلبیتؑ اسی بات کی تاکید کرتا ہے۔ یہ آیت غدیر کے مقام پر نازل ہوئی کہ جب رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھارہ ذی الحج ۱۰ھ کو یعنی آپؐ کی وفات سے چند روز قبل ہی مکہ سے مدینہ کی طرف واپس جا رہے تھے۔

یعقوبی (متوفی-۲۸۴ھ) نے مکہ میں نازل ہونے والی قرآنی آیتوں کی ترتیب کو محمد ابن حفص ابن اسد کوفی کے ذریعہ نقل کیا ہے، اس نے محمد ابن کثیر اور محمد ابن سائب کلبی سے، اس نے ابوصالح سے اور اس نے ابن عباسؓ سے۔ نیز ان کو (ایک ایک کر کے) شمار کیا ہے اور اس میں نازل ہونے والی پہلی سورت اِقرا جبکہ سب سے آخری سورت **عنکبوت** ہے۔ (**تاریخ الیعقوبی**- جلد۲ صفحہ ۳۳ اور ۳۴)

یعقوبی نے مدینہ میں نازل ہونے والی آیتوں کو بروایت ابن عباسؓ بیان نہیں کیا، بلکہ اس نے بغیر کسی نسبت کے ان کی تعداد کو بیان کیا ہے اور یہ کہ سب سے پہلی سورت **ویل للمطففین** اور سب سے آخری سورتیں **معوّذتین** ہیں۔ (دیکھیے صفحہ ۴۳)

ابن ندیم (متوفی-۳۸۰ھ) کہتا ہے: ''مکہ میں پچاسی (۸۵) سورتیں نازل ہوئی ہیں جبکہ مدینہ میں اٹھائیس سورتیں'' یہ قول اس نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد سورۂ بقرہ سے شروع کرتے ہوئے **معوذات** تک مدینہ میں نازل ہونے والی آیتوں کو شمار کیا جبکہ مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں کو شمار نہیں کیا، بلکہ اس قول پر اکتفا کیا ہے: ''اور پھر سارا قرآن'' (**الفہرست**- صفحہ ۲۸)

ابن ندیم نے محمد ابن نعمان ابن بشیر سے روایت نقل کی ہے کہ اس نے کہا: ''نبیؐ پر قرآن میں سب سے پہلے نازل ہونے والی آیتیں **اِقرأ باسم ربک الذی خلق** سے لے کر **علّم الإنسان ما لم یعلم** ہیں اور اس کے بعد **یا ایھا المزمّل** اور مکہ کے راستہ میں یہ سب سے آخر میں نازل ہوئی؛ اس کے بعد سورۂ مدثر۔ (**الفہرست**- صفحہ ۲۸)

انہی کے ہمعصر محمد عزۃ دروزہ نے اپنی کتاب **التفسیر الحدیث** میں تمام سورتوں کو حسب نزول ترتیب وار بیان کیا ہے اور اس میں اس نے سورۂ فاتحہ سے ابتدا کی ہے اور اس کے بعد سورۂ علق سے سورۂ نصر تک۔ نیز اسی ترتیب پر خطی نسخوں میں بھی اعتماد کیا گیا ہے۔ لوگوں کو وہ نسخہ حاصل ہوا ہے جو مصر کی وزارت داخلہ کی تصریح پر طبع ہوا ہے جبکہ اُس قرآن میں حسب نزول سورتوں کی ترتیب کو **مطالع السور** سے حاصل کیا گیا ہے۔ (**التفسیر الحدیث** - جلد۱- صفحہ ۱۴ تا ۱۵- مطبوعہ حلبی ۱۳۸۰ھ) جبکہ شہرستانی (متوفی-۵۴۸ھ) نے اپنی کتاب **مفاتیح الأسرار** کی پہلی جلد کے صفحہ ۷ تا ۱۱

مطبوعہ ۱۴۰۹ھ میں دو جدولیں نزولِ قرآن کی ترتیب میں بیان کی ہیں اور قرآنی نسخوں میں موجودہ سورتوں کا ذکر کیا ہے۔

پہلی جدول میں اقسام کے لحاظ سے نزولِ قرآن کی ترتیب کو پانچ کالموں میں بیان کیا ہے اور اس کے پہلے کالم میں حروف ابجد کے حساب سے گنتی کی ہے:

۱۔اس کے بعد مقاتل کی وہ روایت ہے جسے اُس نے اپنے ساتھیوں سے نقل کیا ہے۔

۲۔اس کے بعد مقاتل کی وہ روایت ہے جسے مقاتل نے حضرت علی کرّم اللہ وجھہ سے نقل کیا ہے۔

۳۔اس کے بعد ابن عباسؓ کی روایت ہے۔

۴۔اس کے بعد ابوواقد کی روایت ہے۔

۵۔اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت ہے۔

یہ جدول پانچ صفحات پر مشتمل ہے -(الف ۷ سے الف ۹ تک)۔

جبکہ دوسری جدول قرآنی نسخوں میں موجودہ سورتوں کے متعلق ہے۔ یہ جدول بھی چند کالموں پر مشتمل ہے اور اس کے پہلے کالم میں بھی حروف ابجد کے حساب سے گنتی کی گئی ہے:

۱۔اس کے بعد حضرت عثمانؓ ابن عفان کا نسخہ۔

۲۔اس کے بعد عبداللہؓ ابن مسعود کا نسخہ۔

۳۔اس کے بعد اُبیؓ ابن کعبؓ کا نسخہ۔

۴۔اس کے بعد محمد ابن خالد برقی کی وہ روایت ہے جسے اس نے ... سے نقل کیا ہے۔(اُس شخص کا نام مٹا ہوا ہے)

۵۔اس کے بعد ابن واضح کی تاریخ سے منقول نسخہ ہے۔(الیعقوبی)

یہ جدول بھی پانچ صفحات پر مشتمل ہے -(۹ب سے لے کر ااب تک)۔

شہرستانی نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ یہ دونوں جدولیں اس نے اسی طرح پائی ہیں جس طرح کہ اس نے دیکھ کر نقل کیا ہے۔ جو کچھ اس نے بیان کیا لفظ بہ لفظ وہ اس طرح سے ہے: "...البتہ ان سورتوں کو میں نے مختلف روایتوں کی بناء پر نقل کیا ہے جو بتاتی ہیں کہ نزولِ قرآن کیونکر ہوا اور ان میں سے کون سی مکی ہیں اور کون سی مدنی۔ نیز یہ کہ "مصاحف خمسہ" میں انہیں کس طرح تحریر کیا گیا ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اس سلسلہ میں راویانِ حدیث

کے اختلاف کی بناء پر انہیں چند جداول میں جمع کیا گیا ہے لہٰذا ہم نے انہیں من وعن نقل کر دیا جبکہ (یاد رہے کہ) نقل کرنے والے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی'' (مفاتیح الأسرار - جلد۱ - صفحہ ۶ ب - مطبوعہ ۱۴۰۹ھ)

شہرستانی کی عبارت بالکل واضح ہے اور میں نہیں جانتا کہ ابوعبداللہ زنجانی نے اپنی کتاب تاریخ القرآن میں اس عنوان "جس طرح کہ شہرستانی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کے مصحف میں سورتوں کی ترتیب" کو کیسے شامل کرلیا؟! (تاریخ القرآن - صفحہ ۵) کیونکہ سورتوں کی یہ ترتیب ہے اور نہ ہی شہرستانی نے انہیں مصحف امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے، بلکہ صرف اس ایک جدول کو نقل کیا ہے جو نزولِ قرآن سے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت کے مطابق ہے جبکہ دوسری جدول میں تو امام جعفر صادق علیہ السلام سے کوئی شے بھی نقل نہیں کی۔ اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب بات تو یہ ہے کہ ابراہیم انباری نے اپنی کتاب الموسوعۃ القرآنیۃ - مطبوعہ ۱۳۸۸ھ کے صفحہ ۴۹ پر ایک جدول تحریر کی ہے اور اس نے بھی اس جدول کو مؤلف شہرستانی سے نقل کیا ہے لیکن اس کے بعد اس نے ذکر کیا ہے ''مصحف حبشی الصادق'' جو کہ غلط ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں اس طرح کہنا بڑے شرم کی بات ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ صفحہ ۴۹ تا ۵۳ یہ غلطی کئی مرتبہ دہرائی گئی۔

نزولِ قرآن کی جدول

شہرستانی(متوفی-۵۴۸ھ) کی کتاب مفاتیح الأسرار سے اقتباس

ترتیب	بروایت ابن عباسؓ	بروایت امام جعفر صادق علیہ السلام	ترتیب	بروایت ابن عباسؓ	بروایت امام جعفر صادق علیہ السلام
۱	اقرأ	اقرأ	۱۸	فیل	فیل
۲	ن	ن	۱۹	کافرون	فلق
۳	والضحیٰ	مزمل	۲۰	اخلاص	الناس
۴	مزمل	مدثر	۲۱	نجم	اخلاص
۵	مدثر	تبت یدا	۲۲	اعمیٰ	نجم
۶	فاتحہ	کورت	۲۳	قدر	اعمیٰ
۷	تبت یدا	اعلیٰ	۲۴	والشمس	قدر
۸	کورت	واللیل	۲۵	بروج	والشمس
۹	اعلیٰ	فجر	۲۶	تین	بروج
۱۰	واللیل	والضحیٰ	۲۷	قریش	تین
۱۱	فجر	الم نشرح	۲۸	قارعہ	قریش
۱۲	الم نشرح	والعصر	۲۹	قیامت	قارعہ
۱۳	رحمن	والعادیات	۳۰	ھمزہ	قیامت
۱۴	والعصر	کوثر	۳۱	مرسلات	ھمزہ
۱۵	کوثر	تکاثر	۳۲	ق	مرسلات
۱۶	تکاثر	دین	۳۳	بلد	ق
۱۷	دین	کافرون	۳۴	طارق	بلد

ترتیب	بروایت ابن عباسؓ	بروایت امام جعفر صادقؑ	ترتیب	بروایت ابن عباسؓ	بروایت امام جعفر صادقؑ
۳۵	قمر	طارق	۵۶	زمر	لقمان
۳۶	ص	قمر	۵۷	مؤمن	سبأ
۳۷	أعراف	ص	۵۸	حم سجدہ	زمر
۳۸	جن	أعراف	۵۹	حم عسق	مؤمن
۳۹	یٰس	جن	۶۰	زخرف	حم سجدہ
۴۰	فرقان	یٰس	۶۱	دخان	حم عسق
۴۱	ملائکہ	فرقان	۶۲	جاثیہ	زخرف
۴۲	مریم	ملائکہ	۶۳	أحقاف	دخان
۴۳	طٰہٰ	مریم	۶۴	ذاریات	جاثیہ
۴۴	شعراء	طٰہٰ	۶۵	غاشیہ	أحقاف
۴۵	نمل	واقعہ	۶۶	کہف	ذاریات
۴۶	قصص	شعراء	۶۷	نحل	غاشیہ
۴۷	بنی اسرائیل	نمل	۶۸	نوح	کہف
۴۸	یونس	قصص	۶۹	ابراہیم	نحل
۴۹	ہود	بنی اسرائیل	۷۰	انبیاء	نوح
۵۰	یوسف	یونس	۷۱	مؤمنون	ابراہیم
۵۱	حجر	ہود	۷۲	رعد	انبیاء
۵۲	أنعام	یوسف	۷۳	طور	مؤمنون
۵۳	صافات	حجر	۷۴	ملک	الم سجدہ
۵۴	لقمان	أنعام	۷۵	حاقہ	طور
۵۵	سبأ	صافات	۷۶	معارج	ملک

ترتیب	ابن عباسؓ	صادق	ترتیب	ابن عباسؓ	جعفر صادق
۷۷	نساء	حاقه	۹۶	محمد	رحمٰن
۷۸	نازعات	نساء	۹۷	انسان	انسان
۷۹	انفطرت	نازعات	۹۸	طلاق	طلاق
۸۰	انشقت	انفطرت	۹۹	لم یکن	لم یکن
۸۱	روم	معارج	۱۰۰	جمعه	حشر
۸۲	عنکبوت	انشقت	۱۰۱	الم سجده	نصر
۸۳	مطففون	روم	۱۰۲	منافقون	نور
۸۴	بقره	عنکبوت	۱۰۳	مجادله	حج
۸۵	انفال	مطففون	۱۰۴	حجرات	منافقون
۸۶	آل عمران	بقره	۱۰۵	تحریم	مجادله
۸۷	حشر	انفال	۱۰۶	تغابن	حجرات
۸۸	احزاب	آل عمران	۱۰۷	صف	تحریم
۸۹	نور	احزاب	۱۰۸	مائده	صف
۹۰	ممتحنه	ممتحنه	۱۰۹	توبه	جمعه
۹۱	فتح	نساء	۱۱۰	نصر	تغابن
۹۲	نساء	اذازلزلت	۱۱۱	واقعه	فتح
۹۳	اذازلزلت	حدید	۱۱۲	والعادیات	توبه
۹۴	حج	محمدؐ	۱۱۳	فلق	مائده
۹۵	حدید	رعد	۱۱۴	الناس	☆

☆ مؤلف کتاب مفاتیح الاسرار نے سورۂ فاتحہ کو نقل نہیں کیا، کہتا ہے: یہ اور سورۂ بقرہ ایک الگ یادداشت پر تحریر ہیں اور باقی تمام اس میں ہیں جبکہ معوذتین حاشیہ میں تحریر ہیں۔

سورتیں

علوم قرآن سے متعلق روایتیں ایسی باتوں پر مشتمل ہیں جو چند سورتوں کی کچھ مخصوص صفات بیان کرتی ہیں۔ جیسے طوال، مئین، مثانی اور مفصلات، جو ۱۱۴ سورتوں پر مشتمل ہیں۔

تو پھر سورت کی نام گذاری سے کیا مراد ہے؟!

نیز ایک سورت کو دوسری سورت سے ممتاز کرنے کا کیا معیار ہے؟!

ابن منظور افریقی (متوفی-۷۱۱ھ) کہتا ہے: ''سورۃ یعنی جس کو نازل کیا گیا اور اس کی جمع سُوَر اور سُوْر ہے... اور اسی وجہ سے سورۃ القرآن (قرآن کی سورت) کہتے ہیں، کیونکہ یہ ایک کے بعد ایک نازل کی گئیں جو باہم جدا ہوتی تھیں اور اس کی جمع سُوَر ہے یعنی واؤ پر زبر ہوگا...''

ابن سیدہ کہتا ہے: ''قرآن کی سورت کو سورۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے علاوہ (دوسری سورت) کی جانب ایک سیڑھی ہے اور اس کو ہمزہ کے ساتھ پڑھیں گے تو اس کے معنیٰ ''ایک ٹکڑے میں بقیہ قرآن'' کے ہوں گے...'' (لسان العرب- جلد- صفحہ ۲۴۷)

قرآن کریم میں لفظ سورۃ کی جمع صرف ایک مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فأتوا بعشر سور مثله مفتريات**. تو تم لوگ ایسی دس سورتیں اپنی طرف سے گڑھ کر لے آؤ (سورۂ ھود- آیت ۱۳) جبکہ بطور مفرد ۹ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے ایک فرمان خدا یہ ہے: **وإن كنتم في ريب مما نزّلنا على عبدنا فأتوا بسورة من مثله**. اور جو کچھ ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے اگر تم لوگ اس میں شک کرتے ہو تو تم لوگ اس جیسی کوئی ایک سورت (ہی) لے آؤ۔ (سورۂ بقرہ- آیت ۲۳)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **يحذر المنافقون أن تنزل عليهم سورة تنبئهم بما في قلوبهم**. منافق لوگ ڈرتے ہیں کہ مبادا اُن پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو انہیں اُن کے دل کی باتیں بتلادے۔ (سورۂ توبہ- آیت ۶۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **قل فأتوا بسورة مثله وادعوا من استطعتم من دون الله**. (اے رسولؐ) کہہ دو کہ تم لوگ اس جیسی کوئی ایک سورت (ہی) لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جس کسی کو پکار سکتے ہو پکار لو۔ (سورۂ یونس- آیت ۳۸)

تھانوی (حدود ۱۱۵۸ھ) نے کہا ہے: ''شرعی طور پر سُورۃ (پیش کے ساتھ) بعض قرآن کو کہتے ہیں جو

چندآیتوں پر مشتمل ہو کہ جس کی ابتدا اور انتہا ہو اور کم از کم اس میں تین آیتیں ہونی چاہئیں" اور اسی طرح ہجری نے بھی کہا ہے۔ نیز سُوْر پیش کے ساتھ اور واؤ پر ساکن ہوگا یا زبر (سَوَر) اس کی جمع ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے سورۃ اس مجموعہ کا نام ہے جس کی توقیفی ترجمانی کی گئی ہو یعنی قرآن کا وہ حصہ جسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیف (وقف کی نشاندہی کرنے) پر ایک خاص نام دیا گیا ہو۔ احادیث وآثار اسلامی کی نشاندہی پر سورتوں کے اسماء ثابت ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورت نازل شدہ کلام مبین کا کچھ حصہ ہوتا ہے اور اس کے ابتدا اور انتہا کی نشاندہی شارع نے کردی ہوتی ہے خواہ وہ قرآن ہو یا قرآن کے علاوہ کوئی نازل شدہ کلام ہو؛ اس کی دلیل میں کہا جاتا ہے: "زبور کی سورت اور انجیل کی سورت" اسی طرح سے تلویح میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ (کشاف اصطلاحات الفنون)

عرض مؤلف: آجکل پہلے معنٰی ہی سمجھے جاتے ہیں اور کسی دوسرے معنٰی کو نہیں لیا جاتا۔

راغب (متوفی-۵۰۳ھ) کہتا ہے: "سورۃ نازل ہونے والا بلند پایہ کلام ہے اور سور المدینہ شہر کی فصیل کو کہتے ہیں۔ نیز قرآن کی سورت بھی اسی کے تشبیہی معنٰی کی حامل ہے کیونکہ اس کا بھی احاطہ ہوتا ہے جس طرح کہ شہر کی فصیل کا احاطہ ہوتا ہے یا پھر اس لئے کہ یہ ایک منزل ہے جیسے چاند کی منزلیں۔ نیز جو شخص یہ کہتا ہے کہ سؤرۃ تو یہ أسأرت سے ہے یعنی اس کا باقی ماندہ حصہ گویا کہ پورے قرآن کا ایک علیحدہ ٹکڑا" (المفردات- صفحہ۲۵۴)

اس مادّہ کے مفرد استعمال سے اس چیز کا افادہ حاصل ہوتا ہے کہ اس کے جامع معنٰی یہ ہیں: "یہ ایک ایسی شے ہے جس نے کسی دوسری شے کا احاطہ کیا ہو، البتہ بالکل جامع اور کامل احاطہ جیسے کوئی مستقل ٹکڑا جو اس کا جزو لاینفک ہو" اسی وجہ سے شراب کے انتہائی جوش کے موقع پر شراب کو سـورۃ کہا گیا ہے۔ اسی طرح دیگر اشیاء جیسے شہر کی فصیل کہ جسے مستقل حیثیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کی سورت کے معنٰی اس کے مستقل ٹکڑے کے ہوں گے نہ کہ اس سے مراد صرف ۱۱۴ قرآنی سورتیں ہوگی کہ جن سے مل کر قرآن تالیف ہوتا ہے، بلکہ ہر وہ مستقل ٹکڑا جو ایک کامل موضوع کا حامل ہو۔ یہی معنٰی آجکل کی رائج اصطلاحات جیسے مقطع، رکوع اور اس جیسی دیگر اصطلاحات سے مشابہ ترین ہیں۔

یہ سب لغوی اعتبار سے ہے!

سورت کا تعین

کسی بھی سورت کا تعین اُن آیات کے ذریعہ نہیں ہوتا کہ جن کی وحی سلسلہ وار نازل ہوئی ہو، کیونکہ طوالت واختصار میں یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں کہ ان میں سب سے چھوٹی سورت کوثر ہے جس کی صرف تین آیتیں ہیں جبکہ سب سے طویل سورت بقرہ ہے کہ جس کی ۲۸۶ آیتیں ہیں، جیسے کہ یہ ایک ہی موضوع سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی سورت کے مضامین باہم بہت مختلف ہیں۔ بنابریں سورت کی حد بندی کا واحد طریقہ وہی ہے جو زمانہ رسولؐ سے رائج ہے اور ایسا آپ کی سرپرستی میں ہوا اور آپؐ نے اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا۔

سیوطی (متوفی-۹۱۱ھ) کہتا ہے: ''کہا جاتا ہے کہ قرآن کی سورتیں وضع کیے جانے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ ہر سورت بذات خود ایک معجزہ اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور یہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ ہر سورت ایک مستقل ٹکڑا ہے؛ سورۂ یوسف حضرت یوسفؑ کے قصہ کی ترجمانی کرتی ہے اور سورۂ برائت (توبہ) منافقوں کے حالات کی ترجمانی کرتی ہے اور اُن کے احوال کو دوسروں پر واضح کرتی ہے۔ اسی طرح طویل، متوسط اور چھوٹی سورتیں اس بات کی تنبیہ کرتی ہیں کہ طوالت معجزہ ہونے کی شرط نہیں ہے، جس طرح کہ سورۂ کوثر محض تین آیتوں پر مشتمل ہے'' (الاتقان- جلد۱- صفحہ ۲۶)۔

بھری کہتا ہے: ''کسی بھی سورت کی انتہا قرآن ہے جو چند ایسی آیتوں پر مشتمل ہوتی ہے کہ جس کی تمہید اور اختتام بھی ہوتے ہیں اور سورت میں کم از کم تین آیتیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کو سورتوں میں تقسیم کرنے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟! تو میں کہوں گا: اس میں وہی حکمت پائی جاتی ہے جو سورتوں کو آیتوں میں تقسیم کرنے میں ہے؛ ہر آیت کا اختتام ہوتا ہے اور تمہید بھی تا کہ ہر سورت بلکہ ہر آیت ایک مستقل فن اور معتبر قرآن ٹھہرے'' (البرھان- جلد۱- صفحہ ۲۶۴)

بھری رحمہ اللہ کا کلام چھوٹی چھوٹی سورتوں کی بابت تو بالکل ٹھیک ہے، کیونکہ اُن کا (عام طور سے) ایک ہی عنوان ہوتا ہے اور ہماری آجکل کی تعبیر کے حساب سے یہ مقدمہ، تمہید اور اختتام پر مشتمل ہوتی ہیں، لیکن یہ بات طویل سورتوں پر صحیح نہیں بیٹھتی کیونکہ ان کو کئی مختلف موضوعات میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہر موضوع کے لئے ایک تمہید اور اختتام ہیں۔ مثلاً آیت الکرسی کہ یہ ایک آیت شمار ہوتی ہے جبکہ ایک سورت شمار نہیں ہوتی، بلکہ محض سورۂ بقرہ کی ایک آیت شمار ہوتی ہے! بنابریں بہتر یہ ہوگا کہ سورت کی حد بندی کے لئے یہ طے کیا جائے کہ یہ قرآن ہی کا ایک حصہ ہے جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قرآن کے دیگر حصوں سے ایک مستقل حصہ قرار دیا ہے اور ایسا کرنا یا تو ایک ہی موضوع ہونے کی بناء پر

ہے ۔جیسا کہ اکثر چھوٹی چھوٹی سورتوں میں نظر آتا ہے۔ یا پھر ان کے مقصود و مراد کے ایک ہونے کی بناء پر ایسا کیا گیا ہے جیسے مدنی معاشرہ میں ایک خاص قانون سازی جس طرح کہ یہی صورت حال سورۂ بقرہ میں ملتی ہے اور اس جیسی دیگر سورتوں میں بھی...اگر چہ ہم مقصود و مراد کو تفصیل سے نہیں جانتے۔

سورتوں کی ترتیب

قرآن کی جمع آوری سے متعلق روایتیں اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ یہ سب عہدِ رسالت ہی میں سرانجام پایا تھا اور یہ تو ایک طبیعی امر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود اس کا اہتمام کیا ہوگا، کیونکہ آپؐ ہی نے کاتبانِ وحی کو قرآن کی کتابت کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

حاکم اپنی مستدرک میں کہتا ہے: ''قرآن کو تین مرتبہ جمع کیا گیا کہ اُن میں سے ایک مرتبہ تو نبی کی موجودگی میں ہی ایسا ہوا'' اس کے بعد اس نے اپنی سند کے ذریعہ زید ابن ثابت سے روایت نقل کی ہے: ''ہم لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے اور قرآن کو رقعوں میں جمع کر رہے تھے'' (الإتقان - جلد ۱ - صفحہ ۵۷) اس بیان سے یہ بات لازم آتی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ہی قرآن کو ترتیب دیا گیا اور اس میں آپ کی رضامندی شامل تھی یا کم از کم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمنے اس سے منع نہیں فرمایا۔

قاضی ابو بکر باقلانی کتاب الانتصار میں رقمطراز ہے: ''...ممکن ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سورتوں کو ترتیب دیا ہو جبکہ یہ بھی (ممکن ہے) کہ اپنے بعد اس کام کو اپنی اُمت کے سپرد کر دیا ہو اور بذات خود اس عمل کو انجام نہ دیا ہو'' وہ کہتا ہے: ''یہ دوسرا امکان درستگی سے قریب تر نظر آتا ہے'' (الإتقان - جلد ۱ - صفحہ ۶۱)

بظاہر سورتوں کی ترتیب اگر چہ حسب نزول نہیں ہے مگر سورتیں چھوٹی چھوٹی نسبی آیتوں پر مشتمل ہیں جو ترتیب میں پیچھے رہ گئیں اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ آیتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔غور و خوض سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی سورتیں کہ جنہیں مفصلات کہا جاتا ہے مکہ میں حفظ کی گئیں جبکہ طویل سورتوں کو حفظ کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس طاقت وقدرت اور کافی وقت نہیں تھا، لیکن مدینہ میں معاملہ اس کے برعکس تھا، کیونکہ مسلمانوں کے پاس قوت وقدرت کے ساتھ ساتھ وقت بھی تھا کہ جن کی بدولت وہ طویل سورتوں کو حفظ کر سکے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے: ''مجھے طوال توریت کی جگہ عطا کی گئیں، مئین مجھے انجیل کی جگہ عطا ہوئیں اور مثانی مجھے زبور کی جگہ عطا کی گئیں جبکہ مفصل کے ذریعہ مجھے فضیلت حاصل ہے: یہ اڑسٹھ سورتیں ہیں'' (بحار الأنوار - جلد۹۲ - صفحہ۲۷)

شہرستانی (متوفی-۵۴۸ھ) نے اسے کتاب الاستغناء کے حوالہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے: ''مجھے توریت کی جگہ سبع طوال عطا کی گئیں، مئین مجھے انجیل کی جگہ عطا ہوئیں اور مثانی مجھے زبور کی جگہ عطا کی گئیں جبکہ مجھے مفصل کے ذریعہ فضیلت دی گئی'' (مفاتیح الأسرار - جلد۱ - صفحہ۱۲)

مذکورہ روایت میں سورتوں کی ترتیب کا تعین چار قسموں پر مشتمل ہے:

۱۔ سبع طوال

۲۔ مئین

۳۔ مثانی

۴۔ مفصلات

ان اقسام کی بعض سورتوں کے شمار میں صحابہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

سبعِ طوال

ابن عباسؓ سے مروی ہے: ''میں نے عثمانؓ سے کہا کہ وہ کون سی شے ہے جس کی وجہ سے آپ لوگ سورۂ انفال کو سبعِ طوال میں شامل کرتے ہیں جبکہ یہ تو مثانی میں سے ہے اور سورۂ برائت (سورۂ توبہ) کو بھی جبکہ وہ تو مئین میں شمار ہوتی ہے؛ آپ لوگوں نے ان دونوں سورتوں کو ملا دیا ہے اور ان دونوں کے مابین بسم اللہ الرحمن الرحیم کو تحریر نہیں کرتے جبکہ ان دونوں کو سبعِ طوال میں شامل کر لیا ہے؟!

حضرت عثمانؓ کہنے لگے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کئی سورتیں نازل ہوئیں، چنانچہ جب کبھی آپؐ پر کوئی قرآنی وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ ان کی کتابت کرنے والوں کو بلا بھیجتے اور فرماتے کہ ان آیات کو اُس سورت میں شامل کرلو جس کا آپؐ اس اس طرح ذکر کریں اور چونکہ سورۂ انفال مدینہ میں نازل ہونے والی پہلی سورتوں میں

سے ایک تھی جبکہ سورۂ برائت نزول کے لحاظ سے قرآن کا آخری حصہ تھا اور اس کا قصہ اُس (سورۂ انفال) سے ملتا جلتا تھا تو میں نے یہ گمان کرلیا کہ یہ اُسی کا حصہ ہے۔اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس دنیا سے رُخصت ہو گئے مگر یہ بیان نہیں کیا کہ آیا یہ اسی کا حصہ ہے؛ اسی وجہ سے میں نے ان دونوں سورتوں کو باہم ملا دیا اور ان دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی ایک سطر تحریر نہیں کی ، بلکہ اُس کو سبع طوال میں شامل کرلیا'' (الاتقان- جلدا- صفحہ۶۰)

سیوطی کا یہ کلام قرآن کو سات منزلوں میں تقسیم کرنے سے قریب تر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کلام کو مندرجہ ذیل روایت سے اخذ کیا گیا ہو:

حذیفہ ثقفی سے مروی ہے: ''میں اُس وفد میں شامل تھا کہ جس نے ثقیف سے آکر اسلام قبول کیا تھا-اور حدیث میں ہے-تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہم سے فرمایا: ''مجھ پر قرآن کی ایک منزل نازل کی گئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تاوقتِ مرگ اس کو ظاہر نہ کروں'' چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اُصحاب نے ہم سے دریافت کیا تو ہم نے کہا: ''آپ لوگ قرآن کو منزلوں میں کس طرح سے تقسیم کرتے ہیں؟'' وہ کہنے لگے: ''ہم قرآن کو (بالترتیب) منزلوں میں اس طرح سے تقسیم کرتے ہیں: تین سورتیں، پانچ سورتیں، سات سورتیں، نو سورتیں، گیارہ سورتیں، تیرہ سورتیں اور منزل مفصل یعنی سورۂ ق سے لے کر آخر قرآن تک''

سیوطی کہتا ہے: ''یہ (مذکورہ روایت) اس بات کی دلیل ہے کہ فی زمانہ قرآن میں موجودہ ترتیب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ سے پائی جاتی ہے'' وہ کہتا ہے: ''نیز یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ اس موقع پر جو چیز مرتب کردی گئی تھی وہ صرف منزلِ مفصل ہے نہ کہ دیگر منزلیں'' (الاتقان- جلدا- صفحہ۶۳)

عہدِ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم)

ثقفی کی روایت کے مطابق قرآن مندرجہ ذیل سات منزلوں پر مشتمل ہوگا:

۱۔سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران سے سورۂ نساء تک

۲۔سورۂ مائدہ سے سورۂ توبہ تک

۳۔سورۂ یونس سے سورۂ نحل تک

۴۔سورۂ بنی اسرائیل سے سورۂ فرقان تک

۵۔سورۂ شعراء سے سورۂ یٰس تک

۶۔سورۂ صافات سے سورۂ حجرات تک

۷۔سورۂ ق سے لے کر آخرِ قرآن تک

بظاہر آخر تک ہر اگلی منزل میں گذشتہ منزل کے مقابلہ میں دو سورتوں کا اضافہ پایا جاتا ہے اور یہی سبع مفصل ہے، جبکہ ۱۳۳۷ھ کے مطبوعہ قرآن کے مطابق ہر منزل میں آیتوں سے قطع نظر صفحات کی تعداد مندرجہ ذیل ہے:

۱۴۹ + ۱۰۰ + ۱۰۹ + ۱۱۴ + ۹۸ + ۶۷ + ۹۴ کہ ان کی اوسط ۱۰۴ اعشاریہ ۴ بنتی ہے اور اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ قرآن کی جز بندی اس طرح سے کی گئی ہے کہ ہر جز میں اُتنے صفحات ہیں کہ جن کی نقل وحمل بآسانی واقع ہو سکے، بالخصوص گذشتہ اَدوار میں اوراق میں گنجائش کی کمی کی بناء پر ایسا کیا گیا ہوگا۔

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس نظریہ کو سیوطی (متوفی-۹۱۱ھ) نے یہ کہتے ہوئے اپنایا ہے: ''نیز یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ اس موقع پر جو چیز مرتب کردی گئی تھی وہ منزلِ مفصل ہے نہ کہ دیگر منزلیں'' (الاتقان-جلد۱-صفحہ۶۳) کافی معتبر ہے اور اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: وہ چھوٹی چھوٹی سورتیں جو اپنی ترتیب کا تقاضا کرتی ہیں تا کہ ان کو بآسانی اُٹھایا اور ان کے تسلسل کو حفظ کیا جا سکے۔

دوسری وجہ: کیونکہ ان میں سے اکثر سورتیں مکی ہیں اور چونکہ صدرِ اسلام میں مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی تو یہ سب صورت اَحوال اس بات کی متقضی تھیں کہ سورتیں چھوٹی چھوٹی ہوں جو اسلام کی حقیقی اور بنیادی باتوں کی تعلیم دیں جبکہ مدینہ میں ایسی صورت حال نہیں تھی، کیونکہ مسلمانوں کے پاس طاقت بھی تھی اور ان کی افرادی قوت بھی زیادہ تھی لہٰذا یہ سب حالات اس بات کا تقاضا کر رہے تھے کہ (اب کی بار نازل ہونے والی) سورتیں حجم میں بڑی ہوں۔

شہرستانی (متوفی-۵۴۸ھ) کتاب الاستغناء کے حوالے سے قرآن کی سورتوں کے مطابق ابوعبداللہ حسین ابن محمد رازی سے نقل کرتے ہیں: ''سات بڑی سورتیں (سبعِ طوال) یہ ہیں: بقرہ، آلِ عمران، نساء، مائدہ، اَنعام، اَعراف اور ان میں ساتویں سورت میں اَنفال اور توبہ دونوں شامل ہیں'' (مفاتیح الأسرار-جلد۱-صفحہ۱۷)

کتاب ''المختصر فی القرائات'' میں ابوبکر محمد ابن موسیٰ صیدلانی سے منقول ہے: ''سبعِ طوال سات

سورتیں ہیں: بقرہ، آلِ عمران، نساء، اَعراف، اَنعام، مائدہ اور سورۂ یونس'' ابوعبیدہ کہتا ہے: ''سورۂ اَنفال کا شمار مثانی میں ہوتا ہے اور یہ مدینہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ایک ہے جبکہ سورۂ یونس مکہ میں نازل ہوئی'' (مفاتیح الأسرار - جلد۱- صفحہ۱۷)

صیدلانی کہتا ہے: ''سبعِ مثانی ہی سبعِ طوّال ہیں اور اِن میں یہ سورتیں شامل ہیں: بقرہ، آلِ عمران، نساء، مائدہ، اَنعام، اَعراف اور سورۂ یونس'' جبکہ یہی بات یحییٰ ابن حرث دیناری سے بھی منقول ہے مگر اس اضافہ کے ساتھ کہ ''اَنفال اور برائت (توبہ) سبعِ طوّال میں شامل نہیں ہیں'' (مفاتیح الأسرار - جلد۱- صفحہ۱۸)

سیوطی کہتا ہے: ''سلسلۂ سبعِ طوّال کی پہلی سورت بقرہ ہے اور اس سلسلہ کی آخری سورت برائت ہے''

علماء کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل ہے، لیکن حاکم اور نسائی وغیرہ... نے ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے: ''سبعِ طوّال یہ ہیں: بقرہ، آلِ عمران، نساء، مائدہ، اَنعام اور اَعراف'' راوی کہتا ہے کہ ابن عباسؓ نے ساتویں سورت کا بھی ذکر کیا تھا مگر میں اُس کا نام بھول گیا ہوں۔ البتہ ابن ابی حاتم وغیرہ... نے مجاہد اور سعید ابن جبیر سے ایک صحیح روایت میں نقل کیا ہے کہ وہ سورۂ یونس ہے اور ابن عباسؓ سے بھی پہلی قسم سے متعلق ایک روایت کو اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے؛ حاکم سے منقول ایک روایت میں ہمیں یہ بھی ملتا ہے کہ وہ سورۂ کہف ہے (اور مئون)۔

بنابریں سبعِ طوّال میں سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ اَنفال تک کی سورتیں شامل ہیں مگر اس اختلاف کے ساتھ کہ آیا سورۂ اَنفال اور سورۂ توبہ باہم ایک ہی سورت ہیں یا نہیں؟

مئون

شہرستانی (متوفی-۵۴۸ھ) کہتا ہے: ''کتاب الإستغناء کے حوالے سے سلسلۂ سبعِ مئون کی پہلی سورت بنی اسرائیل ہے اور اس سلسلہ کی سب سے آخری سورت المؤمنون ہے۔ چنانچہ سورہ ہائے بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، اَنبیاء، حج اور المؤمنون کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہی مئون کہلاتی ہیں (مائة عربی میں سینکڑہ کو کہتے ہیں) کیونکہ مئین میں سے ہر ایک تقریباً سَو سَو یا اُس سے کچھ کم یا زیادہ آیتیں پائی جاتی ہیں۔ نیز یہ مثانی کے بعد واقع ہوئی ہیں'' (مفاتیح الأسرار جلد۱- صفحہ۶۷)

شہرستانی کا یہ بھی کہنا ہے کہ: ''مئون میں گیارہ سورتیں ہیں: برائت، نحل، ھود، یوسف، کہف، بنی اسرائیل، انبیاء، طٰہٰ، قد اَفلح، شعراء اور صافات؛ یہ سب صیدلانی سے منقول ہے'' (مفاتیح الأسرار - جلد۱- صفحہ۱۷)

سیوطی کہتا ہے: ''مئون وہ سورتیں ہیں کہ جن کے بعد (طوال) واقع ہوئی ہیں۔ ان کو مئون سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک سورت سَو سے زائد یا تقریباً سو آیتوں پر مشتمل ہے'' (الاتقان۔ جلد۱۔ صفحہ۶۳)

مثانی

شہرستانی (متوفی۔۵۴۸ھ) اپنی کتاب الاستغناء میں کہتا ہے: ''سلسلۂ سبع مثانی میں سات سورتیں شامل ہیں (سَبع عربی میں سات ہی کو کہتے ہیں) اور اس سلسلہ کی پہلی سورت یونس اور آخری نحل ہے؛ سات سورتیں یہ ہیں: یونس، ھود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر اور نحل۔ سبع طوال قرآن عظیم کی ابتدائی سورتیں ہیں جبکہ سبع مثانی طوالت اور معانی کے لحاظ سے اُن کے بعد واقع ہونے والی سورتیں ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سبع مثانی سورۂ فاتحہ کو کہتے ہیں کیونکہ ہر نماز میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور اس کے سیاق وسباق کے لحاظ سے بھی یہ مثانی ہے۔ (مفاتیح الأسرار جلد۱۔ صفحہ۱۲)

صیدلانی کا کہنا ہے: ''مثانی بیس سورتیں ہیں: اَحزاب، حج، نمل، قصص، نور، اَنفال، مریم، کہف، عنکبوت، رُوم، یٰس، حجر، رعد، فرقان، سبأ، ملائکہ، ابراہیم، ص، محمدؐ، لقمانؑ اور عذاب یعنی سورۂ توبہ'' (مفاتیح الأسرار جلد۱۔ صفحہ۱۷)

سیوطی کہتا ہے: ''مثانی وہ سورتیں ہیں جو مئین کے بعد واقع ہوئی ہیں کیونکہ مئین کے بعد واقع ہو کر یہ سورتیں اُن کے لئے لاحقہ جبکہ مئون ان کے لئے سابقہ بن گئیں'' فراء کہتا ہے: ''یہ وہ سورت ہے جس کی سَو سے کم آیتیں ہیں، کیونکہ ایسی سورتوں کا طوال اور مئون سے بھی زیادہ دفعہ اعادہ کیا گیا ہے'' بلکہ جیسے کہ نکزاوی نے نقل کیا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: ''ان کو مثانی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں مثالوں اور قصوں کو دہرایا گیا ہے'' جمال القُرّاء میں تحریر ہے کہ: ''یہ وہ سورتیں ہیں کہ جن میں قصوں کو دہرایا گیا ہے؛ اس کا اطلاق پورے قرآن پر بھی ہوتا ہے اور صرف سورۂ فاتحہ پر بھی'' (الاتقان۔ جلد۱۔ صفحہ۶۳)

ان علماء کے کلام سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مثانی سورتیں مئین کے بعد کے درجہ پر واقع ہیں اور اس بناء پر یہ تیسری منزل میں واقع ہیں۔ چنانچہ تثنیہ (جس سے مثانی مشتق ہوا) مرتبت کے لحاظ سے ہے نہ کہ موضوع کے لحاظ سے یا پھر یہ کہ یہاں پر تثنیہ تکرار کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔

مفصلات

شہرستانی اپنی کتاب الاستغناء میں تحریر کرتا ہے: ''سبعِ مفصل قرآن کی وہ منزل ہے کہ جس میں ہر تھوڑے فاصلہ پر چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں، بالفاظ دیگر اس میں ہر دوسری سورت کو الگ سے سورت کی شکل میں تحریر کیا گیا ہے اور یہی قول

مشہور ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کو مفصلات اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ بیان اور تفصیل ہیں جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ مفصل میں دوسری منزلوں کے مقابلہ میں زیادہ تفصیل یا بیان تو نظر نہیں آتا'' (مفاتیح الأسرار جلد۱۔ صفحہ۱۷)

صیدلانی کہتا ہے: ''منزلِ مفصل میں اُنچاس سورتیں پائی جاتی ہیں'' (مفاتیح الأسرار۔ جلد۱۔ صفحہ۱۲)

سیوطی (متوفی۔۹۱۱ھ) کہتا ہے: ''مفصل وہ چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں جو مثانی کے بعد واقع ہوئی ہیں؛ ان کو مفصل اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس منزلِ قرآن میں سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بکثرت پائی جاتی ہے، جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو مفصل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس منزل میں منسوخ آیتیں نسبتاً کم پائی جاتی ہیں کہ اسی وجہ سے اس منزل کو محکم بھی کہا جاتا ہے، جیسے کہ امام بخاری نے سعید ابن جبیر سے نقل کیا ہے کہ جس حصہ کو تم لوگ مفصل کہتے ہو وہی محکم ہے اور اس سلسلہ کی آخری سورت الناس ہے نیز اس کے آخری سورت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ البتہ اس منزل کی پہلی سورت کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں ہمیں بارہ اَقوال ملتے ہیں:

پہلا قول: سورۂ ق، کیونکہ اس کے متعلق اوس سابق سے ایک حدیث منقول ہے۔

دوسرا قول: سورۂ حجرات؛ اس قول کو نووی نے بالکل صحیح قرار دیا ہے۔

تیسرا قول: سورۂ قتال (سورۂ محمدؐ)؛ ماوردی نے اس قول کو اکثر علماء سے منسوب کیا ہے۔

چوتھا قول: سورۂ جاثیہ؛ اس قول کو قاضی عیاض نے نقل کیا ہے۔

پانچواں قول: سورۂ صافات۔

چھٹا قول: سورۂ صف۔

ساتواں قول: سورۂ تبارک؛ مثلاً ابن ابی صیف یمنی نے التنبیہ پر اپنے نکات میں اس قول کو نقل کیا ہے۔

آٹھواں قول: سورۂ فتح؛ کمال دماری نے شرح التنبیہ میں اس قول کو نقل کیا ہے۔

نواں قول: سورۂ رحمٰن؛ ابن سید نے موطأ پر اپنی امالی میں اس قول کو نقل کیا ہے۔

دسواں قول: سورۂ انسان

گیارھواں قول: سورۂ سبح؛ ابن فرکاح نے اپنے تعلیقہ میں رزوقی سے اس قول کو نقل کیا ہے۔

بارھواں قول: سورۂ ضحیٰ؛ اس قول کو خطابی نے نقل کیا ہے اور اس کی یہ توجیہ پیش کی ہے کہ قاری ان سورتوں کے درمیان تکبیر کا فاصلہ دیتا ہے۔

نیز راغب نے اپنی کتاب المفردات میں یہ عبارت تحریر کی ہے کہ ''قرآن کا مفصل نامی حصہ سات آخری

سورتوں پر مشتمل ہے'' (الاتقان۔ جلد۱۔ صفحہ۶۳)

صیدلانی اور کتاب **الاستغناء** کی تحریروں میں یہ تشویش نظر آتی ہے کہ قرآن کو چار حصوں میں تقسیم کرنا مذکورہ بالا گروہ بندی کے منافی ہے کہ وہاں قرآن کو سات حصوں میں تقسیم کرنے سے متعلق گفتگو کی گئی ہے، اس لئے کہ اُس نے کہا تھا: ''منزلِ طُوّال، منزلِ مِئون، منزلِ مثانی اور منزلِ مفصل'' یہ تو قرآن کو چار منزلوں میں تقسیم کرنا ہوا جبکہ اسی نے اپنی گذشتہ تحریر میں علماء کی چند جماعتوں سے نقل کیا تھا کہ کسرِ اَعشاریہ کے اُصولوں کے مطابق قرآن سات منزلوں پر مشتمل ہے تاکہ صرف ایک ہفتہ میں پورے قرآن کی تلاوت کی جاسکے اور چونکہ پہلی منزل کا حجم سات بڑی سورتوں پر مشتمل ہے لہٰذا ''سبعِ طُوّال'' کے عنوان میں عددِ صحیح کی اَساس پر کوئی اشتباہ واقع ہوا ہے، اس لئے کہ اتفاق سے سبع اول (پہلی منزل) میں تعداد کے لحاظ سے سات سورتیں ہیں جبکہ صفت کے لحاظ سے سب کی سب طویل بھی ہیں اور مفروض یہ ہے کہ یہ کسرِ اَعشاریہ کے اُصولوں کے مطابق ہیں اور ان سے مقصود قرآن کا وہ حصہ ہے جو سات طویل سورتوں پر مشتمل ہے باوجودیکہ ایسی صورت میں صفت ''طویل'' کا موصوف سے مطابقت رکھنا لازمی ہے؛ یعنی ''السبع الطویل'' کہنا چاہیے تھا جبکہ اگر صورت یہ ہوتی کہ سُوَر کی صفت لائی جاتی تو پھر اس کا بھی جمع کے صیغہ سے مطابقت رکھنا ضروری تھا۔

سورتوں کی نام گذاری

زرکشی (متوفی۔۷۹۴ھ) کہتا ہے: ''بسا اوقات کسی سورت کا صرف ایک نام ہوتا ہے اور یہی کافی ہوتا ہے جبکہ کبھی کسی سورت کے دو نام ہوتے ہیں جیسے سورۂ بقرہ۔ اس سورت کو اس کی عظمت اور قدر و قیمت کے لحاظ سے ''قرآن کا خیمہ'' کہا جاتا ہے جبکہ سورۂ آلِ عمران کے متعلق کہا جاتا ہے کہ توریت میں اس کا نام ''طیبہ'' ہے؛ اس قول کو نقاش نے نقل کیا ہے''

عرضِ مؤلف: [عجیب و غریب بات ہے کہ کسی قرآنی سورت کا نام توریت میں پایا جاتا تھا] اور چونکہ سورۂ نحل میں اللہ نے اپنے بندوں پر نعمتوں کی گنتی کی ہے لہٰذا اس کو ''نِعَم'' بھی کہا جاتا ہے؛ سورۂ حم عسق کو سورۂ شوریٰ بھی کہا جاتا ہے؛ سورۂ جاثیہ کو سورۂ شریعہ بھی کہا جاتا ہے اور سورۂ محمد سورۂ قتال بھی کہلاتی ہے'' (البرھان۔ جلد۱۔ صفحہ۲۶۹)

سیوطی نے سورتوں کے اَسماء سے متعلق ایک فصل تحریر کی ہے اور اُس میں وہ کہتا ہے: ''کبھی کسی سورت کا ایک ہی نام ہوتا ہے اور کبھی دو نام ہوتے ہیں تو کبھی سورۂ فاتحہ کی مانند اُس کے دو سے بھی زائد نام ہوتے ہیں؛ جس طرح کہ اب تک آپ قارئین اس کے بیس سے بھی زائد ناموں سے واقف ہو چکے ہیں اور یہ چیز اس کی بزرگی پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ کسی بھی چیز کے ناموں کا بکثرت ہونا اس نام رکھی گئی چیز کے شرف و بزرگی کی دلیل ہے'' (الاتقان جلد۱۔ صفحہ۵۲)

عرضِ مؤلف: باعتبار دلیل و دلالت سیوطیؒ کا کلام اشکال سے خالی نہیں۔ لہٰذا واضح ہے کہ جن اَسماء کا سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے وہ مضمون اور قرآن میں اپنی جگہ کے لحاظ سے سورتوں کی صفات ہیں۔ بنابریں سورۂ فاتحہ قرآن کریم کی پہلی سورت ہے، اس لئے کہ یہ کسی کتاب کے مقدمہ کی طرح قرآن کی ابتدا میں واقع ہے اور یہی حال دوسرے ناموں کا ہے۔ پس اِن سورتوں کے اہم ترین مضامین کے اعتبار سے اِن کا نام رکھنا صحیح ہے، جیسے سورۂ نوح کو حضرت نوحؑ کے قصہ کی وجہ سے اور سورۂ بقرہ کو بقرہ یعنی گائے کے قصہ کی بناء پر اور اسی طرح کچھ سورتوں کی نام گذاری اُن کے ابتدائی حروف سے کرنا بھی صحیح ہے جیسے حروف مقطعات الف-لام-میم اور اس جیسے دیگر حروف... اسی قاعدہ کی رُو سے اِن سورتوں کی جمع آوری چند کڑیوں میں کرنا بھی صحیح ہے جیسے "مسبّحات" "طواسین" اور "حامدات" یہ سب زمانۂ رسالت میں ہی طے کر دیا گیا تھا، مگر جہاں تک اُس کے بعد کی بات ہے تو اس میں کوئی کلام نہیں کہ ان میں سے اکثر سورتوں کی نام گذاری میں انھی ناموں کی تقلید کی گئی ہے۔

سورتوں کی گروہ بندی

آپ قارئین نے سورتوں کی کڑیوں کے متعلق تو جان لیا ہے کہ چند مشترکہ مناسبتوں کی وجہ سے اُن کے مخصوص نام ہیں اور اُنھی میں سے چند ایک نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حامدات: فاتحہ، اَنعام، کہف، سبأ اور سورۂ فاطر۔

۲۔ حوامیم: صیدلانی کے کلام کے مطابق یہ اس طرح سے ہیں: ''حوامیم سات سورتیں ہیں: مؤمن، زخرف، حم سجدہ، حم عسق، دُخان، سجدہ، اَحقاف، اور سورۂ جاثیہ'' (مفاتیح الأسرار - جلد۱ - صفحہ۱۲)

۳۔ طواسین: شعراء، نمل اور سورۂ قصص۔

۴۔ مسبّحات: اِسراء (بنی اسرائیل)، حدید، حشر، صف، جمعہ، تغابن اور سورۂ اَعلیٰ۔

۵۔ ممتحنہ: صیدلانی کے قول کے مطابق یہ چوبیس سورتیں ہیں اور اس کے بعد اُس نے ان میں سے صرف چودہ کو بیان کیا ہے باقی کو نہیں۔ اس نے جن سورتوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: فتح، حدید، حشر، الم سجدہ، ق، طلاق، حجرات، تبارک (ملک)، تغابن، منافقون، صف، جن، نوح اور سورۂ مجادلہ؛ اس کے بعد دیگر دس سورتوں کے ناموں کو تحریر نہیں کیا۔ (مفاتیح الأسرار - جلد۱ - صفحہ۱۲)

سورتوں کی تعداد

عثمانی دَور کے تمام قرآنی نسخوں میں متفقہ طور پر قرآن کی سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے اور آجکل یہ اُن دفتین کے درمیان ہیں کہ جن کا تذکرہ گذر چکا، جبکہ ابن مجاہد (متوفی - ۳۲۴ھ) کی رائے یہ ہے کہ مصاحفِ عثمانی میں سورتوں کی تعداد ۱۱۳ ہے اور معاذ اللہ یہ قرآن میں کسی کمی کا سبب نہیں بنتا، بلکہ ایسا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے سورۂ انفال اور سورۂ برائت (توبہ) کو ایک ہی سورت شمار کیا ہے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم موجود نہیں ہے۔ لیکن مسلمانوں کے دیگر تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ توبہ بھی مستقل ایک سورت ہے اور اس کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اس لئے نہیں ہوئی کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امان ہے - جس طرح کہ حضرت علیؑ کی حدیث میں آیا ہے - حالانکہ برائت (بیزاری کا اظہار) میں کوئی امان نہیں۔

عثمانی دَور کے علاوہ جو قرآنی نسخے ہیں اور اب وہ مستعمل بھی نہیں ہیں اُن میں سورتوں کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن مسعود کے نسخۂ قرآن میں معوذتین نہیں ہیں تو اس طرح سورتوں کی کل تعداد ۱۱۲ ہوگئی جبکہ اُبی ابن کعب نے سورۂ خلع اور سورۂ حفد کا اضافہ کر دیا ہے تو اس بناء پر سورتوں کی کل تعداد ۱۱۶ ہوگئی جبکہ فقہاء کی ایک جماعت اس نظریہ کی قائل ہے کہ سورۂ ضحیٰ اور سورۂ الم نشرح ایک ہی سورت ہیں تو اس پر قائم رہتے ہوئے سورتوں کی کل تعداد ۱۱۳ ہوگی؛ اس سلسلے کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔

ابن جوزی (متوفی - ۵۹۷ھ) کہتا ہے: ''جہاں تک قرآنی سورتوں کا تعلق ہے تو ابوالحسن ابن منادی کہتا ہے: صدیق اور ذوالنورین کے دور میں زید ابن ثابت کے تالیف کردہ قرآن میں کل ایک سو چودہ سورتیں پائی جاتی ہیں کہ اُن میں فاتحہ، توبہ اور معوذتین بھی شامل ہیں اور یہی وہ نسخہ ہے جو مسلمانوں کی دسترس میں ہے جبکہ اُبی ابن کعب کے حوالہ سے بیان کردہ کے مطابق کل ایک سو سولہ سورتیں ہیں اور ابن مسعود نے معوذتین کو تحریر نہیں کیا تو اس نسخہ میں زید کے نسخہ میں پائی جانے والی کل سورتوں میں سے دو کم ہوگئیں مگر اُبی ابن کعب نے ان دونوں کو بھی شامل کیا ہے اور ان پر دو مزید سورتیں تحریر کی ہیں جو سورۂ حفد اور سورۂ خلع کے نام سے مرقوم ہیں؛ اُن میں سے ایک میں یوں ہے: اللّٰھم إنا نستعینک و نستغفرک یہ سورۂ خلع ہے جبکہ دوسری سورت یوں ہے: اللّٰھمّ إیاک نعبد اور یہ سورۂ حفد ہے۔ لہٰذا اس نسخہ میں زید کے نسخہ سے دو سورتیں زیادہ ہیں جبکہ ابن مسعود کے نسخہ سے چار سورتیں۔ اس کتاب کے مؤلف نے جو کچھ سُنا اُسے بیان کر دیا، لیکن ہمارے نزدیک رائج قرآن پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے'' (فنون الأفنان - صفحہ ۳۹)

انفال اور برائت

علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی سورت ہیں جس طرح کہ دوسری ایک سورت میں، مگر یہ اختلاف نصِ قرآنی میں نہیں ہے کیونکہ بہر حال یہ دونوں سورتیں قرآن کا حصہ ہیں۔ البتہ اس اختلاف کا منبع بھی سورۂ توبہ کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نہ پایا جانا ہے۔

سیوطی نے ابن زروق سے نقل کیا ہے: ''انفال اور برائت ایک ہی سورت ہیں'' جبکہ ابورجاء سے نقل کیا ہے: ''میں نے حسن سے انفال اور برائت کے بارے میں پوچھا کہ آیا یہ دو سورتیں ہیں یا ایک ہی سورت؟ اُس نے کہا: دو سورتیں ہیں'' مجاہد کے حوالہ سے بھی اس نے ابوزروق کے قول کی مانند نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے سفیان سے جبکہ ابن اشتہ نے ابن لہیعہ سے بھی یہی بات نقل کی ہے: کہتے ہیں کہ برائت یسئلونک (وہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ...) سے شروع ہوتی ہے اور اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر نہیں کی جاتی کیونکہ یسئلونک کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔ اُن کے شبہ کی وجہ یہ ہے کہ دو حصوں پر مشتمل ہونے کے باوجود ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پائی جاتی، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کی نام گذاری رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس کی تھی۔ الاقناع کے مؤلف نے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود کے قرآنی نسخہ میں سورۂ برائت کے لئے بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر ہے۔ کہتا ہے: اس بات پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ قشیری نے ایک صحیح حدیث میں نقل کیا ہے کہ سورہ برائت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اس سورت میں اس کو نازل نہیں کیا۔ مستدرک میں ابن عباسؓ سے منقول ہے: میں نے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے پوچھا کہ سورۂ برائت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیوں نہیں لکھی جاتی؟ آپؑ نے فرمایا: اس لئے کہ یہ اَمان ہے جبکہ سورہ برائت تو تلوار کے ساتھ نازل ہوئی۔ مالک سے منقول ہے کہ جب اس کا ابتدائی حصہ ساقط ہوا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی ساقط ہوگئی، چنانچہ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ سورۂ بقرہ جتنی طویل سورت ہے'' (الاتقان۔ جلد ا۔ صفحہ ۶۵)

ان سب باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف کا سبب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نہ ہونا ہے اور اگر ان دونوں کے ایک ہونے کے قائل بھی ہو جائیں تب بھی ان دونوں کے مضامین ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لہٰذا مذکورہ تمام اقوال دعویٰ بنا دلیل کے ہوں گے، بالخصوص اس لئے کہ اس سورت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سورت کا عنوان ہے یعنی اظہار بیزاری جو رحمت کے ساتھ یکجا نہیں ہو سکتا۔

والضحیٰ اور الم نشرح

شیعہ فقہاء کے نظریہ کے مطابق یہ دونوں ایک ہی سورت ہیں نیز ان دونوں کا عنوان ایک ہی ہونا اس نظریہ کی تائید کرتا ہے، کیونکہ ان دونوں میں کچھ سوالات کا ایک سلسلہ ہے جو استفہامِ انکاری پر مشتمل ہے یعنی یہ ان میں بیان کی گئی باتوں کے صحیح ہونے پر زور دیتے ہیں۔

عاملی فرماتے ہیں: ''جس طرح کہ کتاب الاستبصار میں درج ہے والضحیٰ اور الم نشرح آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ایک ہی سورت ہیں اور جیسا کہ امالی میں مرقوم ہے اس بات کا اقرار شیعہ مذہب کے ضروریات میں سے ہے اور بمطابق الانتصار کے شیعہ علماء امی کے قائل ہیں'' (مفتاح الکرامۃ۔ جلد۲۔ صفحہ۳۸۵)

علامہ طباطبائیؒ فرماتے ہیں: ''اَقویٰ یہی ہے کہ سورۂ فیل اور سورۂ لایلاف اور اسی طرح سورۂ والضحیٰ اور الم نشرح ایک ہی سورت ہیں اور اس کی تفصیل مستدرک میں تحریر ہے'' (المیزان۔ جلد۲۔ صفحہ۱۷۵)

آیت کا مصداق اور مفہوم

لغت میں آیت کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں کہ اُن میں سے چند ایک یہ ہیں: نشانی، تعجب اور جماعت۔

کلمۂ آیت اور اس کے مشتقات قرآن میں ۳۸۲ مرتبہ وارد ہوئے ہیں اور اُن میں بھی یہ کلمہ نشانی کے معنٰی میں بے شمار موارد میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ آیۃ ملکہ أن یاتیکم التابوت. اُس کے بادشاہ ہونے کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ تابوت آجائے گا... (سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۴۸) البتہ کچھ تکلف سے کام لیتے ہوئے دیگر موارد میں بھی یہی معنٰی کئے جاسکتے ہیں۔ جس طرح کہ مندرجہ ذیل آیتوں میں حروف مقطعات کے ساتھ کلمۂ آیت استعمال میں لایا گیا ہے:

الر. تلک آیات الکتاب الحکیم. الر۔ یہ کتاب حکیم کی نشانیاں ہیں۔ (سورۂ یونس۔ آیت۱)

ھو الذی أنزل علیک الکتاب منه آیات محکمات. وہی تو ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی اور اس میں کچھ محکم نشانیاں ہیں۔ (سورۂ آلِ عمران۔ آیت ۷)

الر. تلک آیات الکتاب المبین. الر۔ یہ کھلی ہوئی کتاب کی نشانیاں ہیں۔ (سورۂ یوسف۔۱)

الر. تلک آیات الکتاب و قرآن مبین. الر۔ یہ اس کتاب اور قرآن مبین کی نشانیاں ہیں۔ (سورۂ حجر۔۱)

و کذلک أنزلناہ آیاتٍ بیّناتٍ. اور اسی طرح ہم نے اس کو روشن نشانیوں کے طور پر نازل کیا۔ (سورۂ حج۔۱۶)

سورۃ أنزلناھا وفرضناھا وأنزلنا فیھا آیاتٍ بیّناتٍ. یہ ایک سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے اور اس (کے اَحکام) کو فرض کردیا ہے اور ہم نے اس میں روشن نشانیوں کو نازل کیا ہے۔ (سورۂ نور - آیت ۱)

طس. تلک آیاتُ القرآن و کتابٍ مبین. طٰسٓ۔ یہ قرآن اور کھلی ہوئی کتاب کی نشانیاں ہیں۔ (سورۂ نمل-۱)

أنزل علیک الکتاب منه آیاتٌ محکماتٌ. آپؐ (رسولؐ) پر کتاب نازل کی گئی کہ جس کی کچھ آیتیں محکم ہیں" (سورۂ آل عمران - آیت ۷) تو اس آیت میں کلمۂ آیت کی نص قرآنی پر تطبیق کی گئی ہے۔

اسی طرح سورۂ نور کی پہلی آیت میں کہا گیا: و أنزلنا فیھا آیاتٍ بیّناتٍ. "اور ہم نے اس (سورت) میں واضح آیتوں کو نازل کیا" تو یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ آیت سورت کا حصہ ہوتی ہے نہ کہ سورت کو تقسیم کرنے والی۔

سورۂ حج کی سولہویں آیت: أنزلناہ آیاتٍ بیّناتٍ. "ہم نے اسکو واضح آیتوں کے طور پر نازل کیا" سیاق وسباق کے لحاظ سے یہ ضمیر (اُس کو) قرآن اور اس کے مفہوم کی جانب لوٹتی ہے۔

حروف مقطعات جیسے الر، الم اور ص جیسے کہ "اس کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں" اس بات کی تطبیق ہے کہ یہ کلمات بھی قرآن کی ایک آیت کو تشکیل دیتے ہیں۔

ان سب میں لغوی دلالت پائی جاتی ہے یعنی یہ نبی مُرسل پر نازل کردہ علامتیں اور نشانیاں ہیں جبکہ اسی لغوی معنیٰ میں کلمہ "آیت" کو استعمال کیا گیا ہے۔

امام رضا علیہ السلام تین دن میں قرآن ختم فرماتے تھے اور آپؑ فرماتے تھے: "اگر میں تین دن سے کم مدّت میں قرآن ختم کرنا چاہوں تو ایسا بھی کر سکتا ہوں، لیکن میں جس آیت کو پڑھتا ہوں اس میں غور وفکر کرتا ہوں اور اس کے شانِ نزول اور وقتِ نزول کے متعلق بھی سوچتا ہوں؛ بس یہی وجہ ہے کہ میں قرآن کو تین دن میں ختم کرتا ہوں۔ (بحار الأنوار - جلد۹۲- صفحہ۲۰۴)

آپ قارئین قرآنی آیات کے کچھ قطعوں سے بھی واقف ہو چکے ہیں جو ایک سے زائد جملوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور اُن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ آیت الکرسی: یہ سورۂ بقرہ کی آیات ۲۵۵ تا ۲۵۷ پر مشتمل ہے۔

۲۔ آیت سخرہ: یہ سورۂ اعراف کی آیات ۵۴ تا ۵۶ پر مشتمل ہے۔ (بحار الانوار - جلد۸۷- صفحہ ۵۸)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "جو شخص ایک مرتبہ آیت الکرسی کی تلاوت کرے اُس سے دنیا کی ایک ہزار آفتیں دور کردی جاتی ہیں اور ایک ہزار اُخروی آفتیں بھی اُس سے دُور کردی جاتی ہیں۔ دنیوی آفتوں میں سے کم ترین

آفت تنگدستی ہے جبکہ آخرت کی کم ترین آفت عذابِ قبر ہے"

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: "میرے کسی جدِ امجدؑ نے کسی شخص کو "اُمّ القرآن" کی تلاوت کرتے سُنا تو انہوں نے فرمایا: اس نے شکر ادا کر دیا اور یہ ماجور ہوا۔ اس کے بعد اس کو "قل ھو اللہ احد" (سورۂ اخلاص- آیت ۱) کی تلاوت کرتے سُنا تو آپؑ نے فرمایا: یہ ایمان لے آیا اور اسے امان مل گئی۔ اس کے بعد اس کو انّا انزلناہ (سورۂ قدر- آیت ۱) کی تلاوت کرتے سُنا تو آپؑ نے فرمایا: اس نے تصدیق کر دی اور اس کی مغفرت ہوگئی۔ اس کے بعد میرے جد نے اُس کو آیت الکرسی پڑھتے سُنا تو آپؑ نے فرمایا: مبارک ہو، مبارک ہو! اس شخص کے لئے جہنم سے آزادی کا پروانہ نازل ہوگیا" (بحار الأنوار- جلد۹۲- صفحہ۲۶۲)

سیوطی نے روایت بیان کی ہے کہ "قرآن کی تمام آیتوں کی سردار آیت الکرسی ہے" (الإتقان- جلد۲- صفحہ۱۵۳)

۳۔ آیتِ نبأ: إن جآئکم فاسق بنبأ فتبیّنوا. (سورۂ حجرات- آیت ۶)

۴۔ آیت تطہیر: إنّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس أھل البیت و یطھّرکم تطھیراً (سورۂ احزاب- آیت ۳۳)

۵۔ آیتِ نفر: فلو لا نفر من کُلّ فرقة منھم طآئفة لیتفقھوا فی الدّین و لینذروا قومھم إذا رجعوا إلیھم لعلّھم یحذرون. (سورۂ توبہ- آیت ۱۲۲)

مذکورہ آیتوں کے عنوانات بنفسِ نفیس نبیؐ نے مقرر نہیں کئے، بلکہ یہ وہ اوصاف ہیں جنہیں ان کے مضامین کے اعتبار سے قدیم قاری حضرات، فقہاء اور محدّثین نے منتخب کیا ہے تاکہ اس طرح ان کے مضامین کی جانب اشارہ ہو جائے۔

آیت کا تعین

زرکشی (متوفی- ۷۹۴ھ) کہتا ہے: "جہاں تک اس کے اصطلاحی معنیٰ کا تعلق ہے تو جعبری نے اپنی کتاب "المفرد فی معرفة العدد" میں کہا ہے کہ آیت کی تعریف یہ ہے کہ یہ قرآن ہی کا ایک حصہ ہوتی ہے جو کئی جملوں سے مرکّب ہوتی ہے خواہ وہ جملے ظاہری نہ ہوں نیز یہ کسی سورت میں مندرج ہوتی ہے جس کی تمہید بھی ہوتی ہے اور ایک اختتام بھی۔ اس کے اصلی معنیٰ نشانی کے ہیں اور اسی معنیٰ میں قرآن کی یہ آیت ہے: إنّ آیة ملکہ (اس کی بادشاہت کی نشانی...) کیونکہ بادشاہت فضل و صداقت کی نشانی ہے، یا اس کے اصلی معنیٰ جماعت کے ہوتے ہیں کیونکہ یہ کئی کلموں کی ایک جماعت ہوتی ہے۔

کسی اور نے کہا ہے: "آیت قرآن کا ایک حصہ ہوتا ہے جو اپنے ماقبل اور مابعد سے بالکل جُدا ہوتا ہے اور اس کے علاوہ ان کے درمیان کوئی مماثلت نہیں پائی جاتی" (البرھان- جلد۱- صفحہ۲۶۶)

زرکشی نے کہا ''چاہے بظاہر وہ جملے نہ ہوں'' تو اس سے مفرد کلمے بھی اس میں شامل ہوجاتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ سیوطی نے آیت کی تعریف سے عدول کرتے ہوئے کہا ہے کہ آیت حروفِ قرآن کا ایک ایسا مجموعہ ہوتی ہے جس کے معنی کے لحاظ سے اس کے وقف کی نشاندہی کے ذریعہ قرآن کی ابتدا میں اُسے اپنے مابعد کلام سے الگ کیا جاسکتا ہے اور اس کے ماقبل کلام کے ذریعہ آخر قرآن میں جبکہ ان دونوں کے علاوہ میں اس کے ماقبل اور مابعد سے اس جیسے کلام کو اپنے اندر شامل نہیں کرتی۔ وہ کہتا ہے: اور اس قید سے سورت نکل گئی، جبکہ زمخشری کہتا ہے: آیات علم توقیفی ہے کہ اس میں قیاس کی گنجائش نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ علماء نے الف-لام-میم (الٓمٓ) کو ایک آیت شمار کیا ہے چاہے یہ حروف مقطعات قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی واقع ہوئے ہوں اور اسی طرح الف-لام-میم-صاد (الـــمّــصٓ) کو بھی ایک مستقل آیت شمار کیا ہے جبکہ الف-لام-میم-رے (الٓمٓر) کو ایک آیت شمار نہیں کیا مگر حے-میم (حٰمٓ) کو ایک آیت شمار کیا ہے۔

بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت کا اصطلاحی مفہوم جمع آوری ہے اور اس کو صحابہ نے مقرر کیا تھا؛ ابن عباسؓ کہتے ہیں: '' و إنّ ربک لذو مغفرة للناس علی ظلمهم. اور بلاشبہ تمہارا پروردگار اپنے آپ پر ظلم کرنے والے لوگوں کی مغفرت کا مالک ہے۔ (سورۂ رعد- آیت ۶) اس کے متعلق میرا خیال ہے کہ یہ آیت کا کچھ حصہ ہے نہ کہ ایک پوری آیت''

زرقانی کہتا ہے: ''اس کے بعد آیت کے اصطلاحی معنیٰ اِس طرح مخصوص ہوگئے کہ یہ اُن کلمات کا مجموعہ ہے جس کی تمہید اور اختتام بھی ہوتے ہیں اور یہ قرآن کی سورتوں میں مندرج ہوتے ہیں'' (مناهل العرفان- جلد۱- صفحہ۳۳۲)

اگر زرقانیؒ کا تمہید اور اختتام سے یہ مقصود ہے کہ ایسا آیت کے معنیٰ میں ہو تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ہر آیت اپنے معنیٰ کے لحاظ سے دوسری آیت سے ممتاز ہے یعنی آیت ایک ایسا جملۂ تامّہ ہوتی ہے کہ جس کے مستقل معنیٰ ہوتے ہیں جبکہ یہ بات ہر آیت پر صحیح نہیں بیٹھتی۔

جملۂ تامّہ کا معیار ابن عطیہ (متوفی- ۵۴۳ھ) کے کلام میں بھی نظر آتا ہے، وہ کہتا ہے: ''کلامِ عرب میں آیت کے معنیٰ نشانی کے ہیں اور اسی سے تو اُس اسیر کا قول ہے جس نے اپنی قوم کو سختی کے ساتھ وصیت کی تھی: ''اس آیت (علامت) کی بناء پر کہ میں نے تم لوگوں کے ساتھ حیس (کھجور، گھی اور ستو سے تیار کردہ کھانا) کھایا تھا...'' چونکہ قرآن میں جملۂ تامّہ اُس کے لانے والی کی سچائی اور اس کے ذریعہ للکارے جانے والے کی عاجزی کی نشانی ہے تو اس کو آیت کا نام دیا گیا، البتہ یہ بعض علماء کا قول ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کو آیت سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ ہے اور کلام کی جماعت پر مبنی ہے، جس طرح کہ عرب کہتے ہیں: جئنا بآیتنا. ہم اپنی آیت کے ساتھ آئے ہیں یعنی اپنی جماعت کے

ساتھ'' (المقدمتان۔ صفحہ ۲۸۴)

ابن عطیہ کی بات صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآنی آیات مفرد کلمات، جملۂ تامہ اور جملۂ غیر تامہ پر بھی مشتمل ہیں، لہٰذا اس کے آیت ہونے میں جملۂ تامہ ہونا اس کی کسوٹی نہیں ہے۔

آیت کے تعین سے متعلق ابن عربی کی رائے صحیح ہے، وہ کہتا ہے: ''نبیؐ نے ذکر فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور سورۂ مُلک کی تیس آیتیں اور یہ بات صحیح ہے کہ آپؐ نے سورۂ آلِ عمران کی آخری دس آیتوں کی تلاوت فرمائی تھی۔ وہ کہتا ہے: نیز آیتوں کو مفصلاتِ قرآن میں سے شمار کیا جاتا ہے اور اس کی آیتیں طویل بھی ہیں اور قصیر بھی، ان میں سے کچھ آیتیں منقطع ہوتی ہیں جبکہ کچھ کلام تامہ پر منتہی ہوتی ہیں حالانکہ اُن میں سے کچھ ایسی آیتیں بھی ہیں جو آیت کے درمیان ہی میں پائی جاتی ہیں جیسے کہ اہالیانِ مدینہ کے نظریہ کے مطابق اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ، کیونکہ وہ لوگ اس کو ایک آیت شمار کرتے ہیں۔ اب مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں سلف کے فعل پر انحصار کیا جائے'' (البرھان جلد۱۔ صفحہ ۲۶۸)

سیوطی نے ابن عربی کے کلام میں اس طرح سے اضافہ کیا ہے: ''ابن عربی کے علاوہ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ آیتوں کی تعداد میں سلف کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر آیت کی ابتدا میں توقیف (آیت کی نشاندہی کرنے) کی خاطر وقف کرتے تھے، پس جب اُن کے مقامات سے لوگ واقف ہوگئے تو آپؐ نے اتمام کی خاطر اس کو ملا دیا اور اُس موقع پر کسی سننے والے نے یہ گمان کرلیا کہ یہ فاصلہ نہیں ہے۔''

قرآن کریم کی آیتوں کو ایک مفید جملہ سے تعبیر کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان میں صرف ایک استثناء پائی جائے جبکہ قرآن میں ایسا نہیں ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ بقرہ کی آیات ۱۵۹ اور ۱۶۰ کو لیجئے کہ یہ دونوں مل کر ایک ہی جملہ تشکیل دیتی ہیں باوجودیکہ دونوں مستقل آیتیں ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: إنَّ الذين يكتمون ما أنزلنا من البيّنات و الهُدى من بعد ما بيّنه للنّاس في الكتاب أُولٰئك يلعنهم الله و يلعنهم اللاعنون☆ إلّا الذين تابوا و أصلحوا و بيّنوا فأُولٰئك أتوب عليهم و أنا التوّاب الرحيم☆ بے شک جو لوگ اُن روشن دلیلوں اور ہدایتوں کو کہ جنہیں ہم نے نازل کیا چھپاتے ہیں جبکہ ہم کتاب (توریت) میں لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کر چکے ہیں تو یہی لوگ ہیں کہ جن پر خدا لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں☆ سوائے اُن لوگوں کے کہ جنہوں نے توبہ کرلی اور اپنی خرابیوں کی اصلاح کرلی اور (جو کتابِ خدا میں ہے) اُسے صاف صاف بیان کردیا تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی توبہ کو میں نے قبول کرلیا اور میں تو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان ہوں☆ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۵۹ تا ۱۶۰)

یہ دو آیتیں ہیں جبکہ دوسری آیت میں واقع ہونے والی استثناء (سوائے اُن لوگوں کے...) کے بغیر یہ جملۂ تامہ

نہیں بنتا۔

آجکل آیتوں کے مروجہ اعداد کے ذریعہ آیات کا تعین اس اعتبار سے نہیں کیا گیا کہ ان کے اپنے مکمل معنیٰ ہیں یا اس لئے کہ یہ مستقل جملوں پر مشتمل ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کذلک یبیّن اللہ لکم الآیات لعلکم تتفکرون. اسی طرح اللہ تم لوگوں کے لئے آیتوں کو بیان کرتا ہے کہ شاید تم غور و فکر سے کام لو۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۱۹) فی الدُّنیا والآخرۃ ویسئلونک عن الیتامیٰ قُل. دنیا اور آخرت کے بارے میں اور وہ لوگ تم سے یتیموں سے متعلق سوال کرتے ہیں تو (اے رسولؐ) تم کہہ دو... (سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۲۰) اب فی الدُّنیا والآخرۃ جملۂ تامّہ نہیں ہے اور اگر ایسا کرنا نصِ قرآنی کے ساتھ بددیانتی نہ ہوتی تو بہتر یہی ہے کہ اس کو اس کے ماقبل سے مُلحق کر دیا جائے۔ نیز مروی ہے کہ سورتوں میں آیتوں کی جگہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی میں مقرر کی گئی ہیں اور آپ فرماتے تھے کہ ''اس آیت کو اس مقام پر جگہ دو!''

ابن عطیہ (متوفی۔ ۵۴۳ھ) کہتا ہے: ''مذکور ہے کہ سورتوں میں آیات کی ترتیب اور ان کی شروعات میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا تعین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے کیا ہے اور چونکہ آپؐ نے سورۂ برائت کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر کرنے کا حکم نہیں دیا اسی لئے اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو تحریر نہیں کیا گیا۔ یہ وہ آخری قول ہے جو سورۂ برائت کے متعلق کہا گیا ہے، جبکہ اس کے اپنے مقام پر اس کے متعلق نہایت تحقیقی گفتگو کی جائے گی۔ انشاءاللہ۔

روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سبع طوال، حوامیم اور مفصّل کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہی مرتب کرلیا گیا تھا، لیکن سورتوں میں جو چیز مرتب نہیں ہے تو اُسے قرآن کو تحریر کرتے وقت مرتب کرلیا گیا تھا'' (المقدمتان۔ صفحہ ۲۷۶)

سیوطی کہتا ہے: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے، لیکن جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو اس کو کئی علماء نے نقل کیا ہے کہ اُن میں سے چند یہ ہیں: زرکشی نے البرھان میں اور ابوجعفر ابن زبیر نے اپنی کتاب المناسبات میں۔ اس کی عبارت کچھ اس طرح سے ہے: قرآن کی سورتوں میں آیتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کی نشاندہی کی بناء پر ترتیب دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا - تمام شد۔ البتہ آگے چل کر اس کتاب میں علماء کی اُن نصوص کو بیان کیا جائے گا جو اسی بات پر دلالت کرتی ہیں۔ جو نصوص (روایتیں) اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں اُن میں سے ایک زید سابق کی روایت ہے: ''ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے اور رقعوں سے قرآن کو تالیف کررہے تھے'' (الإتقان۔ جلد۱۔ صفحہ ۶۹)

عثمان ابن ابی العاص سے مروی ہے: ''میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپؐ

ٹکٹکی باندھ کر ایک جانب دیکھتے تھے، پھر اُسے دُرست کیا اور اس کے بعد فرمانے لگے: میرے پاس جبرئیلؑ آئے تھے تو انہوں نے مجھے یہ حُکم دیا کہ میں اس آیت کو اس سورت میں اس جگہ پر رکھوں: **إنَّ الله يأمر بالعدل والإحسان وايتائ ذی القربیٰ** بلاشبہ اللہ انصاف اور (دوسروں کے ساتھ) نیکی کرنے کا اور قرابتداروں کو عطا کرنے کا حُکم دیتا ہے۔ (سورۂ نحل۔ آیت۹۰)

سیوطی کی رائے اہلبیتؑ کی روایات کے مضامین سے مطابقت رکھتی ہے: شیخ صدوق (متوفی ۔۳۸۱ھ) نے روایت نقل کی ہے کہ سمرہ ابن جندب اور عمران ابن حصین آپس میں بحث کرنے لگے تو سمرہ نے کہا کہ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سکتے حفظ کئے ہیں۔ایک سکتہ اس وقت کہ جب تکبیر کہے اور دوسرا سکتہ اُس وقت کہ جب رکوع کے موقع پر اپنی قرأت سے فارغ ہو۔اس کے بعد قتادہ نے آخری سکتہ کا اُس موقع پر ذکر کیا کہ جب **غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین** کی تلاوت کرے یعنی سمرہ نے اس سکتہ کو بھی حفظ کر لیا تھا مگر عمران ابن حصین اس کا انکار کر رہا تھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے: اُن دونوں نے اُبی ابن کعب کو خط لکھا اور اُن دونوں کے جواب میں یا اُن کی ردّ میں جو کچھ ان دونوں کو لکھا گیا وہ یہ تھا کہ سمرہ نے حفظ کیا ہے'' (بحار الأنوار۔ جلد۸۵۔ صفحہ۲۷)

آیتوں کا تعین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرح تلاوت کرنے کی بناء پر کیا گیا اور سکتہ کسی آیت کے اختتام کی علامت ہے۔اسی لئے مذکورہ دونوں صحابیوں نے سورۂ فاتحہ میں نبیؐ کے سکتہ کے بارے میں اختلاف کیا اور اس سلسلہ میں اُبی ابن کعب کو حَکَم مقرر کیا۔ اسی اُصول کو مدنظر رکھتے ہوئے دور حاضر میں ان سکتوں کو اعداد میں تبدیل کر دیا گیا ہے، جبکہ قرآن کریم کے نسخوں میں آیتوں کے تعین کے لئے آجکل کا مروجہ قاعدہ اس سے میل نہیں کھاتا۔تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کی سب سے طویل آیت ''آیت الدین'' (سورۂ بقرہ۔ آیت۲۸۲) ہے جبکہ اس کے بعد واقع ہونے والی آیت ۲۸۳ اسی مضمون کا ایک حصہ ہے مگر اس کے ساتھ مُلحق نہیں ہے اور طوالت میں یہ ۱۵ سطور پر مشتمل ہے جبکہ کئی آیتوں تک قرأت میں کوئی سکتہ نہیں ہے، البذا اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ یہ کہا جائے کہ آیت کی حد بندی کے لئے عدد کوئی کسوٹی نہیں کیونکہ وحی کا مقصود گنتی نہیں تھا اور اس قول کی یہ وجہ بھی ہے کہ وحی کا واحد مقصد قرآنی مفاہیم پر عمل کرنا ہے نہ کہ کسی گنتی وغیرہ پر کسی بھی قسم کا انحصار کرنا۔

بسم الله الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آیت شمار کرنے میں فقہاء اور قاریوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس میں کوئی

اختلاف نہیں کہ یہ سورۂ فاتحہ کی ایک مستقل آیت ہے، بلکہ یہ اختلاف دیگر سورتوں سے متعلق ہے۔ شیعوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سوائے سورۂ برائت کے ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے۔ اس کا نتیجہ فقہی اختلاف کی صورت میں نکلا کہ آیا یہ آیت ۱۱۳ مرتبہ آئی ہے یا اس سے زیادہ یا کم، مگر یہ اختلاف نظریاتی ہے کیونکہ موجودہ نص قرآن میں سوائے سورۂ برائت کے ہر سورت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم شامل ہے۔

نجفی کا کہنا ہے: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کی ایک مستقل آیت ہے، بلکہ سوائے سورۂ برائت کے یہ ہر سورت کی آیت ہے۔ نیز ہر سورت کے ساتھ بالخصوص اس آیت کو پڑھنا واجب ہے اور چونکہ سورۂ فاتحہ کا نماز کی قرأت میں پڑھنا واجب ہے لہٰذا نماز میں اس کی معرفت کی دعوت دینے والے بے شمار اسباب ہیں۔ لہٰذا قاریوں کا یہ کہنا کہ کوئی بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کا حصہ نہیں ہے۔ جس طرح کہ انہوں نے معوذتین کو اس سے نکال دیا اس بات پر قوی ترین شاہد ہے کہ اُن کی قرأت میں بھی کئی نظریات پائے جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ سب متفق نہیں ہیں۔ بہرحال، ہمارے اصحاب کے درمیان قول مشہور یہی ہے، لیکن اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کی آیت ہے جیسا کہ المعتبر میں درج ہے۔ بلکہ المنتھیٰ کے مطابق یہی اہلبیت علیھم السلام کا نظریہ ہے۔ نہیں بلکہ اس سلسلہ میں اگر متواتر حدیث نہیں ہے تو کم از کم مستفیضہ نصوص تو ہیں، جس طرح کہ اس پر علماء کے اجماع بھی قائم ہیں۔ صرف اسی پر نہیں بلکہ اس بات پر بھی اجماع قائم ہیں کہ یہ ہر سورت کا جز ہے جبکہ نصوص بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہیں حالانکہ اتنی کثرت اور دلالت کے ساتھ تو سورۂ فاتحہ سے متعلق بھی روایتیں نہیں پائی جاتیں۔ (الجواھر۔ جلد۹۔ صفحہ۲۹۷)

آیتوں کی تعداد

دانی (متوفی۔ ۴۴۴ھ) کہتا ہے: ''اس بات پر اجماع قائم ہے کہ قرآن میں موجودہ آیتوں کی تعداد چھ ہزار ایک سو ہے البتہ اس سے زائد کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے'' (الاتقان۔ جلد۱۔ صفحہ۶۷)

ابن عطیہ کہتا ہے: ''مذکور ہے کہ حجاج ابن یوسف نے قاریوں اور کاتبوں کو جمع کیا تو انہوں نے اس کی خاطر قرآن کی تمام آیتوں، کلام اور حروف کو شمار کیا لہٰذا اُن کے حساب سے آیتوں کی تعداد چھ ہزار دو سو بیس تھی۔ بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے حساب سے چھ ہزار دو سو چار آیتیں تھیں'' (المقدمتان۔ صفحہ۲۵۰)

ایضاً: آیتوں کی تعداد سے متعلق ابن مسعودؓ سے مروی ہے: ''قرآنی آیتوں کی تعداد چھ ہزار دو سو اٹھارہ ہے اور اس کے حروف تین لاکھ چھ سو نوے ہیں جبکہ قرآن کی تلاوت کرنے والے کے لئے اس کے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں ہیں''

اہالیانِ مکہ کے حساب سے قرآن میں کُل چھ ہزار دوسَو دس آیتیں ہیں اور یہ بات زعفرانی نے عکرمہ ابن سلیمان سے نقل کی ہے۔ اسی طرح مجاہد نے بھی بیان کیا ہے، جبکہ عبداللہ ابن کثیر نے مجاہد سے نقل کیا ہے: ''قرآن میں تین لاکھ اکیس ہزار ایک سَو اٹھاسی حروف پائے جاتے ہیں''

امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند اسماعیل فرماتے ہیں: ''قرآن میں کُل چھ ہزار دوسَو چودہ آیتیں ہیں'' جبکہ شیبہ ابن نصاح سے منقول ہے کہ قرآن میں چھ ہزار دوسَو سترہ آیتیں ہیں۔

کلماتِ قرآن: اہالیانِ مدینہ کے مطابق قرآن میں ستتر ہزار چار سَو اُنتالیس کلمے پائے جاتے ہیں۔

حروفِ قرآن: حروف کی تعداد تین لاکھ تیس ہزار پندرہ ہے۔

ابن سیرین سے مروی ہے کہ قرآن میں چھ ہزار دوسَو سولہ (۶۲۱۶) آیتیں ہیں۔

زید ابن عبدالواحد ابوالمعافی ضریر سے منقول ہے: ''کوفیوں نے چھ ہزار دوسَو چھتیس آیتیں شمار کی ہیں'' نیز یہ اُن کی گنتی کو عبدالرحمٰن سُلمی کی طرف منسوب کرتا ہے کہ اُس نے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے نقل کیا ہے۔

بصریوں نے قرآنی آیتوں کو چھ ہزار دوسَو چار شمار کیا ہے اور اُن کی گنتی کو عاصم جحدری کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، جبکہ ابوجعفر یزید ابن قعقاع کے مطابق آیتوں کی تعداد چھ ہزار دوسَو دس ہے۔

شامیوں نے آیتوں کی تعداد چھ ہزار دوسَو چھبیس بتلائی ہے اور ان کی گنتی کو یحییٰ ابن ابی الحرث ذماری کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

حمید اعرج سے مروی ہے: ''قرآن میں کُل چھ ہزار دوسَو بارہ آیتیں پائی جاتی ہیں'' (المقدمتان۔ جلد۷۔ صفحہ ۲۴۶)

ابن جوزی (متوفی۔ ۵۹۷ھ) کہتا ہے: ''قرآن کی آیتوں کی تعداد کے بارے میں بھی اُن کی گنتی کرنے والوں کی تعداد کے حساب سے اختلاف پایا جاتا ہے، جبکہ ان گنتیوں کو چھ شہروں کی جانب منسوب کیا جاتا ہے: مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، شام اور حمص۔

مکی تعداد: کو مجاہد ابن خیر اور عبداللہ ابن کثیر کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔

مدنی تعداد: دو قسموں پر مشتمل ہے: مدنی اوّل اور مدنی دوم۔

مدنی اوّل: کوفیوں کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے مدنی لوگوں سے بطور مُرسَل نقل کیا ہے جبکہ انہوں نے اس سلسلہ میں کسی کا نام نہیں لیا۔

مدنی دوم: ابوجعفر یزید ابن قعقاع اور اُس کے داماد شیبہ ابن نصاح کی طرف منسوب ہے نیز ان دونوں کے

درمیان چھ مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے جو یہ ہیں: "مما تحبون"، "وان کانوا لیقولون"، . . . "وقد جائنا نذیر . . . سے طعامہ تک" اور "فاین تذھبون" اِن پانچ آیتوں کو ابوجعفر نے ترک کر دیا ہے جبکہ شیبہ نے انہیں شمار کیا ہے۔ نیز ابوجعفر نے "مقام اِبراھیم" کو بھی شمار کیا ہے جبکہ شیبہ نے ترک کر دیا ہے۔

ابن منادی کہتا ہے: "حقیقت میں یہ کوئی نہیں جانتا کہ مدنی اوّل کس زمانہ سے پایا جاتا ہے اور یہ گویا ایسا ہی ہوگا کہ متعدد صحابہ نے اس قول کی حمایت کی ہوگی اور اُن کی کثرت کی وجہ سے اسے کسی مخصوص شخص کی جانب منسوب نہیں کیا گیا، لیکن اگر یہ قرآن کے کاتبوں کی طرف سے ہوگا تو اسے عوام الناس سے اَخذ کیا ہوگا، جبکہ اگر یہ کسی قرآنی نسخہ سے لیا گیا ہے تو کتابوں کے نسخے نقل کرنے سے پہلے ہی لے لیا ہوگا۔ بنابریں جب ابوجعفر اور شیبہ کا دَور آیا ہوگا تو انہوں نے گذشتگان کی گنتی پر اِعتماد کیا ہوگا جس طرح کہ حروف میں گذشتگان کے نظریہ کو اختیار کیا ہے۔

کوفی تعداد: ابوعبدالرحمٰن سُلمی کی طرف منسوب ہے کہ اُس نے حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے نقل کیا ہے، جبکہ ایک جماعت نے اس کو ابن مسعود کی جانب منسوب کیا ہے، مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

بصری تعداد: عاصم ابن میمون جحدری کی جانب منسوب ہے؛ یہ اُن تابعین حافظوں میں سے ہے کہ جنہیں حجاج ابن یوسف نے بلوایا تھا تا کہ وہ حسن بصری، مالک ابن دینار، ابوالعالیہ ریاحی، ابومحمد ابن راشد حمانی اور نصر ابن عاصم لیثی کے ساتھ مل کر حروف قرآن کو شمار کرے اور ان حضرات نے جَو کے دانوں پر گنتی کی تھی اور پھر انھی کو شمار کر لیا تھا۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے اسے ایوب ابن متوکل سے منسوب کیا ہے مگر پہلی نسبت زیادہ واضح ہے۔

شامی تعداد: عبداللہ ابن عاصم یحصبی کی طرف منسوب ہے، جبکہ کچھ لوگوں نے یہ قول نقل کیا ہے کہ کہ ایوب ابن تمیم کے زعم میں یہ گنتی حضرت عثمانؓ ابن عفان نے کی ہے، لیکن پہلی رائے زیادہ صحیح ہے۔

حمصی تعداد: حمص کے رہنے والوں نے شامیوں کے بالکل برعکس نقل کیا ہے۔

قرآنی اَعداد و شمار کا حساب کرنے والوں کا اس بات پر تو اجماع ہے کہ قرآن میں چھ ہزار دوسَو آیتیں پائی جاتی ہیں، مگر اس سے زائد تعداد میں اُن کے درمیان اختلاف ہے۔ چنانچہ منہال ابن عمرو نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے: قرآن میں چھ ہزار دوسَو سترہ آیتیں ہیں اور یہ مدنی اوّل ہے؛ نافع نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ مدنی دوّم کے حساب سے (سترہ کی بجائے) چودہ آیتیں ہیں کہ یہ تعداد شیبہ سے نقل کی گئی ہے، مگر ابوجعفر کے مطابق دس آیتیں ہیں؛ مکی تعداد کے حساب سے بیس آیتیں ہیں اور کوفی حساب سے چھتیس آیتیں ہیں جبکہ اس قول کو حمزہ زیاد سے نقل کیا گیا ہے؛ بصری حساب

سے پانچ آیتیں ہیں اور یہ قول عاصم جحدری سے مروی ہے، جبکہ اسی سے ایک روایت میں چار منقول ہے اور ایوب ابن متوکل بصری نے بھی اسی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ بصریوں کی دیگر ایک روایت میں وہ لوگ کہتے ہیں کہ اُنیس آیتیں ہیں اور یہ قول یحییٰ ابن حارث ذماری سے منقول ہے۔ نیز ابو عبدالرحمٰن نے حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے کہ یہ اُنتیس آیتیں ہیں؛ زید ابن وہب نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ یہ پندرہ آیتیں ہیں؛ عطاء خراسانی سے مروی ہے کہ یہ سولہ آیتیں ہیں جبکہ عطاء ابن یسار کہتا ہے کہ چھ آیتیں ہیں؛ حمصی لوگوں نے کہا ہے کہ یہ بتیس آیتیں ہیں۔ (فنون الأفنان- صفحہ ۳۹و۴۰)

بعدازیں ابن جوزی نے مذکورہ اقوال کے حساب سے ہر سورت کی تعداد کا ذکر کیا ہے۔ (صفحہ ۵۲- ۷۳)

طبرسی نے کوفی اعداد و شمار پر اعتماد کیا ہے اور وہ کہتا ہے: ''کوفیوں کے اعداد و شمار زیادہ صحیح ہیں اور سند کے اعتبار سے اعلیٰ ترین بھی، کیونکہ یہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے ماخوذ ہیں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک روایت بھی اس قول کی تائید کرتی ہے؛ آپ فرماتے ہیں: ''سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور ان میں سے ایک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ مدنی گنتی ابو جعفر یزید ابن قعقاع قاری اور شیبہ ابن نصاح کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور یہ دونوں مدنی اوّل کے طبقہ سے ہیں نیز اسماعیل ابن جعفر کی طرف بھی منسوب کی جاتی ہے جو مدنی دوّم کے طبقہ سے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مدنی اوّل کے طبقہ میں امام حسن ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام اور عبداللہ ابن عمر ہیں جبکہ مدنی دوّم کے طبقہ میں ابو جعفر، شیبہ اور اسماعیل ہیں لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے؛ بصریوں کے اعداد و شمار عاصم ابن ابی صباح جحدری اور ایوب ابن متوکل سے منسوب ہیں اور ان دونوں کا سوائے ایک آیت کے کسی میں اختلاف نہیں اور وہ آیت یہ ہے: **فالحق والحق أقـــول** یعنی جحدری نے اس کو شمار کیا ہے جبکہ ایوب نے اس کو ترک کر دیا ہے؛ مکی اعداد و شمار مجاہد ابن جبر اور اسماعیل مکی کی طرف منسوب ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے اعداد کو کسی سے نسبت نہیں دی جاتی بلکہ ان کے قرآنی نسخوں میں ہر آیت کی ابتدا میں تین نقطے پائے جاتے ہیں؛ شامی اعداد و شمار عبداللہ ابن عامر کی طرف منسوب ہیں۔ (مجمع البیان- جلد ا- صفحہ ۱۱)

سیوطی نے کوفی اعداد و شمار کو حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے نقل کرتے ہوئے ان اقوال کی تفصیل یوں بیان کی ہے: ''ابو عبداللہ موصلی اپنے قصیدہ "ذات الرشد" کی شرح میں کہتا ہے: آیتوں کی تعداد کے بارے میں مدنی، مکی، شامی، بصری اور کوفیوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مدنیوں نے دو تعداد بتلائی ہیں: ان میں سے پہلی تعداد ابو جعفر یزید ابن قعقاع اور شیبہ ابن نصاح کی گنتی کے مطابق ہے اور دوسری تعداد اسماعیل ابن جعفر ابن ابی کثیر انصاری کے حساب سے ہے؛ مکی تعداد عبداللہ ابن کثیر سے مروی ہے، اس نے مجاہد سے، اس نے ابن عباسؓ سے اور انہوں اُبی ابن کعبؓ سے نقل کیا ہے؛ شامی اعداد و شمار ہارون ابن موسیٰ اخفش وغیرہ... سے مروی ہیں اور اس نے عبداللہ ابن ذکوان اور احمد ابن

یزید حلوانی وغیرہ... سے اور اس نے ہشام ابن عمار سے نقل کیا ہے کہ جسے ابن ذکوان اور ہشام نے ایوب ابن تمیم ذماری سے اور اس نے یحییٰ ابن حارث ذماری سے نقل کیا ہے؛ وہ کہتا ہے: یہ وہ اعداد ہیں جنہیں ہم شامی اعداد شمار کرتے ہیں کہ جسے علمائے کبار نے ہم سے صحابہ کے ذریعہ بیان کیا ہے اور عبداللہ ابن عامر یحصبی وغیرہ... نے ہم سے ابودرداء کے ذریعہ بیان کیا ہے؛ بصری اعداد و شمار عاصم ابن عجاج جحدری پر منحصر ہیں؛ کوفی اعداد و شمار کو حمزہ ابن حبیب زیات، ابوالحسن کسائی اور خلف ابن ہشام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے؛ حمزہ کہتا ہے: اس تعداد کا ذکر ہم سے ابن ابی لیلیٰ نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے کیا اور اس نے حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے نقل کیا ہے''

-- آیات کے اعداد و شمار کی جدول اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں! --

آیتوں کے اعداد کی جدول
مدنی - مدنی اوّل اور مدنی دوّم، مکی،شامی
بصری اور کوفی اعداد و شمار

سورتوں کے نام	قرآن میں ۱۳۳۷	بلا اختلاف (۴۰)	تعداد میں اختلاف کے ساتھ (۷۵)	آیت کے موضوع میں اختلاف کے ساتھ (۴)
سورۂ فاتحہ	۷		☆	
سورۂ بقرہ	۲۸۶		۲۵۸اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۲۵۶اور ۲۵۷	
سورۂ آل عمران	۲۰۰		۲۰۰اور ۱۹۹	
سورۂ نساء	۱۷۶		۱۷۵،۱۷۶،۱۷۷	
سورۂ مائدہ	۱۲۰		۱۲۰،۱۲۲،۱۲۳	
سورۂ انعام	۱۶۵		۱۶۵،۱۶۶،۱۶۷	
سورۂ اعراف	۲۰۶		۲۰۵،۲۰۶	
سورۂ انفال	۷۵		۷۵،۷۶،۷۷	
سورۂ توبہ	۱۲۹		سورۂ برائت، ۱۳۰،۱۲۹	
سورۂ یونس	۱۰۹		۱۱۰،۱۰۹	
سورۂ ہود	۱۲۳		۱۲۱،۱۲۲،۱۲۳	

☆ تمام علماء متفق ہیں کہ اس کی ۷ آیتیں ہیں اور مکی اور کوفیوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پہلی آیت شمار کیا ہے اور انعمت علیھم (آیت ۷) کو نہیں جبکہ دیگر اقوام نے اس کے برعکس رائے دی ہے۔ حسن کہتا ہے کہ اس کی آٹھ آیتیں ہیں اور دونوں کو شمار کیا ہے جبکہ بعض کہتے ہیں ۶ آیتیں ہیں اور ان دونوں کو شمار نہیں کیا جبکہ کچھ کہتے ہیں کہ اس کی ۹ آیتیں ہیں اور انہوں نے ان دونوں کے ساتھ ساتھ ایاک نعبد (آیت ۵) کو ایک آیت شمار کیا ہے۔

سورتوں کے نام	قرآن میں ۱۳۳۷	بنا اختلاف (۴۰)	تعداد میں اختلاف کے ساتھ (۷۵)	آیت کے موضوع میں اختلاف کے ساتھ (۴)
سورۂ یوسف	۱۱۱	بنا اختلاف		
سورۂ رعد	۴۳		۴۳،۴۴،۴۷	
سورۂ ابراہیم	۵۲		۵۱،۵۲،۵۴،۵۵	
سورۂ حجر	۹۹	بنا اختلاف		
سورۂ نحل	۱۲۸	بنا اختلاف		
سورۂ اسراء	۱۱۱		۱۱۰،۱۱۱	
سورۂ کہف	۱۱۰		۱۰۵،۱۰۶،۱۱۰،۱۱۱	
سورۂ مریم	۹۸		۹۹،۹۸	
سورۂ طٰہٰ	۱۳۵		۱۳۰،۱۳۲،۱۳۴،۱۳۵،۱۴۰	
سورۂ انبیاء	۱۱۲		۱۱۱،۱۱۲	
سورۂ حج	۷۸		۷۴،۷۵،۷۶،۷۸	
سورۂ مومنون	۱۱۸		۱۱۸،۱۱۹	
سورۂ نور	۶۴		۶۲،۶۴	
سورۂ فرقان	۷۷	بنا اختلاف		
سورۂ شعراء	۲۲۷		۲۲۶،۲۲۷	
سورۂ نمل	۹۳		۹۲،۹۴،۹۵	
سورۂ قصص	۸۸			۸۸☆

☆ کوفیوں نے طسم (آیت ۱) کو شمار کیا ہے جبکہ باقی لوگوں نے اس کے بدلے (أمة من الناس یسقون) (۲۳ویں آیت کا حصہ) کو نقل کیا ہے۔

سورتوں کے نام	قرآن میں ۱۳۳۷	بنا اختلاف (۴۰)	تعداد میں اختلاف کے ساتھ (۷۵)	آیت کے موضوع میں اختلاف کے ساتھ (۴)
سورۂ عنکبوت	۶۹			۶۹☆
سورۂ روم	۶۰		۵۹،۶۰	
سورۂ لقمان	۳۴		۳۴،۳۳	
سورۂ سجدہ	۳۰		۲۹،۳۰	
سورۂ احزاب	۷۳	بنا اختلاف		
سورۂ سبأ	۵۴		۵۵،۵۴	
سورۂ فاطر	۴۵		۴۵،۴۶	
سورۂ یٰس	۸۳		۸۲،۸۳	
سورۂ صافات	۱۸۲		۱۸۲،۱۸۱	
سورۂ ص	۸۸		۸۸،۸۶،۸۵	
سورۂ زمر	۷۵		۷۵،۷۳،۷۲	
سورۂ غافر	۸۵		۸۶،۸۵،۸۴،۸۲	
سورۂ فصلت	۵۴		۵۴،۵۳،۵۲	
سورۂ شوریٰ	۵۳		۵۳،۵۰	
سورۂ زخرف	۸۹		۸۸،۸۹	
سورۂ دخان	۵۹		۵۹،۵۷،۵۶	
سورۂ جاثیہ	۳۹		۳۷،۳۶	
سورۂ احقاف	۳۵		۳۵،۳۴	

☆ کوفیوں نے الم (آیت ۱) کو شمار کیا ہے جبکہ باقی لوگوں نے اس کی جگہ (مخلصین له الدین) (آیت ۶۵) کا ذکر کیا ہے، جبکہ شامیوں نے (وتقطعون السبیل) کو شمار کیا ہے۔

سورتوں کے نام	قرآن میں ۱۳۳۷	بنا اختلاف (۴۰)	تعداد میں اختلاف کے ساتھ (۷۵)	آیت کے موضوع میں اختلاف کے ساتھ (۴)
سورۂ محمدؐ	۳۸		سورۂ قتال، ۳۸،۳۹،۴۰	
سورۂ فتح	۲۹	بنا اختلاف		
سورۂ حجرات	۱۸	بنا اختلاف		
سورۂ ق	۴۵	بنا اختلاف		
سورۂ ذاریات	۶۰	بنا اختلاف		
سورۂ طور	۴۹		۴۹،۴۸،۴۷	
سورۂ نجم	۶۲		۶۲،۶۱	
سورۂ قمر	۵۵	بنا اختلاف		
سورۂ رحمٰن	۷۸		۷۸،۷۶،۷۷	
سورۂ واقعہ	۹۶		۹۶،۹۷،۹۹	
سورۂ حدید	۲۹		۳۹،۳۸	[موصلی میں ۲۹ نہیں ہیں]
سورۂ مجادلہ	۲۲		۲۲،۲۱	
سورۂ حشر	۲۴	بنا اختلاف		
سورۂ ممتحنہ	۱۳	بنا اختلاف		
سورۂ صف	۱۴	بنا اختلاف		
سورۂ جمعہ	۱۱	بنا اختلاف		
سورۂ منافقون	۱۱	بنا اختلاف		
سورۂ تغابن	۱۸	بنا اختلاف		
سورۂ طلاق	۱۲		۱۲،۱۱	
سورۂ تحریم	۱۲	بنا اختلاف		

آیتوں کے آعداد کی جدول

سورتوں کے نام	قرآن میں ۱۳۳۷	بنا اختلاف (۴۰)	تعداد میں اختلاف کے ساتھ (۷۵)	آیت کے موضوع میں اختلاف کے ساتھ (۴)
سورۂ ملک	۳۰		تبارک ،۳۰، ۳۱	[الاتقان- صفحہ ۱-۶۸ کی طرف رجوع کریں]
سورۂ قلم	۵۲	بنا اختلاف		
سورۂ حاقہ	۵۳		۵۲،۵۱	[موصلی نے ۵۳ کا ذکر نہیں کیا]
سورۂ معارج	۴۴		۴۳،۴۴	
سورۂ نوح	۲۸		۲۸،۲۹،۳۰	
سورۂ جن	۲۸			۲۸☆
سورۂ مزمل	۲۰		۱۸،۱۹،۲۰	
سورۂ مدثر	۵۶		۵۶،۵۵	
سورۂ قیامت	۴۰		۳۹،۴۰	
سورۂ انسان / دہر	۳۱	بنا اختلاف		
سورۂ مرسلات	۵۰	بنا اختلاف		
سورۂ نبأ	۴۰		عم ،۴۰، ۴۱	
سورۂ نازعات	۴۶	۴۶،۴۵		
سورۂ عبس	۴۲		۴۲،۴۱،۴۰	
سورۂ تکویر	۲۹	بنا اختلاف		
سورۂ انفطار	۱۹	بنا اختلاف		
سورۂ مطففین	۳۶	بنا اختلاف		
سورۂ انشقاق	۲۵		۲۵،۲۴،۲۳	

☆مکیوں نے (لن یجیرنی من اللہ احد) (آیت۲۲) کو شمار کیا ہے جبکہ باقی لوگوں نے اس کی جگہ (ولن أجد من دونہ ملتحداً) (آیت۲۲) کو نقل کیا ہے۔

سورتوں کے نام	قرآن میں ۱۳۲۷	بنا اختلاف (۴۰)	تعداد میں اختلاف کے ساتھ (۷۵)	آیت کے موضوع میں اختلاف کے ساتھ (۴)
سورۂ بروج	۲۲	بنا اختلاف		
سورۂ طارق	۱۷		۱۶،۱۷	
سورۂ اعلیٰ	۱۹	بنا اختلاف		
سورۂ غاشیہ	۲۶	بنا اختلاف		
سورۂ فجر	۳۰		۳۲،۲۹،۳۰	
سورۂ بلد	۲۰	بنا اختلاف		
سورۂ شمس	۱۵		۱۶،۱۵	
سورۂ لیل	۲۱	بنا اختلاف		
سورۂ ضحیٰ	۱۱	بنا اختلاف		
سورۂ الم نشرح	۸	بنا اختلاف		
سورۂ تین	۸	بنا اختلاف		
سورۂ علق	۱۹		۱۹،۲۰	
سورۂ قدر	۵		۶،۵	
سورۂ بینہ	۸		۹،۸	
سورۂ زلزلہ	۸		۸،۹	
سورۂ عادیات	۱۱	بنا اختلاف		
سورۂ قارعہ	۱۱		۱۱،۱۰،۸	
سورۂ تکاثر	۸	بنا اختلاف		
سورۂ عصر	۳			۳☆
سورۂ ہمزہ	۹	بنا اختلاف		

☆مدنی دوم کے نزدیک (وتواصوا بالحق) (آیت ۳) ہے نہ کہ والعصر (آیت ۱) جبکہ باقی لوگوں نے اس کے برعکس رائے قائم کی ہے۔

سورتوں کے نام	قرآن میں ۱۳۳۷	بنا اختلاف (۴۰)	تعداد میں اختلاف کے ساتھ (۷۵)	آیت کے موضوع میں اختلاف کے ساتھ (۴)
سورۂ فیل	۵	بنا اختلاف		
سورۂ قریش	۴		۵،۴	
سورۂ ماعون	۷		۶،۷	
سورۂ کوثر	۳	بنا اختلاف		
سورۂ کافرون	۶	بنا اختلاف		
سورۂ نصر	۳	بنا اختلاف		
سورۂ مسد	۵	بنا اختلاف		
سورۂ اخلاص	۴		۵،۴	
سورۂ فلق	۵	بنا اختلاف		
سورۂ ناس	۶		۶،۷	

اختلافی مقامات کے قائلین میں سے سوائے ابن جوزی (متوفی-۵۹۷ھ) کے کسی نے بھی ان کے متعلق تفصیل سے نہیں لکھا جبکہ ابن جوزی نے بھی صرف چھ موارد سے متعلق تفصیل لکھی ہے۔ (صفحہ۶۲ کی طرف رجوع کیا جائے)

طویل ومختصر کے لحاظ سے قرآن کریم کی آیتیں باہم مختلف ہیں۔ چنانچہ کبھی یہ:

۱۔ ایک ہی کلمہ پر مشتمل ہوتی ہے جیسے مدھامتان (سورۂ رحمٰن- آیت۶۴)

۲۔ دو کلموں پر مشتمل ہوتی ہے جیسے والضُحی (سورۂ ضحیٰ- آیت ۱)

۳۔ کبھی کئی کلمات پر مشتمل ہوتی ہے مگر جملۂ غیر تامہ کی صورت میں۔

۴۔ یا پھر جملۂ تامہ کی صورت میں کہ زیادہ تر آیتیں اسی صورت میں ہیں۔

طویل ترین آیت سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۲ ہے: ﴿یا ایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین . . .﴾ جو ۱۵ سطروں پر مشتمل ہے۔

سیوطی کی رائے یہ ہے کہ کسی آیت کی شناخت کا فائدہ اس کے وقف کے حکم کی معرفت ہے، چنانچہ ہذلی سے اس کی کتاب الکامل میں یوں نقل کیا ہے: ''یہ جان لینا چاہئے کہ لوگ عدد میں پوشیدہ فوائد سے ناواقف ہیں، حتیٰ کہ زعفرانی نے تو

کہہ دیا ہے کہ عدد کوئی علم ہی نہیں ہے بلکہ بعض لوگ اس جانب صرف اس لئے متوجہ ہوئے تا کہ اس کے ذریعہ بازار میں اُن کے نام کا سکہ چلنے لگے''

سیوطی کہتا ہے: ایسا نہیں ہے، بلکہ اس سے وقف سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور اس بات پر اجماع قائم ہو چکا ہے کہ نصف آیت کے ساتھ نماز صحیح نہیں ہوگی۔ اگر چہ علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ایک آیت کافی ہے جبکہ کچھ دیگر علماء کہتے ہیں کہ تین آیتیں ہونی چاہئیں اور کچھ کہتے ہیں کہ کم از کم سات آیتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح آیتِ کاملہ کے بنا اعجاز واقع نہیں ہوگا، لہٰذا اس سلسلہ میں عدد کا بہت بڑا فائدہ ہے۔ (الإتقان۔ جلد ا۔ صفحہ ۶۹)

عرضِ مؤلف: اعداد کے فوائد سے متعلق یہ حکم قیاسی ہے اگر چہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی دھاک جمانے اور ذاتی مفادات کی غرض سے اسے ایک مستقل حیثیت دیتے ہیں، لیکن، اگر اعداد کا تعین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہو تو اس کے بہت عظیم فوائد ہیں۔

یہیں سے پتا چلتا ہے کہ اعداد کا تعین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے نہیں کیا گیا بلکہ یہ تو متاخرین کی اجتہادی صلاحیتوں کا نتیجہ ہے اور اسی وجہ سے زعفرانی کی مذکورہ رائے صحیح ثابت ہوتی ہے۔

ان دنوں قرآن کی آیات کے تعین کا طریقہ کوفیوں کا مقرر کردہ ہے اور اس طرح ان کی تعداد ۶۲۳۶ ہے جبکہ سیوطی کی نقل کردہ روایتوں میں کم از کم ۶۱۷۵ ہے اور ان دونوں طریقوں میں ۶۱ کا فرق ہے۔ لیکن یہ قرآن کریم کا کوئی نقص نہیں ہے بلکہ یہ فرق محض آیتوں کے تعین کا ہے۔

کتابِ وحی

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود قرآن کو بالکل بھی تحریر نہیں فرمایا، بلکہ صحابہ رسولؐ ہی "کاتبانِ وحی" کے نام سے مشہور ہیں اگر چہ یہ کسی کو علم نہیں کہ کیا کچھ اور کیونکر تحریر کیا گیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصِ قرآنی کو لکھ لینے کا بڑا اہتمام فرمایا، جبکہ حدیثِ قدسی کو آپؐ کی اسقدر توجہ حاصل نہ رہی۔

ابن ندیم (متوفی۔ ۳۸۰ھ) کہتا ہے: ''عہدِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرآن کی جمع آوری کرنے والے افراد یہ ہیں: علی ابن ابی طالبؑ رضوان اللہ علیہ، سعد ابن عبید ابن نعمان ابن عمر ابن زید رضی اللہ عنہ، ابودرداء عویمر ابن زید رضی اللہ عنہ، معاذ ابن جبل ابن اوس رضی اللہ عنہ، ابوزید ثابت ابن زید ابن نعمان، اُبی ابن کعب ابن قیس ابن مالک ابن امریٔ القیس اور عبید ابن معاویہ ابن زید ابن ثابت ابن ضحاک'' (الفہرست۔ صفحہ ۳۰)

امام بخاری (متوفی-۲۵۶) روایت نقل کرتے ہیں: ''انس ابن مالکؓ سے سوال کیا گیا کہ عہدِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرآن کی جمع آوری کس نے کی تھی؟ اس نے کہا: چار اَفراد تھے اور وہ سب کے سب اَنصاری تھے: اُبی ابن کعب، معاذ ابن جبل، زید ابن ثابت اَور ابوزید''

ایضاً: انس سے مروی ہے: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس دُنیا سے رُخصت ہوگئے لیکن سوائے چار اَفراد کے کسی نے بھی قرآن کو یکجا نہیں کیا: ابودرداء، معاذ ابن جبل، زید ابن ثابت اور ابوزید۔ نیز کہا: اور ہمیں یہ (قرآن) بطورِ میراث ملا ہے''

ایضاً: ابن عباسؓ سے مروی ہے: ''حضرت عمرؓ نے اُبی سے کہا کہ ہمیں قرأت سکھاؤ؛ ہم اُبی کے لحن کا تو خیال ہی نہیں کرتے جبکہ اُبی کہتے ہیں کہ میں نے یہ قرأت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے سُنی ہے لہٰذا میں اس میں سے کوئی شے ترک نہیں کرتا؛ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا (سورۂ بقرہ- آیت ۱۰۶) جب ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا ذہن سے مٹا دیتے ہیں تو ہم اُس سے بہتر یا ویسی ہی نازل بھی کردیتے ہیں'' (صحیح البخاری- جلد۶- صفحہ۲۳۰)

ذہبی (متوفی-۷۴۸ھ) کہتا ہے: ''علی ابن رباح نے کہا ہے کہ حیاتِ رسولؐ میں چار اَفراد نے قرآن کو یکجا کیا: علی، عثمانؓ، اُبیؓ ابن کعب اور عبداللہؓ ابن مسعودؓ'' (معرفۃ القرّاء- جلد۱- صفحہ۲۷)

دیگر روایتیں

قرآن کی جمع آوری کے سلسلہ میں بے شمار روایتیں ہیں کہ ان میں سے کچھ ایسی ہیں جو حافظانِ قرآن کی تعداد چار، سات یا آٹھ بتلاتی ہیں۔

زرکشی (متوفی-۷۹۸ھ) کہتا ہے: ''حافظ بیہقی اپنی کتاب المدخل میں کہتا ہے: پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اور پھر ابن سیرین سے منسوب روایت بیان کی ہے: رسولِ خداؐ کے زمانہ میں قرآن کو چار اَفراد نے یکجا کیا تھا کہ اُن کی تشخیص میں اختلاف پایا جاتا ہے: معاذ ابن جبل، اُبی ابن کعب، زید اَور ابوزید؛ تین میں سے دو اَفراد کے متعلق بھی اختلاف پایا جاتا ہے: ابودرداء اور عثمان، جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عثمان اور تمیم داری'' (البرھان- جلد۱- صفحہ۲۴۱)

عرضِ مؤلف: ان قرآن کے جمع کنندگان کی سوانح پر سرسری نگاہ ڈالنے پر -- اُن افراد سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ جن کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے -- ہمیں اس بات پر توقف کرنا پڑتا ہے کہ سوائے حضرت علی ابن ابی

طالب علیہ السلام کے یہ سب کے سب انصاری تھے اور یہ ایک طبیعی امر ہے کہ انصاریوں کے مقامِ وحی یعنی مکہ مکرمہ سے دُوری کی بناء پر ان لوگوں کی زیادہ تر توجہ قرآن کے سیکھنے کی جانب تھی سوائے علیؑ ابن ابی طالبؑ کے کہ جو حسب نسب کی بناء پر (رسول اللہؐ کے) قریب تھے اور اُن کے لئے عین نزول قرآن کے موقع پر اس کو لکھ لینا نہایت آسان تھا۔ ان مذکورہ حضرات کی سوانح حیات سے ایک اقتباس آپ قارئین کی نظر:

۱۔علی ابن ابی طالب علیہ السلام: ان کی مختصر ترین سوانح آگے چل کر آئے گی۔

۲۔سعد ابن عبداللہ ابن نعمان ابن قیس ابن عمرو ابن زید ابن اُمیہ ابن زید انصاری دوسی۔ کتاب الاصابۃ میں درج ہے کہ یہ جنگِ بدر میں موجود تھے اور ۱۶ھ میں جنگِ قادسیہ میں شہید ہوئے۔ یہی ابوزید ہیں کہ جنھوں نے قرآن کو یکجا کیا تھا۔ (الاصابۃ۔ جلد۳۔ صفحہ۵۷)

۳۔ابو درداء عویمر ابن عامر ابن ثعلبہ ابن عامر ابن زید انصاری خزرجی: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کے اور سلمان فارسیؓ (متوفی۔ ۳۲ھ) کے درمیان بھائی چارگی قائم کی تھی۔ (اسد الغابۃ۔ جلد۴۔ صفحہ۳۱۹)

۴۔معاذ ابن جبل ابن عمرو ابن اوس ابن عائذ انصاری خزرجی: یہ اُن سات افراد میں سے ایک ہیں جو عقبہ، بدر، اُحد اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رکاب میں ہر جنگ میں موجود تھے، رسولِ خداؐ نے ابو درداء اور عبداللہ ابن مسعود کے درمیان عقدِ مواخات قائم کیا تھا اور اسلام قبول کرنے کے وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں: ''قرآن کو چار افراد سے اَخذ کرو: ابن مسعود، اُبی ابن کعب، معاذ ابن جبل اور حذیفہ کے غلام سالم سے'' (اسد الغابۃ۔ جلد۵ صفحہ۱۹۴)

۵۔ابوزید ثابت ابن زید ابن نعمان ابن مالک ابن عبید ابن کعب ابن عبدالاشہل انصاری: یحییٰ ابن معین سے مروی ہے: ''ابوزید وہ ہیں کہ جنھوں نے عہدِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں قرآن کو یکجا کیا اور ان کا اسمِ گرامی ثابت ابن زید ہے'' ابن اثیر کہتا ہے: ''ابن معین کے کلام میں اشکال ہے، کیونکہ انس کہتے ہیں کہ (ابوزید) رشتہ میں میرے چچا ہوتے ہیں، چنانچہ یہ خزرج میں سے بنونجار کے ہونے چاہئیں'' (اسد الغابۃ۔ جلد۱۔ صفحہ۲۶۹)

۶۔اُبی ابن کعب ابن قیس ابن عبید ابن زید ابن معاویہ ابن عمرو ابن مالک ابن امرئ القیس اُنصاری خزرجی: واقدی کے حوالے سے کہتا ہے: ''مدینہ میں آنے کے بعد جس شخص نے سب سے پہلے رسول خداؐ کے لئے کتابت کی وہ اُبی ابن کعب ہے'' (اسد الغابۃ۔ جلد۱۔ صفحہ۶۳)

۷۔عبید ابن معاویہ: ابن حجر (متوفی۔ ۸۵ھ) نے صرف ان کا نام درج کیا ہے، ان کی سوانح حیات

نہیں۔(الاصابۃ۔ جلد۴۔ صفحہ ۳۴۹)اور ابن اثیر نے بھی اپنی کتاب اسد الغابۃ۔ جلد۳۔ صفحہ ۵۴۸ میں اسی طرح کیا ہے۔

۸۔ زید ابن ثابت ابن ضحاک ابن زید ابن لوزان انصاری خزرجی؛ ان کا ذکر بھی آگے چل کر آئے گا۔

قرآن کی جمع آوری

قرآن کی جمع آوری، اس کی تفسیر، تحریف اور اس کی قرأت کے متعلق تحقیق تقریباً ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ان میں سے کسی بھی مضمون کی تحقیق دیگر مذکورہ مضامین کے ذریعہ استدلال اور نتائج سے جڑی ہوئی ہے۔

اس مقام پر علوم قرآن میں دو قدیم اصطلاحیں پائی جاتی ہیں: ایک ''قرآن کی جمع آوری'' اور دوسری ''تالیفِ قرآن''

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو ملاحظہ کرلیا جائے۔ جمع آوری سے مراد صوتی قرآن کو کتابت کی صورت میں ڈھالنا ہے جبکہ تالیف قرآن سے مراد باعتبار نزول سورتوں کو مرتب کرنا ہے اور ایسی ترتیب کو ''ترتیب زمانی'' کہتے ہیں جبکہ طویل و مختصر ہونے کے لحاظ سے مرتب کرنے کو ''ترتیب مقداری'' کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی مختلف پہلو اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ بعض روایتیں بیان کرتی ہیں کہ صحابہ نے آزادنہ طور پر اپنے لئے ایک خاص ترتیب کا انتخاب کیا ہے جس طرح کہ علقمہ کی حدیث میں موجود ہے؛ وہ کہتا ہے: ''ابن مسعود کی تالیف کی بناء پر بیس سورتیں مفصل کے ابتدائی حصہ میں ہیں کہ ان میں آخری حوامیم ہیں'' (ابن حجر کی فتح الباری۔ جلد ۹۔ صفحہ ۳۲ کی طرف رجوع کیا جائے) لفظ "مفصل" سوائے سورۂ فاتحہ کے قرآن کی ان چھوٹی چھوٹی سورتوں کے لئے ایک خاص اصطلاح ہے جو قرآن کریم کے آخری حصہ میں موجود ہیں۔

مؤرخین کے ہاں یہی مشہور ہے کہ قرآن کی جمع آوری زمانۂ رسولؐ میں انجام نہیں پائی، بلکہ آپؐ کی وفات کے بعد قرآن کو یکجا کیا گیا، اگرچہ اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ میں سے کن کے دور میں قرآن کو جمع کیا گیا۔ چونکہ عہد رسالت میں قرآن کو یکجا نہ کرنا ایسی غفلت کا نتیجہ نظر آتا ہے جس کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی ہستی سے صادر ہونا ممکن نہیں۔ لہٰذا بعض علماء نے اس کی توجیہ پیش کی ہے: فتح الباری میں مرقوم ہے: ''خطابی وغیرہ... کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وجہ سے قرآن کو یکجا نہیں کیا کہ اس کے بعض احکام یا تلاوت کے منسوخ ہونے کا امکان تھا، چنانچہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو اللہ نے خلفائے راشدین کو الہام کیا کہ وہ قرآن کو جمع کریں اور اس کی ابتدا حضرت عمرؓ کے مشورہ سے حضرت صدیقؓ نے کی تھی... الخ'' (فتح الباری۔ جلد ۹۔ صفحہ ۱۳۰)

مذکورہ توجیہہ قابلِ قبول نہیں ہے، کیونکہ نسخ کے معنیٰ یہ نہیں ہوتے کہ خود آیات کو مٹا دیا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نص تو باقی رہے گی اور صرف حکم کو لاگو نہیں کیا جائے گا؛ یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام بے شمار آیتوں کی تحقیق پر ہمیں یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ فلاں آیت ناسخ ہے اور فلاں منسوخ جبکہ مفروض یہ ہے کہ یہ آیتیں اب بھی نصِ قرآنی کے طور پر محفوظ ہیں اور اسلام کے مختلف فرقوں کے ہاں ناسخ و منسوخ پر بے شمار کتابیں پائی جاتی ہیں اور اُدھر نگاہ کرنے پر صاف نظر آتا ہے کہ نسخ کے انتظار اور کتابتِ قرآن میں کوئی ربط نہیں ہے! نیز یہ بھی ناممکن ہے کہ خلفائے ثلاثہ قرآن کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے زیادہ غیرت مند واقع ہوں! بہرصورت مشہور رائے یہی ہے کہ زید ابن ثابت نے تنہا یا کسی مخصوص جماعت کے ساتھ مل کر صوتی قرآن کو کھجور کی شاخ، اوراق، باریک پتھر اور لکڑی کے قرآن کی صورت میں منتقل کیا تھا اور یہ دونوں خلفاء - حضرات ابوبکرؓ اور عمرؓ - کے خاص اہتمام کی بناء پر تھا۔

اَقوالِ نادرہ

اِس قولِ مشہور کے مقابلہ میں اِس سلسلہ میں دیگر کئی نادرہ اَقوال اور روایتیں ملتی ہیں اور بطورِ نمونہ ہم اُن میں سے چند ایک کو یہاں بیان کرتے ہیں:

بخاری نے روایت نقل کی ہے: ''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ میں چار انصاریوں نے قرآن کو یکجا کیا: اُبَی ابن کعب، معاذ ابن جبل، زید ابن ثابت اَور ابوزید۔ قتادہ نے کہا: ابوزید کون ہے؟ اُس نے کہا: میرے ایک چچا'' نیز یہ بھی مروی ہے کہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس دنیا سے کوچ کر گئے مگر قرآن کو سوائے اِن چار افراد کے کسی نے جمع نہیں کیا: ابودرداء، معاذ ابن جبل، زید ابن ثابت اَور ابوزید''۔

بالکل عیاں ہے کہ مذکورہ روایت مہاجرین کو چھوڑ کر صرف اَنصاریوں کو قرآن کی جمع آوری سے مخصوص کر رہی ہے اور اس طرح یہ فضیلت صرف اَنصاریوں کو حاصل رہے گی جبکہ انتہائی بعید ہے کہ مہاجرین اِس ذمہ داری سے مُنہ پھیر لیں اور ویسے بھی اس قدر کم اَفراد اس کا اہتمام کیسے کر سکتے ہیں حالانکہ سب اس بات سے واقف ہیں کہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے مہاجر مسلمانوں کی تعداد اُسّی سے بھی زیادہ تھی اور ہجرت کے بعد تو اُن کی تعداد بڑھتی ہی گئی۔ بنابریں اس روایت کی توجیہہ مندرجہ ذیل زاویوں سے پیش کی جاسکتی ہے:

پہلی توجیہہ: محدثین کہتے ہیں کہ جمع آوری سے خاص طور پر قرآن کو حفظ کرنا مراد لیا گیا ہے۔

دوسری توجیہہ: راوی کی غرض قرآن جمع کرنے والے اَنصاریوں کا تذکرہ کرنا تھا اور اس نے قرآن جمع

کرنے والے تمام افراد کی تفصیل بیان نہیں کی۔

تیسری توجیہ: جمع آوری سے مراد کتابت ہے۔

ان نادرہ روایتوں میں ایک روایت وہ بھی ہے جو امام علی علیہ السلام کی جمع آوری کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ چنانچہ بجستانی روایت نقل کرتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت وفات آیا تو آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو قسم دی کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کرلیں سوائے نماز جمعہ کے کسی اور کام کے لئے باہر نہ نکلیں۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت ابوبکرؓ آپؑ کی خدمت میں آ کر کہنے لگے: ''اے ابوالحسن، کیا آپؑ کو میری خلافت ناپسند ہے؟'' آپؑ نے فرمایا: بخدا نہیں، بلکہ مجھے یہ قسم دی گئی ہے کہ صرف جمعہ کے لئے باہر نکلوں تو انہوں نے آپ کی بیعت کی اور اس کے بعد وہ لوٹ گئے۔ (المصاحف- صفحہ۱۰)

مذکورہ روایت سے واضح طور پر یہ افادہ حاصل ہوتا ہے کہ اس روایت کی غرض امر خلافت کی سیاسی مصلحت کو بیان کرنا ہے جبکہ اس روایت سے اس بات کا ہرگز علم نہیں ہوتا کہ اسلوب جمع آوری کیا تھا یا قرآن کو کیونکر جمع کیا گیا؛ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ "جمع آوریٔ قرآن" کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے ثلاثہ میں سے ہر ایک کے زمانہ کا مطالعہ کیا جائے۔

موقفِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حفظِ قرآن، اس کی سلامتی اور تمام لوگوں کی جانب اس کی تبلیغ کا سب سے زیادہ خیال رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھا اور اسی بات کی جانب قرآن کریم میں بھی اشارہ کیا گیا ہے: **انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون**. بے شک ہم ہی نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (سورۂ حجر- آیت ۹) نیز آپ کی بعثت سے لے کر وفات تک کی سیرت طیبہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے... چنانچہ جب بھی کوئی موقع ملا آپؐ اپنے پاس موجود صحابہ کو قرآن کے سیکھنے اور اُسے سکھانے کی تاکید کرتے رہے اور انہیں اس بات کی طرف دھیان دینے کی ترغیب دی؛ یہی نہیں بلکہ آپؐ نے اپنے کئی صحابہ کو لوگوں کو قرآن سکھانے کے لئے بھیجا؛ عبادہ ابن صامت بیان کرتے ہیں: ''جب کوئی شخص ہجرت کرتا تھا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ہم میں سے کسی ایسے شخص کے پاس بھیج دیتے جو اُس کو قرآن سکھاتا'' اس مقام پر ہجرت سے مراد مدینہ کی جانب ہجرت کرکے اسلام کو قبول کرنا ہے۔ آپؐ نے ہمیشہ حاضر پر یہ ذمہ داری عائد کی کہ وہ غائب تک پیغام پہنچا دے خواہ وہ قرآن کی ایک آیت ہی کیوں نہ ہو؛ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''میری جانب

سے خواہ قرآن کی ایک آیت ہی کی تبلیغ کردو!'' آپؐ کی سیرت طیبہ اس قسم کی تاکید سے پُر ہے اور آپؐ نے سہیل ابن سعد کے پاس موجود قرآنی تعلیم کے عوض اُس کی شادی کروادی۔ (صحیح المسلم۔ جلد۹۔ صفحہ۲۱۴) تو کیا ان باتوں سے ایسا لگتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے لئے جو اہتمام کیا اس میں آپ کے صحابہ آپ سے سبقت لے گئے ہوں گے؟؟؟!!! (ہرگز نہیں!)

اس کے علاوہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس بعض سورتوں کے نام رکھے اور انھی میں سے ایک سورۂ حمد ہے جو قرآن کی بالکل ابتدا میں واقع ہے اور آپؐ نے اس سورت کو ''فاتحۃ الکتاب'' سے موسوم کیا۔ اس تعبیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی افتتاح اسی سورت سے ہوتی ہے اور یہی اس کا مقدمہ اور اس کی پہلی سورت ہے۔ اس طرح تعبیر کرنا اُسی وقت صحیح ہوگا کہ جب قرآن کی کتابت ہو چکی ہو اور اس کو یکجا کر دیا گیا ہو نیز یہ کامل بھی ہو یعنی اوّل سے لے کر آخر تک مکمل ہو اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ از خود آپؐ نے اپنے عہد میں اور اپنی سرپرستی میں ہی ایسا کروالیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کلمہ سے صحابہ نے یقینی طور پر آپؐ کی مراد سمجھ لی تھی اور اس طرح اسلامی معاشرہ میں یہ نام سورۂ فاتحہ کے لئے اسم علم بن گیا جو صحابہ اور ائمہؑ کے اَدوار میں اور حتیٰ کہ دورِ حاضر میں بھی سورۂ فاتحہ کے لئے اسم علم ہی رہا ہے، کیونکہ اسلامی معاشرہ میں لفظ فاتحہ سے سورۂ حمد ہی سمجھا جاتا ہے۔ نیز یہ تعبیر اہلبیت علیھم السلام سے مروی روایتوں میں بھی ملتی ہے جس طرح کہ دیگر افراد سے منقول روایتوں میں بھی اس کو بیان کیا گیا ہے؛ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اُس کی نماز نہیں ہوگی'' اس روایت کو صحیح الترمذی۔ جلد۱۔ صفحہ۱۵۶ میں بیان کیا گیا ہے، جبکہ احمد نے روایت نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہر وہ نماز کہ جس میں فاتحۃ الکتاب نہ پڑھی جائے نامکمل ہے'' (مسند احمد۔ جلد۲۔ صفحہ۴۲۱) ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے حکم دیا کہ وہ باہر نکل کر یہ ندا دے: ''فاتحۃ الکتاب کے بغیر کوئی نماز واقع نہیں ہوتی'' (جلد۲۔ صفحہ۴۲۱)

جہاں تک اہلبیت علیھم السلام کی روایتوں کا تعلق ہے تو عیاشی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ اس نے حضرت علی علیہ السلام کو فرماتے سُنا: ''فاتحۃ الکتاب (ہی) سبع مثانی ہے'' (بحار الأنوار۔ جلد۹۲۔ صفحہ۲۳۶) جبکہ محمد ابن مسلم کہتا ہے: ''میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اُس شخص کے متعلق سوال کیا جو اپنی نماز میں فاتحۃ الکتاب کو نہیں پڑھتا، تو آپؑ نے فرمایا: اُس شخص کی نماز ہی واقع نہیں ہوئی... میں نے عرض کیا: اگر کوئی شخص خوفزدہ ہو یا اُس کو جلدی ہو تو آپؑ کس بات کو زیادہ پسند فرماتے ہیں: کسی دوسری سورت کو پڑھ لے یا فاتحۃ الکتاب کو؟ آپؑ نے فرمایا: فاتحۃ الکتاب (وسائل الشیعہ۔ جلد۴۔ صفحہ۷۳۲)

خلاصہ: قرآن کی جمع آوری سے متعلق روایتوں میں غور وخوض کرنے سے اس بات کا تو یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ دورِ رسالت میں قرآن جمع شدہ تھا اور یہ بھی کہ ہر صحابی نے اپنی دلچسپی اور قرآن کے لئے شدت سے اہتمام کے لحاظ سے ایک مخصوص نسخہ کو محفوظ کرلیا تھا تاکہ اُس کی تلاوت کی جاسکے یا مسلمانوں کے درمیان اسے عام کیا جاسکے۔

جمع آوری رسولؐ

صرف اہلبیت علیھم السلام کی روایتیں یہ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصوص قرآنی کو جمع فرمایا اور اسے اپنے بستر کے پیچھے رکھ دیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ، میرے بستر کے پیچھے رکھے ہوئے مصحف، حریر اور کاغذوں میں قرآن ہے، لہٰذا تم انہیں لے لو اور انہیں اس طرح سے ضائع مت کرنا جس طرح کہ یہودیوں نے توریت کو ضائع کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے وہاں جاکر سب کچھ سبز کپڑے میں یکجا کرلیا اور اس کے بعد آپؑ نے اُس پر مہر لگا کر اپنے گھر میں رکھ دیا اور کہنے لگے کہ جب تک میں اس کو یکجا نہ کرلوں چین سے نہیں بیٹھوں گا...(بحار الأنوار - جلد ۹۲- صفحہ ۴۸)

ابن شہر آشوب (متوفی - ۵۸۸ھ) نے ابورافع قبطی (متوفی - ۴۱ھ) کی روایتوں سے جو نقل کیا ہے اُسے لفظ بہ لفظ یہاں نقل کیا جاتا ہے: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الموت میں حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ، یہ اللہ کی کتاب ہے اور تم اسے اپنے پاس رکھ لو؛ چنانچہ حضرت علیؑ نے ایک کپڑے میں اسے یکجا کیا اور اپنے گھر کی جانب چلے گئے۔ چنانچہ جب نبیؐ نے اس دنیا سے کوچ کیا تو حضرت علیؑ نے اپنے آپؑ کو اس کام کے لئے وقف کر دیا اور جس طرح اللہ نے اسے نازل کیا تھا ویسے ہی اس کی تالیف کردی اور آپؑ اس کا صحیح علم رکھتے تھے'' (المناقب - جلد ۲- صفحہ ۴۱)

سوچ وبچار بھی اسی نظریہ کی تائید کرتی ہے، اس لئے کہ عقلاً یہ کیونکر ممکن ہے کہ مسلمانوں کے نبیؐ نصِ قرآن سے بے اعتنائی برتیں حالانکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ ہر صحابی اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا ہے یا قدرتی موت آلے گی؟ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شروع ہی سے نصِ قرآنی کی جمع آوری کی گئی ہو جس طرح کہ اہلبیت علیھم السلام سے مروی روایتیں اسی کی وضاحت کرتی ہیں اگرچہ اُسلوبِ جمع آوری ہمارے لئے آج بھی نامعلوم ہے اور اس بات کی تائید وہ تمام روایتیں کرتی ہیں جو مل کر یہی کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن سیکھنے اور اس کے سکھانے، قرأت قرآن اور اس کے آداب سیکھنے کی ترغیب دلائی اور اس بات کی بھی ترغیب دلائی کہ مخصوص سورتوں کے مخصوص یا مختلف نام

رکھے جائیں۔

اسی طرح سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپؐ کا اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کا خاص اہتمام کرنے والے پہلو کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والا وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ آپؐ کے عہد ہی میں قرآن کو جمع کرلیا گیا تھا، بلکہ بنفس نفیس آپؐ کی سرپرستی میں ہی ایسا ہوا تھا اور جب آپؐ اس دنیا سے رُخصت ہوئے تھے تو قرآن کو دفتین کے درمیان جمع کرلیا گیا تھا اور وہ مسلمانوں کے درمیان معروف ہو چکا تھا کہ قرآن کو سیکھنے اور سکھانے کے لئے تمام مسلمان اُسی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ البتہ روایتوں میں اس رائے کا اظہار وضاحت کے ساتھ نظر نہیں آتا۔

ایک اور چیز جو اس بات کی تائید کرتی ہے کہ عہد رسولؐ میں اور آپؐ کی سرپرستی میں ہی قرآن جمع کرلیا گیا تھا وہ یہ ہے کہ اگرچہ صحابہ کے قرآنی نسخے باہم مختلف ہیں مگر تعداد کے اعتبار سے ترتیب قرآن میں سب ایک ہیں اور ان سب نسخوں کے شروع میں طویل سورتیں ہیں، ان کے بعد ان سے چھوٹی اور پھر اُن سے چھوٹی... یعنی اُن کی شروعات سبع طوال سے ہوتی ہے جبکہ اُن کا اختتام مفصلات پر ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآنی نسخے سورتوں کی تقدیم وتاخیر کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بے حد مختلف ہیں، لیکن اس بات میں اُن میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اُن سب میں بڑی سورتیں پہلے ہیں اور چھوٹی چھوٹی سورتیں ان کے بعد خواہ اُن کے نزول کی تاریخ کوئی بھی ہو نیز خواہ مکی ہوں یا مدنی۔ اگر یہ ترتیب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرپرستی میں نہ دی گئی ہوتی تو صحابہ کے قرآنی نسخے اس سلسلہ میں بھی باہم مختلف ہوتے اور اس بات کی تائید کئی دلیلوں سے ہوتی ہے:

پہلی دلیل : امام بخاری کی روایت: ''براء سے منقول ہے کہ جب یہ آیت: **لا یستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون فی سبیل اللہ** نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زید کو بلاؤ اور اُسے چاہئے کہ میرے پاس قلم، دوات اور کاغذوں کا پلندا لے آئے یا (یوں کہا) کاغذوں کا پلندا اور دوات لے آئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: لکھو ﴿**لایستوی القاعدون**﴾ (سورۂ نساء- آیت ۹۵) تو آپؐ کی پشت پیچھے موجود عمرو ابن اُم مکتوم جو نابینا تھے نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ، آپؐ مجھے کیا حکم دیتے ہیں جبکہ میں تو وہ شخص ہوں جو بصارت سے معذور ہے تو اُس مقام پر یہ آیت نازل ہوئی: **لا یستوی القاعدون من المؤمنین فی سبیل اللہ غیر اُولی الضّرر**'' (**صحیح البخاری- جلد۶- صفحہ۲۲۷**)

مذکورہ روایت بالکل واضح ہے کہ نبیؐ نے آیت کی کتابت کا اہتمام فرمایا، کیونکہ آپؐ ہی نے اس آیت کو لکھنے کا حکم دیا تھا، تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ آپؐ پورے قرآن کی طرف توجہ ہی نہ کریں؟ بلکہ، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلّم نے۔ مذکورہ روایت کے مطابق۔ کاتب کو حکم دیا کہ وہ اس آیت (سورۂ نساء۔ آیت ۹۵) کو آپ کی نگرانی میں ہی قرآن میں اس کے مقام پر لکھے۔

دوسری دلیل: ابن عباسؓ سے مروی ہے: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر کبھی ایسا وقت بھی آتا تھا کہ آپؐ پر متعدد سورتیں نازل ہوتی تھیں، چنانچہ جب آپؐ پر ایسی کوئی وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ کسی کاتب کو بلاتے اور اُس سے فرماتے: ان آیات کو اُس سورت میں جگہ دو کہ جس میں اس اس طرح سے ذکر ہوا ہے'' ترمذی کہتا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، جبکہ حاکم کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے بشرطیکہ شیخین نے اس کو خارج نہ کر دیا ہو۔ (البرهان۔ جلد۱۔ صفحہ۲۴۱)

تیسری دلیل: حضرت عثمانؓ کی وہ روایت جو کہتی ہے: ''...جب اُن - نبیؐ- پر کوئی قرآنی وحی نازل ہوتی تو آپؐ اپنے پاس کاتب کو بلوا کر اُس سے فرماتے: اس کو اُس سورت میں جگہ دو کہ جس میں اس اس طرح سے ذکر ہوا ہے'' (اس روایت کو متقی نے **کنز الأعمال**۔ جلد۲۔ صفحہ ۴۸ میں نقل کیا ہے)؛ یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عہدِ رسالت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بعض صحابہ کو بالخصوص مامور کیا تھا کہ وہ کتابت قرآن کی ذمہ داری سنبھالیں اور وہ صحابہ بھی بلاواسطہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حسبِ ارشاد قرآنی وحی کو لکھ لیا کرتے تھے۔

چوتھی دلیل: قرآن کی جمع آوری سے متعلق تقریباً ساری روایتیں جس شخص کی جانب منتہی ہوتی ہیں وہ زید ابن ثابت ہیں اور ان روایتوں میں اُن کا بہت نمایاں تذکرہ ملتا ہے؛ وہ بالکل واضح طور پر کہتے ہیں: ''ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں موجود رہ کر رقعوں سے قرآن کی تالیف کیا کرتے تھے'' یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ تالیف قرآن رقعوں سے کی گئی یعنی اُن چھوٹے چھوٹے کتابچوں سے جو متعدد سورتوں پر مشتمل تھے اور ان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سرپرستی میں ہی حاصل کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی یہی وضاحت کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس تھے یعنی اُن کے سامنے اور اُن کے حضور میں۔

پانچویں دلیل: ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمان مخفی طور پر قرآن کی تلاوت کرتے اور اُسے سیکھتے اور خلیفۂ ثانی حضرت عمر ابن خطاب نے بھی اپنی بہن اور اُن کے شوہر کے اسلام قبول کر لینے کے بعد اسی طرح یہ کہتے ہوئے اسلام قبول کیا تھا کہ مجھے یہ کتاب دے دو جو تمہارے پاس ہے تاکہ میں اُسے پڑھوں...اس کے بعد آپ نے وہ کتاب لے کر اُس کو پڑھنا شروع کر دیا۔ (ابن سعد نے **الطبقات**۔ جلد۳۔ صفحہ ۲۶۸ میں اس روایت کو نقل کیا ہے) یہ روایت بھی بالکل واضح ہے کہ قرآن تحریری صورت میں تھا اور یہ پڑھنے اور تحقیق کا عنوان بن چکا تھا؛ حضرت عمر ابن خطابؓ نے اسی تحریر شدہ قرآن

---

[1] جبکہ سن گیارہ ہجری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات ہوئی۔

کو طلب کیا اور اُسے لے کر اس تحریر شدہ قرآن میں سے سورۂ طٰہٰ کو پڑھنا شروع کر دیا، جبکہ اگر یہ تحریری صورت میں نہ ہوتا تو خلیفۂ ثانی کی یہ تعبیر صحیح نہ ہوتی اور یہ بھی بالکل واضح ہے کہ یہ تعبیر اُن کے اسلام قبول کرنے اور خلیفہ بننے سے پہلے کی ہے۔

خلاصہ: عہدِ رسالت میں ہی قرآن لکھا جا چکا تھا اور بنفس نفیس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نگرانی میں ہی ایسا ہوا تھا۔

خلیفۂ اوّل کی جمع آوری (۱۱-۱۳ھ)

مشہور روایتیں ہیں کہ دونوں خلفاء - حضرات ابوبکرؓ اور عمرؓ - نے انفرادی طور پر - الطبقات - جلد۳- صفحہ۲ اور الاتقان - جلد۱ - صفحہ۳۷ کی روایتوں کے مطابق - یا دیگر روایتوں کے مطابق دونوں نے مل کر قرآن کو یکجا کرنے میں بڑھ چڑھ کر اور مشترکہ قدم اُٹھایا، جبکہ حضرت عمرؓ کا مشورہ ہوتا تھا اور حضرت ابوبکرؓ اس کو نافذ کرتے تھے۔

امام بخاری نقل کرتے ہیں: ''زید ابن ثابت نے بیان کیا: ابوبکرؓ نے مجھے یمامہ کی قتل گاہ کی طرف بُلایا جبکہ عمر ابن خطابؓ انھی کے پاس موجود تھے۔ ابوبکرؓ کہنے لگے: میرے پاس عمرؓ آئے تھے اور وہ کہہ رہے تھے: یمامہ میں قرآن کے قاریوں کے قتل کا بازار گرم ہو چکا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ جگہ جگہ قرآن کے قاریوں کو قتل کر دیا جائے اور مبادا قرآن کا بیشتر حصہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے، چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو قرآن کو یکجا کرنے کا حُکم دے دینا چاہیے۔ میں نے عمرؓ سے کہا: آپ کوئی ایسا فعل کیسے کر سکتے ہیں کہ جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انجام نہیں دیا؟ عمرؓ کہنے لگے: بخدا ایسا کرنے ہی میں عافیت ہے۔ پس عمر مسلسل میرے پاس آتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے اس کام کے لئے مجھے شرح صدر عطا کیا اور مجھے عمرؓ کی رائے سمجھ میں آنے لگی۔

زید کہتے ہیں: ابوبکرؓ کہنے لگے کہ تم ایک عقلمند نوجوان ہو اور ہمیں تم پر پورا بھروسہ ہے جبکہ تم تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے آئی ہوئی وحی کی کتابت کرتے تھے، تم اپنے آپ کو قرآن کی جمع آوری کے لئے وقف کر دو۔ بخدا، اگر مجھے پہاڑ کی نقل مکانی کرنے پر مامور کرتے تب بھی وہ میرے لئے قرآن کی جمع آوری سے زیادہ گراں نہ تھا؛ میں نے کہا: آپ لوگ کسی ایسے کام کو کیونکر کرتے ہیں کہ جسے کبھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انجام نہیں دیا؟ عمرؓ کہنے لگے: بخدا، اسی میں بھلائی ہے! ابوبکرؓ لگاتار مجھ سے رابطہ میں رہے یہاں تک کہ اللہ نے مجھے اُس کام کا حوصلہ دیا کہ جس کا حوصلہ اُس نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو دیا تھا؛ میں نے قرآن کو تلاش کیا اور کھجور کی شاخوں، باریک پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے اُسے یکجا کیا اور حتیٰ کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ مجھے ابوخزیمہ انصاری کے ہاں سے ملا اور یہ کسی اور کے پاس نہیں تھا: لقد جاءکم

رسولٌ من انفسکم عزیزٌ علیه ما عنتم۔ بلاشبہ تم ہی لوگوں میں سے ایک رسول تمہارے پاس آیا ہے کہ تمہارا تکلیف اُٹھانا اُس پر گراں گذرتا ہے۔ (سورۂ توبہ - آیت ۱۲۸) سے لے کر سورۂ توبہ کے آخر تک؛ قرآن کا یہ نسخہ ابوبکرؓ کے دنیا سے کوچ کرتے وقت بھی انہی کے پاس تھا، اُن کے بعد تا حیات عمرؓ کے پاس رہا اور اس کے بعد حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس" (صحیح البخاری - جلد۶ - صفحہ۲۲۵) [فہرست ۲۷۳ کی طرف رجوع کریں]

جہاں تک اس نسخہ کی بقا کا تعلق ہے تو سجستانی (متوفی-۳۱۶ھ) کہتا ہے: "یہ مروان ابن حکم کے دور تک باقی رہا" نیز وہ کہتا ہے: "مروان نے کسی شخص کو حضرت حفصہؓ سے اُن کاغذات کو لانے بھیجا کہ جن پر قرآن لکھا گیا تھا مگر انہوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ سالم کہتا ہے: جب حضرت حفصہؓ کا انتقال ہوا اور ہم ان کی تدفین کے بعد واپس آئے تو مروان نے کسی کو عبداللہ ابن عمر کے پاس اس تاکید کے ساتھ بھیجا کہ وہ کاغذات اُسے بالضرور ارسال کر دیے جائیں، چنانچہ عبداللہ ابن عمر نے وہ تمام کاغذات مروان کو بھیج دیے تو مروان کے حکم پر انہیں پارہ پارہ کر دیا گیا۔ مروان نے اس کی توجیہہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ اس میں موجود چیزیں قرآن میں لکھ کر محفوظ کر دی گئی ہیں اور مجھے ڈر تھا کہ مبادا ایک طویل عرصہ کے بعد کوئی شک کرنے والا اس قرآنی نسخہ کی شان میں شک کرے یا کہہ دے کہ اس میں سے کچھ چیزیں نہیں لکھی گئیں لہٰذا میں نے اِسے پارہ پارہ کروا دیا" (المصاحف- صفحہ۲۵)

مذکورہ روایت میں غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی تاریخی حجت نہیں ہے اور اس کی سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ قتل و غارت گری سانحۂ یمامہ کی طرف اشارہ ہے جو کتاب فتوح البلدان - صفحہ۹۷ کے مطابق ۱۲ ھ میں واقع ہوا جبکہ حضرت ابوبکرؓ کی حکومت سانحۂ یمامہ کے بعد قائم ہوئی جو پندرہ ماہ سے زیادہ قائم نہ رہ سکی اور اتنا کم وقت روایت میں بیان کی گئی مہم کی روش کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ اس قسم کی مہم کے لئے اس سے بھی زیادہ وقت درکار ہوگا۔ ۱

فقط اس جملہ پر اعتماد کر لینا کہ "تم ایک ہوشمند نوجوان ہو اور تم پر ہمیں پورا بھروسہ ہے کیونکہ تم وحی لکھا کرتے تھے" اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ایک ذاتی مسئلہ تھا کہ اِس کی غرض ایک جدید اور کامل قرآنی نسخہ کا حصول تھا۔ کیونکہ اگر اس سے غرض یہ ہوتی کہ قرآن کے اصلی مآخذ سے اُس کو یکجا کیا جائے تو اس عظیم ترین مہم کے لئے صرف ایک صحابی کی نہیں بلکہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کی ضرورت پڑتی؛ جیسے حضرت علی علیہ السلام، اُبی ابن کعب، عبداللہ ابن مسعودؓ اور ان جیسے دیگر صحابہ کرام... اسی لئے حارث محاسبی نے کہا تھا: "حضرت صدیقؓ نے جگہ جگہ سے قرآنی نسخوں کو جمع کیا جو اوراق کی صورت میں برآمد ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مکان میں پھیلے ہوئے تھے تو انہوں نے اسے جمع کیا اور ایک دھاگے میں پرو دیا کہ مبادا اس میں سے کوئی شے ضائع نہ ہو جائے۔ (البرھان- جلد۱- صفحہ۵۳)

خلیفۂ اوّل کی جمع آوری ایک قرآنی نسخہ کو کتابی صورت میں منتقل کر لینے کے علاوہ کچھ نہ تھی۔ مذکورہ روایت پر کئی سوال اُٹھتے ہیں کہ واضح طور پر اُن کے جوابات دینا ایک دشوار کام ہے۔ کیونکہ اگر روایت میں بیان کی گئی صورت ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ پر واجب تھا کہ وہ اس اہم کام میں لحظہ بھر توقف نہ کرتے اور یہ عذر خواہی کسی کام کی نہیں کہ انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام نہ دیا ہو؛ کیا یہ وہی نہیں ہیں جنہوں نے خلافت کی پیشکش قبول کر لی تھی جبکہ تمام مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو بھی اپنا جانشین مقرر نہیں کیا؟ کیا یہ وہی نہیں کہ جنہوں نے فدک کو سرکاری خزانہ میں شامل کر لیا تھا جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حکومت کے لئے مباح نہیں کیا تھا؟ ایسی صورت میں تو حضرت عمرؓ کی طرف رجوع کرنے یا اُن کی پیروی کرنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں اور ویسے بھی زید ابن ثابت کیونکر منع کریں گے جبکہ دونوں خلفاء آپ سے خوش تھے؟ نیز حضرت ابوبکرؓ کو اس عظیم ترین اَمر میں کہ جو اسلام اور مسلمانوں کی باگ ڈور سنبھالنے میں مؤثر ہے صرف زید پر بھروسہ کرنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ عُمر اور صحبت رسولؐ میں زید سے بھی بزرگ صحابہ موجود تھے؛ زید نے ۱۲ سال کی عمر میں مدینہ میں اسلام قبول کیا تھا تو پھر اس سے پہلے مکہ میں جو وحی لکھی گئی تھیں وہ کن صحابیوں نے لکھی تھیں؟ ان سب باتوں کے علاوہ ایک سوال یہ بھی اُٹھتا ہے کہ یہ قرآنی نسخہ حضرت عمرؓ ہی کی طرف کیوں منتقل ہوا جبکہ مفروض تو یہ ہے کہ یہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کی جائیداد کا حصہ تھا اور اس بناء پر تو اسے حضرت ابوبکرؓ کی اولاد کو بطور میراث ملنا چاہئے؟ اس کے علاوہ بھی حضرت عمرؓ کے بعد اُن کے بیٹے عبداللہ کی جانب منتقل ہونے کی بجائے اُن کی بیٹی حضرت حفصہؓ کے پاس کیوں رہا؟ یہ سب وہ سوالات ہیں کہ جن کی جواب دہی ایک نہایت دشوار اَمر ہے!

خلیفۂ ثانی کی جمع آوری (۱۳-۲۳ھ)

خلیفۂ ثانی کا حکم اِس بات کی دلیل ہے کہ اُن کا دور نسخۂ قرآنی کی تجدید اور اشاعت کا دور تھا؛ زید ابن ثابت کہتے ہیں: ''حضرت ابوبکرؓ نے مجھے حکم دیا تو میں نے چمڑے اور کھجور کے پتے پر (قرآن) تحریر کیا اور جب اُن کا انتقال ہوا اور حضرت عمرؓ برسرِ اقتدار آئے تو میں نے قرآن کو ایک ہی صحیفہ میں لکھ لیا'' (فتح الباری - جلد ۹ - صفحہ ۹۷) اس سے پتا چلتا ہے کہ خلیفۂ ثانی کا ہدف قرآنی نسخہ کو نقل کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا اور یہ بھی کہ قرآن کی کتابت و نقل زید کی ذمہ داری تھی جبکہ زید اُن سے لکھنے کی درخواست کرنے والے کی ضرورت کے حساب سے لکھا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفۂ اوّل نے اُن سے چمڑے پر لکھنے کو کہا جبکہ خلیفۂ ثانی نے اُن سے ایک ہی صحیفہ میں لکھنے کی درخواست کی۔

بنابریں، اگر خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کا مقصد قرآن کی جمع آوری ہوتا تو وہ عظیم المنزلت صحابہ سے بے نیاز نہ رہتے بالخصوص جبکہ اُن میں حضرت علی علیہ السلام بھی شامل تھے کہ جن کے بارے میں خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ''خدا مجھے کسی ایسی مشکل کے لئے زندہ نہ رکھے کہ جس میں ابوالحسنؑ نہ ہوں'' اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت کے مطابق زید ابن ثابت نے خلیفۂ ثانی کے حکم پر بھی قرآن کا ایک دوسرا نسخہ تحریر کیا تھا۔

تاریخی طور پر یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے تحریر شدہ قرآن کو پڑھنے کے بعد ہی اسلام قبول کیا۔ اس کتاب میں قارئین کی خدمت میں ہم کتاب الطبقات حصہ سوم۔ صفحہ ۲۰۳۔ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۸ھ سے ایک روایت کو بعینہٖ بیان کرتے ہیں:

''انس ابن مالک سے منقول ہے کہ آپ نے کہا: حضرت عمرؓ تلوار کو حمائل کیے باہر نکلے تو راستہ میں آپ کی ملاقات بنوزہرہ کے کسی شخص سے ہوگئی اور اُس نے پوچھا: اے عمرؓ، آپ کہاں جانے کا قصد رکھتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے جارہا ہوں! اُس نے کہا: اگر آپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کردیا تو پھر بنی ہاشم اور بنوزہرہ سے آپ اپنا بچاؤ کس طرح سے کریں گے؟ راوی کہتا ہے: حضرت عمرؓ نے کہا: یہ کیا بچپنا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے پرانے دین کو چھوڑ چکے ہو۔ راوی کہتا ہے: اے عمر! کیا میں تمہیں اس سے بھی عجیب تر بات نہ بتادوں؟! اور وہ یہ ہے کہ تمہاری بہن اور بہنوئی نے بھی یہی بچپنا کیا ہے اور تم جس دین پر ہو اُسے ترک کردیا ہے! راوی کہتا ہے: پھر حضرت عمرؓ دھمکی دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ اُن دونوں کے پاس آئے اور اُن کے پاس ایک مہاجر شخص تھا کہ جس کو خباب کہہ کر پکارتے تھے۔ راوی کہتا ہے: جب انہوں نے خباب کی آواز سُنی تو وہ گھر میں چھپ گئے اور پھر اُن دونوں کے پاس آکر کہنے لگے: یہ شور کیسا ہے جو مجھے تم لوگوں کے ہاں سے سُنائی دے رہا ہے؟ راوی کہتا ہے: وہ لوگ سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کررہے تھے تو اُن دونوں نے کہا: جو گفتگو ہم لوگ کرتے ہیں یہ اُس سے بالکل مختلف ہے۔ انہوں نے کہا: یہ تم دونوں کیسی کم عقلی کی باتیں کررہے ہو! راوی کہتا ہے: آپ کے داماد کہنے لگے: اے عمرؓ، اگر آپ کے دین کے علاوہ کوئی دوسرا دین برحق ہوتو اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو اس پر حضرت عمرؓ اپنے داماد پر ٹوٹ پڑے اور انہیں سخت زدوکوب کیا، یہاں تک کہ آپ کی بہن آگئیں اور انہوں نے اپنے شوہر کا دفاع کیا تو آپ نے اپنی بہن کو ایک ایسی ضربت لگائی کہ اُن کا چہرہ لہولہان ہوگیا، چنانچہ وہ غصہ کے عالم میں کہنے لگیں: اگر آپ کے دین کے علاوہ کوئی دوسرا دین (اسلام) ہی برحق ہے تو میں گواہی دیتی ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود بجز اللہ کے اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ جب حضرت عمرؓ اُن سے مایوس ہوگئے تو آپ نے کہا: یہ کتاب کہ جسے تم لوگ پڑھ رہے مجھے دے دو تاکہ میں اس کو پڑھوں... اور پھر آپ نے

اس کتاب کو لے کر طٰہٰ سے لے کر اِنَّنِی اَنَا اللہُ لا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِی وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (سورۂ طٰہٰ - آیت ۱۴) تک پڑھا" (طبقات ابن سعد - جلد۳- صفحہ ۳۶۸)

مذکورہ بالا روایت بالکل واضح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ صدرِ اسلام ہی میں قرآن تحریر کیا جا چکا تھا اور یہ بھی کہ حضرت عمرؓ نے تحریر شدہ قرآن کو پڑھنے کے بعد ہی اسلام قبول کیا تھا۔

اس بات کی تفصیل بھی آگے چل کر آئے گی کہ صحابہ کرام کے قرآنی نسخے "ترتیبِ مقداری" کے اعتبار سے باہم مختلف نہیں تھے، یعنی طویل ومختصر ہونے کے لحاظ سے اُن کی ابتدا طویل سورتوں سے ہوتی ہے، اس کے بعد سبع مثانی، پھر حوامیم اور اسی طرح سے ... یہاں تک کہ ان تمام نسخوں میں سب سے آخر میں مفصلات درج ہیں۔ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ عصر رسالت میں ہی یہ سورتیں اسی مذکورہ ترتیب یا اس جیسی ہی ترتیب میں تحریر تھیں اور طویل سورتوں اور قرآن کے آخر میں چھوٹی چھوٹی سورتوں کی ترتیب میں باہمی اختلاف صرف صحابہ ہی کے قرآنی نسخوں میں ملتا ہے۔

قسطلانی (متوفی - ۹۲۳ھ) کہتا ہے: شرح السنۃ کا مصنف تحریر کرتا ہے کہ اس حدیث میں یہ بیان بالکل واضح ہے کہ نازل شدہ قرآن کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے دفتین کے درمیان جمع کیا تھا اور متفقہ طور پر ان میں سے کسی نے بھی کسی چیز میں کوئی کمی بیشی نہیں کی تھی نیز تقدیم وتاخیر کے لحاظ سے بھی وہ سب نسخے یکساں تھے۔ بلکہ انہوں نے قرآن کو کتاب کی صورت میں اُسی ترتیب سے تحریر کیا تھا کہ جس ترتیب اور باعتبار نزول ہر آیت کے اَصلی مقام کی نشاندہی حضرت جبرئیلؑ نے کی تھی کہ جو لوحِ محفوظ میں تحریر تھی۔ نیز ابو عبدالرحمٰن سلمی کہتا ہے کہ حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، زید ابن ثابت اور مہاجرین و انصار کی قرأت ایک ہی تھی اور یہ وہی اُسلوب قرأت ہے کہ جسے نبیؐ نے اپنی وفات کے سال حضرت جبرئیلؑ کے سامنے دو مرتبہ پڑھا تھا جبکہ دوسری دفعہ کی قرأت کے موقع پر زید بھی وہیں موجود تھے۔ حتیٰ کہ آپؐ کی وفات تک تمام لوگ اسی اُسلوب سے قرأت کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کی جمع آوری میں اسی قرأت کو معتبر جانا اور قرآنی نسخوں کو تحریر کرنے والوں نے اس کو حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا تھا۔

سفاقی کہتا ہے: "حضرت ابوبکرؓ کے قرآن کو یکجا کرنے کی وجہ اُن کا یہ خوف تھا کہ مبادا قرآن کے حاملین کے دنیا سے رُخصت ہوتے ہی قرآن کی کوئی شے ضائع ہو جائے، کیونکہ یہ ایک مجموعہ کی صورت میں نہیں تھا جبکہ حضرت عثمانؓ کی جمع آوری کی وجہ قرأت کے طریقوں میں بے تحاشا اختلاف تھی۔ یعنی جب وہ لوگ اپنے اپنے لہجوں میں قرآن کی تلاوت کرتے تھے تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ہر کوئی دوسرے کو غلط قرار دیتا تھا۔ لہٰذا ان تمام نسخوں کو جمع کر کے ایک ہی مصحف میں یکجا کر دیا گیا اور اُس تدوین شدہ کتاب میں لحنِ قریش پر اکتفا کیا گیا، کیونکہ یہ سب سے بہترین لہجہ تھا" (ارشادالساری -

جلد۷۔ صفحہ۴۴۹)

مذکورہ بیان کی روشنی میں اہلبیتؑ کی روایتیں اس بات پر زور دیتی ہیں کہ قرآن کو عہدِ رسولؐ میں ہی جمع کر لیا گیا تھا اور وہ بھی آپ کی نگرانی میں۔ غور و خوض سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ کتابت اور نشر و اشاعت کے ذریعہ اُس کی حفاظت کریں؛ اس بات کا یہ تقاضا ہے کہ "حروفِ سبعہ" اور "مصاحفِ صحابہ" کا مطالعہ کیا جائے، کیونکہ مضمون کے اعتبار سے یہ بلاواسطہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

حروفِ سبعہ

صرف مذہب اہلبیتؑ ہی ہے جو "ایک قرآن" کا قائل ہے کہ جسے رسول مرسلؐ پر نازل کیا گیا۔ امام محمد باقر علیہ السلام (شہادت۔ ۱۱۴ھ) فرماتے ہیں: "خدائے واحد کی طرف سے نازل ہونے والا قرآن ایک ہی ہے، لیکن اس کے نقل کرنے والوں کی وجہ سے اختلاف پایا جاتا ہے" (الکافی۔ جلد۲۔ صفحہ۶۳۰)

مذکورہ بالا روایت کا لازمہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ میں ہی قرآن مکمل طور پر لکھ لیا گیا تھا اور اس میں مزید غور و فکر سے پتا چلتا ہے کہ اس کے متعلق پائے جانے والے اختلافات اس کو نقل کرنے والوں کی طرف سے پیدا ہوئے ہیں خواہ وہ قرأت قرآن کے متعلق ہوں، اس کی سماعت سے متعلق ہوں، غیر منقوطہ قرآنی نسخہ کی قرأت کے بارے میں ہوں یا عین قرآن سے اس کے تلاوت شدہ حصہ کی سماعت کی بابت ہوں۔

اسی طرح حروف سبعہ کے متعدد ہونے کے متعلق جو کچھ منقول ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے خاص موقعوں پر قرآن کی قرأت کی تھی اور جس طرح کہ خیال کیا جاتا ہے اس کے مفاہیم کو نقل کرنے کا اذن عام نہیں تھا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا نیز کوئی رسم الخط کے اعراب یا کسی دوسرے صیغہ کے احتمال کی بناء پر ان اختلافات نے جنم لیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن ایک مخصوص ہیئت، مخصوص اعراب اور مخصوص صیغوں کے ساتھ نازل ہوا جبکہ دیگر احتمالات اس کے نقل کرنے والوں کی جانب سے وجود میں آئے۔

صحاح ستہ اور مسانید میں ایسی بے شمار روایتیں منقول ہیں کہ جن سے یہ پتا چلتا ہے کہ قرآن کے کئی لہجے ہیں۔ ان میں سے ایک روایت امام بخاری (متوفی۔۲۵۶ھ) نے باب "انزل القرآن علی سبعۃ احرف" میں نقل کیا ہے:

"ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: حضرت جبرئیلؑ نے مجھے ایک اُسلوب سے قرآن پڑھایا تو میں نے اسی کی طرف دھیان دیا۔ پھر میں مزید کی خواہش کرتا رہا اور وہ اضافہ کرتے گئے یہاں تک کہ

سات طریقے ہو گئے'' (البخاری- جلد۲- صفحہ۲۲۸)

مذکورہ روایت کا تقاضا یہ ہے کہ پہلی مرتبہ میں قرآن صرف ایک لہجے میں نازل ہوا اور اُس کی قرأت کا اُسلوب بھی ایک ہی تھا جبکہ ان کی تعداد میں اُس وقت اضافہ ہوا کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت جبرئیلؑ سے رابطہ کیا اور اُن سے مزید کی خواہش کی نیز آپ نے اپنی خواہش جاری رکھی جبکہ اس زیادہ طلبی کی مدّت ایک ہے اور نہ ہی ان کی جگہیں، یعنی آیا اس طرح سے مکہ میں نازل ہوا یا مدینہ میں؟ اسی طرح سے مذکورہ روایت میں اضافہ کی خواہش کا سبب بھی نہیں پایا جاتا۔

لیکن، ترمذی (متوفی-۲۷۹ھ) نے ایسی روایت نقل کی ہے کہ جو اس کا سبب بھی بیان کرتی ہے؛ وہ کہتے ہیں: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا: اے جبرئیلؑ، مجھے ایک اُمّی قوم کی جانب مبعوث کیا گیا کہ جس میں بوڑھی عورتیں اور مرد، نوجوان لڑکے لڑکیاں اور ایسے مرد بھی ہیں کہ جنہوں نے کبھی کسی کتاب کو نہیں پڑھا تھا۔ حضرت جبرئیلؑ کہنے لگے: اے محمدؐ، قرآن کو سات طریقوں سے نازل کیا گیا ہے'' (صحیح الترمذی- جلد۱۰- صفحہ۶۱)

یہ واضح ترین روایت ہے کہ قرآن کو مختلف طریقوں سے نازل کئے جانے کا سبب صدرِ اسلام کے مسلمانوں کا اُمّی ہونا ہے اور بالآخر اس سے یہ غرض ظاہر ہوتی ہے کہ اس طرح کی قوم کو سہولت فراہم کی جائے تا کہ بوڑھے مرد اور عورتیں، نوجوان لڑکے لڑکیاں اور ایسے مرد جو لکھ نہیں سکتے تھے - کیونکہ اُس دور میں لوگوں کا یہی حال تھا - اسے بآسانی پڑھ سکیں۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ بجائے خود ہی قرأت کے کئی طریقے ہیں، بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ قرآن معاشرہ کے کسی خاص طبقہ کے لئے نازل نہیں ہوا جیسے کہ دوسرے اَدیان میں ہوتا رہا کیونکہ دوسرے اَدیان پر رُوحانیت ہی حاکم تھی۔ اس کے علاوہ قرآن کی رہنمائی سے تو معاشرہ کا ہر فرد ہدایت حاصل کرتا ہے مگر اپنی اپنی سمجھ کے لحاظ سے۔

مذکورہ روایت میں بیان کی گئی علت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرأت کے سات طریقوں سے متعلق روایتیں ہمارے دَور میں رائج قرأتیں نہیں ہیں، بلکہ محدثین کے بیان کردہ بے شمار معانی میں سے ہی کوئی معنٰی لئے جائیں گے۔

طبری (متوفی-۳۱۰ھ) قرآن کے سات طریقوں پر نازل ہونے سے متعلق ایک روایت بیان کرنے کے بعد کہتا ہے کہ اس روایت کا مقصود یہ ہے کہ قرآن سات لغتوں میں نازل ہوا اور اللہ کے رسولؐ نے اسے سات زُبانوں میں پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ (جلد۱- صفحہ۴۲) وہ روایت یہ ہے:

''عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں: قرآن کی کسی سورت سے متعلق ہمارے درمیان بحث چھڑ گئی؛ ہمارا خیال تھا کہ اس کی پینتیس یا چھتیس آیتیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہاں

ہم نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ سرگوشی کر رہے تھے۔ چنانچہ ہم نے کہا کہ قرأت کے بارے میں ہماری رائے باہم مختلف ہے۔ ابن مسعود کہتے ہیں: یہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا چہرہ (غصہ سے) سُرخ ہوگیا اور آپؐ نے فرمایا: تم سے پہلے کے لوگ باہمی اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو الگ سے کوئی بات کہی تو حضرت علی علیہ السلام ہم سے کہنے لگے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تم لوگوں کو حُکم دیتے ہیں کہ قرآن کو اسی طرح پڑھو جیسا کہ تم کو سکھایا گیا ہے" (الطبری۔ جلد۱۔ صفحہ ۳۶)

یہ روایت آیتوں کی گنتی پر اصرار کرنے سے منع کرتی ہے اور اس بات کی تائید کرتی ہے کہ جس طرح سے نبیؐ نے انہیں سکھایا ہے قرآن کو اسی طرح سے پڑھیں یعنی نص قرآنی میں اجتہاد جائز نہیں ہے، بلکہ واجب ہے کہ اساتذہ اور علمائے کبار کی روش پر ہی چلیں۔

یہ بات سن کر کہ قرأت میں اختلاف پایا جاتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کہ جو ہمارے قائد ہیں کا چہرہ متغیر ہونا اور اظہارِ نفرت ایک طبیعی اَمر ہے کیونکہ اختلاف باعثِ ہلاکت ہے۔ البتہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے کوئی اقدام کیا اور نہ ہی کبھی کچھ کہا۔ بلکہ جس طرح کہ روایت میں بیان کیا گیا آپؐ نے مخفی طور پر حضرت علی علیہ السلام کو کچھ کہا اور حضرت علی علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف سے اس کا اظہار کر دیا کہ آپؐ ہر ایک کو قرآن کو اُسی طرح سے پڑھنے کا حُکم دیتے ہیں جیسا کہ اُسے سکھایا گیا ہے۔ اب سوال یہ اُٹھتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے از خود اس حُکم کا اظہار کیوں نہیں فرمایا؟ اور یہ کہ آپؐ نے صرف حضرت علیؑ کو ہی رازداری میں یہ بات کیوں بتلائی؟ ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور حضرت علی علیہ السلام دونوں ہی اس بات سے باخبر تھے کہ منافق لوگ قاریوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں جبکہ اگر آپ کسی خاص قرأت کو نافذ کرتے یا کسی مخصوص قاری کو متعین کرتے تو منافقین اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کسی دوسرے کے ذریعہ جھگڑا پیدا کرتے باوجودیکہ رسوؐل خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے اس قرأت کی اجازت دینا بھی ممکن تھا تاکہ لوگوں کے لئے آسانی پیدا ہوتی اور منافقین کے منصوبوں پر پانی پھر جاتا۔ لہٰذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ حُکم دے کر کہ ہر ایک کو اُسی طرح پڑھنا چاہئے جیسا کہ اُسے تعلیم کیا گیا ہے منافقوں کی چالبازیوں کو ناکام کر دیا اور کسی جھگڑے کی بھی کوئی گنجائش نہ رہی کیونکہ آپؐ کے دستور کے مطابق ہم سب پر لازم ہے کہ قرأت کو باقاعدہ سیکھیں اور بغیر سیکھے محض تلاوتِ قرآن پر ہی اکتفا نہ کریں۔

ایضاً: طبری نے اپنی اَسناد سے اسحٰق ابن عبداللہ ابن ابی طلحہ سے، اس نے اپنے والد سے، والد نے اس کے جد

کے ذریعہ روایت نقل کی ہے کہ جس میں وہ کہتا ہے: ''عمر ابن خطابؓ کے سامنے کسی شخص نے قرآن کو پڑھا جو اُن کی قرأت سے مختلف تھا تو آپ نے کہا: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے پڑھا تھا تو آپ نے میری قرأت میں کوئی غلطی نہیں نکالی۔ راوی کہتا ہے: وہ دونوں شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عمرؓ نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ، کیا آپؐ نے مجھے فلاں فلاں آیت نہیں پڑھائی؟ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ راوی کہتا ہے: اس بات پر عمرؓ کے دل میں کوئی شک پیدا ہوا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اسے آپ کے چہرہ پر پڑھ لیا۔ پھر آپؐ نے عمرؓ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: شیطان سے دور رہو۔ آپؐ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: اے عمر، جب تک تم رحمت کو عذاب اور عذاب کو رحمت نہ بنادو قرآن پورے کا پورا صحیح ہے'' (تفسیر الطبری۔ جلد۱۔ صفحہ۲۳۷)

اس روایت میں اُس آیت کا تعین نہیں کیا گیا کہ جس میں اختلاف واقع ہوا تھا، بس صرف اتنا ہی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت عمر ابن خطابؓ کے چہرہ کو پڑھ لیا اور اُن کے سینہ پر ہاتھ مار کر تین مرتبہ فرمایا کہ تم شیطان سے دُور رہو۔ یعنی اس روایت سے اس بات کی تشخیص ممکن نہیں کہ کس قسم کی تبدیلی عمل میں لائی گئی؟ لیکن دوسری ایک روایت میں یہی اختلاف حضرت عمر ابن خطابؓ اور ہشام ابن حکمؓ کے درمیان بیان کیا گیا ہے اور اس روایت میں تبدیلی کی نوعیت بھی بیان کی گئی ہے نیز یہ بھی کہ یہ اختلاف سورۂ فرقان کے متعلق تھا۔

طبری نے ہی اپنی اسناد سے عروہ ابن زبیر کے ذریعہ روایت بیان کی ہے: ''مسور ابن مخرمہ اور عبدالرحمٰن ابن عبدالقاریؒ نے اُس کو بتلایا کہ اُن دونوں نے عمر ابن خطابؓ کو کہتے سُنا: میں نے ہشام ابن حکم کو حیاتِ رسولؐ میں سورۂ فرقان کی تلاوت کرتے سُنا تو میں نے اپنا دھیان اس کی تلاوت سننے میں لگا دیا اور میں نے اُس کو کچھ ایسے زائد حروف کو پڑھتے سنا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے لہٰذا میں دورانِ نماز ہی اُس پر حملہ کرنے والا تھا مگر رُک گیا تاکہ وہ نماز تمام کرلے اور جب اُس نے سلام پڑھ لیا تو میں نے اُس کی ردا کھینچتے ہوئے کہا: یہ جو سورت ابھی میں نے تم سے سُنی تم کو کس نے پڑھائی؟ اس نے کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مجھے یہ سورت پڑھائی ہے۔ میں نے کہا: تم جھوٹ بول رہے ہو۔ بخدا، جس سورت کو تم پڑھ رہے ہو یہ وہی سورت ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہی مجھے پڑھائی تھی۔ میں اس کو پکڑ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس لے گیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ، میں نے اس شخص کو سورۂ فرقان کو ایسے اضافہ کے ساتھ پڑھتے سُنا ہے جو آپؐ نے مجھے تعلیم نہیں کیا جبکہ مجھے تو آپؐ نے ہی سورۂ فرقان پڑھائی تھی۔ کہتے ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: اے عمر، اُس کو میرے پاس لاؤ: تم پڑھو اے ہشام!

چنانچہ ہشام نے آپؐ کے سامنے وہی قرأت کی جو میں نے اُس سے سُنی تھی اور پھر بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: (یہ سورت) اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: تم پڑھو اے عمرؓ تو میں نے بھی اُسی قرأت کو دہرادیا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مجھے تعلیم کی تھی اور تب بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: (یہ سورت) اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّمنے فرمایا: یہ قرآن سات طریقوں سے نازل ہوا ہے تو جو طریقہ تم لوگوں کے لئے آسان ہو اُسی کے مطابق پڑھو" (الطبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۶)

اس روایت نے سورتوں کی آیات کو مشخص کیا ہے اور نہ ہی میں ہشام ابن حکم کی قرأت سے واقف ہوں، البتہ ابن مسعود کے قرآنی نسخہ میں چار آیتوں کا تذکرہ ملتا ہے:

۱۔ ارسل الریاح مبشراتٍ [قرآنی نسخہ میں بشراً ہے] (سورۂ فرقان۔ آیت ۴۸)

۲۔ انسجد لما یامرنا به [لما تأمر نابه] (سورۂ فرقان۔ آیت ۶۰)

۳۔ وجعل فیها سرجاً [سراجاً] (سورۂ فرقان۔ آیت ۶۱)

۴۔ ومن ازواجنا وذریتنا [ذریاتنا] (سورۂ فرقان۔ آیت ۷۴)

ان میں سے تین موارد میں تو واحد جمع کا فرق ہے جبکہ ایک میں کلمہ (بہ) کو حذف کردیا گیا ہے۔ آخری دو مقامات کوفی رسم الخط میں تحریر ہیں جبکہ حضرت عمرؓ اور ہشام ابن حکمؓ کے درمیان پایا جانے والا اختلاف نماز میں قرأت کے متعلق تھا اور اس بناء پر اگر روایت کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تب بھی گویا نبیؐ کی مراد نماز کی قرأت میں سہولت ہے بایں معنٰی کہ مذکورہ قرأت سے نماز باطل نہیں ہوگی اور یہ ایک خاص مورد ہوا۔

متعدد حروف کے معنٰی[1]

سیوطی (متوفی۔ ۹۱۱ھ) کہتا ہے: "اس حدیث کے معنٰی سے متعلق چالیس اقوال پائے جاتے ہیں" (الاتقان۔

---

[1] انتہائی تفصیل سے قطع نظر کرتے ہوئے سرسری وضاحت کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے: دوسری مثال میں پہلے طریقہ سے فعل مستقبل کے معنٰی لیں گے، جبکہ دوسرے طریقہ سے مصدری معنٰی لئے جائیں گے؛ تیسری مثال میں پہلے صیغۂ متکلم ہے، جبکہ دوسرے صیغۂ مخاطب؛ چوتھی مثال میں پہلی مثال کی طرح معنٰی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی؛ پانچویں مثال میں تو الفاظ ہی مختلف ہیں لہٰذا معنٰی بھی مختلف ہوں گے؛ چھٹی مثال میں صرف کلمے آگے پیچھے کئے گئے ہیں لیکن معنٰی میں فرق نہیں آتا؛ ساتویں مثال میں صرف "درمیانی نماز" سے تعبیر کیا گیا ہے جبکہ دوسرے طریقہ کے مطابق واضح طور پر نماز عصر کا تذکرہ موجود ہے۔ مترجم

جلد۱۔ صفحہ۴۵)

حدیث کے معنٰی میں اِس قدر فاش اختلاف کی وجہ سے احمد ابن سعیدان نحوی (متوفی۔ ۲۱۳ھ) کہتا ہے کہ سات حروف والی حدیث اس قدر مشکل ہے کہ اُس کے معنی کوئی نہیں جانتا۔ (البرھان۔ جلد۱۔ صفحہ۲۱۳)

ان میں سے کچھ اُقوال کو پیش کرنے اور اُن پر اعتراضات کے بعد ہمارے اُستاد ابوالقاسم الخوئیؒ نے بھی یہی رائے اپنائی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''قرآن کا سات حروف پر نازل ہونا کسی صحیح معنٰی سے منطبق نہیں ہوتا؛ لہٰذا اس مضمون پر دلالت کرنے والی روایتوں کو شمار میں نہیں لانا چاہئے بالخصوص جبکہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کی اَحادیث اس نظریہ کی تکذیب کرتی ہیں، بلکہ وہ کہتی ہیں کہ قرآن ایک ہی اُسلوب میں نازل ہوا اور اس میں موجود اختلاف اس کو نقل کرنے والوں کی وجہ سے پایا جاتا ہے'' (البیان۔ صفحہ۱۹۳)

عرضِ مؤلف: ظاہری بات ہے کہ یہ تمام کے تمام اُقوال اُن کے کہنے والوں کے شخصی نظریات ہیں جو معنٰی اور اَعداد کے لحاظ سے اِس حدیث کے معنٰی کی توجیہہ میں پیش کئے گئے ہیں...اور یہ طویل بحثوں کو جنم دیتے ہیں کہ اگر علماءِ ان کلام کو ٹٹولا جائے تو اِن میں سے کوئی بھی اِشکال سے خالی نہیں۔

اس حدیث کے معنٰی کی تفسیر میں بیان کئے گئے چالیس اُقوال کی ابتدا سلسلۂ قرأت میں ''قراءاتِ سبعہ'' کو سات کی تعداد میں منحصر کرنے سے ہوتی ہے کہ جسے چوتھی صدی ہجری میں ابن مجاہد (متوفی۔ ۳۲۴ھ) نے سات میں محدود کیا تھا اور چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حاصل شدہ کلام کو چار صدیوں کے بعد اس معنٰی پر حمل کیا گیا لہٰذا دیگر علماء بھی سات کے معنٰی میں توسیع کے پابند ہوگئے۔

کہتے ہیں کہ سات سے مراد بعینہٖ سات نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد سہولت اور آسانی ہے اور (عربی میں) سات کے عدد سے اکائیوں میں کثرت مراد لی جاتی ہے جس طرح کہ ستّر کو دہائیوں اور سات سو کو سینکڑوں کی کثرت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ ان سے مراد بعینہٖ ستّر یا سات سو نہیں ہوتی۔ (الاتقان۔ جلد۱۔ صفحہ۴۵)

ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: اس سات سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں علماء کے اُقوال باہم مختلف ہیں، لیکن اُن سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس سے مراد ایک ہی اُسلوب نہیں ہے کہ جسے سات طریقوں سے پڑھا جاتا ہے، کیونکہ ایسا تو صرف چھوٹے چھوٹے کلمات میں ہوتا ہے جیسے اُف، جبرئیل، أرجه، هيهات اور هيت) اسی طرح علماء کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ اس سے مراد وہ سات مشہور قُرّاء نہیں ہیں جیسا کہ کچھ لوگ یہی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان سات اَفراد کا کوئی وجود ہے اور نہ ہی انہیں کسی نے دیکھا ہے؛ سب سے پہلے جس نے

اُن کی قرأت کو یکجا کیا وہ ابوبکر ابن مجاہد ہے اور اُس نے چوتھی صدی ہجری میں یہ کام انجام دیا تھا جس طرح کہ آگے چل کر بیان ہوگا۔ چنانچہ اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ سات زبانیں ہیں البتہ ان کی تشخیص میں پھر اختلاف کیا ہے؛ ابوعبید کہتا ہے: قریش، ہذیل، ثقیف، ہوازن، کنانہ، تمیم اور یمن، جبکہ کسی اور نے کہا ہے کہ یہ ہوازن کے مضافات میں بولی جانے والی پانچ زبانیں ہیں: سعد وثقیف، کنانہ وہذیل، قریش اور دو زبانیں وہ ہیں جو تمام عرب بولتے ہیں۔ ابوعبید احمد ابن محمد ابن محمد ہروی کہتا ہے: اس سے مراد عرب میں بولی جانے والی سات زبانیں ہیں، یعنی قرآن میں جگہ جگہ انھی لہجوں کو استعمال میں لایا گیا ہے۔ لہٰذا کچھ قریش کے لہجہ میں بیان ہوا، کچھ ہذیل کے، کچھ ہوازن کے اور کچھ یمن کے لہجہ میں بیان کیا گیا۔ (میں کہتا ہوں) یہ اقوال لغو ہیں، کیونکہ عمر ابن خطابؓ اور ہشام ابن حکم نے سورۂ فرقان کی قرأت میں اختلاف کیا تھا جس طرح کہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے حالانکہ دونوں قریشی تھے اور دونوں کی زبان اور قبیلہ بھی ایک تھے۔ (النشر۔ جلد۱۔ صفحہ۲۴)

ان سب اقوال میں سے حقیقت سے قریب ترین وہ قول ہے جسے ابن عبدالبر قطبی (متوفی۔ ۴۶۳ھ) نے کسی سے نقل کیا ہے: ''قرآن کے متعلق اختلافی وجوہات کا میں نے بڑے غور وخوض سے مطالعہ کیا تو میں نے دیکھا کہ یہ کُل سات ہیں'' (پھر اُس نے ان کی تفصیل بیان کی کہ جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے):

۱۔ وہ کلمے کہ جن کے اعراب تبدیل ہوجاتے ہیں لیکن ان کے معنٰی میں کوئی فرق نہیں آتا، جیسے ﴿ویضیقُ صدری﴾ یا ﴿ویضیقَ صدری﴾ (سورۂ شعراء۔ آیت ۱۳)

۲۔ اعراب کی وجہ سے اُن کے معنٰی تبدیل ہوجاتے ہیں، جیسے ﴿ربنا باعَدَ بین اسفارنا﴾ یا ﴿ربنا باعِدْ بین اسفارنا﴾ (سورۂ سبأ۔ آیت ۱۹)

۳۔ حروف کی وجہ سے ان کے معنٰی تبدیل ہوجاتے ہیں، جیسے ﴿کیف نُنشِرُها﴾ یا ﴿وکیف نَنشُرُها﴾ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۵۹)

۴۔ ان کی صورت تبدیل ہوجاتی ہے مگر معنٰی نہیں، جیسے ﴿کالعهنِ المنفوش﴾ یا ﴿کالصوف المنفوش﴾ (سورۂ قارعہ۔ آیت ۵)

۵۔ اُن کی صورت اور معنٰی دونوں تبدیل ہوجاتے ہیں، جیسے ﴿طلحٍ منضود﴾ یا ﴿طلع منضود﴾ (سورۂ واقعہ۔ آیت ۲۹)

۶۔ تقدیم وتاخیر، جیسے ﴿وجآءت سکرۃ الموت بالحق﴾ یا ﴿وجآءت سکرۃ الحق بالموت﴾ (سورۂ ق۔ آیت ۱۹)

۷۔کمی بیشی، جیسے ﴿حافظوا علی الصلوات الوسطی﴾ اور ﴿صلاۃ العصر﴾ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۳۸)(البرھان۔ جلد۱۔ صفحہ۲۱۴) اسی سے ملتی جلتی تقسیم کو ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) نے النشر۔ جلد۱۔ صفحہ۲۷ میں اور سیوطی (متوفی۔۹۱۱ھ) نے الاتقان۔ جلد۱۔ صفحہ۴۶ میں بیان کیا ہے۔[1]

ان سب سے عجیب وغریب قول تو وہ ہے جسے ابوہریرہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن کو سات حروف پر نازل کیا گیا حکیماً علیماً غفوراً رحیماً'' (مسند احمد۔ جلد۲۔ صفحہ۳۲۲ اور تفسیر الطبری۔ جلد۱۔ صفحہ۸)

امام احمد نے بھی اسی مضمون سے متعلق اس سے بھی ایک طویل حدیث ابی ابن کعب سے نقل کی ہے اور اس کے آخر میں راوی کہتا ہے: ''اگر تم کہو غفور رحیم یا کہو سمیع علیم یا علیم سمیع توجب تک تم عذاب کی آیت کو رحمت اور رحمت کی آیت کو عذاب پر ختم نہ کرو اللہ ایسا ہی ہے'' (المسند۔ جلد۵۔ صفحہ۱۲۴)

طبری نے ابوہریرہ سے روایت نقل کی ہے: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے چنانچہ تم لوگ اس کو پڑھو اور اس میں کوئی حرج نہیں، نیز تم لوگ رحمت کو عذاب اور عذاب کو رحمت سے نہ بدل دینا'' (الطبری۔ جلد۱۔ صفحہ۴۵)

اس میں تعجب کی بات یہ ہے کہ جس طرح کہ سیرت نبویؐ بیان کرتی ہے نبیؐ نے عبداللہ ابن ابی سرح قریشی کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا کہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وحی تحریر کرتا تھا اور پھر مشرک ہوگیا تھا؛ مکہ میں اس نے کہا تھا: ''میں محمدؐ کو جس طرح چاہوں استعمال کرتا ہوں وہ مجھے کہتے ہیں کہ عزیز حکیم لکھو اور میں کہتا ہوں علیم حکیم تو وہ کہتے ہیں کہ ہاں، یہ سب صحیح ہے'' (الاستیعاب۔ جلد۱۔ صفحہ۳۹۳)

آپؐ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا خواہ وہ غلافِ کعبہ کے پیچھے ہی کیوں نہ چھپا ہو؛ لہٰذا یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک طرف تو رسول خداؐ نصِ قرآنی کی حفاظت کی خاطر اس قدر سخت اقدام اٹھائیں اور دوسری جانب ان روایتوں میں نبیؐ کی جانب منسوب کی گئی اس قدر سہل انگاری سے کام لیں؟! باوجودیکہ یہ روایتیں بعینہٖ اُن الفاظ کو استعمال کر رہی ہیں کہ جنہیں مسلمانوں کی صفوں میں چھپے ابن ابی سرح نے ادا کیا تھا اور اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کچھ لوگوں کی سازش تھی تاکہ نصِ قرآنی کے بارے میں عوام الناس کو شک میں مبتلا کیا جاسکے۔

روایت اس بات پر زور دیتی ہے کہ ''جو کچھ تم لوگوں کو سکھایا گیا'' اُسی حساب سے قرأت کرنا واجب ہے اور اس طرح قرآنی الفاظ میں لغوی اعتبار سے بھی اجتہاد یا تصرف کی کوئی گنجائش نہیں؛ لہٰذا اس طرح صاف صاف منع کر دیا گیا کہ قرآن کے مفہوم کو نقل نہ کیا جائے۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن کے مفہوم کو نقل کرنے میں اختلاف پایا جاتا تھا اور زمانہ رسولؐ میں ہی اس سے منع کر دیا گیا تھا، بلکہ آپؐ نے یہ تاکید کی تھی کہ اس کو سیکھنے کا طریقہ بھی ایک ہی ہے اور متعدد نہیں، اگرچہ تعلیم کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آخر میں نبیؐ کے قلب پر نازل ہونے والا قرآن بھی ایک ہی ہے نیز یہ کہ قرآن ایک سے زیادہ نہیں ہے اور اس کی تعلیم کا منبع بھی یہی ہے۔ ہماری بیان کردہ توجیہہ مترادف کلمات کے استعمال کے منافی نہیں ہے جیسے تعلیم قرآن کے لئے وسیلہ کا لفظ، لیکن قرآن کے حقیقی صیغوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا عبداللہ ابن ابی سرح کہ جس نے قرآن کے الفاظ کو تبدیل کر دیا تھا کے خلاف اس قدر سخت موقف کا اختیار کرنا یعنی آپ کا اُس کے قتل کا حکم صادر کرنا خواہ وہ غلافِ کعبہ کے پیچھے کیوں نہ ہو اس بات کو صاف ظاہر کرتا ہے کہ رسول خداؐ قرآن کو بعینہٖ عیوب سے پاک رکھنے کی جانب ہمہ وقت متوجہ تھے اور آپؐ کے لئے نبوت کی ذمہ داری کا تقاضا بھی یہی تھا۔

اسی طرح آپ کا یہ سخت موقف اختیار کرنا اُن روایتوں کی بھی نفی کرتا ہے کہ جن میں نصِ قرآن میں تغیر وتبدل کی بات کی گئی ہے، جیسے کہ طبری (متوفی۔۳۱۰ھ) نے ابن شہاب سے روایت نقل کی ہے: ''سعید ابن مسیب نے مجھے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا ذکر کیا ہے، یعنی وہ کہتا ہے: ﴿انما یعلمه بشرٌ﴾ (سورۂ نحل۔ آیت ۱۰۳) دراصل اُس کی عقل زائل ہو گئی تھی کیونکہ وہ وحی لکھا کرتا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اُس کو املاء کرواتے تھے: سمیعٌ علیمٌ یا عزیزٌ حکیمٌ یا اسی طرح آیتوں کے کچھ اختتامی الفاظ اور اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس کی جانب سے اپنی توجہ ہٹا دی کیونکہ اُن پر وحی نازل ہو رہی تھی تو اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے پوچھا کہ کیا لکھوں: عزیزٌ حکیمٌ، سمیعٌ علیم یا عزیزٌ علیمٌ؟ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اُس سے کہا: جو کچھ تم نے لکھا ہے وہ اسی طرح سے ہے تو اس چیز نے اُس کو گمراہ کر دیا اور وہ کہنے لگا: محمدؐ نے میری مرضی پر چھوڑ دیا ہے کہ میں جو چاہوں سو لکھوں؛ یہ وہی بات ہے کہ جسے سعید ابن مسیب نے مجھ سے ''حروفِ سبعہ'' کے متعلق بیان کیا'' (تفسیر الطبری۔ جلد۱۔ صفحہ۴۶)

یہ روایت تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی جانب سے ممنوع کام کی بھی اجازت دیتی ہے اور اس کے مطابق تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جو قتل کا حکم دیا تھا وہ کوئی خاص بات نہیں تھی جبکہ ان دونوں باتوں میں تضاد پایا جاتا

ہے۔اس لئے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ نبیؐ کسی کام کے کرنے پر ایک کو تو قتل کر دیں اور دیگر افراد کو اسی کام کی اجازت دے دیں؟! یہیں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مختلف طریقوں سے قرأت اسی صورت میں جائز ہے کہ جب اصل قرآن محفوظ رہے اور تحریر شدہ نص قرآن میں قرأت کی تبدیلی سے اس کے معنٰی تبدیل نہ ہو جائیں جبکہ ایسی صورت حال بھی صرف نماز سے مخصوص ہے اور یہ عام اجازت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام نووی (متوفی-۶۷۶ھ) کہتے ہیں: ''اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس سے مراد آیت کے اختتامی الفاظ ہیں یعنی غفورٌ رحیمٌ کی بجائے سمیعٌ بصیرٌ پڑھ لیا جائے تو اُس کی یہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے قرآن کے معنٰی کو تبدیل کرنا ممنوع ہے''(شرح صحیح مسلم جلد۶۔ صفحہ۱۰۲)

اس سے بھی عجیب بات تو وہ ہے جو ابن عبدالبر نمری (متوفی-۴۶۳ھ) ان احادیث کی توجیہ میں کہتا ہے: ''اس سے ضرب المثل مراد لی گئی ہے یعنی قرآن جن حروف پر نازل ہوا اُن کے مفاہیم یکساں ہیں اگرچہ یہ سننے میں مختلف محسوس ہوتے ہیں''(البرھان-جلد۱-صفحہ۲۲۱)

عرضِ مؤلف: کیا عربی بولنے والا اس بات کو عقلاً قبول کر سکتا ہے کہ علم، حکمت، مغفرت اور رحمت کے مفاہیم ایک جیسے ہوں؟؟؟ کیا سی گئی چیز میں اختلاف پایا جانا اس بات کی طرف واضح اشارہ نہیں ہے کہ اس سے سمجھے گئے معنٰی بھی مختلف ہیں اگرچہ مصداق ایک ہی ہے؟

اَحادیثِ عرض

یہ اَقوال واضح طور پر ''اَحادیث عرض'' کے نظریہ کی نفی کرتے ہیں کہ جن میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ ہر سال ماہِ رمضان میں نبیؐ کے سامنے قرآن پیش کرتے تھے اور آپؐ کی وفات والے سال یہ سلسلہ دو مرتبہ عمل میں آیا۔امام بخاری کہتے ہیں: ''جبرئیلؑ نبیؐ کے سامنے قرآن پیش کرتے تھے اور مسروق نے حضرت عائشہؓ سے اور انہوں نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مخفی طور پر یہ بتلایا کہ جبرئیلؑ ہر سال میرے پاس آ کر قرآن کا تقابل کرتے ہیں جبکہ امسال انہوں نے میرے سامنے دو مرتبہ قرآن پیش کیا لہٰذا مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرے دنیا سے کوچ کرنے کا وقت آ گیا ہے''۔

یحیٰی ابن قزعہ نے ہم سے حدیث بیان کی: ابراہیم ابن سعد نے زہری کے ذریعہ ہم سے حدیث بیان کی، اس نے

عبیداللہ ابن عبداللہ سے، اس نے ابن عباسؓ سے نقل کیا: ''نبیؐ تمام لوگوں سے زیادہ نیکوکار تھے اور ماہِ رمضان میں تو مزید فیاضی کے ساتھ نیکیاں بجالاتے، کیونکہ ماہِ رمضان میں ہر شب جبرئیلؑ آپؐ سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے اور سارا مہینہ یہ سلسلہ جاری رہتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اُن کے سامنے قرآن پیش کرتے۔ نیز جب جبرئیلؑ آپؐ سے ملاقات کرتے تو اُس موقع پر بھلائی کرنے میں آپؐ تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ فیاضی کا مظاہرہ فرماتے''

خالد ابن یزید نے ہم سے حدیث بیان کی: ابوبکر نے ابوحصین کے ذریعہ ہم سے حدیث بیان کی، اس نے ابوصالح سے، اس نے ابوہریرہ سے نقل کیا: ''ہر سال نبیؐ کے سامنے قرآن پیش کیا جاتا رہا اور جس سال اُن کی وفات ہوئی اُس عرصہ میں آپؐ کے سامنے دو مرتبہ پیش کیا گیا'' (صحیح البخاری۔ جلد۶۔ صفحہ۲۲۹)

یہ کہنا تو بالکل ہی بے جا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے ایک ہی کلمہ کو سات مرتبہ دہرایا، کیونکہ ایسا تو عام بات چیت میں بھی نہیں ہوتا تو معجزے والے قرآن میں ایسا کیونکر ہوسکتا ہے؟! یہی وجہ تھی کہ ابن عبدالبر نمری (متوفی۔ ۴۶۳ھ) نے ایک اور احتمال پیش کیا؛ چنانچہ وہ کہتا ہے: ''کچھ لوگوں کو یہ بات ٹھیک نظر نہیں آتی، لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ آیا جبرئیلؑ ایک ہی لفظ کو سات مرتبہ اُدا کرتے تھے؟ اُن کے لئے یہ جواب ہے کہ آپ کی بات اُس صورت میں صحیح ہوتی کہ جب ہم یہ کہتے کہ ساتوں اُسلوب ایک ہی طریقہ میں جمع ہوتے تھے جبکہ ہم تو کہتے ہیں کہ ہر دفعہ جبرئیلؑ ایک اُسلوب پیش کرتے تھے یہاں تک کہ سات طریقے مکمل ہوئے'' (البرھان۔ جلد۱۔ صفحہ۲۱۹)

قولِ جلالی: پہلی مرتبہ پیش کئے جانے والے قرآن کی کوئی اہمیت نہیں ہے، کیونکہ آخری مرتبہ پیش کیا جانے والا قرآن اُس سے پہلے سب کے لئے ناسخ واقع ہوگا اور اس طرح یہی ایک پیشکش معتبر ہوگی جبکہ باقی پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا صرف ایک ہی اُسلوب رہ گیا جو کہ سب سے آخر میں پیش کیا گیا باوجودیکہ یہ نظریہ سرے سے فرضی ہے اور ہر دفعہ کی پیشکش کو شمار میں لاکر اس کی تعداد سات مقرر نہیں کی جاسکتی، بلکہ غور وخوض سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن بتدریج نازل ہوا اور اس میں جس چیز کو قابلِ اعتنا سمجھا جائے گا وہ صرف آخری مرتبہ میں نازل ہونے والی آخری وحی ہے اور اسی طرح آخری دفعہ میں قرآن نے ایک کامل کتاب کی صورت اختیار کی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (سورۂ مائدہ۔ آیت ۳) اور اس سے پہلے اللہ نے اپنے دین کو تکمیل سے کبھی موصوف نہیں کیا۔

مصاحفِ صحابہ

مآخذِ اسلامی میں سوائے چار صحابہ کے کسی کا بھی قرآنی نسخہ محفوظ نہیں ہے؛ سال وفات کے حساب سے یہ نسخے مندرجہ ذیل صحابیوں کے ہیں:

۱۔ اُبی ابن کعب اَنصاری (متوفی۔۳۲ھ)

۲۔ عبداللہ ابن مسعود مخزومی (متوفی۔۳۲ھ)

۳۔ علی ابن ابی طالبؑ (شہادت۔۴۰ھ) اور

۴۔ زید ابن ثابت اَنصاری (متوفی۔۴۵ھ)

ان صحابیوں کی تاریخہائے ولادت ووفات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سن کے لحاظ سے ان میں سب سے بڑے زید ابن ثابت ہیں اور انہی کا سب سے آخر میں انتقال ہوا تھا؛ اسی طرح سے ان کے قرآنی نسخوں میں موجود اختلاف عمیق مطالعہ کی دعوت دیتا ہے، مگر ان میں ایک یہ کمی ہے کہ ان کی تاریخی نص موجود نہیں کہ جس پر تکیہ کرتے ہوئے اَخبارِ آحاد اور چند اَفراد کے ذاتی خیالات پر اعتماد کیا جاسکے جو کسی علم وعمل کا موجب نہیں بنتے۔ لہٰذ صرف ایک نصِ قرآنی باقی رہ گئی جو تاریخ میں ''مصحف امام'' کے نام سے معروف ہے اور آجکل رائج نص متواتر ہی یکے بعد دیگرے ہر زمانہ میں موجود رہی ہے حتیٰ کہ آجکل بھی۔ جہاں تک دوسرے قرآنی نسخوں کا تعلق ہے تو سوائے اُن کے چند مرتب فقروں کے وہ بالکل معدوم ہو چکے ہیں۔ اب ہم ان نسخوں کو اُن کے مؤلف کی تاریخ وفات کے حساب سے ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اُن کی کچھ سوانح حیات کو بھی بیان کریں گے:

۱۔ مصحفِ اُبیؓ ابن کعب (متوفی۔۳۰ھ)

اُبیؓ ابن کعب ابن قیس ابن عبید ابن معاویہ ابن عمرو ابن مالک اَنصاری جو عقبۂ ثانیہ میں بھی موجود تھے اور اُسی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی تھی اور پھر جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''میری اُمت میں سب سے بہترین قرأت اُبیؓ کی ہے'' انس سے مروی ہے کہ نبیؐ نے اُبیؓ کو بلا کر فرمایا: ''اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے پڑھوں'' اُبیؓ کہنے لگے: اللہ نے آپؐ کے سامنے میرا نام لیا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں!'' تو اُبیؓ گریہ کرنے لگے؛ ابو عمرو کہتا ہے: ''اُبیؓ اُن لوگوں میں سے تھے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے زید ابن ثابت سے پہلے اور ان کے ساتھ ساتھ بھی وحی لکھا کرتے تھے'' واقدی کہتا ہے: ''مدینہ آنے پر جس نے سب سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کتابت کی وہ اُبیؓ ابن کعب تھے اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں

نے کتاب کے آخر میں لکھا تھا "فلاں نے یہ کتاب لکھی"؛ حضرت عمر ابن خطابؓ کے دور خلافت میں ۱۹ ھ میں آپ انتقال کر گئے جبکہ (اُن کی وفات) ۲۰ ھ بھی کہی جاتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان کے دَور خلافت میں ۳۲ ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (تخریج الدلالات۔ صفحہ ۱۰۹)

ابن ندیم (متوفی ۔ ۳۸۰ھ) نے اُبیؓ ابن کعب کے قرآنی نسخہ میں تفصیل کے ساتھ قرآن کی ترتیب کا ذکر کیا ہے اور اس نسخہ میں دو زائد سورتوں کی وضاحت کی گئی ہے؛ چنانچہ اُس کا بیان ہے: "فضل ابن شاذان کہتا ہے کہ ہمارے ایک قابل وثوق ساتھی نے مجھے بتلایا: اُبیؓ ابن کعب کی قرأت کے حساب سے سورتوں کی تالیف بصرہ کے ایک گاؤں میں کی گئی کہ جسے "قرية الانصار" کہا جاتا ہے اور محمد ابن عبدالملک انصاری کے نزدیک یہ دو فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسی نے ہمارے سامنے ایک قرآنی نسخہ نکالا اور کہنے لگا کہ یہ اُبیؓ کا قرآن ہے جسے ہمارے اَجداد نے اُن سے نقل کیا ہے؛ لہٰذا میں نے اُس کو دیکھا اور اُس کی ابتدائی سورتوں، آخری سورتوں اور آیتوں کی تعداد کو شمار کیا تو اُس کی ابتدا میں یہ سورتیں تھیں: فاتحۃ الکتاب، بقرہ، نساء، آل عمران، اَنعام، اَعراف، مائدہ؛ جن سورتوں نے مجھے شبہ میں ڈال دیا یہ ہیں: یونس، اَنفال، توبہ، ہود، مریم، شعراء، حج، یوسف، کہف، نحل، اَحزاب، بنی اسرائیل، زمر، حم تنزیل، طٰہٰ، اَنبیاء، نور، مؤمنین، حم المؤمن، رعد، طسم قصص، طس سلیمان، صافات، داؤد، سورۂ ص، یٰس، اَصحاب حجر، حم عسق، روم، زخرف، حم السجدہ، سورۂ ابراہیم، ملائکہ فتح، محمد، حدید، ظہار، تبارک الفرقان، الم تنزیل، نوح، اَحقاف، ق، رحمٰن، واقعہ، جن، نجم، نون، حاقہ، حشر، ممتحنہ، مرسلات، عم یتساءلون، انسان، لااقسم، کوِّرت، نازعات، عبس، مطففین، اذالسماء انشقت، تین، اقرأ باسم ربک، حجرات، منافقون، جمعہ، نبی علیہ السلام، فجر، ملک، اللیل اذا یغشٰی، اذالسماء انفطرت، الشمس وضحٰھا، السماء ذات البروج، طارق، سبح اسم ربک الاعلیٰ، غاشیہ، عبس، وھی اھل الکتاب، لم یکن اَول ما کان [1] الذین کفروا، صف، ضحیٰ، الم نشرح لک، قارعہ، تکاثر، خلع ۔ اس کی تین آیتیں ہیں۔ حفد ۔ اس کی چھ آیتیں ہیں اللّٰھم ایاک نعبد اور آخر میں بالکفار ملحق ہے، لمز، اذازلزلت، عادیات، اَصحاب الفیل، تین، کوثر، قدر، کافرون، نصر، ابی لہب، قریش، صمد، فلق اور سورۂ ناس؛ یہ کُل ایک سو سولہ سورتیں ہیں۔

وہ کہتا ہے: یہاں تک میں نے اُبیؓ ابن کعب کے قرآنی نسخہ کو دیکھا اور اُبیؓ ابن کعب کے کہنے کے مطابق قرآن میں کُل چھ ہزار دو سو دس آیتیں ہیں؛ عطاء ابن یسار کے قول کے مطابق قرآن کی تمام سورتوں کی تعداد ایک سو چودہ ہے اور اس میں چھ ہزار ایک سو ستر آیتیں ہیں جبکہ اس کے کلمات کی تعداد ستتر ہزار چار سو اُنتالیس ہے؛ اس کے حروف کی تعداد تین لاکھ تیئس ہزار پندرہ ہے؛ عاصم جحدری کے مطابق ایک سو تیرہ سورتیں ہیں؛ یحیٰی ابن حارث ذماری کے مطابق اس میں

---

[1] ہوسکتا ہے کہ "لم یکن اَول ما کان" سے "عبس" اور "والتین" کے عنوانات کی تکرار مُراد ہو۔

چھ ہزار دو سو چھبیس آیتیں ہیں اور اِس کے حروف کی تعداد تین لاکھ اکیس ہزار پانچ سو تیس ہے۔

بجستانی (متوفی-۳۱۶ھ) کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُبیؓ کے قرآنی نسخہ کو نذر آتش کر دیا گیا تھا؛ وہ کہتا ہے:
''عراق کے کچھ باشندے اُس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے پاس عراق سے آئے ہیں تا کہ آپ ہمیں اُبیؓ کا قرآنی نسخہ دکھائیں؛ محمد کہنے لگا: اس نسخہ کو حضرت عثمانؓ نے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ وفد نے کہا: سبحان اللہ! لائیے ہمیں دکھایئے، اس نے کہا: اُس نسخہ کو حضرت عثمانؓ نے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا'' (المصاحف- صفحہ ۲۵)

ابن جوزی کہتا ہے: ''۵۱۵ھ میں ۵۰۰ قرآنی نسخے نظر آتش کئے گئے اور اُن میں اُبیؓ ابن کعب کا تحریر کردہ نسخہ بھی شامل تھا'' (المنتظم- جلد ۹- صفحہ ۲۲۴)

۲۔ عبداللہ ابن مسعودؓ (متوفی-۳۲ھ)

یہ عبداللہ ابن مسعودؓ ابن غافل ابن حبیب ابن شمخ ابن فارس ابن مخزوم ہذلی کوفی ہیں؛ ان کی کنیت ابن اُم عبد اور ابو عبدالرحمٰن ہے۔ یہ بہت پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور انہوں نے دونوں ہجرتیں - حبشہ اور مدینہ کی طرف - کی تھیں نیز جنگِ بدر اور صلح حدیبیہ میں بھی شریک تھے۔

عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے: ''میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو فرماتے سُنا: قرآن کو چار افراد سے حاصل کرو: اُم عبد - یعنی عبداللہ ابن مسعود -، معاذ ابن جبل، اُبیؓ ابن کعب اور ابو حذیفہ کے غلام سالم سے''

ابن مسعودؓ کا انتقال ۳۲ھ میں شہر مدینہ میں ہوا؛ انہیں بقیع میں دفن کیا گیا اور اُن دنوں ان کی عمر ساٹھ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ (تخریج الدلالات- صفحہ ۱۳۲)

ذہبی (متوفی-۷۴۸ھ) کہتا ہے: ''ابن مسعود سابقین اولین اور حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں میں سے تھے؛ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے اور انہوں نے ہی ابو جہل کا سر قلم کر کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں پیش کیا تھا'' یہ اُن افراد میں سے ہیں جنہوں نے زمانہ رسولؐ میں ہی قرآن کو یکجا کیا تھا اور آپؐ کے سامنے اُسے پڑھا تھا؛ چنانچہ آپ کا کہنا ہے: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زُبانی میں نے ستر سورتوں کو حفظ کیا...'' (معرفة القُرّاء جلد ۱- صفحہ ۳۳)

ابو موسیٰ کہتا ہے: ''ابن مسعود اور اُن کی والدہ - اُم عبد - کو میں اہلبیت ہی میں سے شمار کرتا ہوں کیونکہ اُن کے ہاں آپ کا آنا جانا بہت زیادہ تھا'' نیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ابن مسعود کو اپنے اَسرار بتلاتے تھے اور اُن کے ساتھ رازداری

کی باتیں بھی کیا کرتے تھے...

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''جو شخص قرآن کو بعینہٖ اُسی طرح پڑھنا چاہتا ہے کہ جس طرح اُسے نازل کیا گیا تو اُسے چاہئے کہ ابن اُم عبد کی قرأت سے پڑھے'' یعنی عبد اللہ ابن مسعود کی قرأت۔ (معرفة القرّاء۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۴)

خزرجی (تقریباً ۹۲۳ھ) اُن کی سوانح حیات میں لکھتا ہے: ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے اور یہ جنگِ بدر میں شریک ہوئے تھے نیز دوسری جنگوں میں بھی۔ منقول ہے کہ کچھ صحابہ اور تابعین نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ستر سورتیں حاصل کیں؛ علقمہ کہتا ہے: ''عادات واطوار میں ابن مسعود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانند تھے'' ابونعیم کہتا ہے: ابن مسعود نے ۳۲ھ میں شہر مدینہ میں وفات پائی اور اُس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال سے اوپر تھی۔ (خلاصة تهذيب الكمال۔ صفحہ ۱۸۱۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۲ھ)

شہرستانی (متوفی۔ ۵۴۸ھ) نے ''عثمانؓ سے باز پرس'' میں اپنا یہ قول بیان کیا ہے: ''قرآنی نسخہ کو حاضر کرنے پر عبد اللہ ابن مسعود نے انہیں زدوکوب کیا اور اُس بات پر بھی جو اُن کے لئے معیوب تھی'' (الملل والنحل۔ صفحہ ۴۵۔ مطبوعہ دارالفکر ۱۴۱۷ھ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن مسعودؓ کا موقف انتہائی سخت تھا۔

ذہبی (متوفی۔ ۷۴۸ھ) ثعلبہ ابن مالک سے نقل کرتا ہے: ''میں نے حضرت عثمانؓ کو یہ کہتے سُنا: کوئی شخص ابن مسعود سے میری عذر خواہی قبول کروادے کہ وہ بہت غصہ میں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے قرآنی نسخوں پر انہیں متولی مقرر نہیں کیا؛ تو پھر وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ پر غضبناک کیوں نہ ہوئے جبکہ ان دونوں نے بھی انہیں اس عہدہ سے معزول کر کے ان کی جگہ زید ابن ثابت کو متولی مقرر کر دیا تھا جبکہ میں نے تو اُنہی کی پیروی کی ہے'' (معرفة القرّاء۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۷)

امام بخاری نے ابن مسعود کا یہ قول نقل کیا ہے: ''اُس خدا کی قسم کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں قرآن کی کوئی سورت نازل نہیں ہوئی مگر میں واقف ہوں کہ کہاں پر نازل ہوئی اور اُس کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر میں جانتا ہوں کہ کس کے متعلق نازل ہوئی؛ اگر میں کسی ایسے شخص کو جانتا ہوتا کہ جس کی قرآن کے متعلق مجھ سے زیادہ معلومات ہوتی تو چاہے اُس تک صرف اونٹ پہنچا سکتا تب بھی میں سوار ہو کر اُس کے پاس جاتا''۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن مسعود کا قرآنی نسخہ حجاج ابن یوسف ثقفی (متوفی۔ ۹۵ھ) کے دور میں بھی جگہ جگہ پہنچ چکا تھا، اس لئے کہ ابن اثیر (متوفی۔ ۶۳۰ھ) کہتا ہے: ''عاصم ابن بہدلہ کہتا ہے: میں نے حجاج کو یہ کہتے سُنا: جس قدر ممکن ہو تقویٰ اختیار کرو کہ بخدا اس پر اجر دیا جائے گا؛ سنو، اطاعت کرو اور اپنے آپ کے لئے بہترین شے خرچ کرو کہ اس میں کوئی ثواب یا اجر (کی امید) نہ ہو۔ اگر میں تم لوگوں کو یہ حکم دیتا کہ تم اس دروازہ سے باہر نکل جاؤ اور تم لوگ اس سے باہر

نکل جاتے تو تمہارا خون میرے لئے حلال تھا۔ نیز میں کسی کو نہ دیکھوں جو اُم عبد۔ یعنی ابن مسعود۔ کی قرأت کے مطابق پڑھتا ہو ورنہ میں اُس کی گردن ماردوں گا اور میں اُس کی گردن کو مصحف سے تراشوں گا چاہے سؤر کی پسلی کے ذریعہ۔ اس بات کا ذکر اعمش کے سامنے بھی کیا گیا تو وہ کہنے لگا: میں نے بھی اُس کو یہ کہتے سنا تھا تو اُس وقت میں نے دل ہی دل میں کہا تھا: تمہیں ذلیل ورُسوا کرتے ہوئے میں اسی کو پڑھ کے رہوں گا'' (الکامل۔ جلد۴۔ صفحہ ۲۸۵)

ابن ندیم (متوفی۔ ۳۸۰ھ) نے عبداللہ ابن مسعود کے قرآنی نسخہ میں نزول قرآن کی ترتیب کو بیان کیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''فضل ابن شاذان کہتا ہے: میں نے عبداللہ ابن مسعود کے مصحف میں قرآنی سورتوں کو اس ترتیب میں دیکھا: بقرہ، نساء، آلِ عمران، المص، انعام، اعراف، مائدہ، یونس، برائت، نحل، ہود، یوسف، بنی اسرائیل، انبیاء، مؤمنین، شعراء، صافات، احزاب، قصص، نور، انفال، مریم، عنکبوت، روم، یٰس، فرقان، حج، رعد، سبأ، ملائکہ، ابراہیم، ص، الذین کفروا، قمر، زمر، حوامیم، مسبّحات، حم المؤمن، حم زخرف، سجدہ، احقاف، جاثیہ، دخان، انا فتحنا، حدید، سبح، حشر، تنزیل، سجدہ، ق، طلاق، حجرات، تبارک الذی بیدہ الملک، تغابن، منافقون، جمعہ، حواریون، قل اُوحی، انا ارسلنا نوحاً، مجادلہ، ممتحنہ، یا ایھا النبی لم تحرم، رحمن، نجم، ذاریات، طور، اقتربت الساعۃ، حاقہ، اذا وقعت، ن والقلم، نازعات، سئل سائل، مدثر، مزمل، مطففین، عبس، ھل اتی علی الانسان، قیامت، مرسلات، عم یتساءلون، اذا الشمس کورت، اذا السماء انفطرت، ھل اتاک حدیث الغاشیۃ، سبح اسم ربک الاعلیٰ، واللیل اذا یغشیٰ، فجر، بروج، انشقت، اقرأ باسم ربک، لااُقسم بھذا البلد، ضحیٰ، الم نشرح لک، والسماء والطارق، والعادیات، اَرأیت، قارعہ، لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب، الشمس وضحاھا، والتین، ویل لکل ھمزۃ، فیل، لایلاف قریش، تکاثر، انا انزلناہ، والعصر لقد خلقنا الانسان لخسر وانہ فیہ الیٰ آخر الدھر الاّ الذین آمنوا و تواصوا بالتقویٰ و تواصوا بالصبر (یعنی بلاشبہ ہم نے انسان کو خسارہ میں پیدا کیا اور وہ اُس میں اس وقت تک رہے گا کہ جب تک زمانہ قائم ہے، سوائے اُن لوگوں کے کہ جو ایمان لائے اور ایک باہم پرہیزگاری کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی)، اذا جآء نصر اللہ، انا اعطیناک، قل للذین کفروا لا اعبد ما تعبدون، تبت یدا ابی لھب و قد تبّ ما غنی عنہ مالہ و ما کسب و امرأتہ حمالۃ الحطب اور اللہ الواحد الصمد؛ اس حساب سے یہ ایک سو دس سورتیں ہوئیں''

ایک دوسری روایت میں سورۂ ذاریات سے پہلے طور ہے۔ ابوشاذان کا کہنا ہے کہ ابن سیرین نے کہا: ''عبداللہ ابن مسعود اپنے مصحف میں معوذتین تحریر کرتے تھے اور نہ ہی فاتحۃ الکتاب'' فضل نے اپنی اُسناد سے اعمش سے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود کی قرأت میں حمعسق بھی ہے۔

محمد ابن اسحاق [ابن ندیم] کہتا ہے: ''میں نے قرآن کے چند ایک نسخے دیکھے کہ اُن کے کاتبوں نے مجھے بتلایا کہ یہ عبداللہ ابن مسعود کا مصحف ہے، حتیٰ کہ ان میں سے کوئی دو نسخے بھی یکساں نہیں تھے البتہ اُن میں سے زیادہ تر نسخے جھلّی پر لکھے گئے تھے اور وہ تحریر سے کھچا کھچ تھے۔ میں نے ایک نسخہ ایسا دیکھا جسے دوسو سال قبل تحریر کیا گیا تھا اور اُس میں سورۂ فاتحہ بھی تھی۔ فضل ابن شاذان قرآن اور روایت کے معاملے میں امام مانے جاتے ہیں اور اسی لئے ہم نے اُن کی کہی ہوئی بات کو ان دیکھے ذکر کر دیا'' (فہرس۔ صفحہ ۲۹)

عرضِ مؤلف: چوتھی صدی ہجری میں موجود ابن شاذان کی روایت کے مطابق ابن مسعود کے قرآنی نسخہ کی ترتیب بالکل واضح ہے اور ابن شاذان یا ابن ندیم نے دوسو سال قبل کا مکتوب نسخہ دیکھا تھا یعنی ابن ندیم کے قول کے مطابق یہی مفروض ہے کہ یہ نسخہ کم از کم دوسری صدی ہجری کا ہے جبکہ ابن شاذان کے قول کے مطابق پہلی صدی ہجری کا اور یہ بات بھی بالکل عیاں ہے۔

۳۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ علیہ السلام

یہ علی ابن ابی طالبؑ ابن عبدالمطلبؑ ابن ہاشم ابن عبد مناف ابن قصی ہیں اور ان کی کنیت ابوالحسن ہے۔ ابو اسحٰق کہتا ہے: ''مردوں میں سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والے علی ابن ابی طالبؑ ہیں'' (ابن هشام۔ جلد۱۔ صفحہ ۲۶۲)

ابن عمر کہتے ہیں: ''علی ابن ابی طالبؑ نے تیرہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور آپؑ نے تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی''

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی... میرے علاوہ آپؐ کے ساتھ کوئی بھی نماز نہ پڑھتا تھا سوائے حضرت خدیجہؑ کے'' تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے دونوں قبلوں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی ہے اور آپؑ نے ہجرت کی، جنگ بدر، صلح حدیبیہ اور دیگر جنگوں میں بھی شرکت کی اور جنگ بدر، اُحد، خندق اور خیبر میں آپؑ نے بے انتہا مشکلات کا سامنا کیا... نیز اکثر مقامات پر آپؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچمدار تھے اور جب سے مدینہ میں قدم رکھا تھا سوائے غزوۂ تبوک کے آپؑ کسی ایسی جنگ میں غیر حاضر نہیں رہے کہ جس میں رسول خداؐ نے شرکت کی'' (اسد الغابة۔ جلد۱۔ صفحہ ۹۱ تا ۱۲۵)

ذہبی (متوفی ۔۷۴۸ھ) عاصم ابن ابی نجود کے ذریعہ اور وہ ابوعبدالرحمٰن سلمی سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے: ''میں

نے علیؑ سے زیادہ کسی کی قرأت کو بہتر نہیں پایا" ابن سیرین کہتا ہے: "لوگ اس زعم میں ہیں کہ علیؑ نے قرآن کی تنزیل کے مطابق اُس کو لکھ لیا تھا جبکہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اس میں علم ہوتا" (معرفة القرّاء- جلد۱- صفحہ ۲۲۸)

ابن ندیم (متوفی-۳۸۰ھ) کہتا ہے: "عبد خیر نے حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے نبیؐ کی وفات کے وقت لوگوں کی زبوں حالی دیکھی تو آپؑ نے یہ قسم لی کہ جب تک قرآن کو یکجا نہ کرلیں سکون کا سانس نہیں لیں گے، چنانچہ آپؑ تین روز تک اپنے گھر میں جا بیٹھے اور ان تین دنوں میں آپؑ نے قرآن کو یکجا کر دیا اور اس طرح یہ پہلا قرآنی نسخہ ہے جس میں حقیقتاً قرآن کو جمع کیا گیا ہے جبکہ یہ امام مصحف (امام) جعفر صادقؑ کے خاندان کے پاس موجود تھا۔ ان دنوں میں نے علیؑ ابن ابی طالبؑ کی تحریر میں ایک مصحف ابویعلی حمزہ حسن رحمہ اللہ کے پاس دیکھا ہے جس کے کچھ اوراق ضائع ہو چکے ہیں اور ایک طویل زمانہ سے یہ بطور وراثت بنو حسن میں منتقل ہوتا رہا ہے؛ اس نسخہ میں سورتوں کی ترتیب یہ ہے:..." (الفهرس- صفحہ ۳۰)

عرضِ مؤلف: فہرست ابن ندیم کے تمام مطبوعہ نسخوں میں بالاتفاق ان ضائع اوراق کا تذکرہ کیا گیا ہے البتہ وعدہ کے مطابق ترتیب کا تذکرہ نہیں ملتا، لیکن خوش بختی سے یعقوبی (متوفی-۲۸۴ھ) نے اپنی تاریخ کی کتاب میں اس مصحف کی ترتیب کو تفصیل سے بیان کیا ہے؛ وہ کہتا ہے: "بعض راویوں نے نقل کیا ہے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ نے اس نسخہ کو نبیؐ کی رحلت پر جمع کیا تھا؛ آپؑ اسے ایک اونٹ پر بار کر کے لائے اور فرمایا: اس قرآن کو میں نے یکجا کیا ہے۔ آپؑ نے اسے سات اَجزا میں تقسیم کیا تھا:

پہلا جز: بقرہ، سورۂ یوسف، عنکبوت، روم، لقمان، حم السجدہ، ذاریات، ھل اَتی علی الانسان، الم تنزیل السجدہ، نازعات، اذا الشمس کورت، اذا السماء انفطرت، اذا السماء انشقت، سبح اسم ربک الاعلی اور لم یکن۔ یہ جزو بقرہ ہے جو آٹھ سو چھیاسی آیتوں پر مشتمل ہے اور اس جز میں پندرہ سورتیں ہیں۔

دوسرا جز: آلِ عمران، ہود، حج، حجر، اَحزاب، دُخان، رحمٰن، حاقہ، سَل سائل، عبس، والشمس وضحاھا، انا اَنزلناہ، اذا زلزلت، ویل لکل ھمزۃ، الم ترَ اور لایلاف قریش۔ یہ جزو آلِ عمران ہے جو آٹھ سو چھیاسی آیتوں پر مشتمل ہے اور اس جز میں سولہ سورتیں ہیں۔

تیسرا جز: نساء، نحل، مؤمنون، یٰس، حمعسق، واقعہ، تبارک الملک، یا ایھا المدثر، اراَیت، تبت، قل ھو اللہ اَحد، عصر، قارعہ، والسماء ذات البروج، والتین والزیتون اور طٰس نمل۔ یہ جز و نساء ہے جو آٹھ سو چھیاسی آیتوں پر مشتمل ہے اور اس جز میں سولہ سورتیں ہیں۔

چوتھا جز: مائدہ، یونس، مریم، طٰسم شعراء، زخرف، حجرات، ق والقرآن المجید، اقتربت الساعۃ، ممتحنہ، والسماء والطارق، لااُقسم بھٰذا البلد، الم نشرح لک، والعادیات، انا اعطینا ک الکوثر اور قل یا ایھا الکافرون۔ یہ جزو مائدہ ہے جو آٹھ سو چھیاسی آیتوں پر مشتمل ہے اور اس جز میں پندرہ سورتیں ہیں۔

پانچواں جز: انعام، سبحان، اقترب، فرقان، موسیٰ، فرعون، حم المؤمن، مجادلہ، حشر، جمعہ، منافقون، ن والقلم، انا ارسلنا نوحا، قل اوحی الی، مرسلات، والضحیٰ اور الھاکم۔ یہ جزو انعام ہے جو آٹھ سو چھیاسی آیتوں پر مشتمل ہے اور اس جز میں سولہ سورتیں ہیں۔

چھٹا جز: اعراف، ابراہیم، کہف، نور، ص، زمر، شریعہ، والذین کفروا، حدید، مزمل، لااُقسم بیوم القیامۃ، عم یتساءلون، غاشیہ، فجر، واللیل اذا یغشٰی اور اذا جآء نصر اللہ۔ یہ جزو اعراف ہے جو آٹھ سو چھیاسی آیتوں پر مشتمل ہے اور اس جز میں سولہ سورتیں ہیں۔

ساتواں جز: انفال، برائت، طٰہٰ، ملائکہ، صافات، احقاف، فتح، طور، نجم، صف، تغابن، طلاق، مطففین اور معوذتین۔ یہ جزو انفال ہے جو آٹھ سو چھیاسی آیتوں پر مشتمل ہے اور اس جز میں پندرہ سورتیں ہیں" (تاریخ العصور۔ جلد۲۔ صفحہ۱۳۶)

شیخ کلینیؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے اُس نسخہ کو دکھایا جسے حضرت علی علیہ السلام نے تحریر کیا تھا اور فرمایا: "جب حضرت علی علیہ السلام نے اسے تحریر کرلیا تو آپؑ اس کو لوگوں کے سامنے لے آئے اور اُن سے فرمایا: یہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے (بالکل اسی طرح سے) کہ جیسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی اور میں نے اس کو دو تختیوں میں جمع کیا ہے۔ لوگ کہنے لگے: ہمارے پاس یہ جامع مصحف موجود ہے لہٰذا ہمیں اس کی قطعاً ضرورت نہیں تو آپؑ نے فرمایا: بخدا آج کے بعد تم لوگ اسے کبھی نہیں دیکھ پاؤ گے؛ درحقیقت یہ میری ذمہ داری تھی کہ میں اس کو یکجا کر لینے کے بعد تم لوگوں کو بتلادوں تا کہ تم اس کو پڑھو!" (الکافی۔ جلد۲۔ صفحہ۶۳۳)

مختلف کتب خانوں میں موجود امام علی علیہ السلام کی طرف منسوب قرآنی نسخے عمیق مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں تا کہ اس کی حقیقت سے آشنائی حاصل ہو اور جو عکس میں نے دیکھا ہے وہ امام مصحف سے کسی طور مختلف نہیں، لہٰذا یہاں آپ قارئین کی خدمت میں امام علی علیہ السلام سے منسوب اُن قرآنی نسخوں کے تعارفی نمونے پیش کئے جارہے ہیں کہ جن سے میں واقف ہوں:

۱۔ نسخہ روضہ حیدریہ نجف آشرف - عراق:

اس کا تعارف کورکیس عواد نے اس طرح کروایا ہے: "خط کوفی میں سب سے پہلا وسیع اور مکتوب نسخہ ہے جو صیقل

شدہ کھالوں پہ برنگ شہد مگر ہلکے رنگ سے لکھا گیا ہے؛ اس کو کشتی کی صورت میں وضع کیا گیا ہے اور اس کی ابتدا اور آخر سے کچھ اوراق ضائع ہو چکے ہیں جبکہ بقیہ اوراق کی تعداد ۱۲۷ ہے۔ اس کا حجم ۱۹ اعشاریہ ۵ ضرب ۲۹ سینٹی میٹر ہے اور اس کی کتابت کو امام علی علیہ السلام (شہادت ۴۰ھ بمطابق ۶۶۱ عیسوی) کی جانب منسوب کیا جاتا ہے'' (کاظم دجیلی نے یہ تعارف رسالہ لغة العرب شمارہ ۳ بغداد ۱۹۱۴ء میں صفحہ ۵۹۸، ۵۹۹ میں بیان کیا ہے) نیز دیکھیے سید احمد حسینی، روضۂ حیدریہ۔ نجف اشرف کے ذخیرہ شدہ مخطوطات کی فہرست کے صفحہ ۱۵ پر جسے مطبعة النعمان نے نجف اشرف سے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف بھی رجوع کر سکتے ہیں:

۱۔ تاریخ القرآن - مؤلف: ابوعبداللہ زنجانی - مطبوعہ قاہرہ ۱۹۳۵ء - صفحہ ۴۶

☆ یہ صفحہ اس قرآن کریم کا ہے جسے امام علی علیہ السلام ابن ابی طالبؑ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے اور یہ سورۂ بروج کی آیات ۱ تا ۳ پر مشتمل ہے جو روضۂ حیدریہ - نجف اشرف - عراق میں محفوظ ہے۔

ابوعبداللہ زنجانی کہتا ہے: ''میں نے ماہ ذی الحج ۱۳۵۳ھ میں شہر نجف کے علویہ کتب خانہ میں خط کوفی میں تحریر ایک مصحف دیکھا تھا کہ جس کے آخر میں لکھا تھا: ''اس نسخہ کو علی ابن ابی طالب نے چالیس ہجری میں لکھا'' چونکہ خط کوفی میں ''ابو'' اور ''ابی'' ایک دوسرے سے مشابہ ہوتے ہیں لہٰذا اس کے ایک دوسرے نسخہ کو دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ ''علی ابن ابو طالب'' یعنی واؤ کے ساتھ لکھا تھا۔ (تاریخ القرآن- صفحہ ۷۵)

۳۔ماضی النجف و حاضرھا۔تألیف جعفر آل محبوبہ -جلد۱۔طباعت دوم۔مطبوعہ نجف ۱۹۵۸ء۔صفحہ ۱۴۸

۴۔المنجد۔صفحہ ۶۴

۲۔ مقام سر مقدس حسینؑ کا نسخہ - قاہرہ

عواد کہتا ہے: ''یہ وہ نسخہ ہے جسے ''مصحف علیؑ'' کے نام سے جانا جاتا ہے'' یہ جھلی پر خط کوفی میں لکھا گیا ہے اور یہ صفحہ ۱۴سطور پر مشتمل ہے۔(المنجد۔صفحہ ۱۷)[عواد۔صفحہ ۴۰۴]

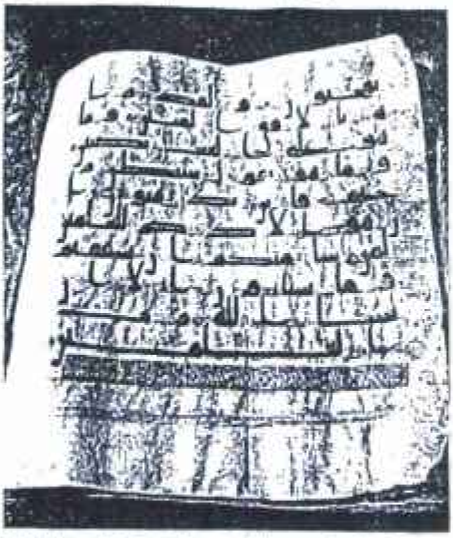

صفحة من القرآن الكريم المنسوب إلى الإمام علي بن أبي طالب عليه السلام تحتوي على الآيات ۲۲-۲۹ من سورة التكوير المحفوظة في مسجد رأس الحسين عليه السلام غرفة مخلفات الرسول ﷺ القاهرة

☆یہ صفحہ اس قرآن کریم کا ہے کہ جسے امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی سے منسوب کیا جاتا ہے اور یہ سورۂ تکویر کی آیات ۲۲ تا ۲۹ پر مشتمل ہے۔یہ مسجد رأس الحسین علیہ السلام، قاہرہ کے مخلفات الرسولؐ نامی حجرہ میں محفوظ ہے۔

ماہر ڈاکٹر سعاد نسخہ مسجد حسینی، قاہرہ اس کے تعارف کے طور پر کہتی ہیں: ''مصحف علیؑ کے نام سے معروف نسخہ کے متعلق ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخی مآخذ میں اس کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے اور ملتا بھی ہے تو بس اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں جو اس بات کی طرف بھی متوجہ کرے کہ اسلامی دور کے اوائل میں یہ نسخہ مصر میں موجود تھا۔

نیز وہ مصحف جسے امام علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجھہ سے منسوب کیا جاتا ہے اور جو مسجد حسین رضوان اللہ علیہ میں محفوظ ہے ۵۰۴ صفحات پر مشتمل ہے جسے جھلی پر سیاہی مائل روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے۔ جہاں تک اس کے رسم الخط کی بات ہے تو وہ سادہ کوفی ہے کہ جس کے حروف کو اعراب گذاری کے لئے سرخ رنگ سے نقطے دیئے گئے ہیں جبکہ عام عبارت کو سیاہ رنگ سے تحریر کیا گیا ہے۔ اب میں اس پر اپنے خیالات کا تفصیلی اظہار کرتی ہوں:

اوّل: اس قرآنی نسخہ کا رسم الخط سادہ کوفی ہے جو زاویہ مستقیم کے تحت لکھا گیا ہے اور یہ خطی آرائشگی سے عاری ہے۔ بہت حد تک پہلی صدی کے آخر میں اور دوسری صدی ہجری کے شروع میں جھلی پر عراق کے کاتبوں کی لکھائی سے مشابہ ہے...

دوّم: اس مصحف میں جھلی کا استعمال کیا گیا ہے جس میں ۵۰۴ صفحے ہیں اور اس سے ایسا لگتا ہے کہ اُس وقت کاغذ وغیرہ نہیں پایا جاتا تھا جو دورِ عباسی میں عام ہوا؛ اسی وجہ سے یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ یہ قرآنی نسخہ اُموی دور کا ہے۔

سوّم: اس مصحف میں اعراب گذاری اور نقطے دینے کے لئے سُرخ رنگ جبکہ عام عبارت کے لئے سیاہ رنگ کا استعمال اس بات کی یقین دہانی کراتا ہے کہ اسے اُموی خلیفہ ولید ابن عبد الملک کے دور سے پہلے نہیں لکھا گیا، کیونکہ یہی وہ دور تھا کہ جس میں حجاج ابن یوسف ثقفی عراق کا حاکم بنا تھا اور اس نے نصر ابن عاصم سے حروف پر نقطے دینے کو کہا تھا۔ اسی طرح سے زیادہ امکانات یہی ہیں کہ اس کو ۱۶۰ ھ سے پہلے ہی لکھ لیا گیا تھا، اس لئے کہ اس زمانہ میں سُرخ نقطے دینے کا رواج متروک ہو چکا تھا'' (مخلفات الرسول- صفحہ ۱۲۶)

۳۔ نسخہ کتب خانہ رضا رامپور - ھند

عواد کہتا ہے: ''یہ نسخہ انتہائی نفیس ہے؛ اس کی کتابت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام (شہادت-۴۰ھ بمطابق ۶۶۱ عیسوی) کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اس میں ۳۴۳ اوراق ہیں جسے جھلی پر کوفی رسم الخط میں تحریر کیا گیا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے امتیاز علی عرشی کے اُس بیان کو ملاحظہ کیجئے کہ جس کا ذکر انہوں نے اپنی فہرست میں کیا ہے:

Imtiyaz Ali Arshi, Catalogue of Arabic Manuscripts in Raza Library, Rampur.

(Vol.I, Rampur, 1963, P.XI, 2-3, No.1) (عواد- صفحہ ۳۹)

۴۔ نسخہ توپ کاپی - استنبول

عواد کہتا ہے: ''یہ نسخہ جھلی پر تحریر کیا گیا ہے؛ اسے امانت کتب خانہ میں رکھا گیا ہے جو توپ کاپی سے ملحق ہے؛ اس

کے ۴۱۴ اَوراق ہیں اور اس پر لکھا ہے کہ ابتدا سے سورۂ قارعہ تک امام علی علیہ السلام کی تحریر میں ہے جبکہ اس کے بعد کا حصہ ۷۰۳ھ میں ملحق کیا گیا؛ اس کا رسم الخط کوفی ہے جو دستی تحریر سے مشابہ ہے (Karatay, Vol.I, P.9, No.25 E.H.2 اور اس کا عکسی نسخہ ادارۂ مخطوطات میں موجود ہے) [فهرس المخطوطات المصورة - جلدا- صفحہ۲- سلسلہ۱۸/الكتب السماوية] [عواد- صفحہ۳۴)

اس کے علاوہ عواد کہتا ہے: "یہ نسخہ خط کوفی میں چھیلی گئی جھلی پر لکھا گیا ہے جو توپ کاپی کے عجائب گھر میں موجود ہے No.36 E.H.29 اور یہ ۱۴۷ اَوراق پر مشتمل ہے؛ اس کے آخر میں لکھا ہے: "اِسے علی ابن ابی طالب نے تحریر کیا" اس نسخہ کی تفصیل کے لئے (Karatay, Vol.I, P.14, No.25 E.H.36) کی طرف رجوع کیجئے۔ (المنجد- صفحہ۶۴)

اس کا ایک ٹکڑا قدیم کوفی رسم الخط میں ہے اور اُس کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کا تحریر کردہ ہے؛ اسے امانت کتب خانہ میں رکھا گیا ہے جو توپ کاپی کے کتب خانہ سے ملحق ہے؛ شمارہ ۳۳؛ یہ ۴۸ اَوراق پر مشتمل ہے۔ اس کا عکسی نسخہ ادارۂ مخطوطات میں موجود ہے۔(فهرس المخطوطات المصورة - جلدا- صفحہ۲- سلسلہ۱۴/ الكتب السماوية) [عواد- صفحہ۳۳]

۵۔ مصحف در خط کوفی

دليل السياحي لمحافظة كربلاء میں مرقوم ہے: "اس کی تحریر کو امام امیر المومنین علی عليه السلام سے منسوب کیا جاتا ہے اور یہ چاندی کے صندوق میں محفوظ ہے کہ جسے ضریح مطہر کے اندر رکھا گیا ہے" اس کا عکس صفحہ ۱۶ پر شائع کیا گیا ہے۔

الموسوعة القرآنية- جلدا- صفحہ۶۳ میں تحریر ہے: "کتب خانہ علویہ - نجف اَشرف - میں ایک قرآنی نسخہ خط کوفی میں تحریر ہے اور اُس کے آخر میں لکھا ہے: "علی ابن ابی طالب نے اسے ۴۰ھ میں تحریر کیا" اور اسی سال حضرت علی عليه السلام نے وفات پائی تھی۔

۶۔مصحف در خط امام علیؑ

انڈیا آفس - لندن - اس پر مغلیہ سلاطین کی مہریں ثبت ہیں۔

۷۔ مصحف در خط امام علیؑ

اس نسخہ کو خط کوفی میں مکمل کیا گیا ہے جو دستی تحریر سے مشابہ ہے؛ ۳۰۷ھ؛ خط کوفی میں کتب خانہ امانت میں شمارہ ۲ کے تحت محفوظ ہے۔ (مصور-صفحہ۲)

۸۔ مصحف در خط علیؑ

خط کوفی میں کتب خانہ عثمانیہ میں رکھا گیا ہے؛ شمارہ ۲۵۔

۹۔ مصحف در خط علیؑ ابن ابی طالبؑ

قدیم کوفی خط میں لکھا گیا ہے؛ کتب خانہ امانت، شمارہ ۲۹؛ تعداد اوراق ۱۴۷۔ (مصور-جلد۱-صفحہ۲)

۱۰۔ مصحف در خط علیؑ

سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک کتب خانہ حمیدیہ، شمارہ ۲ کے تحت رکھا گیا ہے۔

۱۱۔ نسخۂ امام یحییٰ کتب خانہ - صنعاء: یمن -

اس نسخہ کا تعارف ذخیرہ شدہ کتب کی فہرست میں یوں کروایا گیا ہے: ''یہ قرآن شریف کا وہ نسخہ ہے جسے امیر المومنین عثمان ابن عفانؓ کے دور خلافت میں مختلف مقامات پر ارسال کیا گیا تھا؛ یہ مصحف کوفی قلم سے صحابہ (رض) کی تحریر میں جھلی پر لکھا گیا ہے اور اس کا حجم ۴۴ - ۳۴ سینٹی میٹر ہے جبکہ اس کے کچھ اوراق نکال لئے گئے ہیں جبکہ اکثر صفحات محفوظ ہیں؛ اس میں کل ۵۴۰ صفحات ہیں اور جو صفحات نکال لئے گئے تھے انہیں تقریباً پچاس سال ہوگئے کہ جب لوگوں میں قیمتی آثار کو حاصل کرنے کا شوق پید ہوا تھا۔

اُس دَور کے اُن چند علماء نے ہمیں بتایا کہ جنہوں نے اس نسخہ کو دیکھا اور اس کو پڑھا ہے: یہ نسخہ مکمل ہے۔ انہوں نے اس کے آخر میں یہ لکھا دیکھا: ''اور اسے علی ابن ابو (یہ ابو ہی ہے ابی نہیں) طالب نے تحریر کیا'' اس بات کا اظہار کرنے والے علامہ قاضی محمد ابن عبد اللہ جنداری ہیں کہ جنہوں نے اس نسخہ کو ۱۳۱۲ھ میں دیکھا جبکہ سید علامہ علی ابن حسین

شامی نے اپنے اُستاد صفی الاِسلام احمد ابن عبداللہ جنداری سے بھی بعینہٖ اسی بات کا ذکر کیا جو اَبھی بیان ہوئی اور علّامہ قاضی صفی احمد ابن احمد جرانی نے اپنے اُستاد علّامہ علی ابن حسین مغربی سے بھی اسی طرح کی بات نقل کی ہے۔

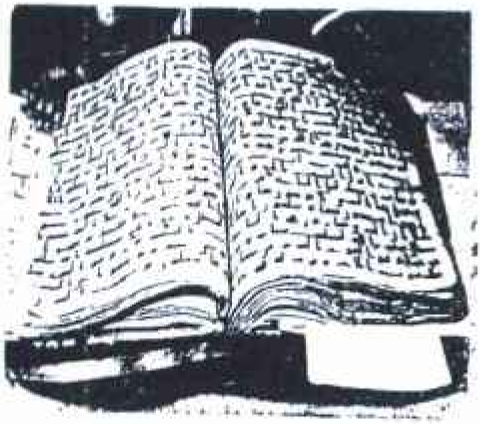

☆ یہ اُس قرآن کریم کا ایک صفحہ ہے جسے امام علی علیہ السلام کی جانب منسوب کیا جاتا ہے؛ سورۂ شوریٰ کی آیات ۱۴ تا ۲۶ پر مشتمل ہے اور یہ جامع کبیر کے کتب خانۂ وقف، صنعاء -یمن- میں محفوظ ہے۔

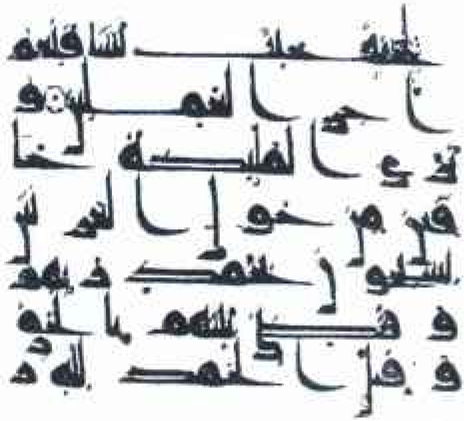

☆ یہ اُس قرآن کریم کا ایک صفحہ ہے جسے امام علی علیہ السلام کی جانب منسوب کیا جاتا ہے جو سورۂ زمر کی آیات ۷۳ تا ۷۵ پر مشتمل ہے اور کتب خانۂ سلطنتی -تہران- میں محفوظ ہے۔

مصاحف صحابہ میں ترتیب قرآن کی جدول

ترتیب	سورہ	مصحف اُبی	مصحف ابن مسعود	مصحف علیؑ

پہلا جُز

ترتیب	سورہ	مصحف اُبی	مصحف ابن مسعود	مصحف علیؑ
۱	فاتحہ	فاتحہ	بقرہ	بقرہ
۲	بقرہ	بقرہ	نساء	یوسف
۳	عمران	نساء	عمران	عنکبوت
۴	نساء	عمران	المص	روم
۵	مائدہ	اَنعام	اَنعام	لقمان
۶	اَنعام	اَعراف	مائدہ	حم السجدہ
۷	اَعراف	مائدہ	یونس	ذاریات
۸	اَنفال	اَنفال	برائت	ھل اتی
۹	توبہ	توبہ	نحل	الم تنزیل
۱۰	یونس	ہود	ہود	سجدہ
۱۱	ہود	مریم	یوسف	نازعات
۱۲	یوسف	شعراء	بنی اسرائیل	اذا الشمس کورت
۱۳	رعد	حج	اَنبیاء	اذا السماء انفطرت
۱۴	ابراہیم	یوسف	مومنون	اذا السماء انشقت
۱۵	حجر	کہف	شعراء	اَعلیٰ
۱۶	نحل	نحل	صافات	لم یکن یہ جزو بقرہ کی آخری سورت ہے

دوسرا جُز

ترتیب	سورہ	مصحف اُبی	مصحف ابن مسعود	مصحف علیؑ
۱۷	اسراء	اَحزاب	اَحزاب	آل عمران
۱۸	کہف	بنی اسرائیل	قصص	ہود

ترتیب	سورہ	مصحف اُبی	مصحف ابن مسعود	مصحف علیؑ
۱۹	مریم	زمر	نور	حج
۲۰	طٰہٰ	حم تنزیل	انفال	حجر
۲۱	انبیاء	طٰہٰ	مریم	احزاب
۲۲	حج	انبیاء	عنکبوت	دخان
۲۳	مؤمنون	نور	روم	رحمٰن
۲۴	نور	مؤمنون	یٰس	حاقہ
۲۵	فرقان	حم المؤمن	فرقان	سئل سائل
۲۶	شعراء	رعد	حج	عبس
۲۷	نمل	طسم	رعد	والشمس وضحاھا
۲۸	قصص	قصص	سبأ	انا انزلناہ
۲۹	عنکبوت	طس	ملائکہ	اذا زلزلت
۳۰	روم	سلیمان	ابراہیم	ویل لکل ھمزۃ
۳۱	لقمان	صافات	ص	الم ترکیف
۳۲	سجدہ	داؤد	الذین کفروا	لایلاف قریش

تیسرا جُز

ترتیب	سورہ	مصحف اُبی	مصحف ابن مسعود	مصحف علیؑ
۳۳	احزاب	ص	قمر	نساء
۳۴	سبأ	یٰس	زمر	نمل
۳۵	فاطر	اصحاب حجر	حوامیم مسبحات	مؤمنون
۳۶	یٰس	حم عسق	حم مؤمن	یٰس
۳۷	صافات	روم	حم زخرف	حم عسق
۳۸	ص	زخرف	سجدہ	واقعہ
۳۹	زمر	حم سجدہ	احقاف	تبارک الملک

ترتیب	سورہ	مصحفِ اُبی	مصحفِ ابن مسعود	مصحفِ علیؑ
۴۰	غافر	ابراہیم	جاثیہ	یاایھاالمدثر
۴۱	فصلت	ملائکہ	دخان	أرأیت
۴۲	شوریٰ	فتح	انافتحنا	تبت
۴۳	زخرف	محمد	حدید	قل ھواللہ احد
۴۴	دخان	حدید	سبح	والعصر
۴۵	جاثیہ	ظہار	حشر	قارعہ
۴۶	احقاف	تبارک	تنزیل	والسماء ذات البروج
۴۷	محمد	فرقان	سجدہ	والتین
۴۸	فتح	الم تنزیل	ق	طٰس
۴۹	حجرات	نوح	طلاق	نمل

چوتھا جُز

۵۰	ق	احقاف	حجرات	مائدہ
۵۱	ذاریات	ق	تبارک الذی	یونس
۵۲	طور	رحمٰن	تغابن	مریم
۵۳	نجم	واقعہ	منافقون	طسم
۵۴	قمر	جن	جمعہ	شعراء
۵۵	رحمٰن	نجم	حواریون	زخرف
۵۶	واقعہ	ن	قل اُوحی	حجرات
۵۷	حدید	حاقہ	انا أرسلنا نوحا	ق والقرآن المجید
۵۸	مجادلہ	حشر	مجادلہ	اقتربت الساعۃ
۵۹	حشر	ممتحنہ	ممتحنہ	ممتحنہ
۶۰	ممتحنہ	مرسلات	یا ایھاالنبی لم	والسماء والطارق

ترتیب	سورہ	مصحف اُبی	مصحف ابن مسعود	مصحف علیؑ
۶۱	صف	عم یتساءلون	رحمٰن	لا اقسم بھذا البلد
۶۲	جمعہ	انسان	نجم	الم نشرح لک
۶۳	منافقون	لا اقسم	ذاریات	والعادیات
۶۴	تغابن	کورت	طور	انا اعطیناک الکوثر
۶۵	طلاق	نازعات	اقتربت الساعۃ	قل یاایھا الکافرون

پانچواں جُز

ترتیب	سورہ	مصحف اُبی	مصحف ابن مسعود	مصحف علیؑ
۶۶	تحریم	عبس	حاقہ	انعام
۶۷	ملک	مطففین	اذا وقعت	سبحان
۶۸	قلم	اذا السماء انشقت	ن والقلم	اقتربت
۶۹	حاقہ	تین	نازعات	فرقان
۷۰	معارج	اقرأ	سئل سائل	موسیٰ
۷۱	نوح	حجرات	مدثر	فرعون
۷۲	جن	منافقون	مزمل	حم
۷۳	مزمل	جمعہ	مطففین	مؤمن
۷۴	مدثر	نبی	عبس	مجادلہ
۷۵	قیامت	فجر	دہر	حشر
۷۶	انسان	ملک	قیامت	جمعہ
۷۷	مرسلات	واللیل	مرسلات	منافقون
۷۸	نبأ	اذا السماء انفطرت	عم یتساءلون	ن والقلم
۷۹	نازعات	والشمس وضحاھا	تکویر	انا ارسلنا نوحاً
۸۰	عبس	والسماء ذات البروج	انفطار	قل اوحی الیّ
۸۱	تکویر	طارق	غاشیہ	مرسلات

ترتیب	سورہ	مصحف اُبی	مصحف ابن مسعود	مصحف علیؑ
۸۲	انفطار	سبح اسم ربک الاعلی	سبح اسم ربک الاعلی	والضحی
۸۳	مطففین	غاشیہ	واللیل اذا یغشی	الھاکم

چھٹا جز

ترتیب	سورہ	مصحف اُبی	مصحف ابن مسعود	مصحف علیؑ
۸۴	انشقاق	عبس	فجر	اعراف
۸۵	بروج	صف	بروج	ابراہیم
۸۶	طارق	ضحیٰ	انشقت	کہف
۸۷	اعلیٰ	الم نشرح	اقرأ	نور
۸۸	غاشیہ	قارعہ	لا اقسم بھذا البلد	ص
۸۹	فجر	تکاثر	والضحی	زمر
۹۰	بلد	خلع	الم نشرح	شریعہ
۹۱	شمس	حفد	والسماء والطارق	الذین کفروا
۹۲	لیل	اللھم ایاک نعبد	والعادیات	حدید
۹۳	ضحیٰ	اذا زلزلت	ارأیت	مزمل
۹۴	شرح	عادیات	قارعہ	لا اقسم بیوم القیامۃ
۹۵	تین	اصحاب الفیل	لم یکن الذین کفروا	عم یتساءلون
۹۶	علق	تین	الشمس وضحاھا	غاشیہ
۹۷	قدر	کوثر	تین	والفجر
۹۸	بینہ	قدر	ویل لکل ھمزۃ	واللیل اذا یغشی
۹۹	زلزلہ	کافرون	فیل	اذا جاء نصر اللہ

ساتواں جز

ترتیب	سورہ	مصحف اُبی	مصحف ابن مسعود	مصحف علیؑ
۱۰۰	عادیات	نصر	لایلاف قریش	انفال
۱۰۱	قارعہ	ابی لہب	تکاثر	برائت

ترتیب	سورہ	مصحفِ اُبی	مصحفِ ابن مسعود	مصحفِ علیؑ
۱۰۲	تکاثر	قریش	انا انزلناہ	طٰہٰ
۱۰۳	عصر	صمد	والعصر	ملائکہ
۱۰۴	ہُمزہ	فلق	اذا جاءَ نصر اللہ	صافات
۱۰۵	فیل	ناس	کوثر	احقاف
۱۰۶	قریش	-	کافرون	فتح
۱۰۷	ماعون	-	مسد	طور
۱۰۸	کوثر	-	قل ھو اللہ احد	نجم
۱۰۹	کافرون	-	-	صف
۱۱۰	نصر	-	-	تغابن
۱۱۱	مسد	-	-	طلاق
۱۱۲	اخلاص	-	-	مطففین
۱۱۳	علق	-	-	معوذتین
۱۱۴	ناس	-	-	یہ جزو انفال ہے

مصاحفِ صحابہ میں اختلاف

حافظ ابوبکر عبداللہ ابن ابی داؤد سلمان ابن اشعث بجستانی (متوفیٰ-۳۱۶ھ) اپنی کتاب المصاحف- مطبوعہ مصر ۱۳۵۵ھ میں ایک باب بنام ''صحابہ کے قرآنی نسخوں میں اختلاف'' رقم کیا ہے اور اس میں مؤلف نے اپنے دور میں منقول مندرجہ ذیل قرآنی نسخوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ مصحف عمر ابن خطاب

۲۔ مصحف علی ابن ابی طالب

۳۔ مصحف اُبی ابن کعب

۴۔ مصحف عبداللہ ابن مسعود

۵۔ مصحف عبداللہ ابن عباس

۶۔ مصحف عبداللہ ابن زبیر

۷۔ مصحف عبداللہ ابن عمر

۸۔ مصحف عائشہ زوجہ رسول

۹۔ مصحف حفصہ زوجہ رسول

مؤلف کتاب المصاحف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''ہم نے فلاں کا مصحف کہا کیونکہ خط یا کمی بیشی کے لحاظ سے یہ ہمارے اس قرآن سے مختلف ہے اور یہ کلام میں نے اپنے والد رحمہ اللہ کی کتاب التنزیل سے اسی طرح حاصل کیا ہے''

اب قارئین کی خدمت میں تکرار شدہ روایتوں کو حذف کر کے اختلافی مقامات کو پیش کر رہا ہوں اور امام مصحف سے قریب تر وارد ہونے کے لحاظ سے ان کو ترتیب دیا ہے:

سجستانی(متوفی-۳۱۶ھ) کی روایت کے مطابق مصاحفِ عمر، اُبیؓ، ابن مسعود اور ابن عباس میں موجود اختلاف کی جدول

قسم اختلاف	ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے	تقدیم و تاخیر ۲ (کل)
تبدیلی	۱۴	۷۷	۱۶ =	۱۰۷
کمی	۱۹	۴	۵ =	۲۸
اضافی	۶	۶	۱۳ =	۲۵
	۳۹ +	۸۷ +	۶+۳۴ =	۱۲۶

سابقہ جدول کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

☆کل اختلافات = ۱۲۶

☆کل آیات = ۶۱۷۰ -روایتوں میں بیان ہونے والی کم از کم تعداد-

☆فی صدی اختلاف = ۳فی صد

☆تبدیلی = ۲فی صد

☆کمی = اَعشاریہ۵فی صد

☆اضافی = اَعشاریہ۴فی صد

مصاحف میں موجود اختلافات

(قوسین میں مصحف امام کے مطابق لکھا گیا ہے)

ایک حرف	ایک کلمه	ایک سے زائد کلمے

۱۔ فاتحه

[تبدیلی]حضرت عمر: من أنعمت (الذین أنعمت) ۱/۷		

۲۔ بقره

[تبدیلی]اُبی اور ابن عباس: الّا یطوف (فلا جناح علیه أن یطوف) ۱۵۸/۲	[اضافی]اُبی: متتابعات (فصیام ثلاثة ایام . . .) ۱۹۶/۲	[تقدیم وتاخیر]ابن مسعود: ما ننس من آیة أو ننسخها (ما ننسخ من آیة أو ننسها) ۱۰۶/۲
[اضافی]ابن مسعود: بخیر (تطوع خیراً) ۱۵۸/۲	[تبدیلی]ابن مسعود: وثومها (وفومها) ۶۱/۲	[تبدیلی]ابن مسعود: لا تحسبن البر (لیس البر) ۱۷۷/۲
[کمی]ابن مسعود: وخیر الزاد (فإن خیر الزاد) ۱۹۷/۲	[تبدیلی]ابن مسعود: قبله (شطره) ۱۴۴/۲	[کمی]حضرت علی: ربه (بما انزل إلیه من ربه) ۲۸۵/۲
[کمی]ابن مسعود: عن قتال (قتال فیه) ۲۱۷/۲	[تبدیلی]ابن عباس اور ابن مسعود: واقیموا (واتموا الحج) ۱۹۶/۲	[اضافی]ابن مسعود: فی مواسم الحج فابتغوا حینئذٍ(فی الحج) ۱۹۶/۲
	[تبدیلی]ابن مسعود: إلی البیت (لله) ۱۹۶/۲	
[اضافی]ابن مسعود: وعلی الصلاة الوسطی (والصلاة الوسطی) ۲۳۸/۲	[تبدیلی]ابن مسعود: فلا رفوث (فلا رفث) ۱۹۷/۲	[کمی]ابن مسعود: أن یـأتیهم الله والملآئکة (أن یأتیهم الله فی ظلل من الغمام والملآئکة) ۲۱۰/۲
[کمی]ابن مسعود: یکفر (ویکفر) ۲۷۱/۲	[تبدیلی]ابن عباس اور ابن مسعود: ما اکتسبو (مما کسبوا) ۲۰۲/۲	[اضافی]ابن عباس: فی مواسم الحج (تبتغوا فضلاً من ربکم) ۱۹۸/۲
[کمی]ابن مسعود: یغفر (فیغفر) ۲۸۴/۲	[تبدیلی]ابن مسعود: أن یخاف (أن یخافا) ۲۲۹/۲	[اضافی]ابن عباس: وصلاة العصر (والصلاة الوسطی. . .) ۲۳۸/۲

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے
	[تبدیلی]ابن مسعود: أن یکمل الرضاع (أن یتم الرضاعة) ۲/۲۳۳	
	[تبدیلی]ابن مسعود: أن تجامعوهن (أن تمسّوهن) ۲/۲۳۷	
	[تبدیلی]ابن مسعو: قیل اعلم (قال اعلم) ۲/۲۵۹	
	[کمی اور تبدیلی]ابن مسعود: فتذکرها (فتذکر احداهما) ۲/۲۸۲	
	[تبدیلی]ابن عباس: بالذی -یا- بما (بمثل ما) ۲/۱۳۷	
	[تبدیلی]ابن عباس: السراح (ان عزموا الطلاق) ۲/۲۲۷	
	[تبدیلی]اُبی: یقیمون (للذین یؤلون) ۲/۲۲۶	

۳۔آل عمران

[اضافی]ابن مسعود: لیبشرک (یبشرک) ۳/۴۵	[تبدیلی]ابن مسعود اور حضرت عمر: القیام (القیوم) ۳/۲	[تبدیلی]ابن عباس: وما یعلم تأویله و یقول الراسخون آمنا به (وما یعلم تأویله إلاّ الله والراسخون فی العلم یقولون آمنا به) ۳/۷
[کمی]ابن مسعود: والله (وان الله) ۳/۱۷۱	[تبدیلی]ابن مسعود: وقاتلوا (ویقتلون) ۳/۲۱	[تبدیلی]ابن مسعود: وان حقیقة تأویله إلاّ عندالله (وما یعلم تأویله إلاّالله) ۳/۷

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے
	[تبدیلی] ابن مسعود: وتعلمه (ويُعلمه) ۴۸/۳	[تبدیلی] ابن مسعود: وناداه الملآئكة يا زكريا إن الله (فنادته الملآئكة وهو قائم يصلى في المحراب ان الله) ۳۹/۳
	[تبدیلی] ابن مسعود: فاوفيهم (فيوفيهم أجورهم) ۵۷/۳	[تقدیم وتاخیر اور تبدیلی] ابن مسعود: واركعي واسجدي في الساجدين (واسجدى واركعي مع الراكعين) ۴۳/۳
	[اضافی] ابن عباس: في بعض الأمر (وشاورهم في الأمر) ۱۵۹/۳	[تقدیم وتاخیر] ابن مسعود: بصير بما تعملون (بما تعملون بصير) ۱۵۶/۳
	[تبدیلی] ابن عباس: يخوفكم (يخوف أوليآءه) ۱۷۵/۳	
	[تبدیلی] ابن مسعود: ويقال لهم ذوقوا (ونقول ذوقوا) ۱۸۱/۳	

۴۔ نساء

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے
[کمی] ابن مسعود: و (واحل لكم) ۲۴/۴	[تبدیلی] ابن مسعود: ومن يأكل (ان الذين يأكلون) و سوف يصلى (و سيصلون) ۱۰/۴	[تبدیلی] ابن مسعود: أولئك سنؤتيهم أجورهم وقد أنزل عليكم في الكتاب (أولئك سوف يؤتيهم أجورهم وكان الله غفوراً رحيماً) ۱۵۲/۴
[کمی اور تبدیلی] ابن مسعود: نؤته (فسوف نؤتيه) ۷۴/۴	[تبدیلی] ابن مسعود: نملة (ذرة) ۴۰/۴	[اضافی] أبی اور ابن عباس: إلى أجل مسمى (فما استمتعتم به منهن) ۲۴/۴
[تبدیلی] ابن مسعود: فيؤتيه (فسوف نؤتيه) ۱۱۴/۴	[تبدیلی] ابن مسعود: مبيت منهم (بيت طآئفة منهم) ۸۱/۴	[اضافی] ابن عباس: كانت أحلت لهم (أحلت لهم) ۱۶۰/۴

ایک سے زائد کلمے	ایک کلمہ	ایک حرف
	[تبدیلی] ابن مسعود: مبیت منهم (بیت طآئفة منهم) ۸۱/۴	[تبدیلی] ابن مسعود: وسیؤتی الله (وسوف) ۱۴۶/۴

۵۔ مائدہ

	[تبدیلی] ابن مسعود: بسیطان (مبسوطتان) ۶۴/۵	[اضافی] ابن مسعود: والذین (الذین) ۵۵/۵
	[تبدیلی] ابن مسعود: سائرلها (الی منزلها) ۱۱۵/۵	[کمی] ابن مسعود: فعبادک (فإنهم عبادک) ۱۱۸/۵

۶۔ أنعام

[تبدیلی] ابن مسعود: ماکان (ثم لم تکن) ۲۳/۶	[تبدیلی] ابن مسعود: یقضی الحق (یقص الحق) ۵۷/۶	[کمی] ابن مسعود: درس (درست) ۱۰۵/۶
[تبدیلی] ابن مسعود: استهواه الشیطان (استهوته الشیاطین) ۷۱/۶	[تبدیلی] ابن مسعود: یتوفاه (توفته) ۶۱/۶	
[تبدیلی] ابن مسعود: یقطع ما بینکم (تقطع بینکم) ۹۴/۶	[تبدیلی] ابن مسعود: یتصعد (یصعد) ۱۲۵/۶	
	[تبدیلی] ابن مسعود: سراطی (صراطی) ۱۵۳/۶	

۷۔ أعراف

[تبدیلی] ابن مسعود: قالوا ربنا الّا تغفر لنا و ترحمنا (قالا ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا وترحمنا) ۲۳/۷	[تبدیلی] ابن مسعود: وقد ترکوک أن یعبدوک و آلهتک (لیفسدوا فی الأرض ویذرک و آلهتک) ۱۲۷/۷	[تبدیلی] ابن عباس: بها (حفی عنها) ۱۸۷/۷
	[تبدیلی] ابن مسعود: استمسکوا بالکتاب (یمسکون بالکتاب) ۱۷۰/۷	

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے

۸۔ انفال

[کمی] ابن مسعود: واللہ (و إن اللہ) ۱۹/۸	[تبدیلی] ابن مسعود: ولا یحسب (ولا یحسبن) ۵۹/۸	

۹۔ برائت

	[تبدیلی] ابن مسعود: أن تنقبل (أن تُقبل) ۵۴/۹	[تبدیلی] ابن مسعود: ولو قطعت (إلّا أن تقطع) ۱۱۰/۹
	[اضافی] ابن مسعود: أذن خیر و رحمة لکم (أذن خیر لکم) ۶۱/۹	[تبدیلی] ابن مسعود: من بعد ما زاغت قلوب طائفة (من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منهم) ۱۱۷/۹
	[تبدیلی] ابن مسعود: أولم تر أنهم (أولا یرون أنهم یفتنون) ۱۲۶/۹	

۱۰۔ یونس

	[تبدیلی] ابن مسعود: بکم (وجرین بهم) ۲۲/۱۰	

۱۱۔ هود

[کمی] ابن مسعود: کذلک (و کذلک) ۱۰۲/۱۱	[تبدیلی] ابن مسعود: ولا ینقصوه شیئاً (ولا تضرونه شیئاً) ۵۷/۱۱	[اضافی] ابن مسعود: إلی قومه فقال یا قوم إنی لکم نذیر مبین (إلی قومه إنی لکم نذیر مبین) ۲۵/۱۱
	[اعراب] ابن مسعود: وهذا بعلی شیخٌ -پیش کے ساتھ- (وهذا بعلی شیخاً) ۷۲/۱۱	[کمی] ابن مسعود: من ربی و عمیت علیکم (من ربی وآتانی رحمة من عنده فعمیت علیکم) ۲۸/۱۱
		[کمی] ابن مسعود: فاسر باهلک من اللیل إلّا امرأتک (من اللیل ولا یلتفت منکم أحد إلّا امرأتک) ۸۱/۱۱

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے

۱۲۔ یوسف

	[تبدیلی] ابن مسعود: فی غیایة (فی غیابت) ۱۲/۱۵	

۱۳۔ رعد

	[تبدیلی] ابن مسعود: قل افتخم (قل افاتخذتم) ۱۳/۱۶	
	[تبدیلی] ابن مسعود: الکافرون (الکفار) ۱۳/۴۲	

۱۵۔ حجر

	[تبدیلی] ابن مسعود: ولا یلتفتنّ (ولا یلتفت) ۱۵/۶۵	

۱۶۔ نحل

	[تبدیلی] ابن مسعود: والریاح (والنجوم) ۱۶/۱۲	
	[تبدیلی] ابن مسعود: توفاهم (تتوفاهم) ۱۶/۲۸	
	[تبدیلی] ابن مسعود: حین ظعنکم (یوم ظعنکم) ۱۶/۸۰	
	[تبدیلی] ابن مسعود: ولیوفین (ولنجزین) ۱۶/۹۶	
	[تبدیلی] ابن مسعود: ولیفینهم (ولنجزینهم) ۱۶/۹۷	

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے

۱۷۔ اسراء

		[تبدیلی] ابن مسعود: اما واحد و اما کلاهما (إحداهما أو كلاهما) ۲۳/۱۷
		[تبدیلی] ابن مسعود: سبحت له الأرض و سبحت له السماوات (تسبح له السماوات السبع والأرض ومن فيهن) ۴۴/۱۷

۱۸۔ کہف

[تبدیلی] ابن مسعود: لكن (لكنّا) ۳۸/۱۸	[اضافی] ابن مسعود: يقول لهم (يقول) ۵۲/۱۸	
	[تبدیلی] ابن مسعود: أن تقضي (أن تنفد) ۱۰۹/۱۸	

۱۹۔ مریم

[کمی] ابن مسعود: سيدخلون (يدخلون) ۶۰/۱۹	[تبدیلی] ابن مسعود: قال الحق (قول الحق) ۳۴/۱۹	
[کمی] ابن مسعود: سأخرج (لسوف أخرج) ۶۶/۱۹	[تبدیلی] ابن مسعود: لتتصدع (يتفطرن) ۹۰/۱۹	
[تبدیلی] ابن مسعود: لما اتي (إلا آتي) ۹۳/۱۹		

۲۰۔ طٰہ

	[اعراب] ابن مسعود: كيدُ (پیش کے ساتھ) كيدَ (زبر کے ساتھ) ۶۹/۲۰	
	[تبدیلی] ابن مسعود: نجيتكم (أنجيناكم) ۸۰/۲۰	

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے

۲۱۔ انبیاء

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے
		[تبدیلی] ابن مسعود: من یعوض لہ و یعمل (من یغوصون لہ و یعملون عملاً دون ذلک) ۸۲/۲۱

۲۲۔ حج

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے
	[تبدیلی] ابن مسعود: قاتلوا (أذن للذین یقاتلون) ۳۹/۲۲	
	[اضافی] ابن مسعود: ولا نبی محدث (ولا نبی) ۵۲/۲۲	

۲۴۔ نور

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے
	[تبدیلی] ابن مسعود: وفرضنا لکم (وفرضناها) ۱/۲۴	
	[تبدیلی] ابن مسعود: یسبحون لہ (یسبح لہ) ۳۶/۲۴	
	[تبدیلی] ابن مسعود: احسب الذین (لا تحسبن الذین) ۵۷/۲۴	

۲۵۔ فرقان

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے
	تبدیلی] ابن مسعود: مبشرات (بُشراً) ۴۸/۲۵	
	[کمی] ابن مسعود: لماتأمرنا بہ (لما تأمرنا) ۶۰/۲۵	
	[تبدیلی] ابن مسعود: سرُجاً (سراجاً) ۶۱/۲۵	

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے
	[تبدیلی]ابن مسعود: وذریتنا (وذریاتنا) ۷۴/۲۵	

۲۶۔ شعراء

[تبدیلی]ابن مسعود: واتبعوهم (فاتبعوهم)۶۰/۲۶	[تبدیلی]ابن مسعود: الأیکة (لیکة) ۱۷۶/۲۶	

۲۷۔ نمل

[تبدیلی]ابن مسعود: هلا (الا یسجدوا) ۲۵/۲۷	[تبدیلی]ابن مسعود: فیمکث (فمکث) ۲۲/۲۷	
[تبدیلی]ابن مسعود: بان (أن الناس) ۸۲/۲۷	[تبدیلی]ابن مسعود: اتمدولی (اتمدوننِ) ۳۶/۲۷	

۲۸۔ قصص

[تبدیلی]ابن مسعود: وعمیت (فعمیت) ۶۶/۲۸	[تبدیلی]ابن مسعود: ساحران (سحران) ۴۸/۲۸	[تبدیلی]ابن مسعود: لا نخسف بنا (لخسف بنا) ۸۲/۲۸

۲۹۔ عنکبوت

	[کمی]ابن مسعود: ذوقوا ما کنتم (ذوقوا ما کنتم تعملون) ۵۵/۲۹	[اضافی]ابن مسعود: انما اتخذتم من دون الله أوثاناً و تخلقون إفکاً انما مودة بینکم (انما اتخذتم من دون الله أوثاناً مودة بینکم) ۲۵/۲۹
		[تبدیلی اور اضافہ]ابن مسعود: قل تمتعوا (ولیتمتعوا) ۶۶/۲۹

۳۱۔ لقمان

	[تبدیلی]ابن مسعود: هدی و بشری (هدی ورحمة) ۳/۳۱	
[تبدیلی]ابن مسعود:بما صبروا (لما صبروا) ۲۴/۳۲	[تبدیلی]ابن مسعود:ما یخفی لهم (ما أخفی لهم) ۱۷/۳۲	◄ ◄ ◄ ۳۲۔ سجدہ

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے

۳۳۔ احزاب

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے
[کمی] ابن مسعود: الظنون (الظنونا) ۱۰/۳۳	[تبدیلی] ابن مسعود: بما أوتين (بما آتیتهن) ۵۱/۳۳	[اضافی اور تقدیم وتاخیر] ابن مسعود: من تعمل منکم الصالحات و تقنت لله و رسوله (ومن یقنت منکن لله ورسوله وتعمل صالحاً نؤتها أجرها مرتین) ۳۱/۳۳
[کمی] ابن مسعود: الرسول (الرسولا) ۶۶/۳۳	[تبدیلی] ابن مسعود: کثیراً (کبیراً) ۶۸/۳۳	
[کمی] ابن مسعود: السبیل (السبیلا) ۶۷/۳۳		

۳۴۔ سبأ

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے
	[تبدیلی] ابن مسعود: الغرفة (الغرفات) ۳۷/۳۴	[کمی] ابن مسعود: تقذف بالحق و هو علام الغیوب (قل إن ربی یقذف بالحق علام الغیوب) ۴۸/۳۴

۳۵۔ فاطر

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے
	[تبدیلی] ابن مسعود: بینة (بینت) ۴۰/۳۵	

۳۶۔ یٰس

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے
[کمی] ابن عباس: یا حسرة العباد (یا حسرة علی العباد) ۳۰/۳۶	[تبدیلی] ابن مسعود: فکهین (فاکهون) ۵۵/۳۶	
	[تبدیلی] ابن مسعود: متکئین (متکئون) ۵۶/۳۶	
	[تبدیلی] ابن مسعود: سلاماً (سلام) ۵۸/۳۶	

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے

۳۷۔ صافات

	[تبدیلی] ابن مسعود: ما ذا تُرِی (ما ذا ترٰی) ۱۰۲/۳۷	[تقدیم وتاخیر] ابن مسعود: ربکم اللہ (اللہ ربکم) ۱۲۶/۳۷
	[تبدیلی] ابن مسعود: ادراسین (ال یاسین) ۱۳۰/۳۷	

۳۹۔ زمر

	[کمی] ابن مسعود: افغیر اللہ تأمرونی (قل افغیر اللہ تأمرونی) ۶۴/۳۹	

۴۰۔ غافر = مؤمن

		[اضافی] ابن مسعود: اَن یبدل دینکم و یظهر فی الأرض الفساد (اَو اَن یظهر فی الأرض الفساد) ۲۶/۴۰

۴۲۔ شوریٰ

	[تبدیلی] ابن مسعود: ینفطرن (یتفطرن) ۵/۴۲	

۴۳۔ زخرف

	[تبدیلی] ابن مسعود: ما شُهد (اشهدوا) ۱۹/۴۳	[تبدیلی] ابن مسعود: و انه علیم الساعة (و عنده علم الساعة) ۸۵/۴۳
	[تبدیلی] ابن مسعودؓ: اساور (أسورة) ۵۳/۴۳	

۴۵۔ جاثیہ

[تبدیلی] ابن مسعود: لآیات (آیات) ۴/۴۵		[اضافی] ابن مسعود: وان الساعة (والساعة) ۳۲/۴۵
[تبدیلی] ابن مسعود: لآیات (آیات) ۵/۴۵		

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے

۴۷۔ محمد

	[کمی] ابن مسعود: تأتیهم (أن تأتیهم) ۱۸/۴۷	

۴۸۔ فتح

	[اضافی] ابن مسعود: فسیؤتیه الله أجراً (فسیؤتیه أجراً) ۱۰/۴۸	
	[تبدیلی] ابن مسعود: أو أرادبکم رحمة (أو أراد بکم نفعاً) ۱۱/۴۸	
	[تبدیلی] ابن مسعود: أن تبدلوا (أن یبدلوا) ۱۵/۴۸	

۴۹۔ حجرات

		[تبدیلی] ابن مسعود: وخیارکم عند الله (إن أکرمکم عند الله) ۱۳/۴۹

۵۳۔ نجم

[کمی] ابن مسعود: وثموداً (وثمود) ۵۳/ ۵۱		

۵۴۔ قمر

	[تبدیلی] ابن مسعود: خاشعة (خشعاً) ۵۴/ ۷	

۵۶۔ واقعہ

	[تبدیلی] ابن مسعود: بموقع (بمواقع) ۵۶/ ۷۵	

۶۹۔ حاقہ

	[اعراب] ابن مسعود: فرعونُ (فرعونَ) ۶۹/۹	

ایک حرف	ایک کلمہ	ایک سے زائد کلمے

۷۱۔ نوح

	[اعراب] ابن مسعود: یغوثا و یعوقا (ولا یغوث و یعوق و نسراً) ۲۳/۷۱	

۷۴۔ مدثر

		[اضافی] ابن مسعود: عمر: یا فلان (یتساء لون) ۴۰/۷۴

۷۶۔ انسان

[اضافی] ابن مسعود: قواریر (قواریرا) ۱۵/۷۶		

۸۸۔ غاشیہ

[اضافی] ابن مسعود: فإنه یعذبه (فیعذبه) ۲۴/۸۸		

۱۱۰۔ نصر

		[تقدیم وتاخیر] ابن عباس: اذا جآء فتح الله والنصر (اذا جآء نصر الله والفتح) ۱/۱۱۰

عبد اللہ ابن مسعودؓ کی دیگر روایتیں

بجستانی (متوفی-۳۱۶ھ) نے کئی مقامات پر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ مصحف امام مکمل طور پر ابن مسعود کی قرأت کے مطابق ہے اور اُس نے تو بالخصوص اس کو ابن مسعودؓ کی قرأت ہی شمار کیا ہے جبکہ اس بات پر کئی سوالات اُٹھتے ہیں، لیکن بجستانی ہی کی دیگر روایتیں اس نص کی مخالفت کرتی ہیں۔ چنانچہ قارئین کی خدمت میں وہ نو مقامات پیش کیے جا رہے ہیں:

مصحف امام کی موافقت میں نو مقامات	دوسری روایت کے مطابق
۱. علی کل جبل منھن جزء اً (سورۂ بقرہ-آیت ۲۶۰)	بغیر واؤ کے
۲. شھد اللہ انّہ لا الٰہ الاّ ھو (سورۂ آل عمران-آیت ۱۸)	اَن لا
۳. اِن الدین عنداللہ الإسلام (سورۂ آل عمران-آیت ۱۹)	عند اللہ الحنیفیة
۴. یلیتنا نُردّ ولا نُکذّب بآیات ربّنا (سورۂ انعام-آیت ۲۷)	فلا نکذب
۵. یطبع اللہ علیٰ کل قلب متکبر جبّار (سورۂ غافر-آیت ۳۵)	علی قلب کل
۶. و اِن اِلیاس لمن المرسلین (صافات-آیت ۱۲۳)	ان ادریس
۷. و تذرون اَحسن الخالقین (سورۂ صافات-ایت ۱۲۵)	.
۸. بلیٰ قد جآئتک آیاتی (سورۂ زمر-آیت ۵۹)	قد جآئتکم الرسل بآیاتی فکذبتم بھا . واستکبرتم و کنتم من الکافرین
۹. علیٰ صلاتھم [صیغۂ مفرد] (سورۂ معارج-آیت ۲۳)	صلواتھم [صیغۂ جمع]

بجستانی (متوفی-۳۱۶ھ) نے اپنی کتاب المصاحف میں اختلافی موارد کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، لہٰذا اس کتاب کی طرف رجوع کیجئے!

مگر قرآنی نصوص اس بات پر زور دیتی ہیں کہ نص قرآنی ایک ہی ہے اور یہ وحی ہے کہ اپنی خواہش نفسانی کے مطابق کسی کو اسے تبدیل کرنے کا اختیار نہیں، یہاں تک کہ خود نبیؐ کو بھی نہیں جو صادق وامین ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ و اِذا تُتلیٰ علیھم آیاتنا بینات قال الذین لا یرجون لقآء نا ائتِ بقرآنٍ غیر ھذا اَو بدّلہ قل ما یکون لی اَن اُبدّلہ من تلقآیٔ نفسی اِن اَتبع اِلاّ ما یُوحیٰ اِلیَّ اَخاف اِن عصیت ربی عذاب یوم عظیم﴾ اور جب اُن لوگوں پر ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ تم اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لے آ و یا اس کو تبدیل کر دو۔ (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ از خود مجھے اس کو بدل دینے کا کوئی اختیار نہیں؛ میں تو صرف اپنی جانب کی گئی وحی پر عمل کرتا ہوں؛ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں یوم عظیم (روز قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (سورۂ یونس-آیت ۱۵)

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ ولو تقوّل علینا بعض الأقاویل . لاَخذنا منه بالیمین . ثم لقطنا منه الوتین . فما منکم من احدٍ عنه حاجزین ﴾ اگر رسولؐ ہماری نسبت کوئی جھوٹ بات بنالاتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے ، پھر ہم ضرور اُن کی گردن اُڑا دیتے تو تم میں سے کوئی ان سے (مجھے) روک نہ سکتا۔ (سورۂ حاقہ - آیت ۴۴ تا ۴۷)

مزید خدا فرماتا ہے: ﴿ انا نحن نزّلنا الذکر و انا له لحافظون ﴾ بلاشبہ ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (سورۂ حجر - آیت ۹)

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ و ما ینطق عن الهوىٰ اِن هو الاّ وحی یُوحیٰ ﴾ اور وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے بولتے ہی نہیں ، بس یہ تو وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔ (سورۂ نجم - آیت ۳و۴)

مذکورہ بالا آیتیں بالکل واضح طور پر کہتی ہیں کہ قرآنی کلمات کی تبدیلی کے سلسلہ میں نص کو تبدیل کرنے اور اس کے معنیٰ میں ردّ و بدل کرنا دونوں ہی یکساں ہیں اور حفاظت میں قرآن کے الفاظ اور معنیٰ دونوں کی حفاظت شامل ہے جبکہ ان دونوں میں سے کسی کی حفاظت بھی از خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہیں کر سکتے بلکہ یہ تو وحی ہی سے ممکن ہے اور وحی تو بس نص متواتر ہی سے ثابت ہوتی ہے۔ اب جہاں تک غیر متواتر قرأتوں کا تعلق ہے جیسے ابن مسعود کی قرأت وغیرہ ... تو ان کی حیثیت خبر واحد کی سی ہے۔

نتیجہ

جو کچھ ہم نے اُوپر بیان کیا اس پر غور و فکر کا تقاضا ہے کہ نص قرآنی اور تلاوت نص دو مختلف باتیں ہیں اور نبیؐ نے نص قرآنی کی کتابت میں کبھی کوئی کسر باقی نہ رکھی ، جبکہ اگر قرأتِ سبعہ کے متعلق روایتیں صحیح بھی ہوں تب بھی ان سے یہی افادہ حاصل ہوتا ہے کہ صرف کسی مخصوص موقع پر قرأت کے سلسلہ میں نرمی برتی گئی ہے۔ اس بات کے حق میں کئی ایک اُمور گویا ہیں:

اوّل: نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نص قرآنی کی حفاظت میں ہرگز سہل انگاری سے کام نہیں لیا اور اسی لئے آپؐ نے عبداللہ ابن ابی سرح قریشی کو واجب القتل قرار دیا تھا چاہے وہ غلافِ کعبہ کے پیچھے کیوں نہ چھپا ہو کیونکہ اُس نے نص قرآنی کے متعلق شکوک و شبہات کو جنم دینے کی کوشش کی تھی۔

دوّم: نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرأت کے سلسلہ میں نرمی اُن لوگوں کے لئے برتی تھی جو صحیح قرأت پر قادر نہ تھے اور یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے حضرت بلال حبشیؓ جو حرف "شین" کو صحیح اَدا نہیں کر سکتے تھے کی اذان کے متعلق فرمایا تھا:

''بلال کا سین ہی شین ہے'' (کیونکہ اُن کی زبان میں شین کا کوئی وجود نہیں تھا) [المستمسک - جلد ۶ - صفحہ ۲۲۲] کیونکہ جو شخص عربی بولنے کا عادی نہ ہو اُس کے لئے یہ ایک فطری اَمر ہے کہ وہ الفاظ کو صحیح اَدا نہیں کرسکتا؛ اسی طرح حضرت عمر ابن خطابؓ کا قرأتی اختلاف نماز کی بابت تھا یعنی اُن کا قرأتی اختلاف نصِ قرآنی میں تبدیلی کا پروانہ نہیں ہے، جس طرح سے دورانِ نماز دُعا کرنے کے سلسلہ میں نرمی برتی گئی ہے اور یہ بھی ایک طبیعی اَمر ہے کہ دورانِ نماز دُعا کے سلسلہ میں نماز پڑھنے والے کی نیت کے اعتبار سے گنجائش رکھی جائے۔

سوم: نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے نصِ قرآنی کو اَحادیث نبویؐ سے ممتاز رکھنے کی پرزور تاکید کی۔ چنانچہ آپؐ سے مروی ہے: ''اگر کسی نے میرے حوالے سے قرآن کے علاوہ کچھ تحریر کیا ہے تو اُسے چاہئے کہ اس کو مٹادے'' (صحیح المسلم - جلد ۸ - صفحہ ۲۲۹ کی طرف رجوع کیجئے!) اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی صحابی نے نصِ قرآنی اور اس کی تفسیر میں وارد ہونے والی اَحادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو باہم مخلوط کردیا تھا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صرف اُس مخصوص عرصہ میں انہیں لکھنے سے منع فرمایا تھا کہ مبادا اشتباہ ہوجائے۔

چہارم: مصاحف صحابہ میں نصِ قرآنی کی نسبت اختلافات بہت ہی کم ہیں اور اگر حروف سبعہ سے متعلق روایتیں صحیح ہوں تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ یہ نسبت انتہائی قوی ہے اور متعدد قرأتوں کی اجازت -- جس طرح کہ حروف سبعہ سے متعلق روایتیں کہتی ہیں کہ ضروری تھا کہ نصِ قرآنی میں بے تحاشا اختلاف پایا جائے جبکہ باعتبار معنیٰ نبیؐ سے منقول اَحادیث بھی یہی کہتی ہیں۔ اگرچہ ہم تمام کے تمام مصاحف صحابہ سے واقف نہیں ہیں، لیکن ان مصاحف سے متعلق بیان کئے گئے اختلافات بھی اس پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ بجستانی (متوفی - ۳۱۶ھ) کی بیان کردہ روایت میں اُبی ابن کعبؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت علی علیہ السلام اور ابن عباسؓ کے قرآنی نسخوں میں موجود اختلافات منقول ہیں اور اس حساب سے سب سے زیادہ اختلاف ابن مسعودؓ کے مصحف میں پائے جاتے ہیں جو کُل ۱۲۶ ہیں جس کی تفصیل گزر چکی۔

تقابلی جائزہ لیتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر موارد میں صرف ایک کلمہ کو کسی دوسرے کلمہ سے بدل دیا گیا ہے جیسے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۴ میں **شطرہ** ہے جبکہ ابن مسعودؓ کے نسخہ میں **قبلہ** ہے۔ یہ ۷۷ موارد ہیں اور قرآنی آیتوں کی کم از کم فرض کی گئی تعداد یعنی ۶۱۷۰ کا یہ ایک فیصد حصہ ہے حالانکہ کسی بھی انسان کی روزمرہ زندگی میں کتابت کی ایسی غلطیاں تو واقع ہو ہی جاتی ہیں جبکہ اگر اس میں مفہوم کو نقل کرنے کی اجازت دی گئی ہوتی تو یہ نسبت اس سے بھی کئی گنا زیادہ ہوتی جس طرح کہ اَحادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صورت حال ہے، کیونکہ ان اَحادیث کے مفہوم کو نقل کیا گیا ہے جبکہ قرآن کے سلسلہ میں صورت حال کچھ اور ہے یعنی قرآن کی عین عبارت کو نقل کیا گیا ہے۔

لہٰذا اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ان شاذ قرأتوں کی طرف بالکل توجہ نہ دی جائے کہ جنہیں اخبار آحاد میں بیان کیا گیا ہے بلکہ اس کی بجائے مصحف امام کو معتبر سمجھا جائے جو تواتر سے ثابت ہے۔

مصحف امام

خلیفہ ثالث (۲۳-۳۵ھ) کی جمع آوری

خلیفہ ثالث، حضرت عثمانؓ کے دور خلافت نے تاریخ قرآن میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے پورے قرآن ''مصحفِ امام'' کو یکجا کیا اور دیگر قرآنی نسخوں کے مقابلہ میں انتہائی شدید موقف اختیار کرتے ہوئے سوائے مصحفِ امام کے دیگر تمام کے تمام قرآنی نسخوں کو نذر آتش کر دیا-- کچھ روایتوں کے مطابق-- یا پھر انہیں پانی میں اُبال ڈالا اور یہ تو بالکل ایک قدرتی اَمر ہے کہ اس قدر انتہائی سخت موقف جمع آوری کی مہم سے پہلے اور اس کے بعد کے مخالفانہ موقف کا نتیجہ تھا۔

کئی ایک روایتوں میں اس قدر شدید موقف کی دعوت دینے والے اَسباب کا ذکر کیا گیا ہے، جیسے کہ صحیح بخاری کی روایت میں منقول ہے: ''حذیفہ ابن یمانؓ حضرت عثمانؓ کے پاس تشریف لائے درحالیکہ فتح آرمینیہ اور آذربائیجان میں شامی لوگ عراقیوں سے جنگ کر رہے تھے تو حذیفہؓ نے قرأت کے معاملہ میں اُن کے اختلافات پر تشویش کا اظہار کیا، حضرت عثمانؓ سے کہا: اے امیر المومنین، قبل اس کے کہ یہ اُمت قرآن کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی مانند اختلاف کرنے لگے اِسے سنبھال لیجئے۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ہماری طرف قرآنی نسخہ کو ارسال کر دیجئے تاکہ ہم انہیں دفتروں میں نقل کر لیں اور اس کے بعد واپس کر دیں گے، چنانچہ حضرت حفصہؓ نے اپنے پاس موجود قرآنی نسخہ کو حضرت عثمانؓ کو بھیج دیا اور زید ابن ثابت، عبداللہ ابن زبیر، سعید ابن عاص اور عبدالرحمٰن ابن حارث ابن ہشام نے ان کے حکم پر انہیں دفتروں میں لکھ لیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان تین قریشی قبیلوں کو یہ کہہ دیا کہ اگر تم لوگوں اور زید ابن ثابت کے درمیان کسی چیز میں اختلاف پیدا ہو جائے تو تم اسے قریشی لہجے میں لکھ لینا کیونکہ یہ انہی کے لہجے میں نازل ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ انہوں نے دفتروں میں پورا قرآن لکھ لیا اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کا قرآنی نسخہ انہیں واپس کر دیا نیز لکھے گئے نسخوں میں سے ہر سمت ایک نسخہ ارسال کر دیا جبکہ اس کے علاوہ کسی بھی کاغذ یا مصحف میں مکتوب قرآن کو نذر آتش کرنے کا حکم صادر کر دیا'' (جلد۶- صفحہ ۲۲۶)

بجستانی (متوفی-۳۱۶ھ) کی نقل کردہ روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے: ''ایک شخص قرآن کی تلاوت کر رہا تھا

اور اپنے ساتھی سے کہتا تھا کہ تم کفر بک رہے ہو لہٰذا تم کافر ہو! یہ قضیہ حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا گیا اور انہیں یہ مسئلہ غیر معمولی محسوس ہوا، لہٰذا انہوں نے قریش اور انصار میں سے بارہ افراد کو جمع کیا کہ جن میں اُبی ابن کعب اور زید ابن ثابت بھی شامل تھے اور آپ نے ربعہ کے پاس بھیجا جو حضرت عمرؓ کے گھر میں تھیں اور اس گھر میں قرآن تھا: وہ اُن لوگوں پر نگران تھے۔
محمد کہتا ہے: کثیر ابن اُفلح نے مجھ سے یہ بات بیان کی کہ وہ ان لوگوں کے لئے کتابت کیا کرتا تھا اور بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے تو ایسی صورت میں وہ اس کو تاخیر میں ڈال دیتے تھے تو میں نے اُن سے پوچھا کہ تم لوگ اس میں تاخیر سے کام کیوں لیتے ہو؟ کہنے لگے: میں نہیں جانتا! محمد کہتا ہے کہ اس کی وجہ سے میرے دل میں ایک خیال آیا کہ تم لوگ اس گمان کو یقین تصور مت کر لینا، خیر، میں نے گمان کیا کہ جب اُن میں کوئی اختلاف پیدا ہو جاتا تھا تو وہ اُس اَمر کو تاخیر میں ڈال دیتے تھے اور آخری نزول کی راہ دیکھتے تھے تاکہ جو کچھ اُس وقت کہا جائے اُسے لکھ لیں!" (المصاحف۔ صفحہ ۲۵)

یہ روایتیں کہ جن میں صحیح بخاری کی روایت بھی ہے مندرجہ ذیل نکات کی جانب اشارہ کرتی ہیں:
۱۔ مُحرّکِ جمع آوری: فتح آرمینیہ اور آذربائیجان میں قرائتی اختلاف ہے۔
۲۔ مآخذ جمع آوری: وہ صفحات ہیں جو حضرت حفصہؓ کے پاس موجود تھے۔
۳۔ گروہِ جمع آوری: چار افراد پر مشتمل ہے: ایک انصاری جو زید ابن ثابت ہیں اور تین قریشی۔
۴۔ روشِ جمع آوری: لہجۂ قریش میں لکھا جانا۔
۵۔ نتیجۂ جمع آوری: ہر سمت مصحف کا ارسال کیا جانا اور اُس کے علاوہ ہر قرآنی نسخہ کو نذرِ آتش کر دینا۔
مندرجہ بالا نکات کی تفصیل یوں ہے:

سببِ جمع آوری

یعقوبی (متوفی۔ ۲۸۴ھ) کہتا ہے: "سببِ جمع آوری یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ چاہتے تھے کہ قرآن کا ایک ہی نسخہ ہو، جبکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن مسعودؓ نے انہیں ایک خط لکھا تھا اور جب یہ اطلاع ملی کہ دیگر تمام قرآنی نسخوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا ہے تو کہنے لگے: میری مراد یہ نہیں تھی نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حذیفہ ابن یمانؓ نے انہیں خط لکھا تھا" (تاریخ الیعقوبی۔ جلد۲۔ صفحہ ۱۷۰)

ابن اُثیر (متوفی۔ ۶۳۰ھ) کہتا ہے: حذیفہ ابن یمانؓ کے موقف کی تفصیلی وضاحت کی گئی ہے اور یہ اُن کے دل

میں قرآن کے مصدر و ماٴخذ سے اُس کی جمع آوری کا خیال ۳۰ھ میں فتح آذربائجان سے واپسی پر آیا۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں: ''جب حذیفہ ابن یمانؓ واپس لوٹے تو وہ سعید ابن عاص سے کہنے لگے: میں نے اپنے اس سفر میں ایک ایسی چیز کا مشاہدہ کیا ہے کہ اگر لوگ اُس کو ترک کر دیں تو بلاشبہ وہ قرآن کے بارے میں باہم اختلاف کرنے لگیں گے اور اس کے بعد وہ ہرگز ایک بات پر متفق نہیں ہوں گے۔ سعید نے کہا: بھلا وہ کیا ہے؟ حذیفہ نے کہا: میں نے حمص کے کچھ باشندے دیکھے جو یہ زعم کرتے ہیں کہ اُن کی قرأت کا طریقہ دوسروں کے طریقوں سے بہتر ہے اور انہوں نے یہ قرآن حضرت مقدادؓ سے حاصل کیا ہے، جبکہ میں نے دمشقی افراد کو یہ کہتے سُنا کہ اُن کی قرأت کا طریقہ دیگر طریقوں سے بہتر ہے، اہل کوفہ بھی یہی کہتے نظر آئے اور اُن کا تو کہنا ہے کہ انہوں نے اُس طریقہ سے ابن مسعودؓ کے سامنے بھی قرأت کی تھی، اہل بصرہ بھی یہی بات کرتے ہیں اور اُن کا کہنا ہے کہ انہوں نے ابوموسیٰ کے سامنے یہ قرأت کی اور یہ لوگ تو اس کے قرآنی نسخہ کو ''لباب القلوب'' کا نام دیتے ہیں۔

جب وہ لوگ کوفہ پہنچے تو حذیفہؓ نے یہ بات لوگوں کو بتلادی اور اپنے اندیشہ سے انہیں بھی آگاہ کر دیا اور اس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور بیشتر تابعین نے ان کی بات سے اتفاق کیا جبکہ اصحاب ابن مسعود اُن سے کہنے لگے: آپ کو بھلا کیا مشکل پیش آ رہی ہے؟ کیا ہم نے ابن مسعودؓ کے سامنے قرأت نہیں کی تھی؟ تو اس بات پر حذیفہؓ اور اُن کے ساتھی طیش میں آ گئے اور کہنے لگے: تم لوگ تو بدوٴ عرب ہو لہٰذا خاموش رہو کہ تم لوگ غلطی پر ہو! جبکہ حذیفہ کہنے لگے: بخدا، اگر میں زندہ رہا تو ضرور امیر المومنین کے پاس جا کر یہی مشورہ دوں گا کہ وہ لوگوں اور اس کے درمیان حائل ہو جائیں۔ چنانچہ ابن مسعود اُن سے سخت کلامی کرنے لگے تو اس پر سعید کو غصہ آ گیا اور وہ کھڑے ہو گئے؛ لوگ منتشر ہو گئے اور حالت یہ تھی کہ حذیفہ غصہ کے عالم میں حضرت عثمانؓ کی جانب چل دیئے، انہیں سارا ماجرا کہہ سُنایا اور کہنے لگے: میں کھلا ڈرانے والا ہوں، آپ اُمت کو سنبھال لیجئے!'' (الکامل - جلد۳ - صفحہ۸)

اِس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حذیفہؓ جمع آوری کی بابت فکرمند تھے اور اُن کی مثال اُس سالار لشکر کی سی تھی جس نے ازخود صفوف لشکر میں اختلاف کا مشاہدہ کیا ہو اور انہوں نے کوفہ پر متعین سیاسی حاکم سعید ابن عاص کہ جسے حضرت عثمانؓ نے کوفہ کا والی مقرر کیا تھا کو صاف صاف بتلا دیا تھا جبکہ ابن مسعود پر کسی قسم کی کوئی عسکری ذمہ داری عائد ہوتی تھی اور نہ ہی کوئی سیاسی ذمہ داری، بلکہ وہ تو فقط علمی لحاظ سے قرأت کا دفاع فرما رہے تھے مگر وہاں تو ہر فریق اپنے سالار کے ساتھ ایک گروہ تشکیل دے چکا تھا۔ حضرت حذیفہؓ کے اس اہتمام کا مطمح نظر کہ ابن مسعود کی جماعت بدوٴ عرب ہے اور وہ لوگ غلطی پر ہیں ابن مسعودؓ خود تھے جبکہ اہل کوفہ اُن کے اردگرد جمع تھے اور یہی وجہ تھی کہ ابن مسعودؓ نے سخت کلامی کی۔ نیز یہ بھی

صاف ظاہر ہے کہ سعید کو قطع کلامی یعنی محفل سے کھڑے ہو جانے کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہیں آیا تاکہ لوگ ادھر اُدھر ہو جائیں۔

بنابریں، وحدت قرأت کا نظریہ حذیفہ ابن یمان کا مرہون منت ہے اور اس نظریہ کی سب سے پہلے مخالفت کرنے والے عبداللہ ابن مسعودؓ تھے جبکہ گزشتہ مطالعہ سے ہم یہ جان چکے ہیں کہ صحبتِ رسولؐ میں ابن مسعود کا کیا مقام ہے، تو پھر یہ حذیفہؓ کون ہیں؟

حذیفہ ابن یمانؓ (متوفی-۳۶ھ)

یہ حذیفہ ابن حسل ابن جابر ابن عمرو ابن ربیعہ ابن حربوۃ ابن حارث ابن زمان انصاری ہیں، جبکہ یمان حسل کا لقب ہے اور انہیں یمان کی طرف منسوب اس لئے کیا جاتا ہے کہ یہ انصاریوں کے حلیف تھے اور وہ لوگ یمن سے تھے۔

ابن اثیر (متوفی-۶۳۰ھ) کہتا ہے: ''انہوں نے نبیؐ کی جانب ہجرت کی اور جب انہیں ہجرت اور نصرت کے درمیان اختیار دیا گیا تو انہوں نے نصرت کو منتخب کیا۔ نیز جنگ اُحد میں نبی کی ہمرکابی میں شریک تھے اور اس جنگ میں اُن کے والد مارے گئے۔ اس کے علاوہ، منافقین کے بارے میں حذیفہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہمراز تھے اور سوائے حذیفہؓ کے اُن منافقین کے متعلق کسی کو علم نہیں تھا... جب کسی کے ہاں میت ہو جاتی تھی تو حضرت عمرؓ حذیفہؓ سے دریافت کرتے اور اگر حذیفہؓ اُس کی نماز جنازہ میں شرکت کرتے تو حضرت عمرؓ اُس پر نماز پڑھتے جبکہ اگر حذیفہ حاضر نہ ہوتے تو حضرت عمرؓ بھی شرکت نہ کرتے... حذیفہ نہاوند میں لڑی گئی جنگ میں بھی موجود تھے اور ہمدان، رَے اور دینور کی فتح بھی انہی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اسی طرح آپ فتح جزیرہ میں بھی شریک ہوئے تھے اور نصیبین میں سکونت اختیار کی اور وہیں آپ کی شادی ہوئی... حضرت عمرؓ کا کہنا تھا: میں ابوعبیدہ، معاذ ابن جبل اور حذیفہ ابن یمانؓ جیسے افراد دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے حذیفہؓ کو مدائن کا عامل مقرر کیا تھا... اور جب حضرت عمرؓ تک اُن کی آمد کی خبر پہنچی تو آپ راستے پر اُن کی راہ تکنے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے انہیں اُس حالت میں دیکھا کہ جس میں وہ اُن کے پاس سے گئے تھے تو آپ اُن کے پاس گئے اور انہیں گلے لگا کر کہنے لگے: تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں! جب حذیفہؓ کا وقت وفات قریب آیا تو وہ انتہائی جزع فزع اور بہت گریہ کرنے لگے، چنانچہ آپ سے کہا گیا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کہنے لگے: میں دنیا پر افسوس کرتے ہوئے نہیں رو رہا، بلکہ موت تو میرے لئے محبوب تر ہے، مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ (محشر) میں کس حال میں آؤں گا: خوشنودیٔ خدا کے ساتھ یا ناراضگی کے ساتھ؟ اُن کی وفات حضرت عثمانؓ کے قتل سے چالیس راتوں کے بعد ۳۶ھ میں ہوئی'' (اسد الغابۃ - جلد۱- صفحہ۴۶۸)

اپنی عسکری ذمہ داری کے تحت حذیفہ اس بات کی جانب متوجہ تھے جس طرح سے اتحاد بین المسلمین قائم کرنا ایک سیاسی اقدام ہے اسی طرح مصحف امام تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کیونکہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے منافقین مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں گے۔ اس سے بھی عجیب تر موت کے وقت اُن کا جزع فزع کرنا ہے --اگر روایت صحیح ہو-- کیونکہ وہ اس بات کو نہیں جانتے تھے کہ اُن کے حصہ میں خوشنودی ہے یا ناراضگی؟ آیا خدا کی خوشنودی میں ناراضگی ہے اور دنیا کی رضامندی میں ناراضگی نہیں؟ بہرصورت، ہم سمجھتے ہیں کہ جمع آوری قرآن کے سلسلہ میں حذیفہؓ کا کردار صرف رائے دہی تک محدود تھا جسے حضرت عثمانؓ نے قبول کیا تھا مگر ابن مسعودؓ نے اُن کی رائے رَدّ کر دی تھی اور اس سے بھی عجیب تر یہ کہ حضرت عثمانؓ اور حذیفہؓ دونوں کا انتقال ۳۶ ھ میں ہوا۔

ماخذ جمع آوری

قرآن کی جمع آوری کے مآخذ سے متعلق ابن اثیر بھی وہی بات کہتا ہے جسے امام بخاری نے بیان کیا: ''حضرت عثمانؓ نے صحابہ کو یکجا کیا اور انہیں اس بات کی اطلاع دی تو انہوں نے اس کو سراہا اور سب کے سب نے حذیفہؓ کی رائے کو تسلیم کرلیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ انہیں اپنے پاس رکھا ہوا مصحف ارسال کر دیں تا کہ اسے لکھ لیں اور یہ وہی صحیفہ تھا جسے حضرت ابوبکرؓ کے دَورِ خلافت میں لکھا گیا تھا۔ روزِ یمامہ جب صحابہ بکثرت قتل ہونے لگے تو حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگے: قتل وغارت گری زوروں پر ہے اور یمامہ میں قاریوں کے قتل کا بازار گرم ہے جبکہ مجھے ڈر ہے کہ مبادا بیشتر قاری حضرات مارے جائیں اور قرآن کا بیشتر حصہ ضائع ہو جائے۔ اب میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ قرآن کی جمع آوری کا حکم جاری کریں'' (الکامل - جلد۳ - صفحہ۸)

''چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے زید ابن ثابتؓ کو حکم دیا تو انہوں نے رقعوں، کھجور کے پتوں اور لوگوں کے سینوں میں سے قرآن کو یکجا کیا اور یہ مصحف حضرت ابوبکرؓ کے پاس تھا اور اُن کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس۔ لہذا جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو یہ قرآنی نسخہ حضرت حفصہ نے اپنے پاس رکھ لیا اور حضرت عثمانؓ نے اُنھی سے یہ نسخہ حاصل کیا تھا'' (الکامل - جلد۳ - صفحہ۸)

تقریباً تمام روایتیں متفق ہیں کہ قرآن کی جمع آوری کے مآخذ وہ نسخے تھے جو حضرات ابوبکرؓ اور عمرؓ کے پاس موجود تھے اگرچہ کچھ روایتیں کہتی ہیں کہ مآخذ ان دونوں کے علاوہ دیگر صحابیوں کی روایتیں ہیں اور ان میں سے ایک روایت بجستانی (متوفی - ۳۱۶ھ) اس طرح سے بیان کرتا ہے: ''مصعب ابن سعد سے مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اُبی، عبداللہ اور معاذ کی قرأتوں کو سُنا اور پھر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: پندرہ سال قبل تمہارے نبیؐ اس دنیا سے کوچ کر گئے

جبکہ قرآن کے بارے میں تم لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا اور اب میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے جس کسی کے پاس قرآن کا کوئی بھی ایسا حصہ ہو جسے اُس نے رسول خداؐ سے سُنا ہو تو وہ میرے پاس لے آئے۔ چنانچہ ایک شخص اُن کے پاس تختیاں، ہڈیاں اور کھجور کے پتے لے آیا کہ اُن میں قرآن لکھا گیا تھا۔ آپ نے لانے والے شخص سے پوچھا: کیا تم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے سُنا ہے؟ اس کے بعد کہنے لگے: تم میں سے فصاحت میں سب سے برتر کون ہے؟ سب لوگ کہنے لگے: سعید ابن عاص! اس کے بعد آپ نے کہا: تم میں سے بہترین کاتب کون ہے؟ سب نے کہا: زید ابن ثابت! آپ نے کہا: تو پھر زید کو چاہئے کہ کتابت کرے اور سعید املاء کروائیں! راوی کہتا ہے: چنانچہ قرآنی نسخے تحریر کئے گئے اور انہیں مختلف شہروں میں بھیج دیا گیا اور میں نے کسی شخص کو اس میں کوئی عیب نکالتے نہیں دیکھا'' (المصاحف۔ صفحہ ۲۴)

مگر اس معاملہ کا عمیق مطالعہ اس کی تائید نہیں کرتا، کیونکہ حضرت عثمانؓ تختیوں، ہڈیوں اور کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی تحریر کا اعادہ کیونکر کریں گے جبکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ یہ نسخہ تو ان سے پہلے دونوں خلفاء کے دور میں حاصل کرلیا گیا تھا؟ اس کے علاوہ، اس اعادہ کی کیا ضرورت تھی؟ یہی صورت حال اُن روایتوں کی بھی ہے جو کچھ آیات کے تدارک کے طور پر مروی ہیں، جیسے کہ صحیح بخاری میں لکھا ہے: ''زید ابن ثابت سے مروی ہے: جب ہم مصحف کو لکھ رہے تھے تو میں نے سورۂ احزاب کی ایک ایسی آیت کو اس میں نہیں پایا کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس سورت کی تلاوت کرتے تھے تو میں سُنا کرتا تھا، لہٰذا ہم اُسے تلاش کرنے لگے تو یہ آیت ہمیں خزیمہ ابن ثابت انصاریؓ کے پاس ملی: ﴿من المؤمنین رجالٌ صدقوا ما عاهدوا الله علیه﴾ (سورۂ احزاب۔ آیت ۲۳) اور اس طرح ہم نے اپنے مصحف میں سورۂ احزاب میں اس آیت کو بھی شامل کرلیا۔ (جلد ۶۔ صفحہ ۲۲۶)

بالآخر مطلقاً حضرت حفصہؓ کے مصحف پر اعتماد کرلینا کافی نہیں جس طرح کہ جو بے شمار روایتیں اس پر شاہد ہیں وہ اس کے تدارک کا انکار کرتی ہیں۔

گروہ جمع آوری

جہاں تک قرآن کی جمع آوری کرنے والی جماعت کا تعلق ہے تو ابن اثیر (متوفی ۶۳۰ھ) نے ان میں صرف چار افراد کو شامل کیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''حضرت عثمانؓ نے زید ابن ثابت، عبداللہ ابن زبیر، سعید ابن عاص اور عبدالرحمٰن ابن حارث کو حکم دیا تو انہوں نے قرآن کو صحیفوں (کاپیوں) میں تحریر کیا اور حضرت عثمانؓ کہنے لگے: جب بھی تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو تو اسے قریش کی زبان میں لکھنا کیونکہ قرآن اُنہی کی زبان میں نازل ہوا ہے، لہٰذا انہوں نے بھی

ایسا ہی کیا'' (الکامل۔ جلد۳۔ صفحہ۲۹)

بجستانی (متوفی۔۳۱۶ھ) نے نقل کیا ہے کہ اس جماعت میں چار سے بارہ اَفراد تک شامل تھے؛ کثیر ابن اَفلح کے حوالے سے وہ کہتا ہے: جب حضرت عثمانؓ نے اِن مصاحف کو لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ نے قریش واَنصار میں سے بارہ افراد کو جمع کیا کہ جن میں اُبی ابن کعب اور زید ابن ثابت بھی تھے۔ راوی کہتا ہے: انہیں ربعہ کی طرف بھیجا گیا جو حضرت عمرؓ کے گھر میں تھیں تو انہیں لے آیا گیا۔ راوی کہتا ہے: حضرت عثمانؓ اُن کی نگرانی کرتے تھے اور اگر وہ آپس میں کوئی اختلاف کرتے تھے تو وہ لوگ اس تنازع کو کچھ وقت کے لئے اُٹھا رکھتے۔ محمد کہتا ہے: میں نے بیشتر کاتبوں سے دریافت کیا کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ یہ لوگ متنازع بات کو بعد کے لئے کیوں اُٹھا رکھتے ہیں؟ کہنے لگے: نہیں! راوی کہتا ہے: محمد یہ گمان کرتا تھا کہ وہ لوگ اس بات کی راہ دیکھ رہے تھے کہ جب اُن کے سامنے آخری مرتبہ قرآن پیش کیا جائے گا تو وہ اُس کے مطابق لکھ لیں گے!'' (المصاحف۔ صفحہ۲۵)

قسطلانی (متوفی۔۹۲۳ھ) کہتا ہے: ''ابن ابی داوٗد (بجستانی؛ متوفی۔۳۱۶ھ) کے نزدیک قرآن لکھنے والی جماعت میں موجود اَفراد کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

مالک ابن ابی عامر جو مالک ابن انس اَصبحی کے جد تھے (بظاہر متوفی۔۷۴ھ)

کثیر ابن اَفلح (مدینہ کے رہنے والے اور ابوایوب اَنصاری کے غلام تھے)

اُبی ابن کعب خزرجی (متوفی۔۳۲ھ)

انس ابن مالک ابن نضر خزرجی خادم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم (متوفی۔۹۳ھ)

عبداللہ ابن عباسؓ؛ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے چچا (متوفی۔۶۸ھ)

[ارشاد الساری۔ جلد۷۔ صفحہ۴۴۹]

اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے اس گروہ میں ان کا کردار کوئی غیر معمولی نہیں تھا۔ اب قارئین کی خدمت میں اِن اَفراد کی سوانح حیات پیش کی جاتی ہے کہ جن کی قرآن کے سلسلے میں جمع آوری کی کوشش پر سب کا اتفاق ہے:

۱۔ زید ابن ثابت (۱۱ق ھ-۴۵ق ھ)

زید ابن ثابت ابن ضحاک ابن زید ابن لوازن ابن عمرو ابن عبدعوف ابن غنم ابن مالک ابن نجار اَنصاری۔

ذہبی (متوفی-۷۴۸ھ) کہتا ہے: ''یہ کاتب نبیؐ تھے اور وحی پر اُن کے امین؛ یہ بہت زیرک اور مہذب نوجوان تھے: انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانے میں قرآن کو جمع کیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ کے لئے اس کو مصحف میں یکجا کیا تھا اور پھر حضرت عثمانؓ کے اُس مصحف کی کتابت کے نگراں ٹھہرے تھے کہ جس کے نسخے انہوں نے مختلف شہروں کو ارسال کئے تھے'' (معرفة القرّاء- جلد ا- صفحہ ۳۶)

ظاہر ہے کہ خلیفۂ اوّل سے زید کے تعلقات کافی اچھے تھے، اس لئے کہ یہی وہ پہلے انصاری ہیں جنہوں نے سقیفہ کے روز حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی دعوت دی تھی؛ انہوں نے کہا تھا: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مہاجر تھے اور ہم اُن کے انصار ہیں لہٰذا پیشوا بھی مہاجر ہی ہوگا!'' (تاریخ ابن عساکر میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے)

اسی طرح خلیفۂ دوّم سے بھی ان کے تعلقات بڑے دوستانہ تھے۔ ذہبی کہتا ہے: ''جب حضرت عمرؓ حج کو جاتے تھے تو زید ہی کو اپنا نائب مقرر کرتے تھے'' (معرفة القرّاء- جلد ا- صفحہ ۳۷)

خلیفۂ سوّم، حضرت عثمانؓ سے بھی زید کے تعلقات اتنے ہی قریبی تھے جتنے کہ پہلے اور دوسرے خلیفہ کے ساتھ۔ چنانچہ ابن اثیر (متوفی-۶۳۰ھ) کہتا ہے: ''زید حضرت عثمانؓ کے دور میں بیت المال پر نگراں تھے اور ایک روز حضرت عثمانؓ اندر گئے تو زید کے غلام کی آواز سُنائی دی لہٰذا حضرت عثمانؓ کہنے لگے: یہ کون ہے؟ زید نے کہا: یہ میرا خادم وہیب ہے تو حضرت عثمانؓ نے اُس کے لئے ایک ہزار کا وظیفہ مقرر کردیا۔ (اسد الغابة- جلد ا- صفحہ ۲۷۹)

علاوہ ازیں ابن اثیر کہتا ہے: ''زید عثمانی تھے اور وہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ اُن کی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے'' (جلد ا- صفحہ ۲۷۹) یہاں تک کہ وہ کہتا ہے: ''زید ہی وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے حضرات ابوبکرؓ اور عثمانؓ کے اَدوار میں قرآن کی کتابت کی تھی'' (الکامل- جلد ا- صفحہ ۲۷۹)

زید کی جوانی مسلمانی میں گزری، کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مدینہ تشریف آوری کے موقع پر آپ صرف گیارہ سال کے تھے۔

واقدی کہتا ہے: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک جماعت کو کم سن جان کر انہیں واپس جانے کو کہا تھا اور اس جماعت میں زید ابن ثابت بھی تھے، لہٰذا وہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوسکے'' (الاستیعاب- جلد ا- صفحہ ۵۳۲)

قتادہ سے منقول ہے کہ میں نے انس کو یہ کہتے سُنا: ''زمانہ رسولؐ میں ہی چار افراد نے قرآن کو یکجا کرلیا تھا اور وہ سب کے سب انصاری تھے: معاذ ابن جبل، اُبی ابن کعب، زید ابن ثابت اور ابوزید'' (صحیح مسلم فی فضائل الصحابة)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد زید نے حضرات ابوبکرؓ اور عمرؓ کے لئے کتابت کی اور حضرت عثمانؓ کے

دورِ خلافت میں بیت المال پر نگراں رہے جبکہ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں حُکم دیا تھا کہ وہ قرآن کو ایک جگہ جمع کردیں تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے قرآن لکھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُن سے کہا: آپ ایک عقلمند جوان ہیں۔ ابوعمر کا کہنا ہے کہ زمانہ عثمانؓ میں جب کبھی لوگ آپس میں اختلاف کرتے تھے تو اُن کی اور اُن کے اَصحاب کی یہی رائے ہوتی تھی کہ قرآن کو ایک ہی طرز میں ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت زیدؓ کے طرز کو منتخب کیا جاتا تھا، لہٰذا حضرت عثمانؓ نے انہیں قریش کی قوم کو املاء کروانے کو کہا تو آپ نے ان لوگوں کو زید کے پاس جمع کیا تو انہوں نے وہی کچھ تحریر کیا کہ جس پر وہ لوگ متفق تھے۔ (تخریج الدلالات۔ صفحہ۱۷۲)

ابن جوزی کہتا ہے: زید نے ۴۵ھ میں وفات پائی اور اُس وقت اُن کی عمر ۶۵ سال تھی۔ (الاصابۃ۔ جلد۲۔ صفحہ۴۹۰)

بغوی روایت نقل کرتا ہے: ''جب کبھی حضرت عمرؓ سفر کو جاتے تو حضرت زیدؓ کو اپنا نائب مقرر کرتے تھے اور جب بھی واپس لوٹتے تھے تو ہر مرتبہ کھجور کا ایک باغ اُن کی جاگیر میں دے دیتے'' (الاصابۃ۔ جلد۲۔ صفحہ۴۹)

۲۔ عبد اللہ ابن زبیر (۲-۷۳ھ)

عبداللہ ابن زبیر ابن عوام ابن خویلد ابن اسد ابن عبدالعزیٰ ابن قصی ابن کلاب ابن مرہ قریشی اَسدی۔

ابن اَثیر (متوفی۔ ۶۳۰ھ) کہتا ہے: ''مہاجرین کے ہجرت کرنے کے بعد اسلام میں سب سے پہلا مولود یہی ہیں اور رسول خداؐ نے کھجور سے ان کی تحنیک کی تھی: آپ نے پہلے اپنے منہ سے اسے چبا کر نرم کیا تھا اور اس کے بعد اُن کے منہ میں ڈالا تھا اور اس طرح اُن کے شکم میں سب سے پہلے جانے والی چیز لعاب رسولؐ تھی نیز آپؐ نے ان کا نام عبداللہ رکھا تھا اور ان کے نانا ابوبکر صدّیق کے نام پر اُن کی کنیت رکھی تھی - کیونکہ آپ اسماء بنت ابوبکر کے فرزند تھے - عبداللہ ابن زبیر عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح (متوفی۔ ۳۶ھ) کے ساتھ ایک افریقی عورت کے دودھ میں شریک تھے لہٰذا وہ حضرت عثمان کے رضاعی بھائی ہوئے۔ اپنے باپ زبیر کے ساتھ جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کے خلاف لڑے تھے جبکہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے تھے: ''زبیر ہم اہلبیت میں سے ہیں یہاں تک کہ اُن کے لئے عبداللہ کی پرورش کی گئی'' ابن زبیر نے یزید ابن معاویہ کی بیعت کرنے سے انکار کردیا تھا اور ۶۴ھ میں محرم میں ابھی چار دن باقی تھے کہ ابن زبیر نے مکہ کا محاصرہ کرلیا اور اسی محاصرہ پر مُصر رہا حتیٰ کہ اس محاصرہ کے دوران کعبہ کو نذر آتش کیا گیا۔ یزید کی موت کے بعد عبداللہ ابن زبیر کو خلیفہ تسلیم کیا گیا اور عبدالملک ابن مروان نے حجاج ابن یوسف کو حجاز کی جانب بھیجا تو عبداللہ ابن زبیر نے ۷۲ھ میں ذی الحج کی پہلی تاریخ کو (پھر سے) مکہ کا محاصرہ کرلیا اور دیگر لوگوں کے ساتھ حجاج نے بھی حج کیا لیکن اُس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور نہ ہی صفا و مروہ کے درمیان سعی کی، بلکہ اس نے کوہ ابوقبیس پر منجنیق نصب کی اور مسجد پر پتھر داغ دیئے اور اپنے قتل

ہونے یعنی نیمہ جمادی الآخر ۳۶ھ تک اُس نے محاصرہ جاری رکھا'' (اسد الغابۃ۔ جلد۳۔ صفحہ۲۴۴)

پہلے خلیفہ رشتہ میں ان کے نانا تھے یعنی آپ اسماء بنت ابوبکر کے فرزند تھے جبکہ حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے اور جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی ہمراہی میں حضرت علی علیہ السلام کے خلاف جنگ لڑی تھی۔

۳۔ سعید ابن عاص (۱۔ ۵۹ھ)

سعید ابن عاص ابن اُمیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف قریشی اموی۔

ابن اثیر (متوفی۔۶۳۰ھ) کہتا ہے: ''یہ ہجرت والے سال پیدا ہوا اور اس کا باپ عاص جنگ بدر میں بطور کافر مارا گیا اور اس کو قتل کرنے والے حضرت علی علیہ السلام تھے... یہ قریش کے اشراف، فیاض اور فصیح زبانوں میں سے تھا، اس کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے، جنہوں نے حضرت عثمان ابن عفانؓ کے لئے قرآن کی کتابت کی تھی اور ولید ابن عقبہ ابن ابی معیط کے بعد حضرت عثمان نے اسے کوفہ کا عامل مقرر کیا تھا؛ بالترتیب ۲۹ھ اور ۳۰ھ میں اس نے طبرستان میں لڑائی لڑ کر اُسے فتح کر لیا تھا اور اسی طرح جرجان کو بھی فتح کیا تھا۔ بقولے آذربائیجان میں شورش برپا ہوئی تو اس نے لڑ کر اُسے بھی فتح کر لیا تھا۔ جس وقت حضرت عثمان قتل کئے گئے گھر پر جا کر بیٹھ گیا اور اُس فتنہ سے گوشہ نشینی اختیار کر لی چنانچہ جنگ جمل میں شریک ہوا اور نہ ہی جنگ صفین میں، البتہ جب معاویہ کے لئے راہ ہموار ہوئی تو اس کے پاس گیا... اور پھر اس نے اسے مدینہ کا والی مقرر کر دیا... ہر شب جمعہ یہ اپنے خادم کو دیناروں سے بھری تھیلیاں دے کر مسجد کوفہ میں بھیجتا جو اُن تھیلیوں کو نمازیوں کے سامنے رکھ دیتا اور اس طرح ہر شب جمعہ مسجد کوفہ میں نمازیوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی لیکن اس وقت وہ انتہائی عمر رسیدہ ہو چکا تھا۔ ۵۹ھ میں انتقال ہوا'' (اسد الغابۃ۔ جلد۲۔ صفحہ۳۹۲)

۴۔ عبدالرحمٰن ابن حارث ابن ہشام (متوفی۔ حدود ۴۰ھ)

ابن مغیرہ ابن عبداللہ ابن عمر ابن مخزوم قریشی۔

ابن اثیر (متوفی۔۶۳۰ھ) کہتا ہے: ''اس کے باپ حارث ابن ہشام کا انتقال طاعون کی وجہ سے عمواس میں ۱۸ھ میں ہُوا تو حضرت عمر ابن خطابؓ نے اس کی بیوہ فاطمہ اُم عبدالرحمٰن سے شادی کر لی اور اس طرح عبدالرحمٰن نے حضرت عمرؓ کی گود میں پرورش پائی جبکہ اُن کا نام ابراہیم تھا مگر حضرت عمرؓ نے ان کا نام تبدیل کر دیا... جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی طرف سے شرکت کی تھی۔ یہ حضرت عثمانؓ کے داماد تھے اور ان کی شادی آپ کی بیٹی مریم سے ہوئی تھی۔ حضرت عثمانؓ

نے زید ابن ثابت، سعید ابن عاص اور عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ انہیں بھی مصاحف تحریر کرنے کو کہا تھا؛ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ دار کی لڑائی میں بھی شرکت کی تھی اور زخمی ہونے پر انہیں گھر لے جایا گیا تھا... عبدالرحمٰن کی وفات معاویہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ (اسد الغابۃ۔ جلد۳۔ صفحہ۴۲۲)

مذکورہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفۂ دوّم سے اُن کے تعلقات کس قدر اُستوار تھے اور اسی طرح سسرالی رشتہ داری کی بناء پر خلیفۂ سوّم سے بھی۔ نیز یہ کہ جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کے خلاف ان کا جنگی موقف کیا تھا۔

ان چار اَفراد کی سوانح حیات میں غور وخوض سے پتا چلتا ہے کہ صرف زید ابن ثابت ہی وہ ایک شخص ہیں جنہیں قرآن کی جمع آوری کا کافی تجربہ تھا کیونکہ زمانۂ رسولؐ اور خلیفہ اوّل ودوّم کے دورِ خلافت میں آپ کا شمار کاتبانِ وحی میں ہوتا تھا۔ جہاں تک دیگر اَفراد کی بات ہے تو ان کو خلیفۂ سوّم کے نسبی، شخصی اور ادارتی تعلقات نے یکجا کیا تھا اور انہیں اس لئے منتخب نہیں کیا گیا تھا کہ ان لوگوں کے پاس وحی کی کتابت کا کوئی سابقہ تجربہ تھا۔

عبداللہ ابن زبیر رضاعت کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کے بھائی عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح کا دوست تھا جو ۳۶ ھ میں مر گیا جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اسی کے قتل کا حکم جاری کیا تھا چاہے غلاف کعبہ کے پیچھے کیوں نہ چھپا ہو۔ سعید ابن عاص اُموی تھا اور حضرت عثمانؓ نے اسے کوفہ کا والی مقرر کیا تھا جبکہ عبدالرحمٰن ابن حارث حضرت عثمانؓ کا داماد تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے قرآن کا ایک ایک نسخہ تحریر کیا تھا اور یہ چار مصاحف مختلف شہروں میں بھیجے گئے۔

روشِ جمع آوری

جمع آوری کے طریقہ سے متعلق ابن اَثیر (متوفی۔۶۳۰ھ) نے صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کہا تھا: ''اگر تم لوگ آپس میں اختلاف کرنے لگو تو قرآن کو قریشی بول چال کے مطابق لکھنا کیونکہ یہ قریشیوں کی زبان ہی میں نازل ہوا تھا'' (الکامل۔ جلد۳۔ صفحہ۹)

بجستانی (متوفی۔۳۱۶ھ) کہتا ہے: ''قرآنی عربی کی اَساس سعید ابن عاص ابن سعید ابن عاص ابن اُمیہ کی زبان پر رکھی گئی ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لہجہ سے مشابہ ترین لہجہ اسی کا تھا۔ سعید کا کہنا ہے کہ جنگ بدر میں عاص کو مشرک ہونے کے ناطے قتل کر دیا گیا جبکہ سعید ابن عاص بدر سے پہلے ہی شرک کی حالت میں اس دنیا سے رُخصت ہو گیا تھا'' (المصاحف۔ صفحہ۲۳۵)

نیز وہ کہتا ہے: ''حضرت عثمانؓ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اے لوگو! گیارہ سالوں تک تمہارے نبیؐ

کے ذریعہ تمہاری بھلائی کی گئی جبکہ تم لوگ قرآن کے بارے میں شک میں مبتلا تھے اور تم لوگ اُبی اور عبداللہ کی قرأت کو سراہتے تھے۔ فلاں شخص کہتا ہے: بخدا، یہ تمہارے قاری نہیں ہیں لہٰذا تم لوگوں میں سے جس جس کے پاس نزول قرآن کے وقت کا کتاب خدا کا کوئی حصہ ہے وہ اُس پر کام کرے جبکہ وہ شخص اوراق اور چمڑے پر مکتوب قرآن کو اپنے ساتھ لایا، یہاں تک کہ ان میں سے بہت کچھ یکجا کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ اندر داخل ہوئے اور ایک ایک کر کے ہر ایک کو بلایا اور انہیں قسم دے کر پوچھا کہ کیا تم نے یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا تھا اور آپؐ ہی نے تم کو املاء کروایا تھا؟! ہر کوئی کہتا جاتا تھا: ہاں! جب حضرت عثمانؓ اس مرحلہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ تم میں سے بہترین کاتب کون ہے؟ سب کہنے لگے: زید ابن ثابت!؛ آپ نے پوچھا: تم میں سب سے اچھی عربی کس کی ہے؟ سب کہنے لگے: سعید ابن عاص! اس پر حضرت عثمانؓ کہنے لگے: تو پھر سعید املاء کروائیں گے اور زید کتابت کریں گے! چنانچہ زید نے قرآنی نسخے تحریر کیے اور انہیں لوگوں میں نشر کر دیا۔ پس میں نے محمدؐ کے کچھ ساتھیوں کو یہ کہتے سُنا کہ بہت اچھا کیا!'' (المصاحف۔ صفحہ ۲۴)

پہلی روایت لحنِ قریش اور لہجۂ رسولؐ پر جبکہ دوسری روایت اس پر زور دے رہی ہے کہ سب سے اچھی عربی کس شخص کی تھی اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ قریشیوں کی عربی بہترین تھی کیونکہ سعید قریشی تھے اور زید انصاری۔

قسطلانی (متوفی۔ ۹۲۳ھ) نے واضح طور پر کہا ہے: ''چنانچہ انہوں نے قرآن کو دفتروں میں لکھا'' اور ایسا حضرت عثمانؓ کے تین قریشی قبیلوں کے افراد: سعید، عبداللہ اور عبدالرحمٰن - کیونکہ سعید اموی، عبداللہ اسدی اور عبدالرحمٰن مخزومی تھے اور یہ تینوں قبیلے قریشی تھے۔ کو یہ کہنے کے بعد ہوا: ''اگر تم لوگوں اور زید ابن ثابت کے درمیان قرآن کی کسی بات سے متعلق کوئی اختلاف واقع ہو -یعنی اس کی عربی سے متعلق۔ تو تم قرآن کو قریش کے لہجہ میں تحریر کرنا کیونکہ اس کا بیشتر حصہ انہی کی زبان -یعنی انہی کے لہجہ- میں نازل ہوا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اسی طرح کیا جیسا کہ انہیں حکم دیا گیا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے دفتروں میں قرآنی نسخے تیار کیے اور حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے صحیفے اُن کو واپس کر دیئے'' (ارشاد الساری۔ جلد ۷۔ صفحہ ۴۴۹)

قرآن کو یکجا کرنے کی کیفیت سے متعلق ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت منقول ہے کہ جسے حاکم نے نقل کیا ہے: ''ہم سے ابن عباسؓ نے کہا: میں نے حضرت عثمانؓ ابن عفان سے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ تم لوگ سورۂ انفال کو اپنی زد میں لیتے ہو جبکہ یہ سورت تو مثانی سورتوں میں سے ہے اور سورۂ برائت کو بھی جبکہ یہ مئین میں سے ہے اور تم لوگوں نے تو ان دونوں سورتوں کو باہم ملا دیا ہے اور نہ ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر لکھتے ہو یعنی اسے سبع طوال میں شامل کر لیا ہے، کس

چیز نے تم لوگوں کو ایسا کرنے پر مجبور کیا؟! تو حضرت عثمانؓ کہنے لگے: ایک وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا بھی آیا تھا کہ جب آپؐ پر بیک وقت متعدد سورتیں نازل ہوتی تھیں اور جب کبھی آپؐ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو آنحضرتؐ کاتب کو بلا کر اُس سے فرماتے: اسے اُس سورت میں شامل کرو کہ جس میں اس اس طرح سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور جب کبھی آپؐ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ فرماتے: اس آیت کو اُس سورت میں شامل کرو کہ جس میں اس اس طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ پس مدینہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ایک سورت انفال تھی اور برائت قرآن کا آخری حصہ تھا جبکہ اس سورت کا قصہ اُس سورت سے ملتا جلتا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے کوچ کر گئے مگر ہم پر یہ واضح نہیں کیا کہ یہ اُس کا حصہ ہے یا نہیں اور اس طرح ہم یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ اسی کا حصہ ہے اور اسی وجہ سے میں نے ان دونوں سورتوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو تحریر نہیں کیا۔ شیخین کی شرائط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے اور انہوں نے اس کو خارج نہیں کیا۔ (المستدرک - جلد۲، صفحہ ۲۲۱ و ۲۳۰)

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ تمام صحابہ کے درمیان نص قرآنی مشہور و معروف تھی اور اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ طویل سورتیں ابتدائی حصہ میں تھیں اور زمانۂ رسولؐ میں سورۂ انفال کا شمار طوال میں نہیں بلکہ مثانی میں ہوتا تھا۔ پس حضرت عثمانؓ نے - اپنے اجتہاد کی بناء پر - ان دونوں کا عنوان ایک ہی سمجھ لیا تھا کیونکہ ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم موجود نہیں تھی اور انہوں نے برائت کو پہلے اور انفال کو اس کے بعد جگہ دی تھی کیونکہ ان دونوں کے مضامین باہم ملتے جلتے تھے جس طرح کہ وہ خود بھی کہتے ہیں: ''تو میں یہ سمجھا کہ یہ اسی کا حصہ ہے'' لہٰذا جمع عثمانی میں دو سورتوں کی تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے یعنی سورۂ انفال اور سورۂ برائت۔

نتیجۂ جمع آوری

ابن اثیر نے حضرت عثمانؓ کی جمع آوری کے نتیجہ کے طور پر تین اُمور کا ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''جب قرآنی نسخوں کو تحریر کر لیا گیا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کا نسخہ اُن کو واپس کر دیا اور ہر جانب ایک نسخہ ارسال کر کے ان کے علاوہ دیگر تمام نسخوں کو نذر آتش کر دیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ انہی پر اعتماد کیا جائے اور اس کے علاوہ کسی نسخہ کی اعتنا نہ کی جائے'' (الکامل - جلد۳ - صفحہ۹)

ابن اثیر نے یہ مشخص نہیں کیا کہ قرآنی نسخے کہاں کہاں ارسال کیے گئے؟ اگرچہ خلیفۂ وقت کا دیگر تمام نسخوں کو جلا کر صرف انہی نسخوں پر اعتماد کرتے ہوئے باقی نسخوں کو ترک کر دینے کا حکم دینا ظاہری نتیجہ کو اخذ کرنے کے لئے کافی ہے۔

قسطلانی (متوفی-۹۲۳ھ) کہتا ہے: ''حضرت عثمانؓ نے اُن لکھے گئے نسخوں میں سے ہر جانب ایک نسخہ ارسال کیا اور بنابر مشہور یہ پانچ نسخے تھے کہ جن میں سے چار کو دیگر شہروں میں بھیج دیا اور ایک کو اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ المقنع میں دانی کہتا ہے: اکثر علماء کا یہی نظریہ ہے کہ ان قرآنی نسخوں کی تعداد چار تھی کہ اُن میں سے ایک کوفہ کی جانب، دوسرا بصرہ اور تیسرے کو شام کی جانب ارسال کر دیا جبکہ چوتھا نسخہ خود اپنے پاس رکھ لیا۔ ابن ابی داؤد نے ابوحاتم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سات مصاحف لکھے گئے کہ جنہیں مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ کی جانب ارسال کیا جبکہ ایک نسخہ کو مدینہ میں رکھ لیا گیا۔ اس کے علاوہ دیگر نسخوں یعنی وہ نسخہ کہ جسے لکھوایا گیا تھا اور اس سے نقل کیے گئے نسخوں اور حضرت حفصہؓ کے پاس موجود نسخے کے علاوہ ہر قرآن کو خواہ وہ صحیفہ کی صورت میں ہو یا مصحف کی اُسے نذرِ آتش کر دینے کا حکم دے دیا۔ حضرت ابوذرؓ نے حموی اور مستملی کے حوالے سے اِحراق کو باب تفعیل سے بیان کیا ہے یعنی اَنْ یُحْرِق کو اَنْ یُحرِّق نقل کیا گیا ہے جو قرآنی نسخوں کو ضائع کرنے میں شدت پیدا کرتا ہے اور کلمہ میں اختلاف کی راہیں مسدود کر دیتا ہے'' (ارشاد الساری-جلد۷-صفحہ۴۴۹)

تاریخ یعقوبی (متوفی-۲۸۴ھ) میں مرقوم ہے: ''حضرت عثمانؓ نے قرآن کو یکجا کیا اور اُسے تألیف کیا۔ انہوں نے طویل سورتوں کو طویل سورتوں کے ساتھ رکھا جبکہ چھوٹی چھوٹی سورتوں کو ایک ساتھ کر دیا۔ نیز قرآنی نسخوں کی جمع آوری کے متعلق ہر جگہ لکھ بھیجا۔ یہاں تک کہ سارے نسخے یکجا کیے گئے اور اس کے بعد انہیں پانی اور سرکہ میں اُبال دیا؛ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر قرآنی نسخہ کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا اور سوائے ابن مسعود کے قرآنی نسخے کے کسی نسخہ کو بھی باقی نہیں رکھا''

اس کے بعد کہتا ہے: ''ایک قرآنی نسخہ کوفہ، ایک بصرہ، ایک مدینہ، ایک مکہ، ایک مصر، ایک شام، ایک بحرین، ایک یمن اور ایک نسخہ جزیرہ کی طرف ارسال کیا گیا۔ نیز لوگوں سے کہا کہ ایک ہی نسخہ کے مطابق قرأت کریں'' (تاریخ الیعقوبی-جلد۲-صفحہ۱۷۰)

سیوطی (متوفی-۹۱۱ھ) کا کہنا ہے: ''حضرت عثمانؓ نے جن قرآنی نسخوں کو مختلف مقامات کی طرف ارسال کیا تھا ان کی تعداد میں اختلاف ہے جبکہ مشہور یہی ہے کہ اُن کی تعداد پانچ تھی۔ ابن ابی داؤد نے حمزہ زیات کے حوالے سے روایت نقل کی ہے: حضرت عثمانؓ نے چار قرآنی نسخوں کو ارسال کیا۔ ابن ابی داؤد کہتا ہے کہ میں نے ابوحاتم جستانی کو یہ کہتے سُنا: سات نسخے تحریر کیے گئے اور انہیں مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ ارسال کیا گیا جبکہ ایک نسخہ مدینہ ہی میں رکھ لیا'' (الاتقان-جلد۱-صفحہ۶۰)

قول منتخب

حضرت عثمانؓ کی جمع آوری قرآن کے ایک جدید نسخہ کو لکھ لینے کے علاوہ کچھ نہیں اور اُس سے ان کی غرض مسلمانوں میں اس کو نشر کرنا تھا، بالکل ایسے ہی جیسے ہمارے زمانے میں صاحبانِ اقتدار قرآنی نسخہ کی طباعت کا اہتمام کرتے ہیں اور انہیں مسلمانوں کی مسجد میں تقسیم کرواتے ہیں۔ کئی ایک اُمور اس پر دلائل فراہم کرتے ہیں:

۱۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جب حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہ سے نسخہ طلب کیا تھا اُس سلسلہ میں استنساخ کا لفظ استعمال کیا گیا تھا[مترجم: اِسْتَنْسَخَهُ بمعنی نَسَخَهُ: نَسَخَ الْكِتَابَ یعنی کتاب کو حرف بحرف نقل کرنا (المنجد اُردو صفحہ ۱۰۱۱)]۔ چنانچہ انہوں نے کہا تھا: ''نَنْسَخُهَا فِي الْمَصَاحِفِ یعنی: تاکہ ہم اس قرآنی نسخہ کو دفتروں میں لکھ لیں'' جبکہ گروہ جمع آوری کے متعلق صحیح بخاری میں اس طرح سے مرقوم ہے: ''حتىٰ اِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ یعنی: جب انہوں نے قرآنی نسخوں کو دفتروں میں لکھ لیا'' تو حضرت عثمانؓ نے اُن تحریر شدہ نسخوں کو مختلف مقامات کی طرف ارسال کیا۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ نے صرف قرآن کو ایک نسخہ سے نقل کیا تھا جو پہلے سے جمع شدہ تھا اور اس روایت میں لفظ نسخ کئی مرتبہ دہرایا گیا ہے اور حضرت عثمانؓ نے صرف پہلے سے جمع شدہ نسخہ کو نقل کر کے مسلمانوں کے درمیان ان کی تعداد میں اضافہ کیا تھا، بالکل ایک رسمی نسخہ کی طرح جو تفاسیر اور تفاسیر کی مانند ان سے ملحقہ حاشیوں سے عاری ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت عثمانؓ نے کہا تھا: ''اگر تمہارے اور زید کے درمیان قرآن کی کسی شے سے متعلق کوئی اختلاف واقع ہو جائے تو اسے قریشی لہجہ میں لکھنا'' اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ تین قریشی اور ایک اَنصاری پر قائم کردہ جماعت کا درمیانی اختلاف قرأت سے متعلق ہرگز نہیں تھا، کیونکہ مفروض یہ ہے کہ حضرت حفصہ سے عاریتاً لیا گیا قرآنی نسخہ پہلے ہی سے تحریر شدہ تھا لہٰذا اُن چاروں کا درمیانی اختلاف طرزِ کتابت میں تھا اور حضرت عثمانؓ نے اُنہیں یہی ہدایات دی تھیں کہ وہ قریش کے مخصوص طرزِ کتابت کو اپنائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں تابوت اور تابوہ کے اَلفاظ ملتے ہیں، کیونکہ قریش وانصار کے طرزِ کتابت مختلف تھے جبکہ اُن کی طرزِ قرأت میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

۳۔ حضرت عثمانؓ کی یہ مہم ایک سیاسی مہم تھی تاکہ ان روایات کے مطابق اُس وقت لشکرِ اسلامی میں اُٹھے ہوئے اختلاف کو روکا جا سکے، کیونکہ اُس لشکر کا ایک حصہ ابوموسیٰ کی قرأت کا قائل تھا اور انہوں نے ابوموسیٰ کے قرآنی نسخہ کو ''لباب القلوب'' کا نام دیا تھا جبکہ یہ نام بھی ناگزیر تھا کیونکہ اس قرآن میں تفسیر کا اضافہ کیا گیا تھا اور قرآن کو تو صرف قرآن کا نام ہی دیا جا سکتا ہے۔

عمل اور ردِ عمل

مصحف اِمام کے بارے میں فکر کی دعوت دینے والے اَسباب خواہ کچھ بھی رہے ہوں بہر حال یہ ایک دلیرانہ اقدام تھا اور حضرت عثمان کا دیگر قرآنی نسخوں کو نذرِ آتش کر دینا ایک اِنتہائی کوشش اور ابن مسعود کے خلاف ایک شدید موقف تھا۔ جہاں تک ابن مسعود کے علاوہ دیگر صحابہ اور اہلبیت کی بات ہے تو اُن کا کلام بعینہٖ مصحف امام کے مطابق تھا تا کہ مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف یا فرقہ واریت جنم نہ لے۔

حضرت عثمانؓ کے بارے میں ابن اَثیر (متوفی۔۶۳۰ھ) کہتا ہے: ''چنانچہ حضرت عثمان نے صحابہ کو یکجا کیا اور انہیں اپنے اِرادہ سے آگاہ کیا تو انہوں نے اسے غیر معمولی سمجھا اور اُن سب کی رائے حذیفہ کی رائے کے موافق تھی'' (الکامل۔ جلد۳۔ صفحہ۹)

قولِ جلالی: ''یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ پہلے تمام صحابہ کی رائے کچھ ہو اور اس کے بعد اُن کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے۔ جیسے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان روایتوں میں قرآنی نسخوں سے متعلق اختلافات موجود ہیں جبکہ اس سلسلہ کی کچھ نصوص پہلے بیان کی جا چکی ہیں''

بجستانی (متوفی۔۳۱۶ھ) نے حضرت عثمانؓ کے اس عمل سے متعلق اپنے اَسناد سے ایک روایت نقل کی ہے: ''میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کسی صحابی کو یہ کہتے سُنا: بہت اچھا کیا!'' (المصاحف۔ صفحہ۲۴)

اِس روایت میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کون سے صحابی تھے، مگر عملاً اور روایت کے مطابق اہلبیت **علیہم السلام** کا موقف عین مصحف امام کے مطابق تھا۔

ابن اَثیر (متوفی۔۶۳۰ھ) کہتا ہے: ''حضرت علی علیہ السلام جب کوفہ میں تشریف لائے تو ایک شخص اُن کے سامنے جا کھڑا ہوا اور حضرت عثمانؓ کی برائی کرنے لگا کہ انہوں نے مصحف کے لئے لوگوں کو یکجا کیا تو آپ چلائے اور کہنے لگے: چپ رہو! ہماری ہی کسی جماعت نے یہ کام انجام دیا ہے اور اگر جس طرح حضرت عثمانؓ کو والی مقرر کیا گیا اگر مجھے اس طرح سے والی مقرر کرتے تو میں بھی اُسی کی راہ پر چلتا'' (الکامل۔ جلد۳۔ صفحہ۹)

جس طرح کہ باب قراءات میں آگے بیان ہوگا، گو کہ اُن کی قرأت کے کچھ مخصوص طریقے تھے لیکن اس کے باوجود اہلبیت **علیہم السلام** نے مصحف امام کی مخالفت کی اجازت نہیں دی، چنانچہ اس سلسلہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''لوگ جس طرح قرأت کرتے ہیں تم لوگ بھی اُسی طرح سے قرأت کرو!'' (الوسائل۔ جلد۴۔ صفحہ۸۲۱)

ظاہراً حضرت عثمانؓ کی جمع آوری کی شدید مخالفت کرنے والے اَصحاب کوفہ تھے کیونکہ انہوں نے ہی مصحف امام کا

مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا تھا۔ ابن مسعود کے قرآنی نسخہ کے متعلق یعقوبی (متوفی-۲۸۴ھ) کہتا ہے: ''ابن مسعود کوفہ میں تھے اورانہوں نے اپنے قرآنی نسخہ کو عبداللہ ابن عامر کے حوالے کرنے سے انکار کردیا تھا جبکہ حضرت عثمانؓ نے انہیں لکھا تھا: میں اسے معیّن کرتا ہوں؛ یہ دین کوئی بوجھ ہے اور نہ ہی یہ اُمت فسادی۔ یہ مسجد میں داخل ہوئے جبکہ حضرت عثمانؓ خطاب کررہے تھے تو حضرت عثمانؓ کہنے لگے: لو تمہاری طرف ایک حیوان بدآ رہا ہے! تو ابن مسعود نے اُن سے سخت کلامی کی۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ کے حُکم پر انہیں ٹانگوں سے گھسیٹ کر لے جایا گیا کہ جس کی وجہ سے اُن کی دو پسلیاں شکستہ ہوگئیں۔ اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے کلام کیا اور انہوں نے اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا'' (**تاریخ الیعقوبی-جلد۲-صفحہ۱۷۰**)

مزید برآں یعقوبی (متوفی-۲۸۴ھ) کہتا ہے: ''ابن مسعود علیل ہوگئے تو حضرت عثمانؓ اُن کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اُن سے کہنے لگے: میں آپ کی طرف سے یہ کیا سُن رہا ہوں؟ ابن مسعود کہنے لگے: جو سلوک آپ نے میرے ساتھ روا رکھا ہے میں اُسی کا ذکر کرتا ہوں کہ آپ کے حُکم پر میرے شکم کو روندا گیا اور اب میں نماز ظہر کو صحیح طرح سے اُدا کرسکتا ہوں اور نہ ہی نماز عصر نیز آپ نے میرا وظیفہ بھی بند کردیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا: میں اپنی طرف سے اس کا ازالہ کردوں گا تو تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی کرو جیسا تمہارے ساتھ کیا گیا ہے! ابن مسعود نے کہا: میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خلفاء سے قصاص کو روا جانتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا: یہ آپ کی خدمت میں نذرانہ ہے، اسے لے لیجئے! ابن مسعود کہنے لگے: جب مجھے ضرورت تھی تو آپ نے منع کیا تھا اور اَب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے تو آپ مجھے عطا کررہے ہیں؟! مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی، لہٰذا آپ چلے جائیں! ابن مسعود مرتے دم تک حضرت عثمان سے ناراض رہے اور آپ کی نماز جنازہ عمار ابن یاسرؓ نے پڑھائی'' (**تاریخ الیعقوبی-جلد۲-صفحہ۱۷۰**)

سجستانی (متوفی-۳۱۶ھ) ابراہیم سے روایت نقل کرتا ہے: ''جب مصاحف کو پارہ پارہ کرنے کا حُکم دیا گیا تو عبداللہ نے کہا: اے لوگو! قرآن کو گلے میں لٹکا لو، کیونکہ روز قیامت انسان اپنے گلے میں لٹکائی ہوئی شے کے ساتھ حاضر ہوگا اور قیامت کے دن تم میں سے کسی بھی شخص کے لئے قرآن کیا ہی اچھا طوق (گلوبند) ہے''

نیز ابراہیم کے ذریعہ ہی اس نے عبداللہ ابن مسعود سے روایت نقل کی ہے: '' **و من یغلل یأت بما غل یوم القیامۃ.** اور جو شخص خیانت کرکے کوئی چیز لے لیگا تو قیامت کے دن وہی چیز (بعینہٖ) اُسے حاضر کرنی ہوگی۔ (سورۂ آل عمران-آیت ۱۶۱) اپنے قرآن کو گلے میں حمل کرلو۔ تم لوگ کیونکر مجھے یہ حُکم دیتے ہو کہ میں زید کی قرأت کو اپناؤں جبکہ میں نے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زُبانی ستر سے بھی زائد سورتیں قرأت کی ہیں اور زید کی تو دو چوٹیاں ہیں کہ وہ بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے'' (**المصاحف-صفحہ۱۵**)

ابن اثیر (متوفی-۶۳۰ھ) اضافی طور پر کہتا ہے: ''سوائے کوفیوں کے ہر شخص اس کارنامہ کی اہمیت سے واقف تھا۔ چنانچہ جب ان کے سامنے قرآنی نسخہ پیش کیا گیا تو اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوگئے جبکہ عبداللہ کے ساتھی اور اُن کی حمایت کرنے والوں نے اس سے انکار کردیا اور لوگوں کی برائی کرنے لگے، پس ابن مسعود اُن کے درمیان کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے: یہ سب نہیں چلے گا! بخدا، تم لوگ حد سے بہت آگے بڑھ گئے ہو تو جس بات پر قادر نہیں اُس سے باز رہو!'' (الکامل - جلد۳- صفحہ۹)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن مسعود کا قرآنی نسخہ حجاج ابن یوسف ثقفی (متوفی-۹۵ھ) کے دور میں عام تھا، کیونکہ ابن اثیر (متوفی-۶۳۰ھ) کا کہنا ہے: ''عاصم ابن بہدلہ کہنے لگا: میں نے حجاج کو یہ کہتے سنا کہ جس قدر استطاعت ہے اللہ سے تقویٰ اختیار کرو کہ بخدا اس کا اجر دیا جائے گا اور سنو، اطاعت کرو اور اپنی بہترین شے کو راہِ خدا میں خرچ کردو کہ اس میں کوئی ثواب واجر (کی امید) نہ ہو۔ خدا کی قسم، اگر میں تم لوگوں کو اس دروازہ سے باہر نکل جانے کا حکم دیتا اور تم لوگ اس سے باہر چلے جاتے تو تمہارا خون مجھ پر حلال تھا۔ میں کسی کو نہ دیکھوں کہ وہ ابن اُم عبد -یعنی ابن مسعود- کے طریقہ پر قرأت کرے ورنہ میں اُس کی گردن ماردوں گا اور میں اُس کی گردن کو مصحف سے تراشوں گا چاہے سؤر کی پسلی کے ذریعہ۔ اس بات کا ذکر اَعمش کے سامنے کیا گیا تو وہ کہنے لگا: میں نے بھی اُسے یہ کہتے سنا تھا تو میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں اسی طریقے سے قرأت کرکے تم کو ذلیل ورسوا کروں گا'' (الکامل - جلد۴- صفحہ۲۸۵)

خُلاصہ

خلیفہ سوم کے حکم کے مطابق اس میں کوئی شک نہیں کہ اُن کا دور ایک جدید دور تھا جو دیگر تمام قرآنی نسخوں کے جلا دیئے جانے کا موجب بنا اور اس طرح صرف ایک مصحف حاصل ہوا۔ لیکن، روایتوں سے یہ افادہ حاصل نہیں ہوتا کہ ان قرآنی نسخوں میں موجود اختلافات نص قرآنی سے متعلق تھے، بلکہ صورت حال اس کے برعکس ہے یعنی انہی روایتوں میں غور وخوض سے پتا چلتا ہے کہ وہ نص قرآنی جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کیا گیا ان تمام نسخوں میں یکساں ہے اور اختلافات کا تعلق یا قرأت سے ہے یا پھر تفسیر سے۔ نیز خلیفہ سوم کے دور میں قرآن کے جدید نسخے تحریر کئے گئے اور اس نقل الفاظ میں اپنی ذاتی رغبت کی بناء پر پہلے دونوں خلفاء کے قرآنی نسخوں پر تکیہ کیا گیا، اس لئے نہیں کہ ان دیگر قرآنی نسخوں کی نص قرآنی میں کوئی اختلاف پایا جاتا تھا۔ صحیح بخاری کی روایت اس کی واضح دلیل ہے: ''یہاں تک کہ انہوں نے مصاحف سے قرآن کو دفتروں میں لکھ کر انہیں حضرت عثمانؓ کے حوالے کردیا تو آپ نے لکھے گئے نسخوں میں سے ہر جانب

ایک نسخہ ارسال کیا جبکہ ان کے علاوہ ہر صحیفہ اور مصحف کو نذر آتش کرنے کا حکم جاری کیا'' چنانچہ اس جملہ ''انہوں نے لکھا'' کے مفہوم میں غور وفکر سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ اُن کا عہدہ فقط ایک کاتب کا سا تھا۔ مذکورہ روایت میں جو بات اس چیز کی دلیل ہے کہ ان نسخوں میں اختلافات کا تعلق تفسیر سے تھا وہ یہ ہے: ''تو حذیفہ نے قرأت کے سلسلہ میں اُن کے اختلافات کی طرف توجہ دلائی'' لہٰذا نصِ قرآنی میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور قرأت سے مراد نص کو تلفظ کرنا یعنی اُس کا لہجہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ابوموسیٰ نے جس قرآن کو یکجا کیا تھا تمام مسلمان اُسے "لباب القلوب" سے موسوم کرتے تھے کیونکہ مسلمان قوم قرآن کو قرآن کے علاوہ کوئی اور نام دینے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ اس نام کا انتخاب اس بات کی بہت ہی واضح دلیل ہے کہ یہ محض قرآن نہیں تھا، بلکہ اس میں قرآن کے ساتھ ساتھ اشعری کی رائے یا اُس کی روایتوں کے مطابق آیتوں کی تفسیر بھی کی گئی تھی اور یہی سبب تھا کہ ابن مسعود نے اس کی مخالفت میں کہا تھا: ''کوئی سورت نازل نہیں ہوئی مگر میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی'' کیونکہ یہ تعلیل صرف تفسیر ہی کے لئے مناسب ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوجاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے اس عمل کو کہ انہوں نے بہتیرے قرآنی نسخہ تیار کروائے ایک گروہ نے سراہتے ہوئے یہ کیوں کہا تھا: ''اگر حضرت عثمانؓ قرآن کو تحریر نہ کرتے تو لوگ شعروشاعری پڑھتے نظر آتے'' (المصاحف۔ صفحہ ۱۳)

چنانچہ ان لوگوں کا باہمی اختلاف قرآن کی جمع آوری سے متعلق نہیں تھا، بلکہ اُن کا اختلاف کتابت قرآن اور لوگوں کے درمیان اس کی نشرو اشاعت میں تھا تاکہ لوگ کسی اور چیز میں مشغول نہ ہوجائیں۔

صحابہ اور اہلبیتؑ کا موقف

تین صحابیوں کو حاکمیت کا موقع ملا اور ان کے احکام سے پتا چلتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے معاشرہ میں قرآنی نسخوں میں اضافہ کی کوششیں کیں تاکہ خدمت قرآن کے سلسلہ میں اُن کے دَور کے آثار باقی رہیں، جس طرح سے کہ ہمارے زمانے میں بھی صاحبان اقتدار معاشرہ میں قرآن کی طباعت و اشاعت کا اہتمام اسی غرض سے فرماتے ہیں۔ البتہ پہلے دو خلفاء کی نسبت تیسرے خلیفہ کو اس سلسلہ میں زیادہ کامیابی کے ساتھ تحقیق کرنے کا موقع ملا۔

یہ تو طبیعی اَمر ہے کہ حضرت عثمان کا دیگر تمام قرآنی نسخوں کو نذر آتش کرنے کا شدید عمل کسی سیاسی سبب سے تھا کہ جس کے نتیجہ میں صحابہ میں سے اس عمل کی تائید اور مخالفت کرنے والوں کے ردِ عمل سامنے آئے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تائید کرنے والوں اور مخالفین کے موقف کی تعلیل میں بھی غور وفکر سے کام لیا جائے۔

ابن قیس مازنی کا قول نقل کرتے ہوئے بجستانی کہتا ہے: ''اگر عثمانؓ قرآن کو تحریر نہ کرتے تو لوگ شعروشاعری

پڑھنا شروع کر دیتے'' ابومجار بھی کہتا ہے: ''اگر عثمانؓ قرآن کو تحریر نہ کرتے تو لوگ شعر وشاعری پڑھتے دکھائی دیتے'' (صفحہ ۱۳)

مخالف روایتیں عبداللہ ابن مسعود پر منتہی ہوتی ہیں کہ جنہوں نے اپنے غصہ کا اظہار یہ کہہ کر کیا تھا: ''اس کا متولی وہ شخص ہے کہ بخدا جب میں نے اسلام قبول کیا تو وہ اپنے کافر باپ کی صلب میں تھا (یعنی زید ابن ثابت)'' نیز وہ علی الاعلان کہتے تھے: ''اے کوفہ کے رہنے والو! اپنے پاس موجود قرآنی نسخوں کو پوشیدہ کردو'' (المصاحف۔ صفحہ ۱۷)

ابن کثیر کی کتاب النھایۃ کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۵۴ پر ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ جس میں ابن مسعود اپنی مخالفت کی علّت کچھ اس طرح سے پیش کرتے ہیں: ''اُس ذات کی قسم کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی سورت نازل نہیں ہوئی مگر میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر میں جانتا ہوں کہ اس کی شانِ نزول کیا ہے'' ابن مسعود کے اپنے قرآنی نسخہ پر اس قدر اصرار کے باوجود تاریخ نے اُن کے کسی نسخہ کو محفوظ نہیں رکھا۔

حضرت علی علیہ السلام کا یہ موقف بھی اُن کے دیگر مواقف کی مانند تھا، یعنی ایسا موقف جو ہمہ وقت اتحاد بین المسلمین اور نصِ قرآنی کی سلامتی کا تقاضا کرتا ہے۔ نیز حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں قرأت میں اختلاف واقع ہونے کی صورت میں بھی آپؑ کا اپنا ایک موقف ہوتا تھا اور اس کی تفصیل گزر چکی۔

اہلبیت علیہم السلام اور بالخصوص حضرت علی علیہ السلام جو بچپن میں اعلانِ ایمان سے وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تک اُنؐ کے ساتھ رہے اور ہمہ وقت کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی حفاظت کرتے رہے کا موقف یہ تھا کہ وہ ان تمام تر کوششوں کے ساتھ ساتھ رہے اور اُن سے نصِ قرآنی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ نیز دیگر صحابیوں کی طرح آپؑ کے پاس بھی اپنا ایک جمع شدہ قرآنی نسخہ تھا، البتہ آپؑ کے نسخہ کو یہ امتیاز حاصل رہا کہ بعض روایتوں کے مطابق نزول کے اعتبار سے اُس کو ترتیب زمانی کے مطابق مرتب کیا گیا تھا جس طرح سے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس بھی اُنؑ کا ایک خاص قرآنی نسخہ تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کے قرآنی نسخوں میں موجود اختلاف جیسے ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ ابن مسعود کے قرآنی نسخوں کا باہم مختلف ہونا نصِ قرآنی کے ساتھ اضافہ شدہ تفسیر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے تھا اور یہی سبب تھا کہ امام علی علیہ السلام نے تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ نصِ قرآنی سے پیوستہ رہیں، چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں: ''جس طرح سے تم لوگوں کو سکھایا گیا ہے اُسی طرح قرأت کرو!'' (الطبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۴) اور آج تک اہلبیتؑ کا ہر فرد اسی روش پر گامزن ہے۔

لحن مصحف امام

سجستانی (متوفی۔ ۳۱۶ھ) نقل کرتا ہے: ''حضرت عثمانؓ کہتے تھے: قرآن میں صرف ایک لحجہ پایا جاتا ہے جبکہ

عنقریب عرب اس کی اساس اپنے اپنے لہجوں پر قائم کریں گے'' (المصاحف۔ صفحہ ۳۱)

فطری بات ہے کہ ''قرآن میں صرف ایک لہجہ ہے'' کہہ کر خلیفہ ثالث کا مقصود نص قرآنی پر تنقید کرنا نہیں تھا، بلکہ خاص طور سے اُن کی مراد مصحف امام تھی اور یہ اُن کے اپنے عمل کا از خود پہلا ردِّ عمل ہے۔ نیز ظاہراً اس کے علاوہ تو اُن کا کوئی مقصود نہیں کہ جس عمل کو انہوں نے انجام دیا ہے وہ اس قدر کامل نہیں کہ جس طرح سے وہ چاہتے تھے کیونکہ مطلق کمال تو صرف ذات خدا ہی کو حاصل ہے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ اس لہجہ کی کسی قسم کی طرف متوجہ تھے تو اسے معیّن کیوں نہیں کیا؟ یا پھر اُس کا استیصال کرنے (بیخ کنی) کی کوشش کیوں نہیں کی؟ ظاہراً اس کا جواب یہی ہے کہ لہجہ کی یہ قسم انہیں نص قرآنی کی سلامتی کے لئے ضرر رساں محسوس نہیں ہوئی جبکہ بظاہر یہ موقف ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ انہوں نے خودساختہ اختلاف کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا جبکہ مفروض تو یہ ہے کہ --اُن روایتوں کے مطابق جو جمع عثمانی کی صورت پیش کرتی ہیں-- یہ اختلافی مادّہ کی بیخ کنی کے لئے عمل میں آیا۔

حضرت عثمانؓ کے کلام میں جو چیز غور و فکر کی دعوت دیتی ہے وہ اُن کا لفظ لحن کا استعمال کرنا ہے کہ جس سے اُن کی مراد مخصوص لہجے ہیں اور یہیں سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا ہدف محض نص قرآنی کی کتابت تھی تا کہ تمام مسلمانوں کے درمیان ایک رسمی عبارت کا تعین ہو جائے جبکہ اُن کا مقصد قرائتی طریقے نہیں تھے یعنی ان کی غرض وحدت نص تھی وحدت قرائت نہیں۔

جہاں تک مزاج لحن کی بات ہے تو اس سلسلہ میں طائی سے نقل کرتے ہوئے بجستانی (متوفی۔۳۱۶ھ) کہتا ہے: ''جس وقت حضرت عثمانؓ کے پاس مصحف لایا گیا تو انہیں اُس میں ایک قسم کا لہجہ نظر آیا تو وہ کہنے لگے: اگر املاء کروانے والا قبیلہ ہذیل سے ہوتا اور کاتب قبیلہ ثقیف سے تو اس میں ایسی چیز نہ پائی جاتی'' (المصاحف۔ صفحہ ۳۳)

اس روایت میں تو قبیلہ ہذیل کے املاء اور قبیلہ ثقیف کی کتابت کو ترجیح دی گئی ہے جبکہ اس فضیلت کا کوئی سبب نہیں معلوم اور عام طور سے مختلف قبیلوں میں صرف لہجوں کا فرق پایا جاتا تھا نہ کہ کتابت کا اور وہ بھی غالباً اس لئے کہ یہ قبائل بے پڑھے لکھے تھے اور اگر کتابت میں لحن پایا جاتا تو ہر املاء کرنے والے اور کاتب کے ایک ساتھ کام کرنے پر اس قسم کی غلطی پائی جاتی، کیونکہ عام طور پر کاتب املاء کروانے والے کے اشارہ پر چلتا ہے اور اس علّت کے پیش کرنے سے کہ کاتب اور املاء کروانے والے کے قبیلہ مختلف تھے لحن دُور نہیں ہو جاتا، بلکہ لحن تو اُس وقت دُور ہوتا کہ اگر دونوں ایک ہی قبیلہ سے ہوتے اور اُن دونوں کے درمیان باضابطہ مفاہمت ہو جاتی۔ بہر حال، بجستانی کی روایت نے لحن کے چار حروف مشخص کئے ہیں:

وہ کہتا ہے: ''سعید ابن جبیر سے منقول ہے: قرآن میں چار حروف میں لحن پایا جاتا ہے: ﴿والصابئون﴾ (سورۂ مائدہ- آیت ۶۹) ﴿والمقیمین﴾ (سورۂ نساء- آیت ۱۶۲) ﴿فاصّدق و اکن من الصالحین﴾ (سورۂ منافقون- آیت ۱۰) اور ﴿اِنّ ھذان لساحران﴾ (سورۂ طٰہٰ- آیت ۶۳)

ایضاً: ابوخالد سے مروی ہے: ''میں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ ﴿لٰکن الراسخون فی العلم منھم المؤمنون یؤمنون بما اُنزل الیک و ما اُنزل من قبلک والمقیمین الصلوٰۃ والمؤتون الزکوٰۃ﴾ (سورۂ نساء- آیت ۱۶۲) میں ماقبل اور مابعد جملوں کو مرفوع (پیش کے ساتھ) کیوں لکھا گیا ہے جبکہ یہ تو مفتوح (زبر کے ساتھ) ہونے چاہئیں؟ حضرت عثمانؓ کہنے لگے: لکھ دوں؟ ابوخالد نے کہا: المقیمین الصلوٰۃ لکھو! چنانچہ انہوں نے وہی لکھا کہ جو اُن سے کہا گیا۔ (المصاحف- صفحہ ۳۳)

مذکورہ بالا روایت کے مطابق ان آیات میں موجود لحن کو اعراب سے مختص کیا گیا ہے لہٰذا اس روایت کو معتبر نہیں جان سکتے کیونکہ اعراب حضرت عثمانؓ کے بعد کے دور میں لگائے گئے اور یہ تو عہد رسالت اور نزول قرآن کے بھی بعد کا عرصہ تھا۔ چنانچہ نص قرآنی کا موازنہ بعد میں وضع کئے گئے قواعد سے کرنا کسی طور صحیح نہیں۔ اب اس کا حل یہی ہے کہ یا تو علم نحو (عربی گرامر) کے قوانین کے مطابق ان کی وہ توجیہات پیش کی جائیں جنہیں ماہرین علمِ نحو نے بیان کیا ہے یعنی صفت و موصوف کے قواعد یا پھر یہ رائے قائم کی جائے کہ قرآن کا یہ اُسلوب اعراب اور عربی گرامر کے قواعد میں تحقیق اور اُن کے متعین کرنے سے پہلے کا ہے اور یہی قرآن کے اصلی ہونے اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ قرآن کریم بعد میں قائم کئے گئے نظریات کی زد پہ نہیں رہا، کیونکہ عربی گرامر کے اُصول وضوابط کو روایت شدہ عربی زبان سے اخذ کیا گیا ہے اور ان میں سے کوئی اُصول بھی نص قرآنی سے زیادہ معتبر نہیں۔ نص قرآنی میں پائے جانے والی مختلف وجوہات کو آپ غلط یا لحن سے موصوف نہیں کر سکتے کیونکہ انہیں کتابت اور صَرف ونحو کے قواعد کو مقرر کرنے سے پہلے ہی لکھ لیا گیا تھا۔ پس کتابت اور صَرف ونحو کے بعد میں وضع کئے گئے قوانین کو اُس چیز کا معیار قرار دینا جو تاریخی طور پر ان سے پہلے موجود تھی ممکن نہیں۔

بجستانی (متوفی- ۳۱۶ھ) نے حضرت عثمانؓ کے مصحف اور مصحفِ مدینہ میں مندرجہ ذیل اختلافات بیان کئے ہیں:

۱۔ (مصحف عثمان) یسلون عن انبائکم (سورۂ اَحزاب- آیت ۲۰) سؤال کو بغیر اَلف کے لکھا ہے۔

۲۔ (مصحف عثمان) و قلن حاشی للہ (سورۂ یوسف- آیت ۳۱) اُس میں اَلف نہیں ہے۔

۳۔ (مصحف مدینہ) آذو موسیٰ (سورۂ اَحزاب- آیت ۶۹) اس میں واؤ کے بعد اَلف نہیں ہے۔

۴۔ (مصحف عثمان) لتربو (سورۂ روم- آیت ۳۹) تحریر میں الف موجود نہیں ہے۔

۵۔ (مصحف مدینہ) اللؤلؤا - قرآن میں جہاں کہیں آیا اسی طرح سے لکھا گیا ہے۔ وہ لوگ اس کلمہ میں آخری واؤ کے بعد الف بھی لکھتے تھے۔

۶۔ (مصحف مدینہ) اِن ھذان لساحران ، و اِن ھذین لساحرین (سورۂ طٰہٰ- آیت ۶۳) اس آیت کی قرأت میں الف اور یے کے ساتھ پڑھنا یکساں ہے۔

۷۔ الصابئون (سورۂ مائدہ- آیت ۶۹) شاید اہل مدینہ نے واؤ کی بجائے یے لکھ دیا ہے: الراسخون (سورۂ نساء- آیت ۱۶۲)

۸۔ فسال بنی اسرائیل (سورۂ اسراء- آیت ۱۰۱) مالک کا کہنا ہے کہ اس مقام پر ہجے کرتے ہوئے فَ- سین- لام لکھ دیا ہے جیسے انہوں نے قالَ کو قاف-الف-لام لکھ دیا تھا۔ (المصاحف- صفحہ ۱۰۵)

عرضِ مؤلف: ایسا لگتا ہے کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ نے لحن کا لفظ مذکورہ بالا موارد کے لئے ہی استعمال کیا تھا۔ چنانچہ اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ کتابت میں لحن پایا جاتا ہے تب بھی شروع کے پانچ موارد کی قرأت میں تو یہ اثر انداز نہیں ہوگا اور جہاں تک آخری چند موارد کا تعلق ہے تو بظاہر یہ وکیع اور عکرمہ کی کوششیں ہیں کہ اس طرح سے انہوں نے قرائات کی توجیہ پیش کی ہے۔ اس بناء پر لحن کے موارد پانچ سے متعلق ہوں گے کہ ان سے نص قرآنی کے معنٰی میں کوئی فرق نہیں آئے گا کیونکہ عرب اپنے اپنے لہجوں سے قرأت کرتے ہیں۔

قرآن میں مستعمل رسم الخط

قرآنی معاشرہ میں عربی رسم الخط سے ہر کوئی واقف تھا اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ایسے اِشارات ملتے ہیں جو رسم الخط کا تقاضا کرتے ہیں، جس طرح کہ قرأت، قلم، صُحُف (صحیفہ کی جمع)، قرطاس، مداد (روشنائی)، سِجِل (دفتر) اور کتاب جیسے الفاظ بے شمار آیتوں میں استعمال کئے گئے ہیں؛ عرب معاشرہ کی مشہور و معروف جاہلیت میں بھی لوگ عربی رسم الخط سے ناواقف نہیں تھے، بلکہ اُن کی جہالت اُن کے رہن سہن، عقیدہ اور اُن کے معاشرتی عادات و اَطوار میں نمایاں تھی، البتہ عربی رسم الخط کی ابتداء سے متعلق مختلف نظریات اور روایتیں پائی جاتی ہیں:

ابن ندیم (متوفی- ۳۸۰ھ) کہتا ہے: "اس بابت لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ عربی رسم الخط کا مُوجد کون ہے؟ ہشام کلبی کہتا ہے: سب سے پہلے جس نے اسے وضع کیا وہ عرب کی ایک فصیح اللسان قوم تھی جو عدنان ابن اُد کے پاس فروکش ہوئی تھی اور اُن کے نام یہ ہیں: ابوجاد، ہواز، حطی، کلمون، صعفص اور قریسات؛ یہ ابن کوفی کا خط ہے کہ انہوں نے اسی

شکل و اعراب سے اُن کے ناموں کے مطابق کتاب وضع کی اور اُس کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ان کے ناموں میں عربی کے یہ حروف موجود نہیں ہیں: ث، خ، ذ، ظ، ض، غ؛ چنانچہ انہوں نے ان حروف کا نام رَوادِف رکھ دیا۔ مزید کہتا ہے: یہ لوگ مدین کے بادشاہ تھے اور نبیٔ خدا حضرت شعیبؑ کے زمانہ میں عذاب والے دن یہ لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ **(الفہرست۔ صفحہ ۲۹)**

ہشام (متوفی۔ ۲۱۳ھ) کی وہ روایت بھی اسی مطلب کی وضاحت کرتی ہے کہ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد اَمجد حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے اُس قول کو بیان کیا گیا ہے جو آپ نے اپنی اَولاد سے کہا تھا: ''تم میں سے ہر شخص ایک پیالہ لے اور اُس میں اپنا نام لکھ کر میرے پاس لے آئے تو انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ پیالے اُن کے پاس لے آئے'' **(سیرت ابن ھشام۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۵۱ و ۱۵۲)**

اس سے پتا چلتا ہے کہ نبیؑ کے جد اَمجد حضرت عبدالمطلب کہ جن کی وفات عام الفیل کے آٹھ سال بعد ۵۷۱ء میں ہوئی کتابت جانتے تھے اور اُن کی اَولاد اُن کی کتابت کو سراہتی تھی۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ سیرت کے مطابق حضرت عبدالمطلب کے والد ہاشم کے بارے میں کہا جاتا ہے: ''یہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قریش کے لئے دو سفروں کی بنیاد رکھی: ایک سفر جاڑا میں تو دوسرا گرمی کے موسم میں'' (السیرۃ۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۳۶) یعنی یہ دو سفر تھے کہ موسم سرما میں یمن کی جانب سفر کیا جاتا تھا اور گرمی کے موسم میں شام کی جانب سفر کیا جاتا تھا اور فطرتاً متمدن ممالک کی جانب سفر کرنے سے ان ممالک کا تمدن ان کے مسافروں پر بھی اَثر اَنداز ہوتا ہے جبکہ کتابت تمدن کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔

کتاب و کتابت سے متعلق قرآن کے مفرد کلمات کا پہلے ہی سے عام ہونا عربی کتابت کے قدیم ہونے کی دلیل ہے اور اُن روایتوں کے منافی ہے جو کہتی ہیں کہ عربی رسم الخط کو زمانۂ نبیؐ سے صرف ایک یا دو دَور پہلے ہی وضع کیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک روایت سجستانی (متوفی۔ ۳۱۶ھ) بیان کرتا ہے: ''شعبی سے مروی ہے کہ میں نے مہاجرین سے دریافت کیا کہ تم لوگوں نے کتابت کہاں سے سیکھی؟ تو وہ کہنے لگے: حیرہ کے باشندوں سے۔ نیز ہم نے اہالیانِ حیرہ سے بھی دریافت کیا تھا کہ تم لوگوں نے کتابت کہاں سے سیکھی تو وہ کہنے لگے: اَنباریوں سے۔

اَیضاً: ہشام ابن محمد ابن سائب سے مروی ہے: اکیدر دومہ ہی اکیدر ابن عبدالملک کندی ہے اور اُس کا بھائی بشر ابن عبدالملک ہے کہ جسے اَنبار کے باشندوں نے ہمارا موجودہ رسم الخط تعلیم کیا۔ چنانچہ بشر نے مکہ کی طرف کوچ کیا اور وہاں اُس نے صہباء بنت حرب ابن اُمیہ سے شادی کی اور اس سے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ کہتا ہے: ہشام ابن محمد نے مجھ سے کچھ مختلف بات بیان کی ہے کہ ہمارے موجودہ خط کا نام ''جزم'' ہے اور سب سے پہلے لکھا جانے والا کلمہ ''ببقہ'' تھا کہ

اسے طی قبیلہ کی ایک قوم نے لکھا؛ اُن کا کہنا تھا کہ یہ لوگ بولان سے تعلق رکھتے تھے جبکہ شرقی کا کہنا ہے کہ یہ مرامر ابن مرہ اور سلمہ ابن حزرہ ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اس کتاب کو وضع کیا۔ (ہشام کہتا ہے: یہ وہ شخص ہے جو حُجر ابن عدی کے قتل پر معاویہ پر غضبناک ہوا تھا) [المصاحف۔ صفحہ۴]

ابن خلدون (متوفی۔۸۰۸ھ) کا کہنا ہے: ''بادشاہانِ یمن کے دور میں خط عربی انتہائی مستحکم ہو چکا تھا کہ ان اَدوار میں تمدن اپنے عروج پر تھا اور لوگ خوش حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اسی کو ''خط حمیری'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان سے یہ خط حیرہ کی طرف منتقل ہوا، کیونکہ وہاں آل منذر کی حکومت تھی جو عصبیت میں بادشاہانِ یمن ہی کے خاندان سے تھے جنہوں نے عراق کی سرزمین پر ملک عرب کی تجدید کی اور ان کے ہاں کا رسم الخط اس قدر خوشخط نہیں تھا جیسے شاہانِ یمن کے ہاں کا تھا، کیونکہ ان دونوں حکومتوں میں فرق تھا۔ اس لئے کہ تمدن اور اس کے متعلقات میں جو مہارت یمنی لوگوں کو حاصل تھی دوسرے لوگ اس سے قاصر تھے۔ اسی طرح یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حیرہ سے طائف کے رہنے والوں اور قریشیوں نے اس خط کی تعلیم حاصل کی جبکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حیرہ سے تعلیم حاصل کرنے والا سفیان ابن اُمیہ تھا۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حرب ابن اُمیہ تھا اور اُس نے یہ تعلیم اسلم ابن سدرہ سے حاصل کی تھی جبکہ زیادہ امکانات بھی اسی بات کے پائے جاتے ہیں'' (المقدمۃ۔ صفحہ۴۱۸)

یقیناً میثاق صلح اور خط و کتابت کی اَشد ضرورت کی بناء پر کتابت نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں ہی صحیح معنیٰ میں ارتقائی منازل طے کئے ہوں گے کیونکہ اُس وقت کے ارتقائی حالات کا یہی تقاضا تھا؛ نیز یہ بات نص قرآنی میں واضح طور پر موجود ہے: یا ایھا الذین آمنوا اِذا تداینتم بدَین اِلیٰ اَجلٍ مسمیً فاکتبوہ ولیکتب بینکم کاتبٌ بالعدل۔ اے صاحبانِ ایمان! جب تم کسی مقررہ مدت تک کے لئے ایک دوسرے کو قرض دو تو اُسے لکھ لیا کرو اور کاتب کو چاہئے کہ انصاف کے ساتھ (ٹھیک ٹھیک) لکھے۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۸۲) لہٰذا اگر کتابت عام نہ ہوتی تو اس حکم کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم از خود زُبانی طور پر کتابت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''علم کو کتاب میں بند کرلو'' (صبح الاعشی۔ جلد۱۔ صفحہ۳) جبکہ عملی طور پر آپؐ نے اپنے وقت کے حُکام کو خطوط لکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی اور ان خطوط پر اپنی مہر بھی ثبت کی تھی کہ ان میں سے ایک خط آپؐ نے مقوقس حاکم مصر کو لکھا تھا۔ اس کے علاوہ آپؐ نے بدر میں اَسیر کئے گئے قریشیوں کا یہ فدیہ مقرر کیا تھا کہ اُن میں سے ہر ایک بیس مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھادے۔ (طبقات ابن سعد۔ جلد۲۔ صفحہ۱۴)

اسی طرح سے بعض منسوبہ خطوط کتابت کے ارتقاء سے پردہ اُٹھاتے ہیں کہ اُن میں سے ایک وہ خط ہے جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصر کے ایک عیسائی بادشاہ کے نام لکھا اور یہ توپ کاپی کے عجائب گھر۔ استنبول میں محفوظ ہے۔ یہ خط مصر میں اخیم کے قریب ایک عبادت خانہ سے ۱۸۵۰ء میں ملا۔ اس کا حجم ۴۲ اعشاریہ ۵×۳ سینٹی میٹر ہے۔ (أصل الخط العربی و تطوّرہ۔ صفحہ ۹۰)

شکستہ تحریروں کی تحقیق میں مشغول ایک خاتون کا کہنا ہے: ''اس دستاویز میں کچھ ایسے کلمے پائے جاتے ہیں کہ جن کو آسانی پڑھا نہیں جاسکتا؛ نیز اگر بیشتر تاریخی مآخذ میں اس کا تذکرہ نہ کیا گیا ہوتا تو سوائے اس کے کچھ حصہ کے کسی کے لئے بھی اس کو پڑھنا ممکن نہ ہوتا''

اس کے علاوہ وہ کہتی ہے: ''اس کے واضح حروف میں ہمیں کوئی نمایاں اختلاف نہیں ملتا، کیونکہ اُس دور میں لوگ اس کے عادی ہو چکے تھے، البتہ چند ایک کلمات کی کتابت کے طریقہ میں کچھ فرق پایا جاتا ہے اور انہی میں سے ایک کلمہ "الـکـتـاب" ہے جو اُس دور کے رسمی طریقہ سے ہٹ کر ہے، کیونکہ اُس زمانہ میں درمیانی الف کو قلم انداز کر دیا جاتا تھا جیسے ۳۱ ھ سے قبل کے شواہد میں "الکتب" ملتا ہے۔

ایک اور چیز کہ جس کی جانب اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے بعض کلمات کے حروف کا درمیانی فاصلہ ہے اور ان متفرق فاصلوں میں وہ خلا ہے جو اس دستاویز میں پایا جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ کلمہ "یدعوک" میں کاف کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے اور اسی کلمہ کے واؤ کا درمیانی فاصلہ بھی اس قدر زیادہ ہے کہ دو حرفوں کا درمیانی فاصلہ اس پر بالکل اثر انداز نہیں ہُوا۔ یہی صورت حال لفظ "بـدعایة" اور "الإسلام" کا ہے۔ بلکہ لفظ "أجرک" کے کاف اور جیم کا بھی یہی حال ہے کہ اس کلمہ میں صرف حرف "رے" کے درمیانی فاصلہ کا خیال رکھا گیا ہے۔ اسی طرح سے لفظ "بینکم" کا حرف واؤ کی متوسط سطح سے اُوپر ہونا ہمیں یہ تصور دیتا ہے کہ یہ ان کے متفرق ہونے کی وجہ سے اُوپر ہو گیا ہے۔ (أصل الخط العربی۔ صفحہ ۹۱)

اس خط کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶۲۷ء میں تحریر کیا اور حاطب ابن ابی بلتعہ کے ہاتھوں اسکندریہ میں مصر کے عیسائی بادشاہ مقوقس کو ارسال کیا۔

اس کو ایک فرانسیسی شخص مسمّی بارسلیمیہ نے مصر میں اخمیم کے گرجے میں ۱۸۵۰ء میں دریافت کیا جو ایک قدیم قبطی انجیل کے غلاف سے ملحق تھا۔ جب اُسے اس بات کا پتا چلا کہ یہ خط نبی خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے تو اُس نے اس خط کو حاکم وقت عبدالمجید عثمانی کے سامنے پیش کر دیا کہ جس نے اس کو سنہری چوکھٹے میں محفوظ کرنے کا حکم جاری کیا اور پھر

اس کو ایک خالص سونے سے تیار کیے گئے صندوقچہ میں رکھا جسے پُرکشش سجاوٹوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔

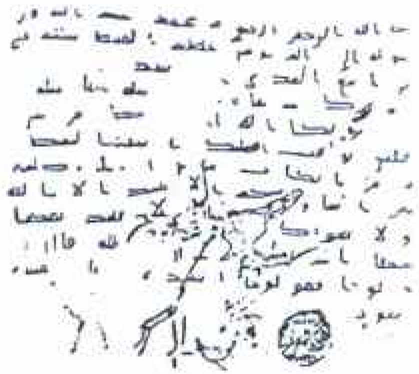

صورة كتاب النبي ﷺ إلى المقوقس عظيم الأقباط في الإسكندرية محفوظة في متحف طوبقابو - استانبول

☆ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اُس خط کا عکس جو آپؐ نے اسکندریہ میں بادشاہِ مصر مقوقس کو ارسال کیا تھا یہ خط توپ کاپی عجائب گھر، استنبول - ترکی میں محفوظ ہے۔

☆ مکی رسم الخط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا وہ عکس جسے ابن ندیم (متوفی - ۳۸۰ھ) نے پیش کیا۔

جھلّی پر تحریر شدہ اس خط کا حجم ۳۲ اعشاریہ ۵×۳۰ سینٹی میٹر ہے جبکہ اس کا وسطی حصہ کچھ حد تک ضائع ہو چکا ہے اور اسے توپ کاپی کے عجائب گھر کے شعبہ ''الأمانات المقدسه'' میں رکھا گیا ہے جس کی بنیاد ۱۴۷۸ء بمطابق ۸۸۳ھ میں سلطان محمد فاتح کے حکم پر رکھی گئی۔

سلطان یاووز سلیم کے مصر کو فتح کرنے کے بعد تمام اسلامی امانتوں کو تحویل میں لے لیا گیا تھا اور اب تک ان کی حفاظت کی جارہی ہے۔ (منجانب منشورات وزارت اطلاعات وسیاحت، ترکی - استنبول ۱۹۶۶ء)

خط کی اَصل عبارت

”بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله و رسوله إلى المقوقس عظيم القبط سلام علىٰ من اتبع الهدى . أما بعد فانى أدعوک بدعاية الإسلام أسلم تسلم يؤتک الله أجرک مرتين فإن توليت فعليک اثم كل القبط يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا و بينكم أن لا نعبد إلا لله ولا نشرک به شيئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً أرباباً من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون

محمد رسول الله“

ترجمہ

”شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول محمد کی طرف سے بادشاہِ مصر کے نام؛ ہدایت کی اتباع کرنے والے پر سلامتی ہو۔ اَمّا بعد، بلاشبہ میں تمہیں اعلانِ اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرلو تاکہ سلامت رہو اور اللہ تم کو دُگنا اجر دے جبکہ اگر تم نے روگردانی کی تو ہر قبطی کا گناہ تمہارے سر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ہمارے اور تمہارے درمیان مشترکہ بات کی طرف قدم بڑھاؤ یعنی سوائے اللہ کے نہ ہم کسی کی عبادت کریں اور نہ کسی شے کو اُس کا شریک گردانیں اور نہ ہی خدا کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو اپنا پروردگار بنالیں۔ تو اگر تم لوگ آمادہ ہو تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہنا کہ ہم لوگ مسلمان ہوگئے۔

اللہ کا رسول، محمد“

(منشورات الخط العربی فی البصرة- صفحہ ۳۱۸)

ابن ندیم (متوفی-۳۸۰ھ) کہتا ہے: ”سب سے پہلا عربی رسم الخط مکی ہے، اس کے بعد مدنی، اس کے بعد بصری اور اس کے بعد کوفی۔ مکی اور مدنی رسم الخط کے الف لکھنے میں داہنے ہاتھ اور انگلیوں کے اُوپری حصہ میں جھکاؤ پیدا ہوتا ہے جبکہ ان کی صورت میں تھوڑا سا خم پایا ہے“

اس قول کے مطابق عربی رسم الخط نے مکہ، مدینہ، بصرہ اور کوفہ تک کا سفر طے کیا تھا اور یہ بات اس کے متعلق ہمارے نظریہ کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ اسلام ہی نے ان اَقسام کو عام کیا تھا جبکہ مراسم تمدن کے اعلیٰ ترین رسم الخط نے ارتقائی منزلیں طے کیں اور اس سفر میں اسلام اس کا ہمسفر رہا، یہاں تک کہ امام علی علیہ السلام کے دورِ خلافت میں کوفہ کے دارالخلافہ

بنائے جانے کے وقت سے یا اپنی قدیم شکل یعنی کوفی رسم الخط کی صورت میں اُستوار ہو گیا اور کوفہ سے دیگر اسلامی شہروں میں پھیل گیا۔

کوفی رسم الخط کی تین اقسام

ابراہیم جمعہ کہتا ہے: ''بنابریں، زیادہ امکانات اسی بات کے ہیں کہ کوفہ میں دو بنیادی رسم الخط پائے جاتے تھے: ایک تو دشوار و ثقیل قسم ہے، جس کو عملی شکل دینا نہایت دشوار تھا اور اسے اہم معاملات کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جبکہ دوسری قسم سہل ہے اور اس پر ہاتھ بآسانی چلتا ہے اور یہی وہ رسم الخط ہے جو کوفہ سے مدینہ پہنچا۔ اس دوسرے رسم الخط کے سہل ہونے پر ایک تاریخی دلیل پائی جاتی ہے جسے ہم نے کتاب الفہرست سے حاصل کیا جبکہ دوسرے ایک مادی دلیل یعنی ۲۲ ھ کا اہناسی بردی (نرکل کی طرح ایک پودا جس کے چھلکے کو قدیم مصری لکھنے کے کام میں لیتے تھے) ہے کہ اُس وقت مصر میں عمرو ابن عاص کا پہلا دورِ حکومت تھا۔ اس بردی نے جس رسم الخط میں لکھا ہے وہ مدنی ہے جو کوفہ کی تاسیس اور اُس کے دارالخلافہ بنائے جانے کے بعد مدینہ سے کوفہ منتقل ہوا اور کوفہ سے مصر اور دیگر ممالک میں جا پہنچا۔ (دراسة تطور الکتابات الکوفية۔ صفحہ ۲۷)

روایتیں جا ہیں کچھ کہیں مگر کسی بھی منسوبہ قرآنی نسخہ میں اس رسم الخط کا کوئی نشان نہیں ملتا باوجودیکہ نبطی اور انباری رسم الخط تو ثابت ہیں جو کوفی خط کے مشابہ تھے اور نبطی تو بالکل ہی واضح ہے۔ اس بناء پر تو ضروری تھا کہ عہدِ رسالت اور حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں تحریر شدہ نصِ قرآن اُسی عربی رسم الخط میں ہو جو خطِ نبطی کی ارتقائی شکل ہے اور شام میں یہی رسم الخط رائج تھا مگر افسوس کہ کسی بھی اسلامی کتب خانہ میں دورِ رسالت کے قرآنی نسخوں میں سے کوئی معتبر شے نہیں پائی جاتی، بلکہ صرف وہ منسوبہ قرآنی نسخے ہیں جو خطِ کوفی میں تحریر کئے گئے ہیں اور ان میں سے بھی اکثر تو تیسری صدی کے ہیں یا اُس سے کچھ عرصہ پہلے کے اور ان میں مشہورترین تو مصحفِ امام ہے جو تاشقند میں محفوظ ہے۔

ابن جبیر (متوفی۔ ۶۱۴ ھ) اپنے ''اندلسی سفر'' کے تحت لکھتا ہے کہ ۵۷۸ ھ میں دورانِ سفر اُس نے مکہ میں ان میں سے ایک مصحف کا مشاہدہ کیا ہے، لہٰذا وہ کہتا ہے: ''قبہ عباسیہ میں کچھ چیزیں جمع کی گئی ہیں جو ایک وسیع و کشادہ تابوت میں رکھی گئی ہیں اور اس تابوت میں خلفائے اربعہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اصحاب تھے میں سے کسی ایک کا قرآنی نسخہ رکھا ہوا ہے جو زید ابن ثابت کی تحریر میں ہے اور اس نسخہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات کے اٹھارہ سال بعد لکھا گیا تھا۔ نیز اس میں سے بے شمار اوراق کم ہیں؛ یہ عود سے بنائے گئے دو مجلد دفتروں میں رکھا گیا ہے کہ جس پر پیتل کے قفل لگے ہیں؛ اس کے اوراق کافی چوڑے ہیں؛ ہم نے اسے دیکھا اور اس کو بوسہ دیا اور اپنے رُخساروں کو اس پر مَلا، اللہ

ہماری اِس نیت کو مفید قرار دے۔ اُس قبہ کے صاحب و متولّی نے اسے ہمارے سامنے پیش کرتے ہوئے بتلایا: جب اہالیانِ مکہ قحط میں مبتلا ہوئے یا ان کے ہاں اشیاء کے نرخوں میں انتہائی گرانی پیدا ہوئی تو انہوں نے مصحف مذکور کو باہر نکالا، خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا اور اسے مقام کریم یعنی مقام ابراہیم خلیل صلّی اللہ علی نبینا وعلیہ کے قبہ میں رکھ دیا۔ لوگ سر برہنہ اس کے گرد جمع ہو کر گڑگڑا کر دُعائیں کرنے لگے اور اس قرآن کریم اور مقام عظیم کو خدا تک رسائی کے لئے اپنا وسیلہ قرار دیا۔ چنانچہ ابھی یہ لوگ وہیں پر تھے کہ اللہ عزوجل کی رحمت اُن پر سایہ فگن ہوگئی کہ اللہ اپنے بندوں پر بڑا لطف و مہربانی کرتا ہے اور نہیں ہے کوئی معبود سوائے اُس کے۔ (رحلة ابن جبیر۔ صفحہ ۱۱۷و۱۱۸)

مصاحف عثمانیہ کے نسخے

خلیفہ عثمانؓ سے منسوب جن اہم ترین نسخوں کو مجھے دیکھنے کا موقع ملا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ خلیفہ عثمان ابن عفانؓ سے منسوب مصحف تاشقند میں محفوظ ہے اور سب سے پہلے ۱۹۰۵ء میں رُوس میں اور اس کے بعد ۱۴۰۱ھ میں فلاڈلفیا میں شائع ہوا۔

اس کے پچاس نسخے شائع کیے گئے جنہیں مختلف اسلامی حکومتوں کو ہدیہ کیا گیا اور فرانسیسی زبان میں جو کچھ اس کے متعلق لکھا گیا ہمارے لئے اُس کا ترجمہ برادر محمد شیروانی نے کیا کہ جس کا خلاصہ یہ ہے: ''یہ قدیم خط کوفی میں ہے جسے خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ نے تحریر کیا۔ یہ نسخہ پیٹرز برگ (لینین گراڈ) کے شاہی کتب خانہ (قیصری) میں موجود تھا اور بالشوک[۱] انقلاب کے بعد ایک مذہبی تنظیم نے اس کے بھی پچاس نسخے شائع کیے اور انہیں مختلف اسلامی حکومتوں کو ہدیہ کیا۔ یہ عمل ۱۹۰۵ء میں SRSSARF کے توسط سے انجام پایا تھا۔ اس نسخہ کو میں نے جامعہ تہران کے کتب خانہ میں تحت شمارہ ۴۴۰۳ دیکھا تھا جو DSS آفسٹ طباعت تھی۔ اس کے شروع میں آیت: ﴿و من الناس من یقول آمنا باللہ و الیوم الآخر و ما ھم بمؤمنین﴾ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۸) جبکہ اس کے آخر میں یہ آیت: ﴿و انہ فی أم الکتاب لدینا لعلی حکیم﴾ (سورۂ زخرف۔ آیت ۴) تحریر تھیں۔

محمد عبدالجواد اصمعی نے اپنی کتاب تطویر و تجمیل الکتب العربیة کے صفحہ ۸۱ پر اس کا تفصیلی تعارف ان الفاظ میں کروایا ہے: ''اس مصحف شریف کا شمسی عکس سمرقند کی جامع مسجد خواجہ عبداللہ احرار میں موجود تھا اور اس کے بعد ترکمانستان کے حاکم نے اسے خریدا اور پیٹرز برگ میں منتقل کرتے ہوئے قیصری کتب خانہ میں رکھ دیا اور وہاں اُس نے

[۱] روس کی ایک سوشل ڈیموکریٹک تنظیم (Bolshevik=) مترجم۔

اسے ''مصحف سمرقندی'' کے نام سے موسوم کیا جبکہ اُس نے یہ بات پھیلا دی کہ یہی وہ مصحف امام ہے کہ جس کی وجہ سے حضرت عثمانؓ شہید ہوگئے چنانچہ مخصوص دنوں میں لوگ اُسے دیکھنے آتے اور اس کے بعد آثار قدیمہ کی ایک جماعت نے اسے ایک رُوسی خطاط و مصور PIOSAREX کے ہاتھوں نشر کیا اور اس کے پانچ نسخے شائع کئے گئے جبکہ اصل مصحف شریف بالشوک انقلاب تک قیصری کتب خانہ میں ہی رہا اور ۱۹۱۸ء کے اواخر میں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے فوج کی انتہائی سخت نگرانی میں اسے اہم ترین شخصیات کے قائم کردہ ادارہ میں منتقل کردیا جو النظارة الدينية - مذہبی جماعت سے موسوم ہے اور ایسا صرف اس لئے کیا گیا تاکہ تمام مسلمان خوش رہیں اور اُن کی تعظیم حاصل ہوسکے۔ نیز یہ نسخہ پانچ سالوں تک اسی مقام پر رہا جبکہ ۱۹۲۳ء کے اواخر میں اسے اُزبکستان منتقل کردیا گیا اور کچھ عرصہ سمرقند میں رہا جو فی زمانہ تاشقند کا حصہ ہے جہاں یہ دنوں، مہینوں اور سالوں کی دگرگونی کے باوجود وہاں کے مسلمانوں کی دلچسپی کے باعث مرکز تحقیق بنا ہوا ہے۔ اس مصحف شریف کا عکس دار الكتب والآثار القومية کی نمائش گاہ میں مصاحف کے تحت شمارہ ۲۰۴ رکھا گیا ہے۔ (تصوير و تجميل الكتب العربية تالیف محمد عبدالجواد اصمعی، دار المعارف - قاہرہ - صفحہ ۸۱)

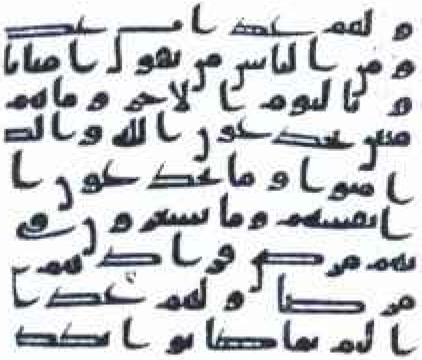

صفحة من القرآن الكريم المنسوب إلى الخليفة الثالث عثمان بن عفان تحتوي على الآيات ٧-١٠
من سورة البقرة المحفوظة في طاشقند - أوزبكستان

☆ یہ خلیفۂ ثالث عثمان ابن عفان سے منسوب قرآنی نسخہ کا ایک صفحہ ہے جو سورۂ بقرہ کی آیات ۷ تا ۱۰ پر مشتمل ہے اور یہ تاشقند - اُزبکستان میں محفوظ ہے۔

کورکیس عواد کے تعارفی الفاظ یہ ہیں: ''یہ نسخہ بڑے حجم میں پایا جاتا ہے جسے جھلّی پر خط کوفی میں تحریر کیا گیا ہے اور اُس مقام پر اسے ''مصحف عثمان'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی وہ مصحف ہے کہ ۳۵ ھ بمطابق ۶۵۶ء میں بوقت قتل آپ نماز پڑھ رہے تھے تو یہ قرآن آپ کے پاس تھا اور اس پر آپ کے خون کے نشانات ہیں'' (المنجد -

صفحہ۵۰ تا۵۲) اس کی توصیف میں کہتا ہے: ''یہ مصحف نقطوں سے خالی ہے اور اس کے ایک صفحہ میں ۱۲ سطور پائی جاتی ہیں؛ اسے جھلی پر تحریر کیا گیا ہے اور اس کے اوراق کی تعداد ۳۵۳ ہے نیز اس کا حجم ۶۸×۵۳ سینٹی میٹر ہے۔ اس کے حروف کی لکھائی میں فنی مہارت نمایاں ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی کتابت عہد عثمان کی نہیں ہے، بلکہ یہ دوسری صدی نہیں بلکہ تیسری صدی کی ہے۔ اس مضمون سے متعلقہ تفصیل کے لئے دمشق سے شائع ہونے والے مجمع اللغة العربیة نامی رسالہ کے عنوان ''مصحف عثمان'' شمارہ ۳۸ مطبوعہ ۱۹۶۳ء کے صفحات ۳۶۷ تا ۳۷۹ کو ملاحظہ کیجئے!

اس سے متعلقہ بحث ''القرآن الکریم فی بلاد الروسیا'' کے ضمن میں شیخ طٰہٰ ولی نے بھی اس نسخہ کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ جسے ''المورد'' نامی رسالے کے شمارہ ۹ کے صفحات ۲۸ تا ۳۵ میں ۱۹۸۰ء میں شائع کیا گیا ہے۔ (عواد۔ صفحہ ۴۱)

ڈاکٹر حمید اللہ نے اس مصحف کو ہمارے زمانے میں رائج قرآن سے ملتا جلتا شائع کیا ہے اور اس کا حجم بھی کم رکھا ہے نیز یہ قرآن ۷۲۵ صفحات پر مشتمل ہے جبکہ دوبارہ اسی نسخہ کو بیگم عائشہ نے فلاڈلفیا میں ۱۹۸۱ء میں شائع کروایا۔

۲۔ خط کوفی میں تحریر شدہ قرآن؛ اس پر لکھا ہے: ''اس مصحف شریف کو امام شہید ذوالنورین امیر المومنین عثمان ابن عفان نے لکھا اور اُس وقت کے قرأت کے ماہر صحابیوں کی زُبانی املاء کروایا گیا کہ جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن حاصل کیا تھا اور اس کے بعد باقاعدہ کوفی خط کے حساب سے سُرخ نقطوں کے ذریعہ اس پر اعراب لگائے گئے اور جس طرح کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کی سورتوں کی ابتدائی آیات بھی اُس وقت کے کوفی خط کے قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے سُرخ رنگ سے لکھی گئیں ہیں اور جب تاتاریوں نے شعبان ۲۶۰ھ میں موصل پر ناحق قبضہ کیا تو یہ مصحف شریف قاضیٔ شہر کے گھر میں تھا جبکہ اس مصحف وغیرہ... کو لوٹ کے مال میں شامل کر لیا گیا اور اس کی جلد پر جو سونا چڑھایا گیا تھا اُسے لے کر اسے پھینک دیا گیا۔ چنانچہ اس کے ابتدائی تقریباً آٹھ اوراق ضائع ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد اسے دمشق جیسی محفوظ جگہ منتقل کر دیا گیا تو شب سہ شنبہ، ۲۶ شوال ۴۰۷ھ میں اس شہر میں لگی مشہور آگ کی وجہ سے اس کے وسط کے تقریباً چار اوراق ضائع ہو گئے تو عربی قلم سے ان دونوں بیان شدہ مقامات کی تجدید تالیف کی گئی اور حتی الامکان اس کی اصلاح کر دی گئی۔ خدا اُس کی اصلاح کے لئے کوشاں شخص پر مہربان ہو۔ یہ نسخہ امانت کتب خانہ میں تحت شمارہ ایک رکھا گیا ہے لہٰذا وہاں رجوع کیا جا سکتا ہے۔ (مصور۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۳)

۳۔ مقام سرِ مقدس امام حسین علیہ السلام۔ قاہرہ۔ میں رکھا گیا نسخہ۔ احمد عادل اس کا ذکر اس طرح سے کرتا ہے: ''مسجد حُسینی میں محفوظ اور حضرت عثمانؓ کی جانب منسوب کیا جانے والا قرآنی نسخہ قدیم خط کوفی میں لکھا ہوا ہے جبکہ اس کے حروف کشادہ ہیں کہ جن کا حجم وسیع ہے اور اس کا رسم الخط مدنی اور شامی مصحف کے رسم الخط سے میل کھاتا ہے، کیونکہ اس میں سورۂ مائدہ

کے لفظ "یسرتہ" میں تشدید کی بجائے (جو دو دال کے برابر ہے) دو دال لکھے ہیں اور یہ ان کا مروجہ طریقہ تھا۔ چنانچہ اس بات کا احتمال پایا جاتا ہے کہ اسے مصاحف عثمانیہ سے نقل کیا گیا ہے اور یہ رائے زرقانی نے پیش کی ہے" **(علوم القرآن۔ صفحہ ۵۷)**

سعاد ماہرہ کا کہنا ہے: "مسجد حسینی میں محفوظ قرآنی نسخہ کہ جسے سیدنا عثمانؓ ابن عفان سے منسوب کیا جاتا ہے جلی کے ۱۰۸۷ صفحات پر مشتمل ہے اور اسے بنوداکن کی روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے۔ اس کا رسم الخط سادہ کوفی ہے، اگرچہ سیدنا علی سے منسوب قرآنی نسخہ کے خط کے مقابلہ میں زیادہ جدّت کا حامل ہے، لیکن یہ نسخہ سُرخ وسیاہ نقطوں سے خالی ہے۔ میں اس بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہوں:

اوّل: یہ سادہ کوفی خط ہے جو نقطوں اور خطاتی آرائشوں سے عاری ہے، لیکن اس میں خطی مہارت اور جدّت نمایاں ہے جو عام طور سے پہلی صدی ہجری کے ابتدائی پچاس سالوں میں دیکھنے میں نہیں آتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مختلف مادّوں پر تحریر کیا گیا ہے جیسے پتھر، کپڑا، کھال اور ہڈی اور ایسی اشیاء کہ جن سے دنیا بھر کے عجائب گھر آراستہ وپیراستہ ہوتے ہیں اور جنہیں اس زمانہ ہی کا سمجھا جاتا ہے۔ (شمارۂ لوح: ۱۶) بنابریں، میں اسے کم از کم پہلی صدی کے آخری پچاس سالوں کا نسخہ قرار دیتی ہوں اور اسی طرح میں سمجھتی ہوں کہ یہ خط اُس زمانہ کے مصر کا ہے جو درمیانی حروف کے کشیدہ ہونے کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ برلن کے عجائب گھر کے شعبۂ اسلامی میں جلی پر لکھے گئے مصحف کے کسی صفحہ کے ساتھ اس کا تقابل کیا جائے۔ (شمارۂ لوح: ۱۷)

دوّم: اس مصحف میں جلی کا استعمال کیا گیا ہے اور اس کے صفحات کی تعداد ۱۰۸۷ ہے، اس کا حجم کافی بڑا ہے، کیونکہ اس کا ہر صفحہ ۵۷×۵۷ سینٹی میٹر کا ہے جبکہ اغلب یہ ہے کہ کاغذ عدم دستیاب ہوں گے یا پھر اس کو تحریر کرنے کے موقع پر خراسانی اَوراق نہیں ہوں گے جو عباسی حکومت کے پہلے دَور بمطابق دوسری صدی ہجری کے آخری پچاس سالوں میں موجود تھے۔ نتیجتاً معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخہ کو اس وقت سے پہلے ہی لکھ لیا گیا تھا۔

سوّم: سورتوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کے لئے کی گئی آرائش بالکل سادہ ہے جو پہلی صدی ہجری کے اختتامی عرصہ سے میل کھاتی ہے۔ (شمارۂ لوح: ۱۶) نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا تقابل شمارہ ۱۷ کے تحت رکھی گئی لوح سے کیا جائے۔ **(مخطوطات الرسولؐ۔ صفحہ ۱۳۱)**

چہارم: یہ انتہائی قدیم نسخہ ہے اور عواد اس کے بارے میں کہتا ہے: "اسے مصحف عثمان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ (المنجد۔ صفحہ ۴۶ و ۴۷) مورٹز (Moritz, Pls. 13-16) نے ان دونوں قرآنی نسخوں کے خطی نمونے شائع کئے ہیں جو پہلی اور دوسری صدی ہجری کی پیشرفت ہیں۔

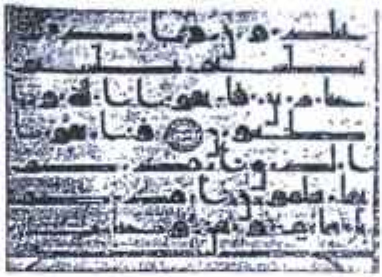

☆خلیفۂ ثالث عثمان ابن عفان سے منسوب قرآن کریم کا ایک صفحہ جو سورۂ شعراء کی آیات ۱۲۹ تا ۱۳۳ پر مشتمل ہے اور توپ کاپی۔استنبول میں محفوظ ہے۔

۵۔**دار الکتب العربیة** کے میدان احمد ماہر میں ماہِ رمضان کی شب قدر ۱۳۸۷ھ میں نزول قرآن سے چودہ صدیاں گزر جانے کی مناسبت سے منعقد کی گئی قرآنی نمائش میں رکھا جانے والا قرآنی نسخہ۔ نیز اس نمائش میں موجودہ نسخوں کی نمائش بھی کی گئی تھی اور اُن میں اہم ترین نسخہ جامع مسجد عمرو بن العاص کا قرآنی نسخہ تھا جس کے متعلق یہی مشہور ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کو شہید کیا گیا تو یہ قرآن اُن کے پاس تھا اور اس میں آپ کے خون کے دھبے ہیں۔اسے کوفی قلم سے ہرن کی جھلی پر تحریر کیا گیا ہے البتہ نہ اس پر اعراب ہیں اور نہ نقطے دیئے گئے ہیں، حتیٰ کہ سورتوں کے نام بھی تحریر نہیں کیے گئے۔دارالکتب کی نمائش میں رکھا جانے والا نسخہ اور دوسرا نسخہ بھی (جامع عمرو بن العاص کا) بظاہر وہی ہیں کہ جن کا تذکرہ مقریزی نے کتاب **الخطط** کی جلد۲۔ صفحہ ۲۴۶۔ مطبوعۂ بولاق ۱۲۷۰ھ میں کیا ہے: وہ کہتا ہے: ''اہل عراق کا ایک وفد مصر میں سیدنا عثمان ابن عفانؓ کا قرآنی نسخہ لے آیا اور یہی وہ نسخہ ہے جو اُن کے قتل کیے جانے کے موقع پر اُن کے سامنے موجود تھا اور اس نسخہ کو خزائن مقتدر سے حاصل کیا گیا ہے کہ خازن ابوبکر نے اسے لے کر جامع سیدنا عمرو بن العاص میں رکھ دیا تھا''

۶۔حضرت عثمانؓ کا تحریر شدہ قرآنی نسخہ جسے خط کوفی میں لکھا گیا۔ نور عثمانیہ کتب خانہ تحت شمارہ ۳۔

۷۔کسی قرآنی نسخہ کا ایک ٹکڑا کہ جس پر لکھا ہے: قدیم خط کوفی میں امام عثمان ابن عفانؓ کی تحریر میں۔ کتب خانہ اَمانت، تحت شمارہ ۲۰۸۔(المصورة۔ جلد۱۔ صفحہ۳)

۸۔موٹے کوفی قلم سے تحریر کی گئی سورۂ یٰس۔کہا جاتا ہے کہ یہ اُن مصاحف میں سے ایک ہے کہ جسے حضرت عثمانؓ نے دیگر شہروں کی جانب اِرسال کیا تھا۔اس کی طباعت اَصل کے مطابق کی گئی ہے اور یہ پیٹر بورو کے ذخیرہ میں محفوظ ہے جبکہ اس کا عکس تیموریہ ۵۴۳/ میں پایا جاتا ہے۔

۹۔قدیم کوفی خط میں کہ بعد میں اس پر ترکی زبان میں لکھا گیا: ''امام عثمان ابن عفان کی تحریر میں۔کتب خانہ امانت۔ تحت شمارہ ۱۰ (مصورۃ۔ جلد۱۔ صفحہ۴)

۱۰۔بصرہ کی مسجد علی علیہ السلام میں رکھے گئے مصحف عثمان کے بارے میں بھی لکھا گیا ہے: ابن بطوطہ نے اپنے ایک سفر کے دوران اسے دیکھا اور اُس کا کہنا ہے: ''اس نسخہ پر خون کے دھبے اس آیت پر ہیں: ﴿فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم﴾ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۳۷) اور اس میں سے اکثر کے بارے میں تحقیق ناگزیر ہے۔

ان نسخوں میں سے سوائے سمرقند میں رکھے گئے نسخہ کے مجھے کسی نسخہ کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا اور میں نے دیکھا کہ اس میں فنی مہارت نمایاں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک مکمل نسخہ سے ملتا جلتا مگر قدیم ترین نسخہ ہے؛ ہمیں اس کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا جبکہ تاریخ دانوں نے یہ ذکر بھی نہیں کیا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ہاتھوں ایک مکمل قرآن لکھا تھا اگرچہ ان کا شمار بھی کاتبانِ وحی میں ہوتا ہے۔

عثمانیہ مصاحف میں موجود اختلاف

بجستانی (متوفی۔۳۱۶ھ) نے ایک باب قائم کیا ہے کہ جس میں اُس نے دیگر شہروں میں بھیجے جانے والے قرآنی نسخوں کے باہمی اختلافات کو بیان کیا ہے جبکہ انہیں مصحف امام میں سے ہی نقل کیا گیا ہے۔ مؤلف نے کچھ ایسی روایتیں بیان کی ہیں جو مدینہ، کوفہ، بصرہ، شام اور حجاز کے نسخوں میں موجود اختلافات کو بیان کرتی ہیں (صفحہ ۳۹ تا ۴۹) جس طرح کہ ماہرین رسم الخط نے بھی ان کی جانب اشارہ کیا ہے اور اُن میں سے ایک عالم دانی (متوفی۔ ۴۴۴ھ) ہے کہ اُس نے اپنی کتاب المقنع میں کئی مقامات پر ان اختلافات کو بیان کیا ہے۔

ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان قرآنی نسخوں میں نقطے اور اعراب نہ دیئے جانے کی وجہ سے اختلافات نے جنم لیا جبکہ ان میں سے کچھ اختلافات کا سبب اُس دَور میں املاء کے مسلّمہ قواعد وضوابط کا تعین نہ کیا جانا ہے۔ البتہ وہ لوگ بھی انسان ہی تھے اور یہ اُن کی خامی نہیں ہے کیونکہ قیامت تک کے مسلمانوں میں صحیح قرأت کی خاطر نصِ قرآنی کی حفاظت کے سلسلہ میں اُن کی نیتیں بالکل صاف تھیں۔

زرکشی (متوفی۔۷۹۴ھ) نقل کرتا ہے کہ ابوعمرو دانی اپنی کتاب المقنع میں کہتا ہے: ''اکثر علماء کی یہی رائے ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف تحریر کئے تھے تو ان کے چار نسخے تیار کئے تھے اور ہر سمت ایک نسخہ بھیجا تھا: کوفہ، بصرہ اور شام جبکہ ایک نسخہ اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سات نسخے تیار کروائے تھے اور اضافی طور پر ان

مقامات پر بھیجے گئے: مکہ، یمن اور بحرین۔ دانی کہتا ہے: پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور تمام ائمہ اسی پر متفق ہیں" (البرھان- صفحہ ۲۴۰)

مصاحف امام کے باہمی اختلاف کے بارے میں قاسمی کہتا ہے: "مذکورہ مقامات پر بھیجے گئے مصاحف عثمانیہ کے بعض نسخوں میں کچھ ایسے حروف ثبت ہیں جو باقی نسخوں میں نہیں پائے جاتے، چنانچہ ہر شہر کے ائمہ اپنے اپنے مصحف کی روش پر گامزن رہے اور اسی وجہ سے ابن عامر کی قرأت میں اس طرح سے ملتا ہے: ﴿قالوا اتخذ الله ولدا﴾ (سورۂ بقرہ- آیت ۱۱۶) یعنی سورۂ بقرہ میں بغیر واؤ کے ہے۔ نیز ﴿بالزبر و بالکتاب﴾ (سورۂ آل عمران- آیت ۱۸۴) یعنی دونوں (بالزبر اور بالکتاب) میں حرف بے زائد ہے اور اس طرح کے دیگر فرق، لہٰذا یہ مصحف شامی میں ثبت ہیں۔ اسی طرح ابن کثیر کی قرأت کے مطابق ملتا ہے: ﴿جنات تجری من تحتها الانهار﴾ (سورۂ توبہ- آیت ۱۰۰) سورۂ برائت کے آخر میں ایک (من) زائد ہے یعنی مصحف مکی میں یہ ثبت ہے۔ اسی طرح سورۂ حدید کی آیت ۲۴ میں ﴿ان الله الغنی﴾ ہے اور الغنی سے پہلے ایک (ھو) محذوف ہے۔ بعینہ ﴿سارعوا﴾ (سورۂ آل عمران- آیت ۱۳۳) میں واؤ محذوف ہے جبکہ سورۂ کہف کی آیت ۳۶ میں ﴿منهما منقلباً﴾ یعنی تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور اس طرح سے بے شمار مقامات پر یہ مصاحف ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لہٰذا، قرأت کا اُسلوب بھی ان مقامات کے ائمہ کے اپنے اپنے مصحف کے مطابق وارد ہوا ہے اور یہی بات نشر و اشاعت کے موقع پر بھی دُہرائی گئی۔ (تفسیر القاسمی- جلد۱- صفحہ ۲۹۷)

زرقانی کہتا ہے: "انہوں نے متعدد مصاحف تحریر کیے، کیونکہ حضرت عثمانؓ متفق علیہ مصحف کو دیگر اسلامی ممالک میں بھیجنا چاہتے تھے جبکہ یہ مصاحف ان کے علاوہ ہیں اور انہیں اثبات و حذف اور بدل وغیرہ میں باہم مختلف تحریر کیا گیا۔ کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ انہیں حروف سبعہ کے مطابق تحریر کیا جائے؛ یقیناً اسی احتمال کی وجہ سے انہوں نے ان نسخوں میں نقطے دیئے تھے اور نہ ہی اعراب، چنانچہ کچھ کلمے ایسے ہوتے ہیں جو نقطہ اور اعراب سے عاری ہوں تو کسی نہ کسی طور ان کا خط زیادہ واضح ہوتا ہے۔ جیسے سورۂ حجرات کی آیت ۶: ﴿ان جآنکم فاسق بنبأ فَتَبَيَّنُوا﴾ میں لفظ فتبینوا کہ جب اس پر نقطے اور اعراب نہ دیئے جائیں تو اسے فتثبتوا بھی پڑھا جا سکتا ہے اور یہ ایک دوسری قرأت ہے۔ اسی طرح سے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۹: ﴿وانظر الی العظام کیف نُنشِزُها﴾ میں لفظ ننشزھا کیونکہ جس طرح سے کہ آپ قارئین دیکھ رہے ہیں کہ اس پر اعراب کے نہ ہونے سے لوگ لفظ ننشزھا کو زے سے با آسانی پڑھ سکتے ہیں اور یہی وارد بھی ہے۔ بعینہٖ لفظ اف کے بارے میں منقول ہے کہ اسے سینتیس طریقوں سے پڑھا جاتا ہے۔ (مناھل العرفان- جلد۱- صفحہ ۲۵۱)

اُوپر کی گئی گفتگو میں مندرجہ ذیل اشکالات پیدا ہوتے ہیں:

پہلا اِشکال: اس بات کی کوئی دلیل نہیں ملتی کہ خلیفہ عثمانؓ نے اس بات کا ارادہ کیا تھا کہ اُن کے قرآنی نسخے

حروفِ سبعہ کے مطابق ہوں، کیونکہ ایسا کوئی ماخذ نہیں پایا جاتا جو اس کی وضاحت کرتا ہو، لہٰذا یہ کلام دعویٰ بنا دلیل ہے۔

دوسرا اِشکال: دعویٰ کیے گئے حروفِ سبعہ کا اطلاق قرآن کریم کے ہر کلمہ پر نہیں ہوتا۔

تیسرا اِشکال: عبارتوں کا نقطوں اور اعراب سے خالی ہونا صرف قرآن ہی سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ آج تک قدیم عربی خطاطی میں جو ترقی دیکھنے میں آتی ہے ان ارتقائی منازل کو طے کرنے سے پہلے اُس دور کی ہر تحریر نقطوں اور اعراب سے عاری ہوتی تھی۔

چوتھا اِشکال: فتبینوا اور فتثبتوا کا فرق نص کی قرأت میں اختلاف کے احتمال کی وجہ سے ہے؛ جبکہ سینتیس طریقوں سے پڑھے جانے والا لفظ اُفٍ دعویٰ کیے گئے سات طریقوں سے بھی زائد طریقوں کا حامل ہے۔

مصاحف عثمانیہ میں موجود اختلافات کی جدول

سورۃ	آیت	مصحف عثمان ۱	حجاز، مدینہ، مکہ اور شام کے مصاحف ۲	عراق، بصرہ اور کوفہ کے مصاحف ۳	مصحف امیری مطبوعہ ۱۳۳۷ھ ۴
بقرہ	۱۱۶			و قالوا	

۱ خالد ابن ایاس ابن صخر ابن ابی جہم عدوی اور سلمان ابن مسلم ابن جماز زہری اپنی اپنی روایتوں میں بیان کرتے ہیں: ''یہ حروف مصحف عثمان ابن عفانؓ میں لکھے ہوئے ہیں جبکہ یہ نسخہ اہل مدینہ اور ان کے مصاحف سے مختلف ہے اور یہ بارہ حروف ہیں'' (المصاحف۔ صفحہ ۳۷ و ۳۸)

۲ مصاحف سے متعلق کسائی کی روایتوں سے ماخوذ ہے۔ (السجستانی۔ صفحہ ۳۹)

۳ سجستانی روایت نقل کرتا ہے: ''اہل کوفہ اور اہل بصرہ کے مصحف کے مابین دو حروف کا فرق ہے۔ نیز ایک جماعت کا کہنا ہے کہ دس حروف کا فرق ہے اور کہنے والے نے یہ بھی کہا ہے کہ گیارہ حروف کا فرق ہے'' (المصاحف۔ صفحہ ۴۷)

۴ محمد خلف حسین شیخ جماعت قاریان۔ مصری معاونت سے مصدقہ قرآن کریم کا پہلا ایڈیشن۔ ۱۳۳۷ھ

۵ ظاہراً کتابت میں موجود اختلاف مسلمہ اُصولوں کے مطابق نہیں ہے۔ کسائی کی روایت میں اہل مدینہ، اہل کوفہ اور اہل بصرہ کے قرآنی نسخوں میں اختلاف سے متعلق اُس کا کہنا ہے: ''سورۂ جن میں ان تمام لوگوں نے اختلاف کیا ہے'' ''کہتا ہے: انما ادعو ربی'' جبکہ دو لوگ کہتے ہیں: (قال) اور (قل) [المصاحف۔ صفحہ ۴۰] بظاہر اُس کی مراد یہ ہے کہ اہالیان مدینہ اور بصرہ کے نزدیک قل یعنی بغیر الف کے ہے جبکہ کوفیوں کے نزدیک قال یعنی الف کے ساتھ ہے۔ یہ بات اَنبار کے حوالے سے پہلے بیان کی جا چکی ہے لہٰذا وہاں رجوع کیجئے! صفحہ ۴۹ میں رقمطراز ہے: ''سورۂ جن میں اُن سب نے اختلاف کیا ہے۔ (الاعراف صفحہ ۵۷ پر ملاحظہ کیجئے!)

سورہ	آیت	مصحف عثمان	حجاز، مدینہ، مکہ اور شام کے مصاحف		عراق، بصرہ اور کوفہ کے مصاحف	مصحف امیری مطبوعہ ۱۳۳۷ھ
بقرہ	۱۳۲	ووصی	واوصی	حجاز اور شام	ووصی	
آل عمران	۵۲	بأننا ۱				باننا
آل عمران	۶۴	باننا				باننا
آل عمران	۱۳۳	وسارعوا	سارعوا	حجاز اور شام	وسارعو	
آل عمران	۱۸۴		وبالزبر	حجاز اور شام	والزبر	
نساء	۳۶		ذی القربیٰ		ذا القربیٰ ۲	ذی القربی
نساء	۶۶		الا قلیلاً ۳	شام	الا قلیل	
نساء	۱۷۱		ورسوله	مکہ	ورسله (بقرہ)	
مائدہ	۵۳	ویقول	یقول	حجاز اور شام	ویقول	
مائدہ	۵۴	من یرتد	من یرتدد	حجاز اور شام	من یرتد	
مائدہ	۱۱۱	باننا				باننا
انعام	۳۲		الدار الآخرة ۴	حجاز اور شام	للدار الآخرة	
انعام	۶۳		انجیتنا		انجیتنا بصرہ۔ نجانا۔ کوفہ۔	انجنا
انعام	۱۳۷		اولادهم شرکائهم	شام ۵	اولادهم شرکاؤهم	

۱ اُسید کی روایت کہتی ہے: ''مصحف عثمان میں تین حروف ملتے ہیں'' (المصاحف۔ صفحہ ۳۹) جبکہ یہ آیت: ﴿ واشهد باِنا مسلمون ﴾ سورۂ آل عمران میں بطور آیت ۵۲ اور آیت ۶۴ وارد ہوئی ہے اور سورۂ مائدہ میں بطور آیت ۱۱۱۔

۲ کسائی کی روایت میں ملتا ہے: ''اہل کوفہ کے مصاحف میں سورۂ نساء کی اس آیت کے متعلق یوں لکھا ہے: ''پڑوسی ہی ذی القربیٰ ہیں اور پڑوسی ہی جُنُب بھی'' ان میں سے کچھ لوگ تو اسی طرح سے پڑھتے تھے جبکہ دورِ حاضر میں، میں کسی ایک شخص کو بھی نہیں جانتا جو ذی القربیٰ کے علاوہ کچھ اور پڑھتا ہو۔ کسائی کی روایت ''پڑوسی ہی ذی القربیٰ ہیں'' کو ملاحظہ کیجئے! (المصاحف ۴۱)

۳ بروایت اہل شام (المصاحف۔ صفحہ ۴۵) ۴ ایضاً ۵ ایضاً

سورہ	آیت	مصحف عثمان	حجاز، مدینہ، مکہ اور شام کے مصاحف		عراق، بصرہ اور کوفہ کے مصاحف	مصحف امری مطبوعۃ ۱۳۳۷ھ
اعراف	۳		یتذکرون	حجازاورشام	تذکرون	
اعراف	۴۳		ماکنا	حجازاورشام	وماکنا	
اعراف	۷۵		قال	حجازاورشام	وقال	قال
اعراف	۱۴۱		انجاکم	حجازاورشام	انجیناکم	انجینکم
اعراف	۱۹۵		کیدونی	حجازاورشام	کیدون	
انفال	۶۷		للنبی	شام	لنبی	
توبہ	۱۰۰		من تحتها	مکہ	تحتها (بقرہ)	
توبہ	۱۰۷	والذین	الذین	حجازاورشام	والذین	
یونس	۲۲		ینشرکم	شام	یسیرکم	
یوسف	۳۱و۵۱	حش [1]				حش
رعد	۴۲		الکافر		الکفار [2]	
اسراء	۹۳		قل/قال		قال (کوفہ)	قل
کہف	۳۶	منها	منهما	حجازاورشام	منها	
کہف	۹۵		مکنی	حجازاورشام	مکننی	مکنی
انبیاء	۴و۱۱۲		قل		قل (بصرہ) قال (کوفہ)	قال
مؤمنون	۸۵	الله	لله	حجازاورشام	لله (بصرہ) لله (کوفہ)	

[1] اسید ابن یزید کی روایت کہتی ہے کہ مصحف عثمان میں ''وقلن حاشا لله'' ہے جبکہ ان میں الف محذوف ہے۔

[2] سوادہ ابن زیاد زرجی کی روایت کہتی ہے کہ اہل عراق کی قرأت میں ''وسیعلم الکفار'' تحریر ہے۔ (المصاحف-۴۳)

سورہ	آیت	مصحف عثمان	حجاز، مدینہ، مکہ اور شام کے مصاحف		عراق، بصرہ اور کوفہ کے مصاحف	مصحف امیری مطبوعہ ۱۳۴۲ھ
مؤمنون	۸۷	للہ ۱	للہ	حجاز اور شام	اللہ / للہ	
مؤمنون	۸۹	للہ	للہ	حجاز اور شام	اللہ / للہ	
مؤمنون	۱۱۲		قل / قال		قل / قال	قال
شعراء	۲۱۷	وتوکل	فتوکل	حجاز اور شام	و توکل	
فاطر	۳۳		ولؤلؤا ۲		ولؤلؤ (بصرہ) ولؤلؤا (کوفہ)	
یٰس	۳۵		عملته		عملته (بصرہ) عملت (کوفہ)	عملته
غافر	۲۱		أشد منكم	حجاز اور شام	أشد منهم	
غافر	۲۶	أو أن	وان	حجاز اور شام	أو ان	
شوریٰ	۳۰	فبما	بما	حجاز اور شام	فبما	
زخرف	۷۱	تشتهي	تشتهيه	حجاز اور شام	تشتهي	تشتهيه

۱ اسید ابن یزید کی روایت کہتی ہے: مصحف عثمان ابن عفانؓ میں ''سیقولون اللہ'' ہے۔ ''ان تینوں میں الف محذوف ہے'' (المصاحف-۳۸) جبکہ بُرحی اپنی روایت میں کہتا ہے: ''اہل عراق کی قرأت میں ''سیقولون للہ'' ہے۔'' نیز یہ دو مقامات ہیں'' (المصاحف-صفحہ۴۳) حضرمی کی روایت اس طرح سے ہے: اہالیان عراق کے پہلے دور میں ''سیقولون للہ'' ہے اور اس کے بعد دو طریقے یہ ہیں: ''سیقولون اللہ'' ''سیقولون اللہ'' دو مرتبہ۔(المصاحف-۴۶) بجستانی کہتا ہے: ''اور سورۂ مؤمنون میں ''سیقولون للہ'' ہے جبکہ دوسری اور تیسری مرتبہ میں ان کے الف کو حذف کر دیا گیا ہے اور صفحہ ۴۹ میں لکھا ہے: اہل کوفہ اور اہل مدینہ سب کے سب کہتے ہیں: للہ للہ للہ اور اسی وجہ سے علی ابن حمزہ ایک مرتبہ للہ اور دو مرتبہ اللہ اللہ (بمع الف) کا قائل ہے۔ صفحہ ۴۹ (المصاحف-صفحہ ۴۴۸)

۲ بروایت بُرحی: ''اہل عراق کی قرأت یوں ہے: (من أساور من ذهب و لؤلؤ)'' (المصاحف-صفحہ۴۴)
بجستانی کہتا ہے: ''سورۂ حج اور ملائکہ [سورۂ فاطر] میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ لؤلؤا (بمع الف) تحریر کرتے ہیں جبکہ بصری لوگ سورۂ حج میں تو الف تحریر کرتے ہیں لیکن سورۂ ملائکہ میں الف ساقط کر دیتے ہیں۔(المصاحف-صفحہ۴۸)

سورہ	آیت	مصحف عثمان	حجاز، مدینہ، مکہ اور شام کے مصاحف		عراق، بصرہ اور کوفہ کے مصاحف	مصحف نوری مطبوعہ ۱۳۲۷ھ
احقاف	۱۵		حسناً ۱		حسناً (بصرہ) احساناً (کوفہ)	احسانا
محمد	۱۸		أن تأتيهم ۲	مکہ	تأتيهم (بصرہ) تأتهم (کوفہ)	تأتيهم
رحمٰن	۱۲		ذا العصف	حجاز اور شام	ذو العصف	
رحمٰن	۷۸		ذو الجلال	حجاز اور شام	ذی الجلال	
حدید	۲۴	هو الغني	الغني	حجاز اور شام	هو الغني	
جن	۲۰		قل / قال		قل / قال	قل
انسان	۱۶		قواريرا قواريرا ۳		قواريرا قوارير (بصرہ) قوارير قواريرا (کوفہ)	قوارير قواريراً
شمس	۱۵	ولا يخاف	فلا يخاف	حجاز اور شام	ولا يخاف	
کُل =	۱۹					۱۹

۱ مصاحف کے سلسلہ میں کسائی سے بھی ایک روایت منقول ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: "سورۂ احقاف میں اہل کوفہ احسانا لکھتے ہیں اور اہل بصرہ کے قرآنی نسخوں میں بھی اسی طرح سے ملتا ہے، جبکہ اہل مدینہ اور اہل بصرہ حسنا یعنی الف کے بغیر لکھتے ہیں۔ (المصاحف-۴۸)

۲ روایت کسائی کی عبارت: "الذین کفروا (سورۂ محمد) فهل ينظرون الا الساعة أن تأتيهم بغتة" (آیت ۱۸) اہل مکہ کی قرأت اور اُن کے مصاحف میں نیز اہل کوفہ کے نزدیک بھی اسی طرح سے ہے، لیکن میں نے کسی کوفی کو اس طرح قرأت کرتے نہیں سنا، جبکہ اہل مدینہ اور بصرہ کے نزدیک ان تاتیھم ہے۔ بالکل عیاں ہے کہ اہل مکہ کے نزدیک رسم الخط کا اختلاف قرأت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ (المصاحف- صفحہ ۴۰ اور صفحہ ۴۹ بھی ملاحظہ کیجئے!)

۳ بروایت بری اہل عراق کی قرأت میں اس طرح سے ہے: "قوارير قوارير" (المصاحف-۴۴)

بروایت بجستانی (متوفی-۳۱۶ھ) مصاحف میں موجود اختلافات کا تقابلی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدنی، مکی اور شامیوں کے قرآنی نسخہ تقریباً یکساں ہیں جبکہ بصرہ اور کوفہ کے قرآنی نسخے باہم ملتے جلتے ہیں۔البتہ مصحف امیری مطبوعہ ۱۳۲۳ھ سوائے چند مقامات کے مصحف کوفہ کی مانند ہے اور اُن میں سے بھی اہم ترین اختلافات حسب ذیل ہیں:

۱۔سورۂ آل عمران کی آیت ۷۵: خطی نسخہ میں ذی القربیٰ لکھا ہے جبکہ مصحف کوفی میں ذا القربیٰ ہے۔

۲۔سورۂ اعراف کی آیت ۹۰: قال الملأ (بغیر واؤ کے) جبکہ مصحف کوفی میں قال الملؤ (مع واؤ) ہے۔

۳۔سورۂ اسراء کی آیت ۴۸: فقل له (بغیر الف کے) جبکہ مصحف کوفی میں قال (مع الف) ہے۔

۴۔سورۂ کہف کی آیت ۹۵: نسخۂ امیری میں مكني (ایک نون) ہے جبکہ مصحف کوفی میں مكنني (۲ نون ہیں)۔

۵۔سورۂ یٰس کی آیت ۳۵: نسخۂ امیری میں وما عملته (ضمیر کے ساتھ) ہے جبکہ مصحف کوفی میں وما عملت (بنا ضمیر کے) ہے۔

۶۔سورۂ زخرف کی آیت ۷۱: نسخۂ امیری میں ما تشتهي (بنا ضمیر کے) ہے جبکہ مصحف کوفی میں ماتشتهيه (ضمیر کے ساتھ) ہے۔

۷۔سورۂ محمد کی آیت ۱۸: نسخۂ امیری میں تاتيهم (یے بھی تحریر ہے) جبکہ مصحف کوفی میں تاتهم (یے کے بغیر) ہے۔

۸۔سورۂ جن کی آیت ۲۰: نسخۂ امیری میں قل (بغیر الف کے) ہے جبکہ مصحف کوفی میں قال (فعل ماضی) ہے۔

اس تقابلی جائزہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فی زمانا مسلمانوں کے درمیان موجود قرآن کریم مصحف کوفی سے متاثر ہے لیکن دیگر شہروں کے کسی نسخہ نے موجودہ قرآن پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔

اسی طرح یہ بھی بالکل واضح ہے کہ ان میں سے کچھ اختلافات کا سبب غیر منقوط خط کوفی ہے جیسے کہ کسی مقام پر قال اور قل کا فرق پایا جاتا ہے، کیونکہ کوفی رسم الخط کی قرأت میں بغیر الف کے لکھا جاتا ہے۔

تنقیط، اعجام اور تشکیل سے قرآنی عبارت کو محفوظ کیا گیا

مصحف امام میں نقطے اور اعراب نہ ہونے کے باوجود یہ مدنی رسم الخط میں ہی مسلمانوں کے درمیان عام تھا اور مسلمان پشت بہ پشت اس کی تلاوت کرتے رہے اور مصحف امام کے پڑھنے میں انہیں کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی، لیکن کم از کم اٹھارہ سال کے بعد کیونکہ اس پر حرکات واعراب اور نقطے نہیں دیئے گئے تھے مصحف امام کی عبارت کو پڑھنے میں لوگوں کو دقت پیش آنے لگی۔

تنقیط سے مراد اعراب کی علامتیں (زبر، زیر اور پیش وغیرہ) ہیں، یعنی رنگین نقطے پیش، زبر اور زیر کی علامت تھے جبکہ بعد میں اس قسم کا استعمال متروک ہوگیا۔

اسی طرح حروف رواوف۔ یعنی ب ت ث، ج ح خ، د ذ، ر ز، س ش، ص ض، ط ظ اور ع غ کی تشخیص کے لئے ان پر نقطے دیے جاتے تھے جسے عربی میں **اعجام** کہتے ہیں۔

اعراب کی علامتیں یعنی پیش، زبر اور زیر دینے کو عربی میں **تشکیل** کہتے ہیں۔ البتہ ہمارے عہد کے مروّجہ طریقے میں تشدید، ادغام اور جزم کو بھی شامل کرلیا گیا ہے۔

غور وفکر کرنے پر ﴿لَا رَیْبَ فِیْہِ﴾ کے کلمہ ریب میں ہمیں اعراب لگانے کی تیس (۳۰) قسمیں نظر آتی ہیں: دو ر اور ز میں، پانچ ب، ی، ت، ث اور ن میں جبکہ تین ب، ت اور ث میں۔ سیکھے بغیر اعراب سے خالی کلمہ کو پڑھنا قاری کے لئے پریشانی کا سبب بنتا ہے۔

ابن عطیہ (متوفی۔ ۵۴۳ھ) کہتا ہے: "جہاں تک قرآن کریم پر اعراب اور نقطے دینے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں مروی ہے کہ عبدالملک ابن مروان نے اس کا حکم دے کر اسے عملی جامہ پہنایا۔ چنانچہ حجاج نے واسط میں اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کیا، اس سلسلہ میں کافی جدوجہد کی اور اضافی طور پر اس کے حزب مقرر کیے۔ نیز والی عراق ہونے کی حیثیت سے اُس نے حسن اور یحییٰ ابن یعمر کو اس پر مامور کیا۔ اسی سلسلہ میں اُس نے واسط میں قرائات سے متعلق ایک کتاب تالیف کی اور رسم الخط سے مطابقت کے سلسلہ میں لوگوں کے مروی اختلافات کو یکجا کیا۔ ایک طویل عرصہ تک لوگ اسی پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ ابن مجاہد نے قرائات کے بارے میں اپنی ایک کتاب تالیف کی۔ زبیدی نے کتاب الطبقات میں مبرّد سے حکایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں سب سے پہلے ابوالاسودؤلی نے نقطے دیئے۔

نیز اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ابن سیرین کا بھی ایک قرآنی نسخہ تھا کہ جس پر یحییٰ ابن یعمر نے نقطے دیے تھے۔

ابوالفرج کہتا ہے: زیاد ابن ابوسفیان نے ابوالاسود کو قرآنی نسخوں میں نقطے دینے کا حکم دیا تھا۔

جاحظ کتاب **الانصار** میں رقمطراز ہے: سب سے پہلے نصر ابن عاصم نے مصاحف پر نقطے دیئے اور اسے **نصر الحروف** کہتے تھے۔

اس کو دس حصوں میں تقسیم کرنے کے سلسلہ میں بعض تواریخ میں ملتا ہے کہ مامون عباسی نے اس کا حکم دیا تھا۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس عمل کو حجاج نے سرانجام دیا تھا۔

ابو عمر سیرانی قتادہ کے حوالے سے کہتا ہے: "ان لوگوں نے نقطوں سے ابتدا کی، اس کے بعد پانچ اور پھر دس

حصوں میں تقسیم کیا اور یہ ایک قسم کا اختراع تھا۔ (المقدمتان۔ صفحہ ۲۷۶) بنابریں، تنقیط، اعجام اور تشکیل کے موجدوں (نقطوں اور حرکات و اعراب کی اختراع کرنے والوں) کی تاریخہائے ولادت و وفات کے ذریعہ ہی تنقیط، اعجام اور تشکیل کے ارتقائی زمانے کو معیّن کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بھی ایک اندازہ ہی ہوگا۔

تقریباً ۵۳ھ میں نقطے دیئے گئے

ماخذ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے نقطے دینے والے ابوالاسود دؤلی (متوفی۔ ۹۵ھ) ہیں۔ انہوں نے رنگین نقطوں کا استعمال کیا تھا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ الفاظ پر پیش ہے، زبر ہے یا پھر زیر۔ حروف روادف پر نقطے دینے سے بھی پہلے اعراب لگانے کی ضرورت محسوس ہوئی جبکہ غور و فکر کرنے پر معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے۔

ابن ندیم (متوفی۔ ۳۸۰ھ) کہتا ہے کہ اس بابت لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ابوالاسود کو ''علم نحو'' کی بنیاد رکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ چنانچہ ابوعبیدہ کہتا ہے: ''انہوں نے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے علم نحو حاصل کیا تھا یعنی ابوالاسود نے۔ اس کے علاوہ آپ نے جو کچھ حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے حاصل کیا تھا اس کا اظہار کسی سے نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ زیاد نے انہیں یہ کہلا بھیجا کہ کوئی ایسا کام کرو جو لوگوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہو اور اس کے ذریعہ کتاب خدا کی معرفت حاصل ہو۔ لیکن ابوالاسود نے عذر خواہی کر لی۔ مگر ایک مرتبہ آپ نے ایک قاری کو اس طرح تلاوت کرتے سُنا: ﴿ أَنَّ اللّٰهَ بَرِیٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولِهٖ ﴾ (سورۂ توبہ۔ آیت ۳) یعنی بے شک اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور اُس کا رسول بھی! لیکن اس قاری نے لفظ رسولہ کے لام کو زیر دے دیا تو اس پر وہ کہنے لگے: میرے گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ لوگوں میں زبوں حالی کا یہ عالَم ہے۔ پھر وہ زیاد کے پاس گئے اور اس سے کہا: حاکم وقت نے مجھے جو حکم دیا ہے میں اُس کی تعمیل کروں گا! چنانچہ ایک ایسا زود فہم کاتب میرے ساتھ کر دو کہ جو میں کہوں وہ لکھ لے۔ لہٰذا عبدالقیس کے ایک کاتب کو لایا گیا مگر آپ نے اُسے قبول نہ کیا تو ایک دوسرے کاتب کو لایا گیا۔ ابوالعباس مبرّد کہتا ہے: میرے خیال میں یہ بھی عبدالقیس ہی کا تھا۔ بہر حال، ابوالاسود کہنے لگے: جب تم دیکھو کہ میں نے اپنے منہ کو کسی حرف کے ادا کرنے کے لئے کھولا ہے تو تم اُس کے اُوپر ایک نقطہ دے دینا اور اگر میں اپنے ہونٹ ملا دوں تو تم اُس حرف کے آگے ایک نقطہ دینا اور اگر میں اپنے منہ کو ٹیڑھا کروں تو تم اس نقطے کے دو حصے کر دینا۔ (الفہرست۔ صفحہ ۶۳)

یہ زیاد وہی حاکم ہے جو زیاد ابن ابیہ کے نام سے جانا جاتا ہے جو ۵۳ھ میں مر گیا۔ یہی زیاد ابن سمیہ ہے اور اسے زیاد ابن عبیداللہ بھی کہا جاتا ہے۔ البتہ جب سے معاویہ نے اس سے اپنی رشتہ داری منسوب کی تھی اُس وقت سے اسے

زیادابن ابوسفیان کہا جانے لگا۔ابن حجر اس کی سوانح بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اِس کا صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا ثابت نہیں ہے گو کہ یہ ہجرت والے سال میں پیدا ہوا تھا اور معرفت وسیاست میں کافی بڑھ چڑھ کے تھا نیز کافی چالاک بھی۔ یہ خود کو شیعانِ علی علیہ السلام میں سے ظاہر کرتا تھا اور آپؑ نے اسے القدس کا حاکم مقرر کیا تھا لیکن جب معاویہ نے اس سے اپنی رشتہ داری ظاہر کی تو حضرت علی علیہ السلام اور شیعان علی علیہ السلام پر یہ اَمر نہایت گراں گزرا۔ یہی وہ شخص ہے کہ جس نے حجر ابن عدی اور اُن کے ساتھ موجود افراد کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا انتقال سن ترپن ہجری میں ہوا۔(لسان المیزان- جلد۲- صفحہ۴۹۳)

بنابریں اس حاکم کے حُکم پر قرآن کریم میں نقطے دینے والے ابوالاسود دُوَلی ہیں اور انتہائی امکان اس بات کا ہے کہ یہ حُکم اس نے اُس زمانہ میں دیا تھا کہ جب اس کا شمار حضرت علی علیہ السلام کے چاہنے والوں میں سے ہوتا تھا، کیونکہ ابوالاسود شیعان علی علیہ السلام میں سے تھے۔ بہر حال یہ ۵۳ ھ سے پہلے کی بات ہے اور اس عمل کو بصرہ میں انجام دیا گیا، اس لئے کہ ابوالاسود بصرہ ہی میں زندگی بسر کیا کرتے تھے جبکہ زیاد وہاں کا حاکم تھا۔

دانی (متوفی- ۴۴۴ھ) نے اس بابت اس سے بھی بڑی روایت نقل کی ہے: ''ہمارے رُواۃ کے درمیان اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ تابعین میں سب سے پہلے قرآن پر نقطے کس نے دیئے؟ چنانچہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ اس کے بانی ابوالاسود دُوَلی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوالاسود عربی زبان سے متعلق ایک ایسی کتاب تصنیف کرنا چاہتے تھے جس سے لوگ اپنے فاسد کلام کی اصلاح کریں کیونکہ ہر خاص وعام کے عربی کلام میں خرابیاں پائی جاتی تھیں۔ وہ کہتے ہیں: ''میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اعراب لگانے سے آغاز کرنا چاہئے تو میرے پاس اُس شخص کو لے آؤ جو اس مصحف پر علامتیں لگائے۔ نیز مجھے سیاہ روشنائی کے علاوہ کسی دوسرے رنگ کی روشنائی لاکر دو!'' اسی طرح آپ نے قرآنی نسخہ میں علامتیں لگانے والے سے کہا تھا: ''جب میں کسی حرف کو اَدا کرنے کے لئے اپنا منہ کھولوں تو تم اُس حرف کے اُوپر ایک نقطہ دینا، جب میں اپنا منہ ٹیڑھا کروں تو تم اُس حرف کے نیچے ایک نقطہ دینا اور اگر میں اپنے ہونٹ ملادوں تو اُس حرف کے آگے ایک نقطہ دینا اور اگر میں ان حرکات غُنّہ یعنی تنوین کا اظہار کروں تو دو نقطے دینا'' چنانچہ اس نے قرآن کے اختتام تک ایسا ہی کیا۔ اس کے علاوہ ہم سے یہ روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ اس کی ابتدا کرنے والے کا نام نصر ابن عاصم لیثی تھا اور اسی نے قرآن کو پانچ اور دس حصوں میں تقسیم کیا تھا'' (المقنع- صفحہ۱۲۹)

یعنی قرأت قرآن میں اشتباہ کی وجہ حروف روادف نہیں تھی، بلکہ اعراب کا تعین قرآن میں لگائی گئی دیگر علامتوں سے مقدم ہے۔

زرکشی کہتا ہے: ''زیاد ابن ابوسفیان نے ابوالاسود کو یہ حکم دیا کہ وہ مصاحف پر نقطے دیں۔ نیز جاحظ نے کتاب الامصار میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے نصر ابن عاصم نے مصاحف پر نقطے دیئے اور اُسے نصر الحروف بھی کہا جاتا تھا۔ البتہ دس حصّوں میں تقسیم کئے جانے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا حکم مامون عباسی نے دیا تھا جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حجاج نے اس عمل کو انجام دیا تھا۔

زبیدی نے کتاب الطبقات میں مبرّد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے مصحف میں نقطے دینے والے ابوالاسود دُولی ہیں۔ اس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابن سیرین کا بھی ایک قرآنی نسخہ تھا جس پر یحییٰ ابن یعمر نے نقطے دیئے تھے۔ (البرھان۔ صفحہ ۲۵)

ذہبی (متوفی۔ ۷۴۷ھ) نے یحییٰ ابن یعمر عدوانی (متوفی۔ ۹۰ھ) کی سوانح میں رقم کیا ہے کہ ابوسلمان بصری نے ابوالاسود دُولی کے سامنے پیش کرنے کے لئے قرأت کی... حضرات ابوذرؓ اور عمارؓ ابن یاسرؓ سے مروی ہے: یہ (یحییٰ ابن یعمر) قاضی مقرر ہوا اور اسی نے سب سے پہلے قرآن کریم پر نقطے دیئے۔ نیز یہ شخص فصیح زبان، شعلہ بیان اور عالم تھا۔ اس نے ابو الاسود سے عربی کا علم حاصل کیا اور اس کے بعد جب قتیبہ کے پاس یہ بات پہنچی کہ منصف نے شراب پی ہے تو اس نے اسے معزول کر دیا۔ (معرفۃ القُرّاء۔ جلد ۱۔ صفحہ ۶۸)

اعجام تقریباً ۹۵ھ میں عمل میں آیا

اعجام سے مراد ب، ت اور ث وغیرہ... جیسے حروف روادف پر علامت گزاری ہے تاکہ حروف کو مشخص کیا جاسکے۔ بعض تاریخ دانوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ علامت گزاری حجاج ابن یوسف ثقفی (متوفی۔ ۹۵ھ) کے دورِ حکومت میں عمل میں آئی جبکہ حجاج ایک سیاست دان اور جابر شخص تھا۔

عسقلانی (متوفی۔ ۸۵۲ھ) کہتا ہے: حجاج ابن یوسف ابن ابی عقیل ثقفی حاکم، مشہور زمانہ اور ظالم وجلاّد تھا۔ اس کا تذکرہ اور اس کی باتوں کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ... میں بیان کیا گیا ہے مگر اس سے متعلق باتیں قابل ذکر نہیں ہیں؛ بیس سال تک عراق پر حکومت کی اور سن پچانوے ہجری میں انتقال کر گیا۔ (تقریب التقریب۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۵۴)

عسکری (متوفی۔ ۳۹۵ھ) نے اس دور کی جانب ایک سرسری اشارہ کیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''عبدالملک ابن مروان کے دورِ حکومت تک یعنی چالیس سال سے بھی زائد عرصہ تک لوگ مصحف عثمان ابن عفانؓ کو پڑھتے رہے اور اس کے بعد اس میں بہت زیادہ غلطیاں ہونے لگیں اور یہ عراق میں نشر ہو گیا۔ لہٰذا حجاج ابن یوسف ثقفی اس کی کتابت کی جانب

متوجہ ہوا اور وہاں کے باشندوں سے ان ملتے جلتے حروف کے لئے علامات لگانے کو کہا۔ کہا جاتا ہے کہ نصر ابن عاصم نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا اور اس نے ایک ایک اور دو دو کر کے ان حروف کی جگہوں سے ادھر اُدھر نقطے دیئے۔ تمام لوگ ایک عرصہ تک اسی روش پر عمل کرتے ہوئے حروف منقوطہ ہی لکھتے رہے اور اس طرح نقطے دینے میں بھی غلطیاں واقع ہونے لگیں تو انہوں نے اعراب کی بنیاد ڈالی اور پھر وہ نقطوں اور اعراب (دونوں اُمور) کی رعایت کرتے تھے۔ جب کسی کلمہ کی تہ تک نہ پہنچ پاتے اور اس کے حقوق کی رعایت نہ کی جاتی تو غلطی واقع ہو جاتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کوئی حل تلاش کیا مگر انہیں صرف یہی سجھائی دیا کہ لوگوں کی زُبانی تلقین کے ذریعہ ہی اس مسئلہ کا حل نکل سکتا ہے۔ (وفیات الاعیان۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۲)

تشکیل تقریباً سن ۱۷۰ ھ میں عمل میں آئی

تشکیل سے مراد حرکات ثلاثہ: زبر، زیر اور پیش ہے تا کہ ابوالاسود دؤلی کے دیئے گئے نقطے کی بجائے انہی کے استعمال سے کسی کلمہ پر اعراب کی نشاندہی کی جاسکے۔ یہی تشکیل ہمارے دور میں بھی مستعمل ہے مگر اس میں کچھ توسیع کی گئی ہے اور اس کی بُنیاد کا سہرا خلیل فراہیدی (متوفی۔ ۱۷۰ھ) کے سَر ہے۔ ابن ندیم (متوفی۔ ۳۸۰ھ) نے اس کی کتاب کو قرآن پر نقطوں اور اعراب سے متعلق پہلی تالیف شمار کیا ہے۔ (الفہرست۔ صفحہ ۵۵)

سید صدر (متوفی۔ ۱۳۵۴ھ) کہتے ہیں: ''خلیل ابن احمد ہی علم کی زینت، علامہ، حجت اُدبیات، لسان عرب کے ترجمان و آقا ابوصفا، پیشوائے یکتا خلیل ابن احمد ہیں۔ حتیٰ کہ آپ ماہر علم عَروض کے طور پر پہچانے جانے لگے۔ ابن قتیبہ کہتا ہے: خلیل ابن احمد ہی صاحب عَروض ہیں اور یہ ازد کے ذیلی قبیلہ یحمد سے منسوب ہیں کہ جنہیں فراہید بھی کہا جاتا ہے۔ ابوالفرج محمد ابن اسحٰق ندیم نے الفہرست میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: آپ علم عَروض کے بانی ہیں اور عربی شاعری میں بھی فقید المثال تھے۔ نیز کہتا ہے: دنیا سے انتہائی پرہیز کرتے تھے، علم ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اور آپ ایک نایاب شاعر تھے۔ جناب خلیل بصرہ میں سن ایک سو ستر ہجری میں انتقال کر گئے اور اُس وقت ان کی عمر چونسٹھ سال کی تھی۔ (تاسیس الشیعة۔ صفحہ ۱۷۸)

سیوطی (متوفی۔ ۹۱۱ھ) نے عہد خلیل کو اس طرح بیان کیا ہے: ''صدر اوّل میں اعراب نقطوں کی شکل میں ہوتے تھے۔ لہٰذا زبر کی جگہ حروف کے شروع میں ایک نقطہ جبکہ پیش کے طور پر حرف کے آخر میں ایک نقطہ اور زیر کی بجائے حرف کے ابتدائی حصہ کے نیچے ایک نقطہ دیا جاتا تھا؛ دانی بھی اسی کا قائل تھا۔ البتہ دور حاضر میں معروف حرکات ثلاثہ جو حروف ہی سے ماخوذ ہیں کی بنیاد خلیل نے ڈالی اور یہی عام اور زیادہ واضح ہے اور اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ زبر ایک مستطیل شکل ہے جو

حرف کے اُوپر لگائی جاتی ہے؛ اسی طرح زیر بھی ایک مستطیل شکل ہی ہے لیکن اسے حرف کے نیچے لکھا جاتا ہے جبکہ پیش ایک چھوٹا سا واؤ ہے جسے حرف کے اُوپر لکھا جاتا ہے۔ تنوین بھی اسی طرح کی ایک اضافی شکل ہے کہ اگر یہ ظاہر ہو جیسے کہ عام طور پر حرف حلقی سے پہلے آتی ہے تو اسے حرف کے اُوپر بٹھایا جاتا ہے ورنہ دونوں کے درمیان لکھی جاتی ہے۔ نیز الف محذوف کو بھی لکھا جاتا ہے اور اس کا نعم البدل تین لکڑیاں ہیں۔ حذف شدہ ہمزہ کو بغیر تین لکڑیوں والے حرف کے بغیر بھی بطور ہمزہ لکھا جاتا ہے اور نون پر۔ حرف بے سے پہلے تنوین اقلاب کی علامت ہے جو تین لکڑیوں کی صورت میں ہوتی ہے اور حرف حلق سے پہلے جزم ہوتا ہے لیکن ادغام اور اخفاء کے موقع پر خالی ہوتی ہے۔ ہر جزم دینے والے حرف کو جزم دیتے ہیں جبکہ حرف مدغم کو خالی چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے بعد والے حرف پر تشدید لگا دیتے ہیں سوائے اُس "ط" کے جو حرف "ٹ" سے پہلے ہو تو ایسی صورت میں اس پر جزم دیتے ہیں جیسے لفظ فرطت۔ نیز حرف ممدود کے پھیلاؤ کا دائرہ اس سے تجاوز نہیں کرتا۔ **(الإتقان- جلد۱- صفحہ۱۷۱)**

کتاب الدر والمرجان میں مرقوم ہے: ''ہمزہ، تشدید، روم اور اشمام کو وضع کرنے کا سہرا خلیل کے سر ہے'' **(جلد۱- صفحہ۱۴)**

تقریباً ۲۱۸ھ میں مصحف کو کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا

ابن جوزی (متوفی-۵۹۷ھ) نے قرآن کو دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو اور دس حصوں میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد اسے دو حصوں میں تقسیم کیا اور اِس کے بعد اپنی کتاب فنون الافنان میں اٹھائیس، تیس اور ساٹھ اجزاء کیے جبکہ اُس کی اس تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں حزب کی اصطلاح عام نہیں تھی۔

اسی طرح سے یہ واضح نہیں ہے کہ قرآن کو دس سے ۲۸، اس سے ۳۰ اور پھر ۶۰ حصوں میں تقسیم کرنے کی وجہ کیا تھی؟

قارئین کی خدمت میں اس کے کلام کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے: ''قرآن دو حصوں پر مشتمل ہے؛ پہلا حصہ اس آیت پر تمام ہوتا ہے: ﴿لقد جئت شیئاً نکراً﴾ (سورۂ کہف- آیت ۷۴) چنانچہ لفظ نکرا میں نون اور کاف پہلے حصہ جبکہ اس کے "ر" اور "الف" کو دوسرے حصہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

تین حصوں میں سے پہلا حصہ سورۂ توبہ کی ۹۲ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿الّا یجدوا ما ینفقون﴾ تک ہے؛ اس کا دوسرا انتہائی حصہ سورۂ عنکبوت کی ۴۵ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿یعلم ما تصنعون﴾ تک ہے اور اس کا آخری حصہ آخر قرآن تک پر مشتمل ہے'' **(فنون الافنان- صفحہ۴۹)**

اسی طرح سے اُس نے قرآن کو چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو اور دس حصوں میں تقسیم کیا ہے اور پھر ۲۸ حصوں میں، تیس حصوں میں اور اس کے بعد ساٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہم اس کتاب میں صرف تیس حصوں میں منقسم قرآن کی تفصیل بیان کریں گے، کیونکہ فی زماننا یہی رائج ہے۔

ابن جوزی کہتا ہے: ''تیس حصے یہ ہیں:

پہلا حصہ: سورۂ بقرہ کی ۱۴۱ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿عمّا کانوا یعملون﴾ تک ہے۔

دوسرا حصہ: سورۂ بقرہ کی ۲۵۲ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿ وانک لمن المرسلین﴾ تک ہے۔

تیسرا حصہ: سورۂ آل عمران کی ۹۰ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿واُولٰئک هم الضّالّون﴾ تک ہے۔

چوتھا حصہ: سورۂ نساء کی ۲۳ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿انّ الله کان غفوراً رحیماً﴾ تک ہے۔

پانچواں حصہ: سورۂ نساء کی ۱۴۷ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿شاکراً و علیماً﴾ تک ہے۔

چھٹا حصہ: سورۂ مائدہ کی ۸۲ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿لا یستکبرون﴾ تک ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۸۱ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿ فاسقون﴾ تک ہے۔

ساتواں حصہ: سورۂ انعام کی ۱۱۰ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿یعمهون﴾ تک ہے۔

آٹھواں حصہ: سورۂ اعراف کی آیت ۸۶ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿المفسدین﴾ تک ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۸۷ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿وهو خیر الحاکمین﴾ تک ہے۔

نواں حصہ: سورۂ انفال کی ۴۰ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿نعم المولیٰ و نعم النصیر﴾ تک ہے۔

دسواں حصہ: سورۂ توبہ کی ۹۲ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿ما ینفقون﴾ تک ہے۔

گیارھواں حصہ: سورۂ ہود کی ۵ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿بذات الصدور﴾ تک ہے۔

بارھواں حصہ: سورۂ یوسف کی ۵۲ ویں آیت کے آخری حصہ ﴿ کید الخآئنین﴾ تک ہے۔

تیرھواں حصہ: سورۂ ابراہیم کے اختتام تک ہے۔

چودھواں حصہ: سورۂ نحل کے اختتام تک ہے۔

پندرھواں حصہ: سورۂ کہف میں ﴿شیئاً نکراً﴾ (آیت-۷۴) تک ہے۔

سولھواں حصہ: سورۂ طٰہٰ کے اختتام تک ہے۔

سترھواں حصہ: سورۂ حج کے اختتام تک ہے۔

اٹھارھواں حصہ: سورۂ فرقان کی ۲۰ویں آیت کے آخری حصہ ﴿وکان ربک بصیراً﴾ تک ہے۔

انیسواں حصہ: سورۂ نمل کی ۵۵ویں آیت کے آخری حصہ ﴿بل انتم قوم تجھلون﴾ تک ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۵۹ویں آیت کے آخری حصہ ﴿یشرکون﴾ تک ہے۔

بیسواں حصہ: سورۂ عنکبوت کی ۴۵ویں آیت کے آخری حصہ ﴿واللہ یعلم ما تصنعون﴾ تک ہے۔

اکیسواں حصہ: سورۂ احزاب کی ۲۳ویں آیت کے آخری حصہ ﴿تبدیلاً﴾ تک ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۳۰ویں آیت کے آخری حصہ ﴿یسیراً﴾ تک ہے۔

بائیسواں حصہ: سورۂ یٰس کی ۲۱ویں آیت کے آخری حصہ ﴿مھتدون﴾ تک ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۲۶ویں آیت کے آخری حصہ ﴿یعلمون﴾ تک ہے۔

تئیسواں حصہ: سورۂ زمر کی ۲۱ویں آیت کے آخری حصہ ﴿الالباب﴾ تک ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۳۱ویں آیت کے آخری حصہ ﴿تختصمون﴾ تک ہے۔

چوبیسواں حصہ: سورۂ فصلت کی ۴۶ویں آیت کے آخری حصہ ﴿بظلام للعبید﴾ تک ہے۔

پچیسواں حصہ: سورۂ جاثیہ کی ۲۹ویں آیت کے آخری حصہ ﴿ما کنتم تعملون﴾ تک ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۳۲ویں آیت کے آخری حصہ ﴿بمستیقنین﴾ تک ہے۔

چھبیسواں حصہ: سورۂ ذاریات کی ۱۰ویں آیت کے آخری حصہ ﴿الخرّاصون﴾ تک ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۳۰ویں آیت کے آخری حصہ ﴿العلیم﴾ تک ہے۔

ستائیسواں حصہ: سورۂ حدید کے اختتام تک ہے۔

اٹھائیسواں حصہ: سورۂ تحریم کے اختتام تک ہے۔

انتیسواں حصہ: سورۂ مرسلات کے آخر تک ہے۔

تیسواں حصہ: آخر قرآن تک ہے"(فنون الافنان۔ صفحہ ۴۹)

قرطبی (متوفی۔۶۹۸ھ) کہتا ہے: "دس حصوں میں تقسیم کرنے کی بابت ابن عطیہ کا کہنا ہے: میری نظر سے کچھ ایسی تاریخی روایتیں گزری ہیں جو کہتی ہیں کہ مامون عباسی نے اس کا حکم دیا تھا۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ حجاج نے اسے انجام دیا تھا۔ ابوعمرو دانی نے اپنی کتاب البیان میں عبداللہ ابن مسعود سے روایت نقل کی ہے کہ قرآن کو دس حصوں میں تقسیم کرنا انہیں ناپسند تھا اور انہوں نے اس تقسیم کو مٹا دیا تھا۔ نیز مجاہد سے مروی ہے کہ اسے بھی قرآن کو دس حصوں میں تقسیم کرنا اور

اس پر خوشبو لگانا پسند نہیں تھا۔ اشہب کہتا ہے: مالک سے جب قرآن کے دس حصوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جنہیں سُرخ یا دیگر رنگوں سے لکھا گیا تھا تو میں نے سُنا کہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوئے کہنے لگا: قرآن کو روشنائی کے ذریعہ دس حصوں میں تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ اسی طرح اُن قرآنی نسخوں کے متعلق پوچھا گیا کہ جن میں ہر اس سورت کا اختتام ہوتا ہے کہ جس میں کوئی آیت پائی جاتی ہے تو اُس نے کہا کہ اُمہات مصاحف میں کوئی شے لکھنا یا اعراب دینا مجھے ناپسند ہے، البتہ جن مصاحف سے لڑکے بالے سیکھتے ہیں اُن میں مجھے کوئی حرج نظر نہیں آتا۔ اشہب کہتا ہے: اس کے بعد اُس نے اپنے جد کا ایک قرآنی نسخہ ہمیں دکھایا؛ اسے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ نے قرآنی نسخے تحریر کئے تھے تو ہم نے دیکھا کہ اس کی سطور کے درمیان طولاً اختتامی حصے روشنائی سے تحریر کئے گئے تھے نیز میں نے دیکھا کہ آیتوں کے اعراب روشنائی سے لگائے گئے تھے۔ قتادہ کہتا ہے: انہوں نے ابتدا کی، پھر نقطے دیئے اور اس کے بعد پانچ اور پھر دس حصوں میں تقسیم کیا۔ یحیٰ ابن ابی کثیر کہتا ہے: مصاحف میں قرآن کی صورت ہی بدل دی گئی تھی: سب سے پہلے انہوں نے ب، ت اور ث پر نقطے دیئے اور کہنے لگے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس سے تو قرآن میں چار چاند لگ جائیں گے، اس کے بعد انہوں نے آیتوں کے اختتام پر نقطے دیئے اور پھر اس کے لئے افتتاح اور اختتام کی بنیاد ڈالی! ابوحمزہ سے مروی ہے: ابراہیم نخعی نے میرے مصحف میں فلاں فلاں سورتوں کے افتتاحیہ دیکھے تو مجھ سے کہنے لگا: اسے مٹا دو! کیونکہ عبداللہ ابن مسعود کا کہنا ہے: کتاب خدا میں وہ چیز شامل نہ کرو جو اُس میں نہیں ہے۔ نیز ابوبکر سراج سے منقول ہے: میں نے ابورزین سے کہا: کیا میں اپنے مصحف میں فلاں فلاں سورتیں تحریر کروں؟ اُس نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ مبادا ایسی قوم رُونما ہو جو اس کے متعلق صحیح بات کا علم نہ رکھتی ہو اور وہ یہ خیال کرلے کہ یہ قرآن ہی کا حصہ ہے۔

دانی کہتا ہے: مذکورہ تمام روایتیں علی الاعلان کہہ رہی ہیں کہ قرآن کی دس یا پانچ حصوں میں تقسیم، سورتوں کے افتتاحیہ اور آیتوں کی ابتدا (یہ سب) صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذاتی فعل ہے اور اُن کا اجتہاد انہیں اس عمل کی جانب کھینچ کر لے گیا جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جن صحابہ اور کچھ دیگر افراد (جو صحابی نہیں تھے) نے اس عمل کو ناپسند کیا تھا انہوں نے بھی اسے مختلف رنگ دینے جیسے لال پیلے وغیرہ کو پسند نہیں کیا تھا جب کہ دیگر تمام خطوں کے مسلمان اسے متفقہ طور پر جائز سمجھتے ہیں اور امہات مصاحف (قرآن شریف کے ابتدائی نسخے) وغیرہ میں بھی ان کا استعمال رَوا گردانتے ہیں اور چونکہ یہ سب لوگ متفق ہیں لہٰذا کسی قسم کا حرج نہیں ہے اور ان کی غلطی معاف ہے -انشاءاللہ-

عرض مؤلف: ان منقولات سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ سیکھنے، حفظ کرنے اور قرأت کا یومیہ حصہ مقرر کرنے کے لئے قرآن کو کئی حصوں پر تقسیم کرنے کی ضرورت پیش آئی لہٰذا اس عمل میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بہرطور قرآن کو کئی حصوں میں

تقسیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، کیونکہ اس سے ہماری اَغراض جائز ہیں۔ قاری شیخ محمود حصری نے مجھے بتایا کہ اَگلے زمانہ کے لوگ عام طور سے ہر آیت کے آخر میں تین نقطے دیتے تھے تا کہ انتہائے آیت کی نشاندہی کردی جائے۔ اسی طرح ہر پانچ آیتوں کے اختتام پر وہ لوگ لفظ پانچ لکھا کرتے تھے جبکہ دس آیتوں کے اختتام پر دس نقطے دیتے تھے اور اگر عدد کے مکرر آنے پر اسی طرح سے پانچ اور دس نقطے دیتے اور آخر سورت تک یہی صورت حال رہتی۔ قتادہ کے قول: ''انہوں نے ابتدا کی، پھر نقطے دیئے اور پھر اسے پانچ اور اس کے بعد دس حصوں میں تقسیم کیا'' کے یہی معنیٰ ہیں۔ آجکل صرف تیس حصے دیکھنے میں آتے ہیں دیگر نہیں اور ہر جز دو (۲) حزب پر مشتمل ہے جبکہ ہر حزب میں چار رُبع ہیں اور اس طرح مجموعی طور پر تیس جز تشکیل پاتے ہیں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن کو حصوں میں تقسیم کرنا مسلمانوں کے حسب دلچسپی اور جس ماحول میں زندگی بسر کرتے ہوئے وہ لوگ قرآن کو شروع سے آخر تک پڑھتے تھے اُس لحاظ سے ایک اختیاری فعل تھا جبکہ امام صادق علیہ السلام کے دَور میں قرآن پانچ، سات اور ۱۴ اَجزاء پر مشتمل تھا۔

چنانچہ حسین ابن خالد سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: قرآن کو کتنے حصوں میں پڑھنا چاہیے؟ تو آپؑ نے فرمایا: ''میں پانچ حصوں میں ختم کرتا ہوں اور کبھی سات حصوں میں جبکہ میرے پاس ایک ایسا قرآنی نسخہ بھی ہے جو چودہ حصوں پر منقسم ہے'' (الوسائل۔ جلد۴۔ صفحہ ۸۶۲)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کا ۱۴ حصوں پر مبنی ہونے کی بناء پر قرآن کے ہر جز میں تقریباً دو حزب ہوں گے اور اس کو سات حصوں میں تقسیم کرنے پر اس کے چار جبکہ پانچ حصوں میں تقسیم کرنے پر چھ اَجزاء ہوں گے۔ اس لئے کہ ۳۰ کو ۱۴ پر تقسیم کرنے سے قرآن کو پانچ دنوں، ایک ہفتہ یا دو ہفتوں میں ختم کیا جاسکتا ہے۔

اَرجانی کا کہنا ہے: ''یحیٰی ابن کثیر کہتا ہے کہ لوگ قرآن سے متعلق صرف اتنا جانتے تھے کہ آیتوں کی ابتدا میں تین نقطے دیئے گئے ہیں۔ یہ بات ابن ابی داؤد نے بیان کی ہے نیز ابن سیرین سے مروی ہے کہ آیتوں کے شروع میں نقطوں اور افتتاحیہ اور اختتام سورت اُسے ناپسند تھے؛ ابن مسعود اور مجاہد سے مروی ہے کہ ان دونوں نے قرآن کو دس حصوں میں تقسیم کرنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ ابن ابی داؤد نخعی کے حوالے سے بیان کرتا ہے کہ قرآن کو دس حصوں میں تقسیم کرنا، اس کے افتتاحیے مقرر کرنا، مصحف کو مختصر کرنا اور اس میں یہ لکھنا کہ فلاں فلاں سورت ہے اُسے پسند نہیں آیا۔ (کنز المرجان۔ جلد۱۔ صفحہ ۱۴)

زرکشی (متوفی۔ ۷۹۷ھ) کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حجاج نے قرآن کو سات حصوں میں تقسیم کرنے پر خصوصی

توجہ دی، لہٰذا اُس نے قُرّاء، حُفّاظ اور کاتبوں کو یکجا کر کے کہا: مجھے پورے قرآن کے حروف کے متعلق بتلاؤ کہ وہ کُل کتنے ہیں؟ راوی کہتا ہے: ہم نے حساب لگایا اور سب اس پر متفق تھے کہ قرآن میں تین لاکھ چالیس ہزار سات سَو چالیس حروف ہیں۔ حجاج نے کہا: مجھے نصف قرآن سے آگاہ کرو! کیونکہ یہ سورۂ کہف کی آیت ﴿ولیتلطف﴾ (آیت۱۹) کے "ف" تک ہے جبکہ اس کا پہلا تہائی حصہ سورۂ برائت کی ۱۰۰ ویں آیت کی ابتدا تک، دوسرا تہائی حصہ سورۂ شعراء کی ۱۰۰ یا ۱۰۱ ویں آیت کی ابتدا تک اور اس کا آخری تہائی حصہ قرآن کے آخر تک ہے۔ سات میں سے پہلا حصہ اس آیت: ﴿فمنهم من آمن به و منهم من صد عنه﴾ (سورۂ نساء۔ آیت۵۵) کے حرف "د" تک ہے، دوسرا حصہ سورۂ اعراف کی آیت ﴿حبطت اعمالهم﴾ (آیت۱۴۷) کے حرف "ت" تک ہے، تیسرا حصہ سورۂ رعد کی آیت ۳۵ میں لفظ ﴿اکلها﴾ کے دوسرے الف تک ہے، چوتھا حصہ سورۂ حج کی آیت ۳۴ میں ﴿جعلنا منسكاً﴾ کے الف تک ہے، پانچواں حصہ سورۂ احزاب کی آیت ۳۶ ﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة﴾ کے حرف "ہ" تک ہے، چھٹا حصہ سورۂ فتح کی چھٹی آیت ﴿الظّانّين بالله الظَّنّ السَّوْء﴾ میں حرف "و" تک ہے اور ساتواں حصہ آخر قرآن تک ہے۔ (البرھان۔ صفحہ۲۵۰)

آجکل قرآن تیس پاروں پر مشتمل ہے اور عام طور سے آجکل نیکوکار افراد ماہِ رمضان میں روزانہ ایک پارہ کی تلاوت کرتے ہوئے اس ماہ مبارک میں پورا قرآن ختم کرتے ہیں جبکہ کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو روزانہ کئی پاروں کی تلاوت کرتے ہیں۔

اسی طرح ایصال ثواب کی مجلس میں شرکت کرنے والوں کے درمیان قرآنی پارے تقسیم کئے جاتے ہیں تاکہ مرحوم کی رُوح کے ثواب کے لئے ختم القرآن عمل میں آئے۔ تعلیمی مہم کے سلسلے میں سہولت کی خاطر طلباء کے درمیان تلاوت کئے جانے والے یومیہ حصہ کے تعین کے لئے کئی دیگر قسموں کی تقسیم بھی عمل میں آئیں لیکن ان میں مشہور ترین تقسیم کے مطابق مصحف کو ۳۰ پاروں کی صورت میں شائع کیا جاتا ہے کہ ہر پارہ میں دو حزب ہوتے ہیں جو مجموعی طور پر ساٹھ حزب ہو جاتے ہیں اور ہر حزب کے بھی دو حصے ہوتے ہیں گویا ایک پارہ کے چار حصے ہوگئے اور مجموعی طور پر ۲۴۰ رُبع (ایک چوتھائی حصہ) ہوتے ہیں۔

زرکشی (متوفی۔ ۷۹۷ھ) کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقط تعلیمی غرض سے قرآن میں یہ تقسیم پیدا کی گئی، کیونکہ وہ کہتا ہے: "گو تیس پارے مشہور ہو گئے ہیں جس طرح کہ مدارس وغیرہ میں رُبع عام ہیں" (البرھان۔ جلد۱۔ صفحہ۲۷۰)

مغرب میں موجود اسلامی ممالک میں مصاحف کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور یہ روایت ورش نے نافع سے نقل کی ہے جو اسلامی مغرب میں عام ہے۔ چنانچہ اس کا پہلا حصہ سورۂ اَنعام، دوسرا حصہ سورۂ اَعراف اور تیسرا حصہ سورۂ

مریم پر منتہی ہوتا ہے جبکہ چوتھا حصہ سورہ یٰس سے شروع ہو کر آخر قرآن تک ہے؛ یہ تربیع (چار حصوں میں تقسیم کیا جانا) مشرق میں رہنے والوں کے لئے حیرت انگیز ہے۔ روزانہ تلاوت کیے جانے والے قرآنی حصہ کو رکوع سے تعبیر کرتے ہیں۔ باقاعدہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس تقسیم کا سہرا کس کے سر ہے؟ البتہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انفرادی کاوش ہے جو ذاتی غرض کے تحت وجود میں آئی۔ نیز منقول ہے کہ سب سے پہلے قرآن کو دس حصوں میں تقسیم کرنے والا مامون عباسی (۱۶۷ھ-۲۱۸ھ) ہے جو بغداد میں بنو بیت الحکمت کا ایک دانشمند عباسی خلیفہ تھا اور اغریق کی تہذیب وثقافت کے لئے کوشاں تھا۔ ۲۱۲ھ میں اس نے مسئلہ ''تخلیق قرآن'' کو قومی عقیدہ قرار دے دیا تھا جو معتزلہ فرقہ کی تائید اور فرقہ اشاعرہ کی تذلیل کی جانب ایک اقدام تھا اور اس کے لئے انہیں ایک آزمائش سے گزرنا پڑا کہ یہ فتنہ طرطوس میں مامون کی وفات پر ۲۱۸ھ میں منتہی ہوا، اس لئے کہ اس کی قبر ترکی میں واقع ہے جو ''ما مون آغا'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ قرآن کی دس حصوں کی تقسیم کا اثر آج بھی برقرار ہے۔

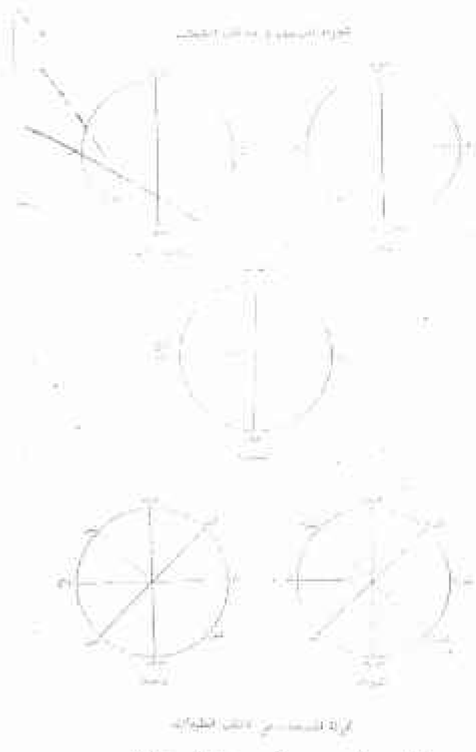

مختلف مطبوعات کے مطابق تجزیٔ مصحف

پاروں والے قرآن کا طباعتی جائزہ

مطبوعۂ ہند و پاک	مطبوعۂ ایران	مطبوعۂ سعودیہ	مطبوعۂ مغرب
۳۰ حصے (پارے)	۳۰ حصے	۳۰ حصے	۳۰ حصے
ہر جز کے دو حصے	۱۲۰ حزب	۶۰ حزب	۶۰ حزب
ہر نصف میں دو ربع	ہر جز میں ۴ حزب	ہر جز میں ۲ حزب	ہر جز میں ۱۵ حزب اور ہر حزب میں دو ثُمن

مطبوعۂ سوڈان

مطبوعۂ افریقی اسلامی دارالمرکز، خرطوم-سوڈان، طباعت دوّم، ۱۴۱۰ھ۔ تیس حصوں میں شائع ہوا کہ ہر جز کے دو حزب تھے اور مجموعی طور پر ۶۰ حزب تھے جبکہ ہر حزب کے آٹھ حصے تھے اور ا سے لے کر ۸ تک پہلے ثُمن سے شروع ہو کر آٹھویں ثُمن پر منتہی ہوتا تھا۔

مطبوعۂ نانجیریا

مطبوعۂ الحاج حسن انوما کنو جس کے ۸۱۹ صفحے اور چار حصے ہیں:

پہلا حصہ: سورۂ بقرہ سے سورۂ اعراف تک ۱۵ حزب پر مشتمل ہے۔

دوسرا حصہ: سورۂ اعراف صفحہ ۲۰۵ سے ۱۵ حزب پر مشتمل ہے۔

تیسرا حصہ: سورۂ مریم صفحہ ۴۰۸ سے ۱۵ حزب پر مشتمل ہے۔

چوتھا حصہ: صفحہ ۶۰۵ سے آخر قرآن صفحہ ۸۱۹ تک ۱۵ حزب پر مشتمل ہے۔

ہر حصہ میں مختلف رنگ شامل ہیں اور رنگین حاشیے بھی۔ (ث) ایک تہائی (ثلث)، (ب) ایک چوتھائی (رُبع)، (ث) آٹھویں حصہ (ثُمن) اور (ن) نصف کی علامتیں ہیں وغیرہ وغیرہ...

اس مطبوعہ قرآن میں یہ خصوصیت ہے کہ ہر رُبع کے شروع میں تعداد اوراق کا ذکر کیا گیا ہے؛ حزب کے ہر رُبع کے لئے حروف ابجدی کا استعمال کیا گیا ہے، مثال کے طور پر سورۂ بقرہ کے شروع میں اس طرح تحریر ہے: ''میزان: اس

کے رُبع میں اُنتیس وقف ہیں) اور پورے قرآن میں اسی طرح سے لکھا ہوا ہے۔ وقف کی علامتیں مختصر اور واضح ہیں۔

رکوع: ہندوستان اور پاکستان کے مطبوعہ قرآن میں ہر ٹکڑے کے آخر میں (ع) رکوع کی علامت ہے کہ جسے اس طرح سے تحریر کیا گیا ہے:

۱
ع ۱۴
۱۲

یعنی اس حرف عین کے اُوپر، درمیان میں اور نیچے کچھ اَعداد تحریر ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ اس سورت کا پہلا رکوع ہے، اس رکوع میں ۱۴ آیتیں ہیں اور متعلقہ پارے کا یہ بارہواں رکوع ہے۔ رکوع تقریباً دو سال تک ہر روز تلاوت اور حفظ کئے جانے والا حصہ ہے۔ مجموعی طور پر ۵۵۸ رکوع ہیں اور ہر رکوع میں آیتوں کی تعداد طوالت و اختصار کے اعتبار سے باہم مختلف ہیں۔ چنانچہ چھوٹی سورتیں (سورۂ عبس۔ ۸۰ ویں سورت اور اس کے بعد کی سورتیں) صرف ایک رکوع پر مشتمل ہیں۔ ہر رکوع میں آیتوں کی تعداد متعلقہ سورت کی آیتوں کے حساب سے ہوتی ہے۔ البتہ رکوع کے اَعداد ہر جز میں الگ الگ ہیں۔

تیسواں حصہ (پارہ) سورۂ نبأ (عمّ) سے آخر قرآن تک ہے۔

۷۸ ویں سورت۔ سورۂ نبأ۔ میں دو رکوع ہیں کہ اس کا پہلا رکوع ۳۰ جبکہ دوسرا رکوع ۱۰ آیتوں پر مشتمل ہے۔

۷۹ ویں سورت۔ سورۂ نازعات۔ میں دو رکوع ہیں کہ اس کا پہلا رکوع ۲۶ جبکہ دوسرا رکوع ۲۰ آیتوں پر مشتمل ہے۔

۸۰ ویں سورت۔ سورۂ عبس۔ میں ایک رکوع ہے جو اس سورت کی ۴۲ آیتوں پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد ہر سورت میں ایک ہی رکوع ہے اور اس طرح تیسویں پارہ میں آخری سورت۔ سورۂ ناس۔ تک ۳۹ سورتیں پائی جاتی ہیں۔

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ تجزیٔ قرآن کے سلسلہ میں اس طرح کی تقسیم بعد میں واقع ہوئی اور ان کے رُونما ہونے کا سبب قرآن سیکھنے والوں کے لئے آسانی پیدا کرنا تھا۔

مصحف امام کا رسم الخط

مصحف امام کی کتابت میں خطاطی کے مسلمہ اُصولوں کا خیال نہیں رکھا گیا جبکہ اس کو سیکھنے کا واحد طریقہ ہر دور میں

موجود علمائے کبار کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تھا۔ دانی (متوفی۔ ۴۴۴ھ) نے قرآن کے رسم الخط کے لئے باقاعدہ ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ ابوزیتجار **رسم** کی تعریف یوں کرتا ہے: ''درحقیقت لغت میں لفظ رسم مرسوم (نقش) کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے؛ یہ مصدر ہے اور اس سے مراد اسم مفعول ہے؛ اس کا مترادف لفظ خط ہے... اصطلاحی...'' یہ خط عثمانی کے نام سے جانا جاتا ہے، اسمِ علم ہے کہ جس کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصاحف عثمانیہ رسم الخط کے قیاسی اُصولوں سے مختلف ہیں (اور اس کا موضوع) حروف مصاحف ہیں یعنی حذف، ثبت، کمی بیشی، فاصلہ، وصل وغیرہ وغیرہ... جو مصاحف کو درپیش ہوتے ہیں۔ (لطائف البیان۔ جلد۱۔ صفحہ۱۲ و ۱۳)

مصحف کے رسم الخط کا توقیفی ہونا

مصحف کے رسم الخط سے متعلق علمائے اَعلام میں اختلاف پایا جاتا ہے: آیا مصحف کی کتابت توقیفی (پہلے سے جس کی نشاندہی کردی گئی) ہے یعنی اس رسم الخط کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے قرآن کو تحریر کرنا جائز نہیں ہے یا یہ کہ قرآنی رسم الخط توقیفی نہیں ہے؟

زرکشی (متوفی۔ ۷۹۴ھ) اس بات کا قائل ہے کہ یہ توقیفی ہے، لہٰذا اُس کا کہنا ہے: ''یہ صدرِ اوّل میں تھا جبکہ علم زندہ و سدا بہار ہے۔ البتہ ہمارے زمانہ میں غلطی کا اندیشہ ہے اور اسی وجہ سے شیخ عزالدین عبدالسلام کہتے ہیں: اَب یہ جائز نہیں کہ ائمہ کی طرز پر عمل کرتے ہوئے مصحف کو اگلے زمانے کے کسی رسم الخط میں تحریر کیا جائے تاکہ جاہل اَفراد سے اس میں کوئی ردّوبدل نہ ہوجائے۔ لیکن یہ بھی مناسب نہیں کہ اس حُکم کو مُطلق طور پر لاگو کیا جائے کہ مبادا علم کے آثار مٹ جائیں جبکہ اگلے زمانے کے لوگوں کی اُستوار کی ہوئی کسی بھی چیز کو جاہلوں کی جہالت کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا اور زمین کبھی بھی کسی ایسے شخص سے خالی نہیں رہ سکتی جو حجت خدا کو قائم کرے۔ شعب الإیمان میں بیہقی کہتا ہے: مصحف لکھنے والے کے لئے سزاوار ہے کہ وہ اُن حروف تہجی کو حفظ کرلے کہ جن سے اگلے زمانے کے لوگ مصاحف تحریر کیا کرتے تھے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اُن کی مخالفت نہ کرے اور نہ ہی اُن کی لکھی ہوئی کسی شے میں کوئی ردّوبدل کرے، کیونکہ وہ لوگ ہم سے زیادہ واقف تھے، قلبی اور زبانی طور پر ہم سے زیادہ سچے اور امانت داری میں ہم سے بہت بڑھ کر تھے۔ لہٰذا یہ بالکل مناسب نہیں کہ ہم اس زعم میں مبتلا رہیں کہ ہم اُن کی غلطیوں کو درست کررہے ہیں۔ اپنی اُسناد کے ذریعہ زید سے روایت نقل کرتا ہے کہ: قاری حضرات بہترین لوگ ہیں'' (البرھان۔ جلد۱۔ صفحہ۳۷۹)

شنقیطی (متوفی-۱۳۶۳ھ) نے اِس مضمون سے متعلق ایک نئی بات کہی ہے: ''اگلے زمانے کے کلام میں اَسرار پائے جاتے ہیں اور کتابت کو اِس میں دخل حاصل ہے۔ چنانچہ جس کسی نے بھی اپنے زمانہ میں لکھا ہے اُس نے ان تمام اَسرار کی رعایت کی ہے ورنہ تو اس کے اَسرار میں نقص پیدا ہوگیا ہوتا اور کاتب اپنی مرضی سے کچھ کلمات لکھ دیتا۔ ہمیں اس بات کو لکھنے پر اُن علماء نے مجبور کیا جو کہتے ہیں کہ اگلے زمانے کے رسم الخط میں لکھنا جائز ہے اور اُن کا کہنا ہے کہ یہی رائج ہے؛ اسی لئے یہ واجب نہیں ہے کہ کسی خاص طریقے ہی کی رعایت کی جائے، بلکہ جو طریقہ زیادہ آسان لگے اس کے مطابق لکھنا بھی جائز ہے یعنی اگلے زمانے کے اور اس کے بعد کے (ہر) طریقہ سے بھی لکھا جا سکتا ہے کیونکہ رسم الخطوط علامتیں ہوتی ہیں جو رموز و اشارات کے قائم مقام ہوتی ہیں، لہٰذا جو رسم الخط کسی کلمہ پر دلالت کرے اس کے ذریعہ کتابت کرنا صحیح ہے جبکہ جس طرح کہ آپ نے جان لیا یہ نظریہ بالکل باطل ہے۔...الخ بہرحال شنقیطی کا کلام لاجواب ہے کہ عقول عرب کو وہاں تک رَسائی حاصل نہ ہوئی۔ (ایقاظ الاَعلام- صفحہ ۳۷)

مزید برآں شنقیطی (متوفی-۱۳۶۳ھ) کہتا ہے: ''مصاحف کے خط سے مراد وہ رسم الخط ہے کہ جس پر تمام صحابہ متفق تھے جیسے کہ جوزی نے اپنی کتاب النشر میں اس بات کا ذکر کیا ہے اور دوسرے علماء نے بھی؛ نہ صرف وہ نسخے جو استنبول کے چھاپے خانوں میں شائع ہوئے یا ان کے علاوہ کوئی دوسرے نسخے، بلکہ اکثر مصاحف کے رسم الخطوط مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط سے میل نہیں کھاتے۔ مثال کے طور پر درمیان میں لکھے گئے الف کو بالخصوص حذف کر دیا گیا یا اس جیسی دیگر مثالیں۔ چنانچہ آپ کو ان میں الف محذوف نظر نہیں آئے گا مثلاً علـمین اور مسلـمت جیسے کلمات جبکہ تمام اہل قرآن نے ان کو اور ان جیسے دیگر حروف کو حذف کرنے پر موجود اجماع کے متعلق واضح طور پر بتلا دیا ہے۔ (ایقاظ الاَعلام- صفحہ ۱۷)

عرض مؤلف: ہمارے لئے یہ سمجھنا دشوار ہے کہ جب مطبوعہ رسم الخطوط مصاحف عثمانیہ سے ہٹ کر ہیں تو پھر یہ مصاحف عثمانیہ کس لئے ہیں؟

ابن جزری (متوفی-۸۳۳ھ) عربی کتب کے مطابق حروف تہجی کے باب میں رقمطراز ہے: ''اکثر مصاحف کے رسم الخطوط انھی قوانین کے مطابق ہیں، لیکن ان کے علاوہ بھی کچھ خارجی چیزیں وارد ہوئی ہیں کہ جن کی رعایت کرنا لازم ہے اور ان کی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے؛ ان میں سے کچھ کی وجہ تو ہم جانتے ہیں لیکن کچھ ہم پر آشکار نہیں؛ علماء نے اس سلسلہ میں بے شمار قدیم و جدید کتابیں تصنیف کی ہیں۔ (النشر- جلد۲- صفحہ ۱۳۸)

اردکانی کہتا ہے: ''کسائی سے منقول ہے کہ قرآن کریم کے خط میں عجیب و غریب راز پنہاں ہیں کہ جن سے صاحبانِ عقل کی عقلیں حیرت زدہ ہیں اور ماہرین فصاحت و بلاغت کی زُبانیں گُنگ؛ جس طرح سے کہ الفاظ قرآن معجزہ

ہیں اُسی طرح اس کا خط بھی خارقِ عادت ہے۔ اس خط میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ قاریٔ قرآن مصحف پر تکیہ نہیں کرتا، بلکہ وہ قرآن کو اُن لوگوں کی زُبانی حاصل کرتا ہے کہ جنہوں نے سندِ عالیہ کے ذریعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے حاصل کیا ہے۔ (نثر المرجان۔ جلد۱۔ صفحہ۱۲)

زرکشی (متوفی۔۷۹۷ھ) نے اِختلافی مقامات پر بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور اُس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، گو کہ بسا اَوقات انتہائی مبالغہ سے کام لیا ہے کہ ان میں حکمتیں اور دلکش اَسرار پوشیدہ ہیں کہ جن کی طرف ابوالعباس مراکشی عُرف ابن بناء (متوفی۔۷۲۱ھ) نے توجہ دلائی ہے...اُس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حسبِ معانی ان حروف کی وضع بھی مختلف ہے۔ (البرھان۔ جلد۱۔ صفحہ۳۸۰)

اس کے برعکس دانی (متوفی۔۴۴۴ھ) کی رائے یہ ہے کہ قرآن کریم کی قرأت میں لحن کا تنہا سبب خط ہے، وہ کہتا ہے: ''اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرأتِ قرآن میں لحن مذکور سے حضرت عثمانؓ کی مراد تلاوت تھی نہ کہ خط، کیونکہ اُن میں اکثر الفاظ ایسے ہیں کہ اگر وضعِ تحریر کے مطابق اُن کی تلاوت کی جاتی ہے تو اس طرح سے تلاوت کے معنٰی برعکس اور اس کے الفاظ تبدیل ہوجاتے ہیں۔ کیا آپ نے قرآن میں موجود: ''او لاذبحنہ''، ''لا اوضعوا''، ''من نبای المرسلین''، ''ساوریکم''، ''الربوا'' اور ان جیسے الفاظ کو نہیں دیکھا کہ جن کے لکھنے میں حرف الف، یۓ اور واؤ زائد ہیں کہ اگر کوئی تلاوت کرنے والا رسم الخط کی حقیقی وضع سے واقف نہ ہوتے ہوئے ان کی تلاوت کرے گا تو وہ مثبت کو منفی میں بدل دے گا اور ان الفاظ میں ایسے زائد حروف بھی شامل کردے گا کہ جو ان میں پائے ہی نہیں جاتے اور نہ ہی ان کی کوئی حقیقت ہوتی ہے، الہٰذا سُننے والے کے سامنے وہ جس قسم کا لحن پیش کرے گا وہ کسی سے مخفی نہیں گو کہ اس طرح سے تحریر کرنا جائز ہے اور مُستعمل بھی'' (المقنع۔ صفحہ۱۱۶)

اس بارے میں کہ رسم الخط توقیفی نہیں ہے سب سے بہترین استدلال ابن خلدون (متوفی۔۸۰۶ھ) نے پیش کیا ہے، چنانچہ اُس کا کہنا ہے: ''ان (صحابہ) کے مصحف کو لکھنے کے سلسلہ میں جو کچھ ہمارے سامنے آیا اُس پر غور کریں، کیونکہ صحابہ نے اپنے اپنے رسم الخط میں تحریر کیا کہ جن میں کوئی خاص نکھار نظر نہیں آتا اور اس طرح اُن کی تحریروں میں اُس فنی مہارت کا فقدان دیکھنے میں آتا ہے جسے پیشہ ور کاتب ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد تابعینِ سلف نے اپنی تحریروں میں تبرکاً بعینہٖ اُسی طرح سے لکھا کہ جیسے اَصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تحریر کیا تھا کہ جو آپؐ کے بعد بہترین مخلوق ہیں، کیونکہ کتابِ خدا کی وحی اور آپؐ کے کلام ہم تک انہی کے ذریعہ پہنچے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے زمانے میں تبرکاً کسی ولی یا عالمِ دین کی تحریر کی نقل کی جاتی ہے اور اُس کے ہر صحیح وغلط میں اُسی کی اتباع کی جاتی ہے جبکہ صحابہ کی تحریر سے بھلا اُن کا کیا

مقابلہ؟! لہٰذا اُنہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے من وعن ثبت کر دیا گیا اور اُن کے متعلقہ مقامات پر علمائے کرام نے اس رسم الخط کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ (قارئین) اُن علماء کی بات پر دھیان دینا شروع کر دیں جو غفلت کی بناء پر کہتے ہیں کہ صحابہ کو فنِ خطاطی میں مہارت تامہ حاصل تھی اور یہ جو خیال کیا جاتا ہے کہ اُن کی تحریریں رسم الخط کے اُصولوں کے برخلاف ہیں تو یہ خیال ٹھیک نہیں ہے، بلکہ ان میں سے ہر ایک کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے کہ جس کے وہ قائل ہیں۔ مثلاً لا اذبحنـه میں زائد الف سے متعلق اُن کا کہنا ہے کہ یہ حرف الف اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ذبح عمل میں نہیں آیا؛ اسی طرح سے لفظ بـأييـد میں زائد یَ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ قدرت ربانی کے کمال کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس قسم کی دوسری ایسی مثالیں کہ جن کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ یہ محض خودساختہ ہیں اور اس بات پر انہیں اُن کے اس عقیدہ نے مجبور کیا کہ صحابہ تمام تر نقائص سے پاک ہیں یعنی اُن کی تحریر فن خطاطی کے عین اُصولوں کے مطابق تھی۔ نیز اُنہوں نے یہ بھی خیال کرلیا تھا کہ خطاطی وجہ کمال ہے، لہٰذا اُنہوں نے صحابہ کو اس عیب سے پاک قرار دے دیا اور اُن سے یہ بات منسوب کر دی کہ خوشخطی میں انہیں کمال حاصل تھا اور اس طرح انہوں نے خوشخطی کے اُصولوں کے خلاف پائی جانے والی تحریروں کی عذرخواہی شروع کر دی جبکہ ایسا کرنا قطعاً صحیح نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی جان لینا چاہئے کہ صحابہ کے لئے خطاطی کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ جس طرح کہ آپ نے پہلے بھی جان لیا کہ خطاطی تہذیب یافتہ معاشرہ کی جملہ صنعتوں میں سے ایک ہے اور صنعتوں میں حصولِ کمال ایک اضافی خوبی ہے کہ جس کے حاصل نہ ہونے سے کسی انسان کے دین یا خلوص میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا، البتہ حصول معاش و معاشرتی تعاون پر اثر انداز ہوسکتا ہے، اس لئے کہ یہ معاشرتی قابلیت کی دلیل ہے۔" (المقدمة۔ صفحہ ۴۱۹)

دورِ عثمان میں صحابہؓ کا لفظ تابوت میں باہم اختلاف کرنا یعنی کچھ صحابہ کا (التـابوت) جبکہ کچھ کا (التـابوه) لکھنا اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ قرآن کا رسم الخط توقیفی نہیں ہے، کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو اُن کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہوتا۔

دانی (متوفی۔ ۴۴۴ھ) کہتا ہے: "ابن شہاب سے منقول ہے کہ ایک دن صحابہ کے درمیان لفظ (التـابوت) میں اختلاف واقع ہوا تو زید ابن ثابت کہنے لگے کہ یہ التـابوه ہے جبکہ ابن زبیر، سعید اور عبدالرحمٰن کا کہنا تھا کہ یہ لفظا لتـابوت ہے۔ چنانچہ یہ قضیہ حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ التـابوت لکھو! کیونکہ قریشی زبان میں اسی طرح سے ملتا ہے" (المقنع۔ صفحہ ۱۲۱)

لفظ التابوت قرآن کریم میں حسب ذیل ۲ مقامات پر استعمال ہوا ہے:

۱۔ اِنّ آیة ملکه اَن یاتیکم التابوت۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۴۸)

۲۔ اَنِ اقذفیه فی التابوت (سورۂ طٰہٰ۔ آیت ۳۹)

(بنابریں) مصحف کی کتابت پر مامور جماعت کے درمیان صرف اسی ایک کلمہ میں اختلاف پیدا ہوا تھا اور وہ بھی یہ کہ آیا اسے تائے ملفوظی (ت) سے لکھا جائے یا تائے مکتوبی (ۃ) سے۔ جبکہ یہ اختلاف پایا جانا بھی بڑی عجیب بات ہے، اس لئے کہ زید ابن ثابت کی رائے تھی کہ یہ لفظ (التابوہ) لکھا جاتا ہے اور یہی وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے خلیفہ ابوبکرؓ کے لئے ایک مصحف کی کتابت کی تھی اور ظاہر ہے کہ انہوں نے اس کلمہ کو اسی طرح سے لکھا ہوگا کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوبکرؓ کو اُن پر پورا اعتماد تھا جبکہ دورِ عثمان میں کتابت پر مامور جماعت کے لئے وہی صحیفے اب مآخذ کی صورت اختیار کر چکے تھے تو اختلاف اس جماعت کے شرکاء کی جانب سے واقع ہوا تھا جو قریشی تھے جبکہ وہ لوگ قریشی کتابت کے علاوہ کسی بھی طریقے کی رعایت کو ترک کر چکے تھے اور اس وقت یہ کتابت زید انصاری کی صورت میں موجود تھی۔ نیز خلیفہ عثمانؓ قریشی رُجحان رکھتے تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم انہی کی قوم سے تھے اور قرآن بھی انہی کی زبان کے مطابق نازل ہوا تھا۔ اب یہ سوال اُٹھتا ہے کہ تابوت سے مشابہ الفاظ جیسے نعمت اور نعمة وغیرہ... میں یہ اختلاف کیوں نظر نہیں آتا جبکہ قرآن میں ایسے بے شمار موارد ہیں؟

اس سے پتا چلتا ہے کہ (تابوت) کے علاوہ دیگر تمام الفاظ قریش کے طریق کتابت کے عین مطابق تھے اور اسی وجہ سے تمام تر مصحف امام میں بھی قریش کتابت کی رعایت کی گئی ہے۔ اگرچہ مصحف امام میں دور صحابہ کے رسم الخط کے اُصولوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے اور تمام مسلمانوں نے ان تحریروں کو محفوظ کرلیا ہے، جس طرح سے کہ بعد کے آنے والے اَدوار میں رسم الخط کے اُصولوں میں ارتقاء کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔

بجستانی (متوفی ۳۱۶ھ) کی ابن زیاد سے منقولہ روایت کے مطابق قرآن کریم کے رسم الخط کی تصحیح کی کوششیں تاریخ صدر اسلام میں عمل میں آئیں، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''یزید فارسی نے مجھ سے بیان کیا کہ عبیداللہ ابن زیاد نے قرآن میں دو ہزار حروف کا اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ جب حجاج ابن یوسف آیا اور اُس تک یہ بات پہنچی تو وہ کہنے لگا: عبیداللہ کو یہ اختیار کس نے دیا؟ لوگ کہنے لگے: یزید فارسی نے اُسے یہ موقع دیا ہے تو اُس نے مجھے بلا بھیجا اور میں اُس کی طرف چل دیا جبکہ مجھے یقین ہوگیا تھا کہ وہ مجھے قتل کردے گا، لہٰذا جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ کہنے لگا: ابن زیاد نے قرآن میں دو ہزار حروف کا اضافہ کس وجہ سے کیا ہے؟ میں نے کہا: خدا ہدایت دے، دراصل وہ بصرہ کے ساحلی علاقے میں پیدا ہوا ہے اور یہ

چیز ہم سے اُس کی دُوری کا سبب بن گئی۔حجاج نے کہا: تم ٹھیک کہہ رہے ہو اور اس نے مجھے جانے دیا؛عبید اللہ نے قرآن میں جو اضافہ کیا تھا اس میں قرآن میں اُس جگہ "قلو" (قاف، لام اور واوٗ) اور "کنو" (کاف، نون اور واوٗ) کے الفاظ ہیں جبکہ اس نے لکھا تھا قــالــوا (قاف، الف لام، واوٗ اور الف) اور کـــانـــوا (کاف، الف، نون، واوٗ اور الف)"(المصاحف-۱۱۷)

مذکورہ روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یزید فارسی کا رسم الخط سے متعلقہ عذر بصرہ میں ایک عام سی بات ہوگئی تھی جبکہ قرآن کریم میں آجکل بغیر الف کے کانو'ا کا نقطہ نہیں پایا جاتا۔

قرآن کریم کے رسم الخط سے متعلق علماء کی آراء یا منع کی قائل ہیں یا پھر ضرورت کی۔

جامعۃ الازہر کی فتویٰ کمیٹی کے صدر محمد عبداللطیف فحام نے ۵، ذی الحج ۱۳۵۵ھ میں ایک فتویٰ دیا تھا جو اس مسئلہ کے حل کرنے میں ایک اُوسط رائے کا حامل ہے، وہ کہتا ہے: "ہر صفحہ کے ذیل میں معروف رسم الخط کے برخلاف وارد ہونے والے کلمے سے آگاہ کر دیا جائے"(مجلّة الازهر ،شمارہ صفر المظفر ۱۳۶۸ھ میں عنوان "کتاب الفرقان" صفحہ۱۹۲ کی طرف رجوع کیا جائے، نیز المصحف المرتّل، الجمع الصوتی الاوّل،تالیف لبیب سعید کے صفحہ ۳۸۶ کو بھی ملاحظہ کیا جائے)

ظاہراً اسی فتویٰ کے زیر اثر شیخ عبد الجلیل عیسیٰ نے ۱۳۸۱ھ میں ایک عام فہم مصحف شائع کیا ہے کہ جس میں اس نے ہر اس کلمہ کو نمبر وار تحریر کر دیا ہے جو مروجہ رسم الخط سے ہٹ کر ہے اور اس کے بعد اس نمبر کے تحت صفحہ کے نیچے حاشیہ میں وہ کلمہ بھی تحریر کیا ہے جو مروجہ رسم الخط کے مطابق ہے۔(اس کی چھٹی طباعت، مطبوعہ ۱۳۹۴ھ کی طرف رجوع کیجئے جو مطبع دارالفکر-بیروت نے شائع کی)

اس کمیٹی کا پیش کردہ فتویٰ گو کہ قرآن کریم کے اکثر مقامات کی تطبیق کے قابل ایک اچھی رائے ہے، جیسے حسب ذیل مقامات میں:

۱۔ کتبٰا / کتاباً (۳-۴۸۵)

۲۔ ثلٰثة / ثلاثة (۲-۱۹۶)

۳۔اِسرائل / اِسرائیل (۲-۴)

لیکن دیگر چند مقامات میں ایک مشکل درپیش ہے جو سوائے ماہر اَساتذہ کے پاس پڑھنے کے حل ہوتی نظر نہیں آتی، جیسے مندرجہ ذیل مثالوں میں:

۱۔اَو لَا اْذْبَحنَهُ جبکہ قرأت میں اَو لَاَذْبَحنَهُ ہے۔(سورۂ نمل- آیت ۲۱)

۲۔لَاْ اِلیٰ جبکہ قرأت میں لَاِلی ہے۔(سورۂ صافات- آیت ۶۸)

۳۔اَیُّهَ جبکہ قرأت میں اَیُّها ہے۔(سورۂ نور- آیت ۳۱)

۴۔الْئٰنَ جبکہ قرأت میں اَلْآنَ ہے۔(سورۂ یوسف- آیت ۵۱)

۵۔الَّیْلَ جبکہ قرأت میں اللَّیْلَ ہے۔(سورۂ طٰہٰ- ۱۳۰)

۶۔یَابنَؤُمّ جبکہ قرأت میں یَا ابنَ اُمَّ ہے۔(سورۂ طٰہٰ- آیت ۹۴)

۷۔اِلٰھاً جبکہ قرأت میں اِلاہً ہے۔(سورۂ کہف- آیت ۱۴)

۸۔الْعُلَمٰؤُا جبکہ قرأت میں الْعُلَمَاءُ ہے۔(سورۂ فاطر- آیت ۲۸)

۹۔الرِّبٰوا جبکہ قرأت میں الرِّبَا ہے۔(سورۂ بقرہ- آیت ۲۷۵)

۱۰۔ الرُّءْیَا جبکہ قرأت میں الرُّؤیَا ہے۔(سورۂ صافات- آیت ۱۰۵)

۱۱۔السُّوٓآٰی جبکہ قرأت میں السُّوءَ ہے۔(سورۂ روم- آیت ۱۰)

یقیناً اُستاد کی نگرانی دستیاب نہ ہو تو عام طور سے ان کلمات کی قرأت ناممکن ہے۔

مصحف میں تحریر کلمات کے مختلف انداز

مصحف میں کوئی کلمہ کسی مقام پر ایک مخصوص انداز سے تحریر ہے تو وہی کلمہ دیگر آیتوں میں ایک دوسرے انداز سے تحریر کیا گیا ہے اور چونکہ مصاحف اس سلسلہ میں باہم مختلف ہیں لہٰذا آپ قارئین کی خدمت میں ۱۳۳۷ھ میں قاہرہ سے شائع ہونے والے مصحفِ امیری کی چند ایک مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ نیز اس سلسلہ میں سب سے آخر میں شائع ہونے والے قرآنی نسخہ پر اعتماد کیا جا رہا ہے:

۱۔﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾ خط مخالف: ﴿اقرأ باسم ربک الذی خلق﴾ (سورۂ علق- آیت ۱) ﴿فسبح باسم ربک﴾ (سورۂ واقعہ- آیت ۹۶؛ سورۂ حاقہ- آیت ۵۲)

۲۔ ﴿قال ابن اُمَّ اِنَّ القوم﴾ (سورۂ اعراف- آیت ۱۵۰) خط مخالف: ﴿قال یبنؤمّ لا تاخذ بلحیتی﴾ (سورۂ طٰہٰ- آیت ۹۴)

۳۔﴿وجنّٰت من اَعنٰب﴾ (سورۂ رعد- آیت ۴) خط مخالف: ﴿من نخیل و اَعناب﴾ (سورۂ بقرہ-

آیت۲۶۶)

۴۔﴿و إن امرأة خافت﴾ (سورۂ نساء- آیت۱۲۸) خطِ مخالف: ﴿إذ قالت إمرأت عمران﴾ (سورۂ آلِ عمران- آیت۳۵)

۵۔﴿له بنين و بنت بغير علم﴾ (سورۂ انعام- آیت۱۰۰) خطِ مخالف: ﴿ما لنا في بناتک من حق﴾ (سورۂ ہود- آیت۷۹)

۶۔﴿واخشوني﴾ (سورۂ بقرہ- آیت۱۵۰) خطِ مخالف: ﴿فلا تخشوُا الناس واخشونِ﴾ (سورۂ مائدہ- آیت۴۴)

۷۔﴿صدّقت الرؤيا﴾ (سورۂ صافات- آیت۱۰۵) خطِ مخالف: ﴿إن كنتم للرُء يا تعبرون﴾ (سورۂ یوسف- آیت۴۳)

۸۔﴿فلا تسئلني عن شيء﴾ (سورۂ کہف- آیت۷۰) خطِ مخالف: ﴿فلا تسئلن ما ليس لک به علم﴾ (سورۂ ہود- آیت۴۶)

۹۔﴿سبحٰنه و تعلیٰ عما يقولون﴾ (سورۂ اسراء- آیت۴۳) خطِ مخالف: ﴿قل سبحان ربّي﴾ (سورۂ اسراء- آیت۹۳)

۱۰۔﴿والذين سعوْا في ء ايٰتنا معٰجزين﴾ (سورۂ حج- آیت۵۱) خطِ مخالف: ﴿والذين سعَو في ء ايٰتنا معٰجزين﴾ (سورۂ سبأ- آیت۵)

۱۱۔﴿سنة من قد أرسلْنا﴾ (سورۂ اسراء- آیت۷۷) خطِ مخالف: ﴿فقد مضت سُنت الأوّلين﴾ (سورۂ انفال- آیت۳۸)

۱۲۔﴿سوٓءا﴾ (سورۂ یوسف- آیت۲۵) خطِ مخالف: ﴿السُوٓأىٰ﴾ (سورۂ روم- آیت۱۰)

۱۳۔﴿ولا تقربا هٰذه الشجرة﴾ (سورۂ بقرہ- آیت۳۵) خطِ مخالف: ﴿إنّ شجرت الزقّوم﴾ (سورۂ دخان- آیت۴۳)

۱۴۔﴿أُولٰٓئک عليهم لعنة الله﴾ (سورۂ بقرہ- آیت۱۶۱) خطِ مخالف: ﴿فنجعلْ لّعنتَ الله﴾ (سورۂ آل عمران- آیت۶۱)

۱۵۔﴿نعمة الله مِن﴾ (سورۂ بقرہ- آیت۲۱۱) خطِ مخالف: ﴿واذكروا نعمتَ الله﴾ (سورۂ بقرہ- آیت۲۳۱)

۱۶۔ ﴿هُدىً وَّ رَحمةً﴾ (سورۂ اعراف۔ آیت۵۲) خطِ مخالف: ﴿اِنّ رحمت الله قریب﴾ (سورۂ اعراف۔ آیت۵۶)

۱۷۔ ﴿یٰأیها الناس اعبدوا ربکم﴾ (سورۂ بقرہ۔ آیت۲۱) خطِ مخالف: ﴿وقالوا یٰأیه الساحر ادعُ لنا﴾ (سورۂ زخرف۔ آیت۴۹)

۱۸۔ ﴿اَلَمْ یکُ نطفة من منيّ یمنیٰ﴾ (سورۂ قیامت۔ آیت۳۷) خطِ مخالف: ﴿ءایٰتی تتلیٰ علیکم﴾ (سورۂ مؤمنون۔ آیت۶۶)

۱۹۔ ﴿والله یدعوٓا الیٰ دار السلٰم﴾ (سورۂ یونس۔ آیت۲۵) خطِ مخالف: ﴿ویدعُ الإنسٰن بالشرّ﴾ (سورۂ اسراء۔ آیت۱۱)

گو کہ ایسا بھی واقع ہوا ہے کہ ایک ہی آیت کے درمیانی اور ذیلی حصہ میں خطی اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کا مشاہدہ سورۂ حاقہ کی آیات ۱۹ اور ۲۰ میں ہوتا ہے: ﴿هآؤم اقرءوا کتٰبیه اِنّی ظننتُ انّی ملٰق حسابیه﴾

لفظ کتٰبیہ کی کتابت میں الف تحریر نہیں کیا گیا جبکہ لفظ حسابیہ کو الف کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے حالانکہ دونوں کی کتابت میں کوئی امتیازی فرق نہیں ہے۔ (مذکورہ بیان) اس دلیل کے طور پر کافی ہے کہ قبل اس کے کہ غیر مسلموں کے ہاتھ اس پاکیزہ کلام کی جانب بڑھیں اسلام کی مقدس ترین عبارت کے رسم الخط کا ایک ہی انداز مقرر کرنا ازبس ضروری ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے لئے جو چیز سزاوار ہے اُس کا اقدام از خود مسلمانوں کو کرنا چاہئے۔

مصحف امام میں مستعمل تحریری اسلوب

سوائے اُن چند موارد میں کہ جن کا انتہائی مفصّل ذکر احمد عزہ بغدادی (متوفی۔۱۳۵۲ھ) نے ایک مفرد رسالہ میں (البیان المفید) کے عنوان کے تحت کیا ہے اور اُن کی مجموعی تعداد ۱۸۷ ہے مصحف امام کے خطی املاء اور آج کل کے مخطوط املاء میں کوئی فرق نہیں ہے۔اب آپ قارئین کی خدمت میں موجودہ دَور کے مروجہ رسم الخط کا تقابل کرتے ہوئے اس تفصیل کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے جبکہ ساتھ ساتھ سورت اور آیت کا حوالہ بھی دیا جارہا ہے:

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت
۲۔ سورۂ بقرہ			
۱	للملئكة	للملائكة	۳۰
۲	إسرائل	إسرائيل	۴۰
۳	بآؤ	بآؤا	۶۱
۴	الئن	الآن	۷۱
۵	فادرءتم	فادرأتم	۷۲
۶	فباؤ	فباؤا	۹۰
۷	اشترايه	اشتراه	۱۰۲
۸	عفا	عفي	۱۸۷
۹	ثلثة	ثلاثة	۱۹۶
۱۰	رحمت	رحمة	۲۱۸
۱۱	فاؤ	فاءوا	۲۲۶
۱۲	نعمت	نعمة	۲۳۱
۱۳	اصطفيه	اصطفاه	۲۴۷
۱۴	جزءاً	جزاءً	۲۶۰
۱۵	الربوا	الربا	۲۷۵
۱۶	تسئموا	تسأموا	۲۸۲

ترتیب	کلمه	اختلافی کلمه	آیت

۳۔ سورۂ آل عمران

۱۷	امرات	امرأة	۳۵
۱۸	دعا	دعی	۳۸
۱۹	لعنت	لعنة	۶۱
۲۰	نعمت	نعمة	۱۰۳
۲۱	وبآؤ	وبآؤا	۱۱۲
۲۲	کتبا	کتابا	۱۴۵
۲۳	عفا	عفی	۱۵۲
۲۴	عفا	عفی	۱۵۵
۲۵	مأویه	مأواه	۱۶۲
۲۶	جآؤ	جآؤا	۱۸۴

۴۔ سورۂ نساء

۲۷	اتو	اتوا	۲
۲۸	سوءً	سوأ	۱۱۰
۲۹	بریاً	بریئاً	۱۱۲
۳۰	سوٓءً	سوٓأ	۱۲۳
۳۱	یستهزا	یستهزأ	۱۴۰
۳۲	امرؤا	امرءاً	۱۷۶

۵۔ سورۂ مائدہ

۳۳	نعمة	نعمت	۷
۳۴	تبوٓا	تبوٓء	۲۹
۳۵	جزٓؤا	جزآء	۲۹

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت

۵۔ سورۂ مائدہ

۳۶	جزٰؤا	جزآء	۳۳

۶۔ سورۂ اَنعام

۳۷	انبٰؤا	انبآء	۵
۳۸	نبای	نباء	۳۴
۳۹	اتیکم	اتاکم	۴۷
۴۰	بالغداوة	بالغداة	۵۲
۴۱	شفعآئکم	شفعاءکم	۹۴
۴۲	شرکٰؤا	شرکآء	۹۴
۴۳	کلمت	کلمة	۱۱۵

۷۔ سورۂ اَعراف

۴۴	رحمت	رحمة	۵۶
۴۵	جآؤ	جآؤا	۱۱۶
۴۶	کلمت	کلمة	۱۳۷
۴۷	نبا	نباء	۱۷۵

۸۔ سورۂ اَنفال

۴۸	سنت	سنة	۳۸

۹۔ سورۂ توبہ

۴۹	عفا	عفی	۴۳

۱۰۔ سورۂ یونس

۵۰	یبدؤا	یبدی	۴
۵۱	تلقآئ	تلقآء	۱۵

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت

۱۰۔ سورۂ یونس

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت
۵۲	كلمت	كلمة	۳۳
۵۳	كلمت	كلمة	۹۶
۵۴	يبدؤا	يبدئ	۳۴
۵۵	يبدؤا	يبدئ	۳۴

۱۱۔ سورۂ ھود

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت
۵۶	رحمت	رحمة	۷۳
۵۷	بقيت	بقية	۸۶
۵۸	نشؤا	نشاء	۸۷

۱۲۔ سورۂ یوسف

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت
۵۹	قرء انا	قرآناً	۲
۶۰	رء ياك	رؤياك	۵
۶۱	غيابت	غيابة	۱۱
۶۲	غيابت	غيابة	۱۲
۶۳	جاؤ	جاؤا	۱۲
۶۴	جاؤ	جاؤا	۱۸
۶۵	لدا	لدى	۲۵
۶۶	سوء اً	سوأ	۲۵
۶۷	امرأت	امرأة	۳۰
۶۸	فتيها	فتاها	۳۰
۶۹	رء ياي	رؤياي	۴۳
۷۰	للرء يا	للرؤيا	۴۳

ترتیب	کلمه	اختلافی کلمه	آیت

۱۲. سورۂ یوسف

۷۱	نجا	نجی	۴۵
۷۲	امرأت	امرأة	۵۱
۷۳	الن	الآن	۵۱
۷۴	تفتؤا	تفتأ	۸۵
۷۵	رءياي	رؤياي	۱۰۰

۱۳. سورۂ رعد

۷۶	سُوٓءاً	سوء	۱۱

۱۴. سورۂ ابراهیم

۷۷	نبؤ	نبأ	۹
۷۸	الضعفٰٓؤا	الضعفاء	۲۱
۷۹	نعمت	نعمة	۲۸
۸۰	نعمت	نعمة	۳۴

۱۶. سورۂ نحل

۸۱	دف	دفء	۵
۸۲	تجرءون	تجأرون	۵۳
۸۳	بنعمت	بنعمة	۷۲
۸۴	نعمت	نعمة	۸۳
۸۵	ايتاىٔ	ايتاء	۹۰
۸۶	نعمت	نعمة	۱۱۴

۱۷. سورۂ اسراء

۸۷	الاقصا	الأقصى	۱

ترتیب	کلمه	اختلافی کلمه	آیت

۱۷۔ سورۂ اسراء

۸۸	الرءیا	الرؤیا	۲۰

۱۸۔ سورۂ کہف

۸۹	ندعوا	ندعو	۱۴
۹۰	الھا	الاہ	۱۴
۹۱	لشاي	لشي	۲۳

۱۹۔ سورۂ مریم

۹۲	رحمت	رحمة	۲

۲۰۔ سورۂ طٰہ

۹۳	اتوکؤا	اتوکاء	۱۸
۹۴	جزٓءوا	جزآء	۷۶
۹۵	یابنؤم	یا ابن اُم	۹۴
۹۶	تضمؤا	تضماً	۱۱۹
۹۷	اناءی	آناء	۱۳۰
۹۸	الیل	اللیل	۱۳۰

۲۳۔ سورۂ مؤمنون

۹۹	الملؤا	الملأ	۲۴
۱۰۰	نحیا	نحيٰ	۳۷
۱۰۱	یجرءون	یجأرون	۶۴
۱۰۲	تجرءوا	تجأروا	۶۵

۲۴۔ سورۂ نور

۱۰۳	لعنت	لعنة	۷

ترتیب	کلمه	اختلافی کلمه	آیت

۲۴۔ سورۂ نور

۱۰۴	یدرؤا	یدرأ	۸
۱۰۵	جآؤ	جآؤا	۱۱
۱۰۶	جآؤ	جآؤا	۱۳
۱۰۷	أیّه	أیّها	۳۱

۲۵۔ سورۂ فرقان

۱۰۸	جآؤ	جآؤا	۴
۱۰۹	یعبؤا	یعبأ	۷۷

۲۶۔ سورۂ شعراء

۱۱۰	انبؤا	أنبآء	۶
۱۱۱	قالوا	قالو	۴۳
۱۱۲	لئیکة	الأیکة	۱۷۶
۱۱۳	علمؤا	علماء	۱۹۷

۲۷۔ سورۂ نمل

۱۱۴	ولا اذبحنه	لأذبحنه	۲۱
۱۱۵	الخب	الخبٔ	۲۵
۱۱۶	الملؤا	الملاء	۲۹
۱۱۷	الملؤا	الملاء	۳۲
۱۱۸	الملؤا	الملاء	۳۸
۱۱۹	یبدؤا	یبدئ	۶۴
۱۲۰	جآؤ	جآؤا	۸۴

آیت	إختلافی کلمه	کلمه	ترتیب

۲۸. سورۂ قصص

۲۰	اقصی	اقصا	۱۲۱
۶۲	شرکآئی	شرکآء ی	۱۲۲

۲۹. سورۂ عنکبوت

۱۹	یبدئ	یبدي	۱۲۳

۳۰. سورۂ روم

۸	بلقآء	بلقآئ	۱۲۴
۱۰	السو	السوای	۱۲۵
۱۱	یبدئ	یبدؤا	۱۲۶
۱۳	شفعاء	شفعؤا	۱۲۷
۱۶	لقآء	لقآئ	۱۲۸
۲۷	یبدئ	یبدؤا	۱۲۹
۵۰	رحمة	رحمت	۱۳۰

۳۱. سورۂ لقمان

۳۱	بنعمة	بنعمت	۱۳۱

۳٤. سورۂ سبأ

۴۹	یبدئ	یبدی	۱۳۲

۳۵. سورۂ فاطر

۳	نعمة	نعمت	۱۳۳
۲۸	العلماء	العلموء ا	۱۳۴
۴۰	بینة	بینت	۱۳۵
۴۳	سنة	سنت	۱۳۶

ترتیب	کلمه	اختلافی کلمه	آیت

۳۵۔ سورۂ فاطر

۱۳۷	سنت	سنة	۴۳
۱۳۸	سیء	سیا	۴۳

۳۶۔ سورۂ یٰس

۱۳۹	اقصا	اقصی	۲۰

۳۷۔ سورۂ صافات

۱۴۰	لأ إلی	لالی	۶۸
۱۴۱	الرء یا	الرؤیا	۱۰۵
۱۴۲	البلؤا	البلاء	۱۰۶

۳۸۔ سورۂ ص

۱۴۳	لئیکة	الأیکة	۱۳
۱۴۴	نبؤا	نباء	۲۱
۱۴۵	نبؤا	نباء	۶۷

۳۹۔ سورۂ زمر

۱۴۶	جزؤا	جزآء	۳۴

۴۰۔ سورۂ مؤمن

۱۴۷	کلمت	کلمة	۶
۱۴۸	النجوة	النجاة	۴۱
۱۴۹	الضعفؤا	الضعفآء	۴۷
۱۵۰	دعؤا	دعآء	۵۰
۱۵۱	سنت	سنة	۸۵

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت

۴۲۔ سورۂ شوریٰ

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت
۱۵۲	شرکٰٓؤا	شرکآء	۲۱
۱۵۳	جزٰٓؤا	جزآء	۴۰
۱۵۴	عفا	عفیٰ	۴۰
۱۵۵	ورآیء	ورآء	۵۱

۴۳۔ سورۂ زُخرف

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت
۱۵۶	قرءٰنا	قرآناً	۳
۱۵۷	جزءاً	جزءً	۱۵
۱۵۸	ینشؤا	ینشأ	۱۸
۱۵۹	رحمت	رحمة	۳۲
۱۶۰	رحمت	رحمة	۳۲
۱۶۱	یا ایّہ	یا ایّھا	۴۹

۴۴۔ سورۂ دُخان

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت
۱۶۲	بلٰٓؤا	بلآء	۳۳

۴۸۔ سورۂ فتح

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت
۱۶۳	شطئہ	شطأہ	۲۹

۵۲۔ سورۂ طور

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت
۱۶۴	بنعمت	بنعمة	۲۹

۵۳۔ سورۂ نجم

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت
۱۶۵	منٰوة	مناة	۲۰

۵۵۔ سورۂ رَحمٰن

ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت
۱۶۶	ایّہ	ایّھا	۳۱
ترتیب	کلمہ	اختلافی کلمہ	آیت

۵۵۔ سورۂ رحمٰن

۱۶۷	جنا	جنٰی	۵۴

۵۶۔ سورۂ واقعہ

۱۶۸	جنت	جنة	۸۹

۵۸۔ سورۂ مُجادلَہ

۱۶۹	معصیت	معصية	۸
۱۷۰	معصیت	معصية	۹

۵۹۔ سورۂ حشُر

۱۷۱	جآؤ	جآؤا	۱۰
۱۷۲	جزآؤا	جزآء	۲۹

۶۰۔ سورۂ مُمتحنہ

۱۷۳	برءآوا	برءاو	۴

٦٤۔ سورۂ تغابُن

۱۷۴	نبوءا	نباء	۵

٦۹۔ سورۂ حاقہ

۱۷۵	طغا	طغٰی	۱۱

۷۵۔ سورۂ قیامت

۱۷۶	ینبؤا	ینبأ	۱۳

۷۷۔ سورۂ مرسلات

۱۷۷	جملت	جمالة	۳۳

۸۹۔ سورۂ فجُر

۱۷۸	ابتلٰہ	ابتلاہ	۱۵
۱۷۹	ابتلٰہ	ابتلاہ	۱۶

بقیہ کی تفصیلات کے لئے درج ذیل کتابوں کی طرف رجوع کیجئے:

۱۔المقنع فی رسم المصاحف، مؤلف :ابوعمر وانی (متوفی ۔۴۴۴ھ)،مطبوعہ قاہرہ ۱۹۷۸ء۔

۲۔النشر فی القراء ات العشر،مؤلف :ابن جوزی (متوفی ۔۸۳۳ھ)،مطبوعہ قاہرہ،آفسٹ،تاریخ تحریر نہیں۔

۳۔نثر المرجان فی رسم القرآن،مؤلف: محمد غوث نائطی ارد کانی،مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ۔قرآنی رسم الخط کی تحقیق میں تالیف کی گئی یہ کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

قرآنی رسم الخط سے متعلق قابل اعتماد حسب ذیل ۲ اُمور ہیں:

اوّل: عہد رسالت میں رائج رسم الخط کے مطابق شاذ قرائتوں کی کما حقہ اہمیت جاننے کے لئے مصحف عثمانی کے رسم الخط کی حفاظت ناگزیر ہے، اس لئے کہ اس مشہور و معروف رسم الخط کے بارے میں کوتاہی برتنے سے اس کے موروثی آثار مفقود ہو کر رہ جائیں گے کہ یہی قرائتوں کی تصحیح کے لئے معتبر ترین کسوٹی ہے۔

دوّم: یہ رسم الخط بھی دیگر موروثی آثار اور ورثوں کی مانند ہے کہ مہذب رہنے کے لئے اس پر قائم رہنا از بس ضروری ہے اور اس کے بغیر یہ جلد ہی قاریوں کے طبقہ سے مخصوص ہو کر رہ جائے گا جبکہ عام مسلمانوں کی زندگی میں اس قرآنی عبارت کی قرأت محدود ہو جائے گی اور چونکہ رسم الخط تنہا قرأت قرآن کا ذریعہ ہے لہٰذا اس ارتقاء میں شمولیت بھی لازمی ہے، اس لئے کہ اگلے زمانوں میں رائج رسم الخط جیسے خط کوفی میں قرآن کی قرأت ایک خاص طبقہ ہی کر سکتا ہے اور ہر کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ بنابریں، واجب ہے کہ متخصصین (Specialists) کی ایک جماعت ان ارتقائی آثار کو معین کرے، بایں معنیٰ کہ قاری حضرات کو ان آثار کے اُصولوں سے آگاہ کر کے قرآنی عبارت کی سلامتی برقرار رکھی جائے اور وہ بھی اس طرح کہ قاری حضرات بھی اس گراں قدر میراث کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ان آثار کے اَسباب و نتائج کے متلاشی رہیں۔

خط عثمانی کے قائلین میں سے میں نے کسی منصف مزاج کو نہیں دیکھا جو کہتا ہو کہ جب قرآن کو خط کوفی میں لکھنا جائز تھا اور اس کے بعد خط نسخ (عربی کا ایک مشہور قدیمی طرز) میں لکھنا جائز ہُوا تو اب یہ بھی ضروری ہے کہ دور حاضر کے رسم الخطوط میں لکھنا بھی جائز ہو جس طرح سے کہ تقریباً ہر زمانہ میں قرآنی کتابت کو مختلف انداز میں لکھا جانا اس کے جواز پر ایک دلیل ہے۔ ہاں، خطِ مُسند اور خطِ حمیری میں قرآنی کتابت ہمارے پاس محفوظ نہیں ہے کہ جو انبار اور حیرہ میں مستعمل تھے اور اس کے بعد جزیرۃ العرب میں منتقل ہو گئے تھے۔ اس کی بجائے اُمت مسلمہ کے پاس اسلامی کتب خانوں میں قرآن کریم کے بہت سارے ایسے نسخے محفوظ ہیں جنہیں حجاز کے مُختلف و معروف خط کوفی (لاغر خط میں جو خط کوفی کے نام سے معروف تھا) میں تحریر کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کئی مختلف افراد کے قلم سے لکھے جانے پر اس رسم الخط کی چند ایک قسمیں وجود میں آ گئی

تھیں: خط مدنی کہ جسے خط محقق بھی کہا جاتا ہے، خط وراقی، خط مکی، خط بصری کہ جسے خط کوفی، اصفہانی اور عراقی بھی کہا جاتا ہے۔

ولید ابن عبدالملک کے دور میں اُمت مسلمہ کے کاتبوں اور مصنفوں نے کتابت قرآن کا خاص اہتمام کیا اور یہ دائرہ وسیع تر ہوگیا؛ عبدالملک کا کاتبِ خاص خالد ابن ابوہیاج تھا مگر اس نے ولید کے لئے کتابت کرنا ترک کردیا تھا تو اس کے بعد مالک ابن دینار (متوفی-۱۳۱ھ) کاتب مقرر ہوئے جو بہترین خطاط تھے اور اسی طرح جیسے کہ ابن ندیم بیان کرتا ہے رشید کے دور میں خشنام بصری اور مہدی کوفی کاتب خاص کے عہدے پر مامور ہوئے اور اس کے انتہائے دور تک ان دونوں جیسا کوئی کاتب دیکھنے میں نہیں آیا، یہاں تک کہ معتصم کے زمانہ حکومت میں ابوحدی کوفی جیسا کاتب منظر عام پر آیا جو باریک قرآنی نسخے تحریر کیا کرتا تھا۔ اس کے بعد کاتبوں کی ایک جماعت وجود میں آئی کہ جس میں ابن اُم شیبان، مسحور، ابوحمدہ اور ابوالفرج شامل تھے۔ یہاں تک کہ منصور اور مہدی کے دور میں ضحاک ابن عجلان اور اسحٰق ابن حماد خطاطی کے بے تاج بادشاہ رہے۔ نیز ان دونوں کے دورِ حکومت میں عربی خطوط کی بارہ قسمیں وجود میں آئیں اور اس طرح یہ کتابت کے سلسلہ کی کاوش (ابن مقلہ) ابوعلی پر منتہی ہوئی جو وزیر تھا اور اس سے یہ فن عبداللہ ابن محمد ابن اسد (متوفی-۴۱۰ھ) نے حاصل کیا، اس سے ابن بواب (متوفی-۴۱۲ھ) نے اور اس سے کثیر افراد نے یہ فن حاصل کیا کہ جن میں یاقوت مستعصمی (متوفی-۶۱۸ھ) کا نام قابلِ ذکر ہے کہ جو اپنے بعد آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوا۔

عثمانی (ترکی کے) قاریوں کو عربی خوشخطی میں مہارت تامہ حاصل تھی اور اسی غرض سے ۱۳۲۶ھ میں آستانہ (Astana) میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی جہاں کتابت کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے بعد قاہرہ اور دیگر اسلامی مملکتوں میں بھی اس طرح کے مدرسے قائم کئے گئے۔ خطِ کوفی ہی کی ایک شاخ خطِ مغربی ہے جو شمالی افریقہ میں جا پھیلا اور اس خط کو قیروانی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ پھر اپنے نکھار کے بعد خطِ اُندلسی رُونما ہوا اور یہ تمام خطوط ہمارے عہد میں خطِ ثلث، خطِ نسخ، خطِ فارسی، خطِ دیوانی اور خطِ تعلیق پر منتہی ہوئے جبکہ خطِ رقعہ نے سب سے زیادہ شہرت پائی۔

سوائے خطِ نسخ کے میں نے کسی دوسرے خط میں مکمل قرآن کو لکھا نہیں دیکھا گو کہ مختلف خطوط میں متفرق اجزاء تحریری صورت میں پائے جاتے ہیں اور رسم الخط سے متعلق ابن خلدون کا کلام حقیقت سے قریب ترین ہے۔

چنانچہ، ایک منصف مزاج محقق دیکھتا ہے کہ متواتر صوتی قرآن مختلف رسم الخطوط میں کہ جنھیں قرآن صوتی سے تعبیر کیا جاتا ہے بغیر کسی تحریف یا غلطی کے تحریر کیا گیا۔ لہٰذا ہمارے زمانے میں - مثلاً - ممکن ہے کہ قرآن کی کتابت نُطقی (Phonetic) انداز میں کی جائے تاکہ جس شخص کی عربی اچھی نہیں ہے وہ عربی رسم الخط کو بہتر طریقے سے سمجھ سکے جبکہ

بذاتِ خود عربی رسم الخط میں موجودہ زمانے میں رائج تحقیق کے اُصولوں کو مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ قدیم مصاحف کے رسم الخط کا گہری نگاہ سے جائزہ لینے پر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ خطِ عثمانی سے اس رسم الخط کو ایسے خط میں ڈھالا جائے جو طباعتی دور میں پڑھائے جانے والے قواعدِ املاء کے عین مطابق ہو تاکہ ہمعصر لوگوں کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا ممکن ہو سکے کہ نزولِ قرآن کا یہی تو مقصد ہے۔

تحریف و تصحیف

حفاظت قرآن کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ انتہائی تاکیدی طور پر فرماتا ہے: ﴿انّا نحن نزّلنا الذکر و انّا له لحافظون﴾ یعنی ہم ہی نے اس ذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے (بھی) ہیں۔ (سورۂ حجر- آیت ۹)

اس آیت میں حفاظت سے مراد اس کے عام معنٰی لئے گئے ہیں، یعنی کسی بھی قسم کی غلطی یا تبدیلی سے محفوظ کیا جانا۔ چنانچہ اس کا مطلب یہ ہوا - کتب تفاسیر میں موجود وضاحت کے مطابق - کہ اسے تبدیل کرنے کی کسی قسم کی بھی کوشش کو فی الفور ناکام بنا دیا جائے گا اور پھر اس اقدام کے اہداف بھی آشکار ہو جائیں گے نیز حق و باطل میں امتیاز ہو سکے گا۔ البتہ مذکورہ بالا آیت کے معنٰی یہ نہیں ہیں کہ اُن کوششوں کی بھی نفی کر دی جائے کہ جن کی اغراض تبدیلی اور غلطی کا دعویٰ ہے (بلکہ) جب بھی قرآن کریم کی طرف باطل کے ہاتھ بڑھیں گے قرآن کریم اس قسم کی سازش سے ہمہ وقت محفوظ رہے گا خواہ سینوں میں یا مسلمانوں کے ہاتھوں میں، کیونکہ حق ہمیشہ غالب رہتا ہے اور اس پر چیرہ دستی ممکن نہیں جبکہ اس قسم کی سازشیں ہر دور میں کی گئیں خواہ وہ دورِ رسالت ہو یا دورِ حاضر۔

تحریف کے لغوی اور اصطلاحی معنٰی

لسان العرب میں ابن منظور لکھتا ہے: ''کلمات کی اپنے مقام سے تحریف کا مطلب انہیں تبدیل کر دینا ہے، چنانچہ قرآن یا کلمہ میں تحریف کا مطلب حرف کے معنٰی کو تبدیل کرنا اور کلمہ کے مفاد کا مفقود ہو جانا ہے اور یہ شُبہ سے قریب تر ہے جس طرح سے کہ یہودیوں نے توریت کے معنٰی کو تبدیل کر دیا تو اللہ نے اُن کے اس فعل پر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿یُحرّفون الکلِم عن مواضعه﴾ (سورۂ نساء- آیت ۴۶) یعنی یہ لوگ (یہودی) خدا کے کلمات کو اپنی جگہ سے تبدیل کر دیتے ہیں''۔

(بنابریں) درحقیقت تحریف معنی کی ایک صفت ہے۔ تبدیلی معنی کی غرض سے لفظ کی صفت اسی کے ذریعہ بیان کی جاتی ہے، البتہ اگر لفظ تبدیل ہو جائے لیکن معنٰی تبدیل نہ ہوں تو اسے تصحیف کہتے ہیں تحریف نہیں۔ تو پھر تحریف کے لغوی معنٰی یہ ہوئے کہ ''لفظ کو اس طرح سے تبدیل کر دیا جائے کہ اس کے معنٰی بھی از خود تبدیل ہو جائیں'' جبکہ قرآن کریم میں کئی ایک مقامات پر تحریف یا اس کے مشتقات کا استعمال اس پر گواہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: ﴿یحرّفون الکلم عن مواضعه﴾ (سورۂ نساء- آیت ۴۶) یعنی کلمات خدا کو اپنے مقام سے تبدیل کردیتے ہیں۔

طبری (متوفی-۳۱۰ھ) نے اس کی تفسیر اس طرح سے کی ہے: ''یعنی یہودیوں کا زنا کے حکم کو رجم سے چار تازیانے لگانے میں تبدیل کردینا'' جبکہ توریت میں ان کے تحریف کرنے سے مراد اُن پر حلال کئے گئے کو حرام اور حرام کردہ کو حلال قرار دینا ہے۔ (مجمع البیان- جلد۱- ۳۶۷ کی طرف رجوع کیجئے)

تحریف سے مراد تحریر شُدہ کو جان بوجھ کر تبدیل کرنا ہے خواہ لفظ ہو یا معنٰی اور اسی طرح سے خواہ ایک ہی کلمہ ہو یا کئی ایک کلمے۔

تصحیف سے مراد کتابت کے موقع پر تحریر شُدہ میں سہواً غلطی کر جانا ہے، جیسے لفظ تسعین کو سبعین، سبعاً کو شیئاً لکھ دینا۔ چنانچہ تحریف کا دائرہ تصحیف سے بھی وسیع ہے کہ غور وخوض سے یہی بات سامنے آتی ہے۔

مصحف سے مُراد دفتین میں تحریر شُدہ قرآن ہے جو نبی مُرسَل پر نازل کیا گیا۔ نیز باوجود بے شمار اختلافی روایتوں کے اس تحریر شُدہ (قرآن) کی عبارت میں عہد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے لے کر آج تک کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی۔

اس طور سے ہمارے زمانے میں تحریف کے اصطلاحی معنٰی لفظی تبدیلی کے ہوئے کہ جس کا دائرہ تصحیف سے وسیع تر ہے اور صحیح بات وہی ہے کہ جس کا تذکرہ اُوپر کیا گیا۔

ہمارے شیخ علّامہ آغا بزرگ تہرانی فرماتے ہیں: ''شیخ مفید کے بیان کے مطابق اس بحث کی وضاحت یہ ہوگی کہ آیا اس قرآن کریم کہ جو کتاب اسلام اور دفتین پر مشتمل ہے کا کوئی باقی ماندہ ہے یا نہیں؟ بقیہ کے سلسلہ میں کہ جو اس قرآن کے علاوہ ہے نفی اور اثبات دونوں کا امکان پایا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر کیا نازل شُدہ قرآنی وحی مُحکم نہیں تھی اور دفتین کے درمیان موجود نہیں تھی یا پھر یہ کہ ان دونوں سے ہٹ کر بھی کوئی دوسری شے نازل ہوئی تھی؟ تو یہ محلِ اختلاف ہے کہ آیا کوئی دوسری وحی بھی نازل ہوئی تھی یا نہیں؟'' (الذریعة- جلد۱۳- حاشیہ صفحہ ۳۱۳)

اس سلسلہ میں سوچ وبچار سے کام لینے والا دیکھے گا کہ مفروضہ تبدیلی چار وجوہات میں سے کسی ایک وجہ سے واقع ہوتی ہے: کبھی مطلوبہ معنٰی میں جان بوجھ کر تبدیلی کی جاتی ہے تو کبھی لفظی تبدیلی عمل میں لائی جاتی ہے، بسا اوقات اضافہ کر کے تبدیلی کی جاتی ہے تو بسا اوقات کسی چیز کو کم کر کے تبدیلی لائی جاتی ہے اور کبھی دونوں ہی حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔

تو یہ ہوئیں چار صورتیں کہ جن کو ۲ گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے کہ ان میں سے ہر صورت سے متعلق آحاد روایتیں

وارد ہوئی ہیں: تحریف معنوی اور تحریف لفظی۔ اَب ان دونوں کی تفصیل جاننا بھی ناگزیر ہے:

تحریف معنوی: اس سے مراد یہ ہے کہ متعصب افراد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر قرآن کریم کی واضح آیتوں کے جو معانی نازل کیئے گئے تھے اُن کی تفسیر اپنی ذاتی مصلحتوں کی بناء پر کی، بالکل ایسے ہی جیسے کہ یہودیوں نے اپنی مقدّس کتابوں کو تبدیل کر دیا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام (متوفی۔ ۱۱۴ھ) سعد خیر کو ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: "اُن لوگوں نے اس کتاب میں اس طرح سے دست اندازی کی کہ اُنہوں نے حروف کو تو قائم رکھا جبکہ اُن کی حدود کو تبدیل کر دیا تو یہ لوگ روایت تو کرتے ہیں لیکن رعایت نہیں کرتے" (بحار الانوار۔ جلد ۷۸۔ صفحہ ۳۵۹ اور الکافی۔ جلد ۸۔ صفحہ ۵۳)

مذکورہ بالا روایت میں غور وخوض سے پتا چلتا ہے کہ اقامتِ حروف سے معصوم کی مُراد تحریف لفظی نہیں بلکہ تحریف معنوی ہے، کیونکہ امام محمد باقر علیہ السلام واضح طور پر فرما رہے ہیں کہ ظالم حکمرانوں نے قرآنی عبارت کی تو حفاظت کی بایں معنٰی کہ اس کے حروف کو قائم رکھا لیکن انہوں نے معنٰی تبدیل کر دیئے۔

صحیفۂ سجادیہ (صحیفۂ کاملہ) میں عید الاضحٰی کے لئے وارد شُدہ دُعا کی عبارت کچھ یوں ہے: "یہاں تک کہ تیرے مُخلص بندے اور جانشین مغلوب ومقہور ہو گئے اور لوگ اُن کے مقابلے میں آ کھڑے ہوئے؛ یہ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ تیرے حُکم کو تبدیل کر دیا گیا، تیری کتاب میں دست اندازی کی گئی اور تیرے مقرر کردہ واجبات کی شرعی رُوح مسخ کر دی گئی ہے"

مذکورہ بیان کی گواہ تاریخ ہے جو بتاتی ہے کہ جب سے بنواُمیہ کو حکومت ملی اور پھر بنوعباس کو تب سے اُن مفاہیم کو تبدیل کر دیا گیا کہ جن سے شریعت نے منع فرمایا تھا یعنی فحاشی، شراب نوشی اور ظلم کرنا۔ عجیب بات تو وہ ہے کہ جسے محدِّث نوری نے بیان کیا ہے: "ہم کسی ایک یا ایک سے زائد آیات کی اُس تحریف معنوی کو نہ جان سکے جسے روایات میں خلفاء سے منسوب کیا جاتا ہے اور نہ ہی کسی ایسی تفسیر کو جسے مراد پروردگار کے خلاف کہا جائے۔ (فصل الخطاب۔ صفحہ ۳۲۷)

قرآن کی تفسیر میں ہر وہ کوشش جو اُس کے مقصود کے خلاف ہو تحریف معنوی ہی کہلائے گی۔ نیز ہر صاحب رسالت وہدف کی حیات میں اس کے وقوع کی گواہ تاریخ ہے۔ چنانچہ منافقوں اور دست اندازوں نے قرآنی عبارت کو اُن معنٰی پر محمول کرنے کی کوشش کی کہ عام طور سے جس کی وہ متحمل نہیں اور ایسا کرنے کی وجہ اُن کی ذاتی اور سیاسی اَغراض تھی کہ اُن سے اللہ ہی زیادہ واقف ہے۔

محدِّث فیض کاشانی نے تحریف کے سلسلہ میں وارد ہونے والی روایتوں کی توجیہہ بھی اسی طرح سے کی ہے، لہٰذا کہتے ہیں: "تحریف، تبدیلی اور حذف سے معصومین کی مُراد اُس کے معنٰی کی تبدیلی ہے اَلفاظ کی نہیں، یعنی کچھ لوگوں نے

اللہ کی حقیقی مراد سے ہٹ کر معنیٰ بیان کئے ہیں'' (**الوافی - جلد۵ - صفحہ۲۷۳**)

سیدنا اُستاد (ابوالقاسم خوئیؒ) فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ کتابِ خدا میں اس قسم کی تحریف واقع ہوئی ہے۔ بنابریں اگر کوئی شخص حقیقت سے ہٹ کر قرآن کی تفسیر کرتا ہے اور اُس کے اصلی معنیٰ پر محمول نہیں کرتا تو بلاشبہ وہ تحریف کا مرتکب ہوگا؛ ہم نے کتنے ہی بدعت کرنے والے اور فاسد العقیدہ افراد کو دیکھا ہے کہ اُنہوں نے اپنی رائے اور مَن مانی کے تحت قرآنی آیات کی من گھڑت تاویل پیش کرتے ہوئے اُس میں تحریف کردی'' (**البیان - صفحہ۲۱۵**)

تحریف لفظی

اس سے ہماری مُراد نصِ قرآنی میں کمی بیشی کرتے ہوئے الفاظ کی تبدیلی ہے، خواہ وہ ایک حرف کی تبدیلی ہو، ایک کلمہ کی یا اس سے زیادہ کی۔ نیز اس سلسلہ میں شیعہ اور سُنی دونوں فرقوں کی آحاد روایتیں وارد ہوئی ہیں: ابن عمرؓ کہتے ہیں: ''تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن سمجھ لیا ہے، بھلا اُسے کیا پتا کہ پورا یعنی کیا؟ قرآن کا بیشتر حصہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا ہوتا، بلکہ اُسے یہ کہنا چاہئے کہ اس کے ظاہری معنوں کو سمجھ لیا ہے'' (سیوطی نے کتاب **الإتقان** کی جلد دوم میں صفحہ۴۰ پر اس کو نقل کیا ہے)

زرقانی کہتا ہے: ''حجاج نے قرآن میں سے اُن کثیر آیات کو نکال دیا ہے جو بنواُمیہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں اور اس میں چند ایسی آیتوں کا اضافہ کردیا جو اس میں نہیں تھیں اور پھر اُس نے ان مصاحف کو تحریر کر کے مصر کی جانب ارسال کردیا۔ جہاں تک دیگر مصاحف کا تعلق ہے تو اُن کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا حتیٰ کہ ایک نسخہ بھی نہیں!'' (**مناهل العرفان - صفحہ۲۵۷**)

مسلمانوں کے دیگر فرقوں کو چھوڑ کر صرف شیعوں پر یہ تہمت لگائی گئی ہے کہ وہ تحریفِ قرآن کے قائل ہیں؛ ابن حزم کہتا ہے: ''شیعوں کا دعویٰ تحریف حجت نہیں ہے، کیونکہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں!'' (**الملل والنحل - جلد۲ - صفحہ۷۸** اور جلد۴ - صفحہ۱۸۲، طباعت اوّل) ابومظفر اسفرائینی کہتا ہے: ''جمیع امامیہ فرقہ (تمام شیعہ علماء) اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کافر ہیں اور اُن کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں ہے اور صحابہ نے اس میں کمی بیشی کی ہے۔ نیز وہ اس زعم میں بھی مبتلا ہیں کہ علی کی امامت پر نص قائم ہے اور صحابہ نے اُسے مٹا دیا جبکہ یہ بھی اُنھی کا زعم ہے کہ ہمارے زمانے میں موجودہ قرآن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا'' (**التبصیر فی الدین - صفحہ۳۴**)

اس کے برعکس شیعہ اپنے آپ کو اس قسم کی تہمت سے بَری قرار دیتے ہیں۔

شیخ صدوق (متوفی۔۳۸۱ھ) فرماتے ہیں: ''جو شخص ہم شیعوں سے یہ بات منسوب کرتا ہے کہ ہم شیعہ قرآن میں کسی نقص کے قائل ہیں تو وہ جھوٹ بولتا ہے، کیونکہ ہم لوگ ہرگز ایسی بات نہیں کرتے'' (رسالة الاِعتقادات۔ صفحہ ۱)

ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ شریف مرتضیٰ ہر اُس شخص کو کافر قرار دیتے تھے جو یہ خیال کرے کہ قرآن کو بدل دیا گیا یا اُس میں کمی بیشی کر دی گئی ہے۔ اور یہی نظریہ اُن (شریف مرتضیٰ) کے دو ساتھیوں، ابوالقاسم رازی اور ابو یعلی طوسی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔ (لسان المیزان۔ جلد ۴۔ صفحہ ۲۲۳)

طبرسی (متوفی۔۵۴۸ھ) کا کہنا ہے: ''جہاں تک قرآن کریم میں کسی قسم کے نقص کی بات ہے تو گو کہ ہمارے کچھ ساتھیوں اور اہل سُنت کے کچھ رذیل افراد نے یہ بات نقل کی ہے کہ قرآن میں تبدیلی یا کمی واقع ہوئی ہے جبکہ ہم شیعوں کے مذہب کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا'' (مجمع البیان۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۵)

آلوسی (متوفی۔۱۲۷۰ھ) نے اپنی تفسیر میں اس قول کو جھٹلاتے ہوئے کہا ہے: ''عامہ یعنی اہل سنت والجماعت کے کچھ رذیل افراد سے یہ بات منسوب کرنا ایک جھوٹ ہے یا پھر غلط فہمی، اس لئے کہ تمام اہل سنت کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ تواتر سے ثابت شدہ قرآن میں کہ ہمارے زمانے میں یہ دفتین کے درمیان موجود ہے کوئی نقص نہیں پایا جاتا۔ ہاں، صدّیق (حضرت ابوبکرؓ) کے زمانے میں جو چیز تواتر سے ثابت نہیں تھی اور اس کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی اُسے قلم انداز کر دیا گیا جبکہ جس تک یہ تنسیخ نہیں پہنچی اور آخری مرتبہ پیش کیے جانے پر وہ چیز موجود نہیں تھی وہ اس کی قرأت کرتا ہے۔ نیز صدّیق (حضرت ابوبکر) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تحقیق کے سلسلہ میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی البتہ اس کا نور صرف ذوالنورین کے زمانہ میں ہی پھیلا۔ (تفسیر الآلوسی۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۵)

عرضِ مؤلف: اس تکذیب میں عجیب بات تو یہ ہے کہ انہوں نے تواتر سے ثابت شدہ قرآن میں کہ دورِ حاضر میں جو دفتین کے درمیان ہے کوئی نقص نہیں پایا جاتا پر جس اجماع کا تذکرہ کیا ہے وہ بنا اختلاف تمام مسلمانوں کا قائم کردہ ہے خواہ سُنی ہوں یا شیعہ اور محلِ اختلاف تو وہی مواد ہے کہ جس کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت نہیں ہے کہ اُن میں شیعہ اور سُنی دونوں نے آحاد روایتوں کو نقل کیا ہے۔

قرآن کریم سے متعلق دعویٰ شدہ موادِ تحریف کے تحقیقی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قولِ تحریف آحاد روایتوں سے ماخوذ ہے کہ جنہیں شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے اور لازم ہے کہ ان کا مطالعہ ان کی موضوعیت (گھڑت) کے رُجحان کے ساتھ کیا جائے جبکہ نفیِ تحریف وتصحیف سے متعلقہ رسالہ میں اس کی تفصیل بیان کر دی گئی

ہے۔ان روایتوں کا تجزیہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ سب کی سب اَخبارِ آحاد ہیں کہ متواتر نص قرآنی سے ان کا کوئی مقابلہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یا تو یہ باہم مختلف ہیں یا پھر ردّ کردہ ضعیف روایتیں ہیں۔

جن روایتوں کو محدّث نوری اور دیگر سنّی اور شیعہ محدّثین نے بیان کیا ہے وہ حسب ذیل پانچ وجوہات سے خالی نہیں:

ا۔تحریف معنوی بہ معنیٰ تطبیق حُکم قرآنی۔(حُکم قرآنی سے مطابقت کرنے کے سلسلے میں)

۲۔قرآنی عبارت کی بِلا سوچے سمجھے کی گئی تفسیر جبکہ یہ بالکل واضح تھا کہ یہ قرآنی عبارت نہیں ہے، کیونکہ نص قرآنی تواتر سے ثابت ہے۔

۳۔تنزیل:اس سے میری مُراد اَسبابِ نزول ہے تو یہ اَسبابِ نزول کا بیان ہوا کہ جن کا ذکر آیتوں کے مابین کیا گیا ہے۔

۴۔تاویل:یعنی قرآنی عبارت کی تفسیر ایسے معنیٰ میں کرنا جو لفظی طور پر ظاہری نہیں ہیں، بلکہ معنیٰ میں پنہاں ہیں۔

۵۔قرأت:وہ معروف قرأات سبعہ ہیں کہ نص قرآنی میں جن کی رعایت برتی گئی ہے جیسے لفظ ملک اور مالک۔

ان پانچ وجوہات سے ہٹ کر اگر کوئی شے وارد ہوئی ہے تو اُس کو نظر انداز کردینا ناگزیر ہے، کیونکہ وہ اَخبارِ آحاد ہیں۔

مواردِ تحریف

یہ چند آیات اور سورتیں ہیں کہ جن کی تحریف کے دعوے کئے جاتے ہیں:

اوّل: وہ آیتیں کہ جن کی تحریف کے دعوے کئے جاتے ہیں:

۱۔ شیطانی آیات

یہی دعویٰ شدہ آیتیں ہیں: "تلک الغرانیق العُلیٰ و إن شفاعتهن لترتجی" اس آیت کی روایت کو سیوطی (متوفی-۹۱۱ھ) نے بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے: ''عبدابن حمید نے طریق سدی سے روایت بیان کی ہے، اس نے ابو صالح کے ذریعہ سے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مشرکین کے خلاف قیام کیا تو وہ کہنے لگے: اگر یہ ہمارے معبودوں کا ذکر خیر کرے تو ہم بھی اس کے معبود کو اچھے اَلفاظ میں یاد کریں گے تو اس موقع پر آپؐ کے دل میں یہ الفاظ القا کئے گئے: أفرأیتم اللات والعزیٰ و منات الثالثة الأخریٰ انهن لفی الغرانیق العُلیٰ و إنّ شفاعتهن لترتجی۔ راوی کہتا ہے: تو اللہ نے یہ آیت نازل کی: ﴿وما أرسلنا من قبلک من رسول ولا نبيّ الاّ اذا تمنّیٰ ألقی الشیطٰن فی أُمنیته﴾ (سورۂ حج-آیت ۵۲)

ابن عباسؓ کہتے ہیں: رسول اللہؐ کی دلی تمنا آپؐ کی قوم کا اسلام قبول کرنا تھی۔ نیز بزار، طبرانی، ابن مردویہ اور ضیاء نے المختارۃ میں قابل وثوق راویانِ حدیث کی اسناد سے سعید ابن جبیر کے حوالے سے روایت بیان کی ہے جبکہ سعید نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آپؓ نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس طرح تلاوت فرمائی: افرأیتم اللات والعزیٰ و منات الثالثۃ الأخریٰ تلک الغرانیق العُلیٰ و اِنّ شفاعتھن لترتجیٰ. تو مشرکین اس پر خوش ہو گئے اور کہنے لگے: انہوں نے ہمارے معبودوں کا ذکر خیر کیا ہے تو اس موقع پر حضرت جبرئیلؑ آ کر کہنے لگے: جو میں لے کر آیا ہوں اُس کی میرے سامنے تلاوت کیجئے تو آپؐ نے اس طرح تلاوت فرمائی: ﴿افرأیتم اللّٰت والعزیٰ و منوۃ الثالثۃ الأخریٰ﴾ (سورۂ نجم-آیت ۱۹ و ۲۰) تلک الغرانیق العُلیٰ و اِنّ شفاعتھن لترتجیٰ تو حضرت جبرئیلؑ کہنے لگے: میں یہ لے کر تو نہیں آیا، یہ تو کلامِ شیطان ہے، لہٰذا اللہ نے یہ آیت نازل کی: ﴿وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا﴾ الخ

ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے صحیح سند کے ساتھ سعید ابن جبیر سے روایت نقل کی ہے کہ جس میں وہ کہتا ہے: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی اور جب اس مقام پر پہنچے: ﴿افرأیتم اللّٰتَ والعُزّیٰ﴾ تو شیطان نے آپؐ کی زبان پر یہ جاری کر دیا: ''تلک الغرانیق العُلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ'' تو وہ لوگ (مشرکین) کہنے لگے: اس سے پہلے انہوں نے کبھی ہمارے معبود کا ذکر خیر نہیں کیا اور اُن مشرکوں نے سجدہ کیا تو اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے: جو چیز میں لے کر آیا تھا اُسے میرے سامنے پیش کریں۔ جب آپؐ اس مقام پر پہنچے: ''تلک الغرانیق العُلیٰ و اِنّ شفاعتھن لترتجیٰ'' تو حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ سے کہا: میں یہ لے کر تو نہیں آیا تھا، یہ تو شیطانی کلام ہے! تو اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبیّ﴾ الخ

ابن جریر اور ابن مردویہ نے عوفی کے طریق سے ابن عباسؓ کے ذریعہ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپؐ پر عرب کے معبودوں کا قصہ نازل ہونے لگا تو آپؐ نے اس کی تلاوت شروع کر دی اور جب مشرکوں نے سنا تو وہ کہنے لگے: ''ہم سن رہے ہیں کہ یہ ہمارے معبودوں کا ذکر خیر کر رہے ہیں، پھر وہ آپؐ کے قریب آ گئے درحالیکہ آپؐ اسی قصہ کی تلاوت فرما رہے تھے نیز آپ کہہ رہے تھے: ''افرأیتم اللّٰت والعُزیٰ و منات الثالثۃ الأخریٰ تو شیطان نے آپؐ کے دل میں یہ بات ڈال دی: ''تلک الغرانیق العُلیٰ منھا الشفاعۃ ترتجیٰ'' تو آپؐ اس کی تلاوت میں مصروف ہو گئے، پس حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے اس آیت کو منسوخ

کردیا۔(ابن ہشام کلبی (متوفی ۲۰۷ھ) کی کتاب **الاَصنام** کے صفحہ ۱۹ کوملاحظہ کیجئے! نیز **تفسیر الطبری - جلد ۱۷۔** صفحہ ۱۱۹ اور سیوطی کی کتاب **الدر المنثور** کی چوتھی جلد کے صفحہ ۳۶۶ تا ۳۶۸ کو بھی ملاحظہ کیجئے!)

مذکورہ بیانات کوتحریف قرآن کے سلسلہ کی اولین کوششیں خیال کیا جاتا ہے کیونکہ مذکورہ بالا روایت کے مطابق رسول اللہؐ ہجرت سے بھی پہلے مکہ میں موجود تھے اور مسلمان مفسرین نے ان کوششوں کو اُس وقت اور دور حاضر تک کے فراہم شدہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآن کریم کی کرامت کے طور پر دشمنانِ اسلام کی للکار کے منہ توڑ جواب کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

۱۹۵۷ء میں بلاشیر نامی فرانسیسی کا فرانسیسی زُبان میں کیا گیا ترجمہ شائع ہوا اور مترجم نے اپنے ترجمہ میں بلا سوچے سمجھے مفروضہ شیطانی آیات کو شامل کرلیا جبکہ عملی طور پر علمی تحقیق کے بنیادی قواعد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے خرافات خیال کیا جاتا ہے اس لئے کہ اس فرانسیسی نے اپنے مصحف میں ایسی چیز کو شامل کرلیا ہے جو تواتر سے ثابت شدہ مصحف امام میں موجود نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کے باہم مختلف مصاحف میں ان کا کوئی وجود ہے۔ درحقیقت مفسرین قرآن نے ان زعم شدہ آیات کو صرف کتب تفاسیر میں بیان کیا ہے اور مترجم کی جانب سے یہی فرض کرلیا جاتا ہے کہ وہ مصحف امام کی تواتر سے ثابت شدہ عبارت کا ترجمہ کرے گا نہ کہ تفاسیر کا۔ البتہ وہ جیسے چاہے اپنی رائے کا اظہار حاشیہ میں بھی کرسکتا تھا لیکن جہاں تک متواتر نص قرآنی میں شاذ روایت کو شامل کرنے کا تعلق ہے تو قواعد تحقیق کے مطابق اس سلسلہ میں سہل انگاری سے کام نہیں لیا جائے گا، کیونکہ شاذ، آحاد اور تواتر میں واضح فرق موجود ہے۔(Le Coran. Par Regis Blachere Paris, 1957, p.620 کوملاحظہ کیجئے)

افسانہ نگار سلمان رُشدی نے ۱۹۸۸ء بمطابق ۱۴۰۹ھ میں ''شیطانی آیات'' کے فقرہ کو عنوان بنا کر اُس روایت کو بیان کیا ہے کہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپ کی پاکیزہ بیویوں کی شخصیات پر اتہام لگایا گیا ہے اور اس بات کو اُس نے عالمگیر سیاسی واویلا کا رنگ دے دیا کہ جس کے مقابلہ میں امام روح اللہ خمینیؒ نے جوابی موقف اختیار کیا اور آپ نے اُس ملعون کو مرتد قرار دیتے ہوئے اُس کے قتل کا فتویٰ جاری کیا اور اس طرح علمی حدود سے بڑھ کر اس مسئلہ نے بین الاقوامی قضیہ کی صورت اختیار کرلی۔

مسلم علماء نے اس مسئلہ میں سند روایت کے بارے میں کافی بحث ومباحثہ کیا جبکہ اہلبیت علیہم السلام کی جانب سے ایسی کوئی روایت ہرگز وارد نہیں ہوئی اور جس کسی نے بھی ایسی روایت کو نقل کیا ہے تو وہ اہلبیت علیہم السلام کی اُسناد سے بیان نہیں کیا، بلکہ علماء کے ایک گروہ نے اس سند کی جرح کی تو اُن کے نزدیک یہ روایت ثابت نہ ہوئی۔

نقل کے اعتبار سے ابوبکر بیہقی کے نزدیک یہ قصہ ثابت نہیں ہے اور اس کے راویوں کے کردار کو مطعون قرار دیا گیا ہے۔ نیز اس حدیث کو بے شمار اسناد سے بیان کیا گیا ہے لیکن ان میں حدیث غرانیق (شیطانی آیات) کا کوئی وجود نہیں۔

رازی کا کہنا ہے: ''اس روایت کو ظاہری اور عام علماء نے بیان کیا ہے، جبکہ اہل تحقیق کہتے ہیں کہ یہ روایت جھوٹی اور جعلی ہے اور اس کی دلیل انہوں نے قرآن، سنت اور عقل سے پیش کی ہے'' (التفسیر الکبیر۔ جلد ۲۳۔ صفحہ ۵۰)

قاضی عیاض کہتا ہے: ''صحیح روایتوں کو بیان کرنے والے کسی شخص نے اس حدیث کو بیان نہیں کیا اور نہ ہی قابل وثوق راویوں نے صحیح وسالم اور متصل سند سے اسے بیان کیا ہے، جبکہ اسے اور اس جیسی دیگر روایتوں میں صرف اُن مفسرین اور مؤرخین نے دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے جو ہر عجیب وغریب بات میں دلچسپی لیتے ہیں قطع نظر اس سے کہ آیا وہ صحیح ہے یا سقیم...'' (الشفاء۔ صفحہ ۱۱۷)

ان روایتوں پر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین قرآن نے دونوں آیتوں کو باہم مخلوط کر دیا ہے، یعنی آیت اُمنیت (سورۂ حج۔ آیت ۵۲) اور آیت غرانیق (سورۂ نجم۔ آیت ۱۹ تا ۲۳) جبکہ رازی نے اپنی کتاب التفسیر الکبیر کے صفحہ ۵۰ تا ۵۴ میں اس کے خلاف قرآن، سنت اور عقل سے قائم کردہ دلیلوں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ نیز میرے خیال سے مناسب ترین بات تو یہ ہے کہ دونوں سورتوں کا مطالعہ کیا جائے تاکہ حقیقت واضح ہو سکے جبکہ مذکورہ ضمیمہ کا قرآنی سیاق وسباق سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا حتمی نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ جس کسی کو ترتیل قرآن پسند نہیں آئی اس نے اس میں دست اندازی شروع کر دی اور ہم قافیہ وہم وزن جملوں کو پرو کر یہ سمجھ لیا کہ اُس کی مطلوبہ تحقیق کے لئے یہی کافی ہے۔

آیت اُمنیت سورۂ حج کی ۵۲ ویں آیت ہے: ﴿و ما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبیّ الاّ اذا تمنّیٰ القیٰ الشیطان فی اُمنیّتِہٖ فینسخ اللہ ما یُلقی الشیطٰن ثم یُحکِم اللہ آیٰتہ و اللہ علیم حکیم﴾ ہم نے تو تم سے پہلے جب کبھی کوئی رسول اور نبی بھیجا تو یہ ضرور ہوا کہ جس وقت اُس نے آرزو کی تو شیطان نے اس کی آرزو میں خلل ڈال دیا تو پھر جو وسوسہ شیطان ڈالتا ہے خدا اُسے مٹا دیتا ہے پھر اپنے اُحکام کو مضبوط کرتا ہے اور خدا تو بڑا واقف کار دانا ہے۔

مفاد آیت یہ ہے کہ انبیاء اور رسولوں کی بھی دلی آرزو ہوتی ہے جبکہ ان دلی تمناؤں کے مقابلہ میں شیطان کا بھی ایک عداوتی موقف ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اُستوار کرکے رہتا ہے۔ اب یہ ایک طبعی اَمر ہے کہ انبیاء اور رسولوں کی دلی تمنا اپنی رسالت کی کامیابی کے سوا کچھ نہیں ہوتی جبکہ شیطان کی کوششیں یہ رہتی ہیں کہ اس رسالت میں تحریف کرکے اس کی صورت کو مسخ کر دیا جائے۔ بالفاظ دیگر، یہ آیت انبیاء اور رسولوں کی عصمت کو بیان کر رہی ہے کہ آپ حضرات علیہم الصلوٰۃ

والسلام اپنی رسالت کی اَدائیگی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے تھے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ شیطانوں کی سازشوں کو ناکام بنا دیتا ہے اور اس طرح اس آیت کا قصہ غرانیق سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

لفظ غرانیق جمع ہے غُرنوق کی۔ عربی لغات میں غرنوق کے معنیٰ یہ ہیں: پھیلی ہوئی جاذب نظر نبات، سفید؛ خوبصورت لڑکا یا لڑکی؛ سفید آبی پرندہ اور سیاہ آبی پرندہ کہ جس کی لمبی گردن ہوتی ہے (سارس)۔

ابن منظور کے مطابق حدیث میں اس کے معنیٰ اس طرح سے ہیں: ''یہ اُونچے غرانیق ہیں کہ لغوی طور پر غرانیق نر آبی پرندوں کو کہتے ہیں'' (لسان العرب میں مادّہ الغرنوق کو ملاحظہ کیجئے!)

قرآنی سیاق وسباق سورۂ نجم سے متعلق بیان کی جانے والی روایات غرانیق کا صاف انکار کرتے ہیں، کیونکہ یہ سورت نجم کی قَسم سے شروع ہوتی ہے جو ایک آسمانی ستارہ ہے کہ جس کا مشاہدہ ہر وہ شخص بآسانی کرسکتا ہے کہ جس کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں۔ یہ قَسم اس بات پر لی گئی ہے کہ نبیٔ خُدا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گمراہی اور سرکشی سے مبرّہ ہیں اور یہ کہ آپؐ کوئی بات بھی اپنی نفسانی خواہش کی بناء پر نہیں کہتے، بلکہ جو کچھ آپؐ کہتے ہیں وہ آپ کی جانب کی گئی وحی ہوتی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد سورۂ نجم نے بتوں کی عبادت کا موضوع اُٹھایا اور بتوں کی پرستش کے خلاف ایک عام فہم استدلال کیا کہ جسے کوئی بھی صاحبِ بصیرت سمجھ سکتا ہے، بالکل اسی طرح سے جیسے کہ ہر صاحبِ بصارت آسمانی ستارہ کا مشاہدہ بآسانی کرسکتا ہے۔ یعنہ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہر انسان کو اُس کے معاملات میں انصاف پسندی سے کام لینا چاہئے اور اس سورت میں قوم عرب کے تین بتوں کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے کہ عرب باشندے اللہ کو چھوڑ کر انہی کی پرستش کرتے تھے اور اُن بتوں کے نام یہ ہیں: لات (مکہ میں رہنے والوں کا معبود) عُزّیٰ (طائف کے رہنے والوں کا معبود) اور مَنات (بنو کعب کا معبود) ان تینوں کے تذکرہ کی وجہ یہ ہے کہ دورِ جاہلیت کے عرب باشندوں کے معبودوں میں سب سے زیادہ اہمیت انہی کو حاصل تھی۔ اس کے بعد قرآن کریم نے عرب باشندوں کے اس فعل یعنی بتوں کو معبود سمجھ کر اُن کی عبادت کرنے کو دلیل کے ساتھ باطل کیا ہے کیونکہ وہ لوگ یہ تصور کرتے تھے کہ اُن کی نجی زندگی میں ان بتوں کو خاص حیثیت (دخل) حاصل ہے جبکہ وہ لوگ بیٹیوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس خیال سے کہ بیٹیاں باعث ننگ وعار ہیں انہیں زندہ دَرگور کرنے کو قرآن کریم میں سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس منطقی نتیجہ کے طور پر قرآن اُن سے جدل (جنگ) کررہا ہے کہ انہوں نے عورتوں کی شکل میں بُت بنا کر اُنہیں معبود کیونکر بنا دیا؟! یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں کہ بیٹوں کو اپنے لئے منتخب کر لیتے ہیں جبکہ بیٹیوں کو اللہ سے منسوب کر دیتے ہیں؟! منطقی طور پر اس طرح کی جوڑی بندی منصفانہ نہیں ہے بلکہ جس طرح کہ قرآن کریم نے بتلایا ہے یہ (قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ) یعنی ایک ظالمانہ تقسیم ہے۔

بُتوں کی مذمت میں وارد ہونے والے اِس واضح - اِسی طرح دیگر قرآنی آیتوں میں بھی بُتوں کی مذمت کی گئی ہے۔ قرآنی سیاق وسباق کو دیکھتے ہوئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ بلا سوچے سمجھے مزید ایک ایسے جملہ کو اس میں شامل کردیا جائے جو مدلول قرآن سے تضاد رکھتا ہے؟ نیز کیونکر ممکن ہے کہ معبودوں کو غرانیق یا غرنوق (غین پر پیش ہے) کو خوبصورت نوجوان یا خوبرولڑکوں سے متصف کیا جائے؟ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ان معبودوں کو مذکر یا مؤنث قرار دیا جائے جبکہ مفہوم کے اعتبار سے یہ باہم مختلف ہیں...؟ اس کے علاوہ یہ کس طرح سے ممکن ہے کہ بیک وقت مدح سرائی اور مذمت بھی کی جائے؟! ویسے بھی اس بناء پر تلک الغرانیق کی بجائے اُولٰئک الغرانیق اور و اِن شفاعتھن کی بجائے وانّ شفاعتھم لترتجی کہنا زیادہ بہتر تھا۔ (تلک عام طور سے انسانوں کے لئے مستعمل نہیں ہے بلکہ اُولٰئک کو استعمال کیا جاتا ہے۔ نیز اسی طرح ھُنّ یا مؤنث کے لئے مستعمل ہے یا پھر جمع وغیرہ کے لئے، لیکن مذکر کے لئے تو قطعی استعمال ممکن نہیں، بلکہ جمع مذکر کے لئے ھُم آتا ہے کہ جسکی جانب مؤلف دام ظلہ نے اشارہ کردیا ہے اور عربی جاننے والے کسی وضاحت کے محتاج نہیں۔ مترجم)

(المختصر) قرآنی عبارت کا منصفانہ مطالعہ کرنے والا دیکھے گا کہ یہ دونوں جملے زائد ہیں اور اس ضمیمہ کو شامل کرنے والے نے یہ خیال کرتے ہوئے اِسے قرآن سے ملا دیا ہے کہ قرآن کی آیت بنانے کے لئے صرف جملوں کا ہم قافیہ وہم وزن ہونا (سجع) کافی ہے حالانکہ وحدت مضمون قطعی طور پر اس کی منکر ہے۔

۲. تحریف ابن ابی سرح

آیت: ﴿فتبارک اللہ احسن الخالقین﴾ (سورۂ مؤمنون - آیت ۱۴)

عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح اُموی کی مدنی زندگی کے سلسلہ میں مرقوم ہے کہ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کتابت کی، اس بابت واقدی کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ''قریشیوں میں سے جس شخص نے سب سے پہلے کتابت کی وہ عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح ہے! اس کے بعد وہ مرتد ہو کر مکہ کو لوٹ گیا اور وہیں سکونت اختیار کی تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ومن اظلم ممن افترىٰ علىٰ اللہ کذباً اَو قال اُوحِیَ اِلَیَّ و لم یُوحَ اِلیہ شیءٌ و من قال سأنزل...﴾ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ افترا کر کے کہے کہ ہمارے پاس وحی آئی ہے حالانکہ اُس کے پاس کوئی چیز وحی نہیں ہوئی اور اُس شخص سے (بڑھ کر بھی ظالم کون ہوگا) جو کہے کہ میں (بھی) عنقریب نازل کروں گا... (سورۂ انعام - آیت ۹۳)

ابن اثیر (متوفی ۶۳۰ھ) کہتا ہے: ''عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح ابن حارث ابن حبیب ابن جذیمہ ابن مالک

ابن حسل ابن عامر ابن لوی قریشی عامری، یہ مضافاتی قریش سے تھا نہ کہ اصل قریش سے؛ اس کی کنیت ابویحییٰ تھی اور یہ حضرت عثمان ابن عفان کا رضاعی بھائی تھا کہ اس کی ماں نے حضرت عثمانؓ اور مالک ابن سالم کو بھی دودھ پلایا تھا؛ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف ہجرت کی تھی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے وحی کی کتابت بھی کرتا تھا مگر بعد میں مرتد ہوگیا تھا اور مکہ میں قبیلہ قریش کے پاس چلا گیا اور ان سے کہنے لگا: ''میں محمد کو جیسے چاہتا ویسے استعمال کرتا تھا، چنانچہ وہ مجھے **عزیز حکیم** املاء کرواتے تھے تو میں کہتا تھا: آیا **علیم حکیم** لکھوں؟ تو وہ کہتے تھے: ہاں، سب صحیح ہے!''

پس جب فتح مکہ کا دن آیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اسے، عبداللہ ابن خطل اور مقیس ابن صبابہ کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا خواہ وہ لوگ غلاف کعبہ کے پیچھے ہی کیوں نہ چھپے ہوں تو عبداللہ ابن سعد حضرت عثمان ابن عفانؓ کے پاس پناہ لینے گیا اور حضرت عثمانؓ نے اُسے چھپا دیا، یہاں تک اہل مکہ کو مطمئن کر کے اُسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس لے آئے اور آپؐ سے اُس کے لئے امان کی درخواست کی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کافی دیر تک خاموش رہے اور اس کے بعد فرمایا: ہاں! جب حضرت عثمانؓ وہاں سے چلے گئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے اردگرد موجود لوگوں سے فرمایا: ''میں خاموش ہوگیا تاکہ تم میں سے کوئی اُٹھے اور اس کی گردن ماردے!'' تو انصار میں سے ایک شخص کہنے لگا: اے رسول خدا! تو آپؐ نے مجھے اشارہ کیوں نہیں کیا؟ تو آپؐ نے فرمایا: کسی نبی کے لئے یہ سزاوار نہیں کہ وہ اشاروں سے کام لے'' (اسد الغابۃ۔ جلد۲۔ صفحہ۲۵۹)

اس آیت: ﴿ومن اظلم ممن افتریٰ علیٰ اللہ کذباً او قال اُوحیَ الیَّ و لم یُوحَ الیہ شیءٌ ومن قال سأنزل مثل ما انزل اللہ﴾ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ افترا کر کے کہے کہ ہمارے پاس وحی آئی ہے حالانکہ اُس کے پاس کوئی چیز وحی نہیں ہوئی اور اُس شخص سے (بڑھ کر بھی ظالم کون ہوگا) جو کہے کہ میں (بھی) عنقریب (ایسا کلام) نازل کروں گا جیسا کہ اللہ نے نازل کیا ہے (سورۂ انعام۔ آیت ۹۳) کی تفسیر میں امام محمد باقر؛ امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے: یہ آیت ابن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ جسے عثمانؓ نے مصر کا عامل مقرر کیا تھا جبکہ یہ وہی شخص تھا کہ فتح مکہ کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اسے واجب القتل قرار دیا تھا۔ نیز یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے کتابت کیا کرتا تھا، لہٰذا جب اللہ نے سورۂ انفال کی ۱۰ویں آیت: ﴿انّ اللہ عزیز حکیم﴾ نازل کی تو اس نے لکھا ﴿انّ اللہ علیم حکیمٌ﴾ (سورۂ توبہ۔ آیت ۲۸) اس موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: اس آیت کو رہنے دو! ابن ابی سرح منافقین سے کہتا پھرتا تھا کہ میں بھی ازخود بالکل ایسا کلام کہوں گا کہ جیسا وہ (محمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلّم) لے کر آتے ہیں تو پھر وہ میری مخالفت نہیں کریں گے چنانچہ اس موقع پر اللہ نے اس آیت کو نازل کیا:
﴿ و من اَظلم ممن افتریٰ علی الله كذباً﴾ الخ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ افترا کرے الخ (سورۂ انعام- آیت ۲۱) [الوافی- جلد ۱- باب تفسیر الآیات]!

بیضاوی (متوفی- ۶۹۱ ھ) اس کی تفسیر میں کہتا ہے: ''عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے وحی لکھا کرتا تھا اور جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ولقد خلقنا الإنسان من سلالة من طين. ثم جعلناه نطفة في قرار مكين. ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاماً فكسونا العظام لحماً ثم انشأناه خلقاً آخر﴾ اور بلاشبہ ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے جوہر سے پیدا کیا؛ پھر ہم نے اُس کو ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا؛ پھر ہم نے اس نطفہ کو جما ہُوا خون بنایا، پھر ہم نے منجمد خون کو گوشت کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے لوتھڑے کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم (ہی) نے اس کو (روح ڈال کر) ایک دوسری صورت میں پیدا کیا (سورۂ مؤمنون- آیت ۱۲ تا ۱۴) اور جب ﴿ثم انشأناه خلقاً آخر﴾ کا جملہ آیا تو عبداللہ کہنے لگا: فتبارک الله احسن الخالقين (تو خدا بابرکت ہے جو سب بنانے والوں سے بہتر ہے) تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس سے فرمایا: اِسے بھی لکھ لو ! پس یہ آیت اسی طرح سے نازل ہوئی تو عبداللہ شک میں پڑ گیا اور کہنے لگا: اگر محمدؐ سچے ہوتے تو میری طرف بھی وحی کی جاتی جس طرح سے کہ اُن پر وحی کی جاتی ہے، جبکہ اگر وہ جھوٹے ہیں تو میں نے وہی کہا ہے کہ جو انہوں نے کہا چنانچہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ومن اظلم ممن افتریٰ علیَ الله كذباً او قال اُوحيَ اِلَيَّ و لم يُوحَ اِليه شيءٌ﴾ (سورۂ انعام- آیت ۹۳) [انوار التنزیل- جلد ۱- صفحہ ۳۰۰]

یہ روایت مقام اعتبار سے گری ہوئی ہے، کیونکہ اس میں مذکورہ آیت کی تاریخ نزول میں تناقض پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ سورۂ مؤمنون کی خلقتِ انسان پر مشتمل آیتیں مکی آیتیں ہیں نہ کہ مدنی جبکہ عبداللہ ابن ابی سرح مدینہ میں کاتب نبیؐ کے عہدہ پر مامور تھا نہ کہ مکہ میں۔ البتہ سورۂ انعام کی ۹۳ ویں آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور اس کی تطبیق ممکن ہے لیکن مکی آیتوں کی تطبیق ممکن نہیں، لہٰذا اس آیت سے متعلق تحریف کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

عبداللہ کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا موقف انتہائی سخت تھا، کیونکہ آپؐ نے اس کے خون کو مباح قرار دیا تھا خواہ وہ کعبہ کے پردہ کے پیچھے ہی کیوں نہ چھپا ہو، اسی طرح سے اس کی امان کی درخواست پر عدم رضامندی کا اظہار فرمایا تھا جبکہ نبیِ رحمت کے لئے ہرگز ممکن نہیں کہ آپ اپنی ذات کے لئے غضبناک ہوں۔ لہٰذا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عبداللہ اُن منافقوں میں سے تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور مسلمانوں کی صفوں میں گھس جاتے تھے تا کہ اندر ہی اندر سے

دعوت الٰہی کو مسخ کر دیں اور عبداللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ بھی علی الاعلان اور تمسخر کرتے ہوئے وحی کی حقیقی صورت کو مسخ کر دے گا اور اسی غرض سے وہ مدینہ سے فرار ہو گیا تھا، کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بات منکشف ہو چکی تھی، تو آپؐ نے بھی اس کے مقابل انتہائی سخت موقف اختیار کیا۔ یہ واحد شخص ہے جو اس بات کا دعویدار ہے کہ ''میں جس طرح سے چاہتا تھا محمدؐ کو استعمال کرتا تھا'' یعنی اِملاء میں خیانت کے ذریعہ۔ بشرطیکہ اس کا کہنا صحیح ہو۔ جبکہ دیگر کسی صحابی کی طرف سے املائی غلطی یا قرآنی عبارت میں خیانت کا دعویٰ دیکھنے میں نہیں آیا اور اس طرح یہ (عبداللہ ابن ابی سرح) ایسا دشمن ہے کہ اس کے دعویٰ کی تصدیق ممکن نہیں کیونکہ وہ ایک ایسی منفرد بات کا دعویدار ہے کہ جس کا کسی اور نے قطعاً کوئی اظہار دعویٰ نہیں کیا۔ [1]

۳۔ آیت رضاعت

مسلم نیشاپوری (متوفی ۲۶۱ھ) نے کتاب الرضاع میں اپنی صحیح اَسناد سے ایک روایت نقل کی ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''یحییٰ ابن یحییٰ نے ہم سے حدیث بیان کی، کہا: میں نے مالک کے سامنے پڑھا کہ عبداللہ ابن ابی بکر نے عمرہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: قرآن کریم میں دس ایسی عورتوں سے نکاح حرام قرار دیا گیا کہ جن کی رضاعت معلوم ہے اور اس کے بعد اُن میں سے پانچ معلومہ تو منسوخ ہو گئیں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت وفات پڑھے جانے والے قرآن میں اُن (پانچ) کا ذکر موجود تھا۔ (صحیح مسلم۔ جلد۴۔ صفحہ۱۶۷)

قرآن کریم میں گیارہ مقامات پر رضاعت سے متعلقہ کلمات استعمال ہوئے ہیں لیکن مذکورہ دونوں موارد کا اس میں کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔

حاشیہ میں اس طرح سے لکھا گیا ہے: ''زیلعی کہتا ہے: اس (مسلم) کے پاس پانچ رضاعی عورتوں (کی تحریم) پر بھی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی، اس لئے کہ حضرت عائشہؓ نے یہ حوالہ دیا تھا کہ یہ قرآن کا حصہ ہے اور ان کا کہنا تھا: یہ بات میرے بستر کے نیچے رکھے ہوئے کاغذات میں لکھی ہوئی تھی، لہٰذا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی اور ہم اُن کی میت کے مراسم میں مشغول ہو گئے تو ایک پالتو جانور اندر جا کر اس صحیفہ کو کھا گیا کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قرآن کا حصہ نہیں تھا کیونکہ یہ تواتر سے ثابت نہیں اور نہ ہی اس کی قرأت جائز ہے، اُسے مصحف میں لکھنا بھی جائز نہیں اور نہ

---

[1] یہاں مؤلف دام ظلہ نے عبداللہ ابن ابی سرح کے جھوٹے دعوے کی حقیقت اس دلیل سے ثابت کی ہے کہ تاریخ نبوت میں یہ واحد شخص تھا جو وحی کے الفاظ کی تبدیلی جیسے ناقابل معافی جرم کا دعویٰ کرتا تھا جبکہ اگر عبداللہ ابن ابی سرح ایسا کر سکتا تھا تو دیگر کاتبانِ وحی کے لئے بھی یہ ممکن ہوتا اور یوں دیگر کاتبانِ وحی کا امانت دار ہونا صرف اُن کی دیانت ہی کی نہیں بلکہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ رسالت کی باقاعدہ نگرانی ہو رہی تھی۔

ہی اس کی حفاظت جائز ہے، نہ اُس (مسلم) کے نزدیک کیونکہ تواتر سے ثابت نہیں ہے، اور نہ ہی ہمارے نزدیک اس لئے کہ ہم صرف اُن عبارتوں کو کتابی صورت میں محفوظ کر لینے کے جواز کے قائل ہیں کہ جن کی قرأت مشہور ہو جبکہ یہ عبارت تو مشہور ہی نہیں ہے۔ تاہم اگر یہ قرآن کا حصہ ہوتا تو ہمارے زمانے میں بھی اس کی تلاوت کی جاتی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد کوئی منسوخی عمل میں نہیں آئی"

مندرجہ ذیل مآخذ کو ملاحظہ کیجئے:

۱۔ سُنن ابی داؤد۔ جلد۱۔ صفحہ۲۷۹۔ باب نکاح

۲۔ سُنن نسائی۔ جلد۲۔ صفحہ۸۲۔ باب نکاح

۳۔ سُنن ابن ماجہ۔ جلد۱۔ صفحہ۶۲۶۔ باب نکاح

۴۔ سُنن دارمی۔ جلد۱۔ صفحہ۱۵۷۔ باب نکاح

۵۔ الموطا۔ تالیفِ امام مالک۔ جلد۲۔ صفحہ۱۱۸۔ باب نکاح

ابن ماجہ کی روایت ہے: "حضرت عائشہ کہتی ہیں: سنگسار اور رضاعت سے متعلق آیت نازل ہوئی، دس عورتیں حرام ہیں، البتہ یہ میرے بستر کے نیچے رکھے گئے کاغذات میں موجود تھی کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا انتقال ہوا اور ہم مراسم اُدا کرنے میں مشغول ہوئے تو ایک پالتو جانور اندر گیا اور اُسے کھا گیا" (صحیح ابن ماجہ۔ جلد۱۔ صفحہ۶۲۶)

صرف حضرت عائشہ نے اِس روایت کو بیان کیا ہے ۔بشرطیکہ اُن سے منسوب بات صحیح ہو۔ جبکہ دیگر کسی صحابی نے اس کا ذکر نہیں کیا اور اگر ایسی کوئی آیت ہوتی کہ جس کی تمام مسلمان تلاوت کرتے تھے تو اُن کے قرآنی نسخوں اور روایتوں میں بھی اِس آیت کا تذکرہ ملتا اور یہ صرف ایک دفتر میں نہ ہوتی کہ اُسے بھی ایک پالتو جانور کھا گیا۔ یہ اِمکان بھی موجود تھا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس موجود اُن کے مخصوص صحیفہ میں کہ جس میں تفسیر قرآن درج تھی اور آپؓ خصوصی طور پر اُس کی قرأت کرتی تھیں یہ جملہ پایا جاتا ہو اور بعد میں وہ صحیفہ اس وقوعہ کی نظر ہو گیا ہو لیکن مذکورہ روایت واضح طور پر اس امکان کا انکار کر رہی ہے۔ لہٰذا ضروری یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے تفسیر میں سے شمار کیا جائے یا پھر آحاد ہونے کی وجہ سے اِس روایت پر عمل نہ کیا جائے، جبکہ سیوطی نے تلاوت اور حکم دونوں اعتبار سے اِس روایت کو منسوخ کی اَقسام میں سے شُمار کیا ہے جبکہ یہ ایک انتہائی عجیب بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ مکی کا کہنا ہے کہ یہ ایک ایسی مثال ہے کہ جس میں منسوخ کی تلاوت نہیں کی جاتی اور نہ ہی ناسخ کی تلاوت کی جاتی ہے جبکہ مجھے اِس کی کوئی نظیر نہیں ملی۔ (الاتقان - جلد۲- صفحہ۲۳- مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۷۰ھ)

۴۔ آیت رَجم (سنگساری)

"بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو تم لوگ اُنہیں لامحالہ سنگسار کردو!"

امام بخاری نے اس روایت کو باب "حدود المحاربین" میں بیان کیا ہے۔(جلد۸۔ صفحہ۲۰۹و۲۱۰) خلیفہ دوّم حضرت عمر ابن خطابؓ کے حوالے سے ایک طویل حدیث میں اس طرح سے منقول ہے: "پس حضرت عمرؓ منبر پر بیٹھے اور جب اذان دینے والے خاموش ہوگئے تو آپ کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثناء بجالائے۔ اس کے بعد آپ نے کہا: امّابعدُ، میں تم لوگوں سے ایک ایسی بات کہنے جارہا ہوں کہ جس کے کہنے پر میں قادر ہوا ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ اگر میرے آگے میری موت ہو۔ پس جو اس کو سمجھ جائے اور اسے یاد کرلے تو وہ جہاں جہاں جائے وہاں اس کو بیان کرے اور اگر کسی کو اندیشہ ہے کہ وہ میری بات کو نہیں سمجھ سکا تو ایسی صورت میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مجھ سے جھوٹی بات منسوب کرے: بلاشبہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو برحق مبعوث کیا اور اُن پر قرآن جیسی کتاب نازل کی کہ اُن نازل شدہ کلام میں سے ایک آیت رَجم (سنگسار کے حکم پر مبنی آیت) ہے کہ جس کی ہم نے قرأت کی، اُسے درک کیا اور یاد رکھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے سنگسار کیا اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی سنگسار کیا۔ تو اَب مجھے ڈر ہے کہ طویل مدّت گزرنے پر مبادا کہنے والا یہ کہہ دے کہ بخدا اللہ کی کتاب میں ہمیں سنگسار کے حکم پر مبنی آیت نہیں ملی اور اس طرح وہ لوگ اللہ کے نازل کردہ فریضہ کو ترک کرکے گمراہ ہوجائیں حالانکہ کتاب خدا کے مطابق زانی پر رَجم (سنگسار) کی حد لاگو ہوتی ہے بشرطیکہ وہ زانی شادی شدہ ہو خواہ مرد ہو یا عورت اور یہ بھی اُس وقت ہوگا کہ جب بیّنہ (شرعی گواہی) قائم کردی جائے یا (ناجائز) حمل ٹھہر گیا ہو یا پھر کوئی شخص از خود اعتراف کرلے۔ پھر ہم کتاب خدا میں سے جس کی قرأت کرتے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے آباؤاَجداد سے رُوگردانی مت کرو کہ تمہارے آباؤاَجداد سے رُوگردانی کرنا تمہارے کُفر کا باعث بنے گا -یا یہ کہ تمہارے کافر ہونے کا ایک سبب تمہارے آباؤاَجداد سے رُوگردانی کرنا ہے۔ ..."

ابن ماجہ نے یہ روایت نقل کی ہے: "بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت اگر زنا کریں تو تم لوگ لامحالہ اُن دونوں کو سزا دو!" (سُنن ابن ماجہ۔ جلد۲۔ صفحہ۸۵۳۔ باب حُدود، نیز مؤطأ ابن مالک۔ جلد۳۔ صفحہ۴۲۔ باب حُدود)

حسب ذیل مآخذ کا بھی مطالعہ کیجئے:

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد۵۔ صفحہ۱۱۶

۲۔ مُسند ابی داؤد۔ جلد۲۔ صفحہ۴۵۶

۳۔ صحیح ترمذی۔ جلد۴۔ صفحہ۳۸

مذکورہ مسئلہ سے متعلق اہلبیت علیہم السلام سے مروی روایتوں میں ایک روایت سعد اشعری کے حوالے سے نقل کی جاتی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کو لامحالہ سنگسار کر دو کہ ان دونوں نے شہوت کے معاملہ میں بے راہ روی سے کام لیا ہے''۔

شیخ صدوق نے **من لا یحضرہ الفقیہ** میں کہا ہے: ''ہشام ابن سالم نے سلیمان ابن خالد سے روایت نقل کی ہے جس میں وہ کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آیا قرآن میں سنگسار کا حکم ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا: کیسے؟ آپؑ نے فرمایا: بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت کو تم لامحالہ سنگسار کرو کہ ان دونوں نے شہوت کے معاملہ میں بے راہ روی سے کام لیا ہے''۔

سیرت ابن ہشام میں منقول ہے: ''حضرت عمر ابن خطابؓ نے مدینہ میں خطاب کرتے ہوئے کہا: امّا بعد، آج میں تم لوگوں سے ایک ایسی بات کہنے جارہا ہوں کہ جس کے کہنے پر میں قادر ہوا ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ اگر میرے آگے میری موت ہو۔ پس جو اس کو سمجھ جائے اور اسے یاد کرلے تو وہ جہاں کہیں بھی جائے اس پر عمل کرے اور اگر کسی کو اندیشہ ہے کہ وہ میری بات کو یاد نہیں رکھ سکے گا تو اُس چاہئے کہ مجھ سے کسی جھوٹ کو منسوب کر کے کسی کو املاء نہ کروائے: بلاشبہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو برحق مبعوث کیا اور اُن پر قرآن جیسی کتاب نازل کی کہ اُس نازل شدہ کلام میں سے ایک آیت رَجم (سنگسار کے حکم پر مبنی آیت) ہے کہ جس کی ہم نے قرأت کی، اُسے سیکھا اور اُسے یاد رکھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے سنگسار کیا اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی سنگسار کیا۔ تو اب مجھے ڈر ہے کہ طویل مدت گزرنے پر مبادا کوئی کہنے والا یہ کہہ دے کہ بخدا اللہ کی کتاب میں ہمیں سنگسار کا حکم نہیں ملا اور اس طرح وہ لوگ اللہ کے نازل کردہ فریضہ کو ترک کرتے ہوئے گمراہ ہو جائیں حالانکہ کتاب خدا کے مطابق زانی پر رَجم (سنگسار) کی حد لاگو ہوتی ہے بشرطیکہ وہ زانی شادی شدہ ہو خواہ مرد ہو یا عورت اور یہ بھی اُس وقت ہوگا کہ جب بیّنہ (شرعی گواہی) قائم کردی جائے یا (ناجائز) حمل ٹھہر گیا ہو یا کوئی شخص از خود اعتراف کرلے۔

اس کے بعد ہم کتاب خدا میں سے جس کی قرأت کرتے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے: ''اپنے آباؤاجداد سے رُوگردانی مت کرو کہ تمہارے آباؤاجداد سے رُوگردانی کرنا تمہارے لئے باعثِ کفر ہے''(سیرۃ ابن ھشام۔ جلد۴۔ صفحہ۲۰۸)

سیوطی (متوفی-۹۱۱ھ) نے البرھان کے حوالے سے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عُمر نے کتاب خدا میں اضافہ کیا ہے تو میں اس کو لکھ دیتا!'' یعنی آیت رَجم کو۔ آپؓ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت کو لکھنا جائز ہے لیکن لوگوں کی باتوں نے انہیں روک دیا جبکہ بذات خود جائز کام رکاوٹوں کے باوجود بھی عمل میں آتا ہے، لہٰذا

اگر اس کی کتابت جائز تھی تو لازم تھا کہ اسے ثبت کیا جاتا کہ لکھی جانے والی شے کا یہی حق ہوتا ہے، نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر اس آیت کی تلاوت باقی ہوتی تو حضرت عمرؓ اُس کی طرف فی الفور متوجہ ہوتے اور لوگوں کی باتوں کی اعتنا نہ کرتے، اس لئے کہ لوگوں کی باتیں رُکاوٹ کا سبب نہیں بن سکتیں" (الإتقان۔ جلد۲۔ صفحہ ۲۶)

ابن اشتہ نے مصاحف سے متعلق لیث ابن سعد کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جس میں وہ کہتا ہے: "سب سے پہلے قرآن کو حضرت ابوبکرؓ نے جمع کیا اور زیدؓ نے اُس کی کتابت کی... اور حضرت عمرؓ آیتِ رَجم کو لے کر آئے تو اسے تحریر نہیں کیا اس لئے کہ اس سلسلہ میں وہ تنہا تھے" (الإتقان۔ جلد۱۔ صفحہ ۱۰۱)

اس روایت سے ایک اور حقیقت عیاں ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اس سے پہلے بھی قرآن جمع اور تالیف شدہ تھا بایں معنیٰ کہ حضرت عمر ابن خطابؓ جیسا شخص جو حکومت اور سیاست کی باگ ڈور سنبھالتے تھے کو یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ قرآن میں اضافہ کرنے پر اُن کی ملامت کریں گے اور یہ چیز تو اس بات کو مزید تقویت دیتی ہے کہ قرآن کریم مکمل اور تحریر شدہ تھا کہ اب اس میں اضافہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

دوسری جانب اس بارے میں سیوطی کا قول لائق ستائش ہے، کیونکہ وہ کہتا ہے: "اس بابت میرے ذہن میں ایک نکتہ آیا ہے اور وہ یہ کہ اس کا سبب اُمت کو اس بات کی رعایت دینا ہے کہ وہ اس آیت کی تلاوت کو عام نہ کرے اور نہ ہی قرآن کریم میں اس کو تحریر کرے اگرچہ اس کا حکم برقرار ہے اس لئے کہ اس کا شمار اہم ترین احکامات اور سخت ترین حدود میں سے ہوتا ہے" (الإتقان۔ جلد۲۔ صفحہ ۲۶)

سبحان اللہ!! کیا رعایت سے مراد یہ ہے کہ یہ حکم ساقط کر دیا گیا ہے یا یہ کہ قرآن میں سے آیت کو حذف کر کے اُس کا حکم باقی رکھا گیا؟ اس کے بعد کیا اُس شخص کے حساب میں بھی تخفیف کی جائے گی کہ جس کے لئے عمومی مصلحت اس قدر شدت کا تقاضا کرتی ہے؟ جیسے کہ جرائم اور حدود و تعزیرات کے احکام کے سلسلہ میں ہوتا ہے جو اخلاقی جرم ہیں اور معاشرہ سے بہت بڑی خیانت۔

یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ آیتِ رَجم سے متعلق یہ اشتباہ قرآن اور حدیث کے درمیان واقع ہوا ہے، چنانچہ یہ احادیث نبویؐ ہیں کہ متعدد طریقوں سے سنت شریفہ میں یہی وارد ہے نہ کہ یہ قرآنی عبارت ہے۔

اسی وجہ سے مستفیضہ روایتیں اس کی گواہی دیتی ہیں اور اس بات پر بھی شاہد ہے کہ سنگسار کا حکم قرآن میں وارد نہیں ہوا بلکہ اس کا حکم ہمیں صرف اور صرف سنت نبویؐ میں ملتا ہے اور اس کی روایت امام بخاری اور کئی دیگر علماء نے کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ایک ہمدانی عورت شراحت کو جمعرات کے دن تازیانے لگائے اور جمعہ کو سنگسار کر دیا اور آپؑ نے

فرمایا: ''میں اس عورت کو کتاب خدا کے مطابق تازیانے مار رہا ہوں اور اُس کے رسول کی سُنت کے مطابق سنگسار کر رہا ہوں'' مذکورہ روایت بالکل واضح طور پر کہہ رہی ہے کہ سنگسار کا حُکم صرف سُنت نبویؐ سے ثابت ہے اور قرآنی عبارت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

۵۔ آیت وادیٔ ذَھَب

"اگر بنی آدم کے لئے مال کی دَو (۲) وادیاں ہوتیں تب بھی وہ تیسری کی خواهش کرتا جبکه بنی آدم کے شکم کو تو صرف مٹی ھی پُر کرسکتی ھے"

مسلم نیشاپوری (متوفی-۲۶۱ھ) نے صحیح مسلم میں یوں روایت بیان کی ہے: ''سوید ابن سعید نے مجھے حدیث بیان کی کہ ہم سے علی ابن مسہر نے حدیث بیان کی، اس نے ابوحرب ابن ابوالاسود اور اُس نے اپنے والد کے ذریعہ یہ روایت بیان کی: ابوموسیٰ اشعری نے بصرہ کے قاریوں کو بلایا تو اُس کے پاس تین سَو ایسے افراد آ پہنچے کہ جنہوں نے قرآن کی قرأت کی تھی تو وہ کہنے لگا: تم لوگ تمام اہالیانِ بصرہ میں سب سے نیکوکار ہو اور اُن کے قاری بھی، تو تمہیں چاہئے کہ اس (قرآن) کی تلاوت کرتے رہو اور زیادہ عرصہ تک اسے ترک نہ کرو کہ مبادا تمہارے دل سخت ہو جائیں جس طرح کہ تم سے اگلے لوگ قساوت قلب کا شکار ہو گئے۔ نیز ہم لوگ بھی ایک ایسی سورت کی قرأت کرتے تھے کہ جس کی طوالت اور شدت کے حساب سے ہم اُسے سورہ برائت سے تشبیہ دیتے تھے اور پھر یہ سورت میرے ذہن سے محو ہو گئی مگر ایک آیت مجھے یاد رہی: "لو کان لابن آدم وادیان من مال لابتغیٰ وادیاً ثالثاً ولا یملأ جوف ابن آدم اِلاّ التُراب. اگر بنی آدم کے لئے مال کی دَو (۲) وادیاں ہوتیں تب بھی وہ تیسری کی خواہش کرتا اور بنی آدم کے شکم کو تو صرف مٹی ہی پُر کر سکتی ہے" اس کے علاوہ ہم ایک ایسی سورت کی بھی تلاوت کیا کرتے تھے کہ جسے مسبّحات میں سے کسی سورت سے تشبیہ دیتے تھے اور وہ بھی میرے ذہن سے محو ہو گئی مگر یہ آیت مجھے یاد رہ گئی: "یا ایھا الذین آمنوا لِمَ تقولون ما لا تفعلون فتکتب شھادة فی أعناقکم فتسألون عنھا یوم القیامة. اے ایماندارو! تم لوگ ایسی بات کیوں کہتے ہو کہ جس پر عمل نہیں کرتے تو ایسی صورت میں تمہاری گردنوں میں شہادت لکھ دی جائے گی تو روزِ قیامت تم سے اس کے متعلق بازپُرس ہو گی'' (صحیح مسلم۔ جلد۳۔ صفحہ۱۰۰)

مستدرک حاکم میں اُبی ابن کعب کے حوالے سے یوں مرقوم ہے: ''رسول خداؐ نے مجھ سے فرمایا: اللہ نے مجھے حُکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرأت کروں اور پھر آنحضرتؐ نے یہ قرأت کیا: "لم یکن الذین کفروا من اَھل

الکتاب والمشرکین. (سورۂ بینہ- آیت ا) اگر کوئی بنی آدم مال کی ایک وادی مانگتا تو میں اُسے عطا کر دیتا، اگر وہ دوسری مرتبہ مانگتا تو بھی میں اُسے دے دیتا اور اگر تیسری مرتبہ بھی مانگتا تو بنی آدم کے شکم کو صرف مٹی ہی پُر کر سکتی ہے جبکہ اللہ توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے اور اللہ کے نزدیک حقیقی دین تو حنیفیہ ہے، یہودیت ہے اور نہ ہی نصرانیت۔ نیز جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو وہ کبھی اُس کا منکر نہیں ہوتا"

مذکورہ آیت کا ذکر شیخ نوری نے ''سورۂ حفظ'' کے عنوان سے کیا ہے اور اُن کا کہنا ہے: "لو کان لابن آدم وادیان من المال لابتغیٰ ثالثا و لا یملأ جوف ابن آدم الاّ التراب. اگر بنی آدم کے لئے مال کی دو (۲) وادیاں ہوتیں تب بھی وہ تیسری کی خواہش کرتا اور بنی آدم کے شکم کو تو صرف مٹی ہی پُر کر سکتی ہے "(فصل الخطاب- صفحہ ۱۴۹)

عرض مؤلف: سوائے شیخ نوری کے کسی نے بھی ''سورۂ حفظ'' کے عنوان سے اس آیت کا ذکر نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ شیخ مذکور کو ''سورۂ حفد'' کے نام پر اشتباہ ہوا ہے جو آگے چل کر بیان ہوگا۔ نیز اس فقرہ سے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ یہ قرآن کا حصہ ہے واقعی عجیب وغریب ہے، اس لئے کہ جو سورت اس قدر طویل ہو جیسے کہ سورۂ برائت کہ مروجہ طریقے کے مطابق اس کی ۱۲۹ آیتیں ہیں وہ تمام مسلمانوں سے مخفی کیونکر رہ سکتی ہے؟!! اور یہ کیسے ممکن ہے کہ سوائے ابوموسیٰ اشعری کے دیگر کسی صحابی کو یہ حفظ نہ ہو باوجودیکہ وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور حفظ قرآن کا خاص اہتمام بھی فرماتے تھے۔ نیز یہ بھی کیونکر ممکن ہے کہ ابوموسیٰ اشعری کو بھی سوائے اس فقرہ کے مزید کچھ یاد نہ رہا؟

اس فقرہ میں غور وفکر کرنے سے یہ بات لازم آتی ہے کہ یہ ایک حدیث نبویؐ ہے اور اس طرح اس کا شمار مروی تفسیر میں سے ہوگا جبکہ ابوموسیٰ کو قرآن اور حدیث میں اشتباہ ہوگیا تھا۔ نیز اس قسم کی روایت اہلبیت علیہم السلام سے بھی مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: ''اگر بنی آدم کے پاس سونے کی ۲ وادیاں ہوتیں تو اس کے بعد بھی وہ تیسری کی خواہش کرتا جبکہ بنی آدم کا شکم تو صرف مٹی ہی پُر کر سکتی ہے جبکہ خدا توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے'' (مجموعۃ ورّام- جلدا - صفحہ ۱۶۳ کو ملاحظہ کیجئے)

شاید یہی وجہ ہے کہ یہ شک ابن عباسؓ سے منسوب کیا گیا ہے، جیسے کہ مسلم نے ابن جریج سے روایت نقل کی ہے کہ جس میں وہ کہتا ہے: ''میں نے عطاء کو یہ کہتے سُنا: میں نے ابن عباسؓ کو یہ کہتے سُنا: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو یہ فرماتے سُنا: اگر بنی آدم کے لئے ایک مال بھری وادی ہوتی تب بھی وہ اسی بات کو پسند کرتا کہ اُس کے لئے اس جیسی دوسری ہو جبکہ بنی آدم کے نفس کو سوائے مٹی کے کوئی چیز پُر نہیں کر سکتی حالانکہ اللہ توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں: پس میں نہیں جانتا کہ آیا یہ قرآن کا حصہ ہے یا نہیں؟ جبکہ زہیر کی روایت میں اس طرح کہا گیا ہے کہ

میں نہیں جانتا کہ کیا یہ قرآن کا حصہ ہے کہ ابن عباسؓ نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا'' (صحیح مسلم-جلد۳-صفحہ۱۰۰)

۶. آیت فراش

"اولاد صاحبِ نکاح کی ہوتی ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں"

سیوطی (متوفی-۹۱۱ھ) کہتا ہے: ''ابن عبدالبر نے تمہید میں عدی ابن عدی ابن عمرہ ابن قزوہ کے طریق سے روایت نقل کی ہے، اس نے اپنے والد سے، اس نے اپنے جد عمیر ابن قزوہ سے نقل کیا ہے کہ عمر ابن خطابؓ نے میرے والد سے کہا: کیا ہم نے کتاب خدا میں یہ نہیں پڑھا کہ جس کی ہم قرأت (بھی) کرتے ہیں کہ تمہارے آباؤ اجداد سے کراہت کی بناء پر دُوری اختیار کرنا تمہارے کفر کا سبب ہے؟ تو میرے والد نے کہا: جی ہاں! اس کے بعد انہوں نے کہا: کیا کتاب خدا میں سے مفقود فقروں میں سے ہم اس فقرہ کی قرأت بھی نہیں کرتے: اولاد صاحب نکاح کی ہوتی ہے جبکہ زانی کے حصہ میں پتھر ہیں؟ تو میرے والد نے کہا: کیوں نہیں! نیز ابوعبید، ابن ضریس اور ابن انباری نے مسور ابن مخرمہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن ابن عوف سے کہا: کیا ہم پر نازل ہونے والے کلام میں یہ بھی نہیں دیکھنے میں آتا: تم لوگ اُسی طرح سے جہاد کرو جس طرح کہ پہلی مرتبہ جہاد کیا تھا؟ کیونکہ ہمیں تو نظر نہیں آتا۔ اُس نے کہا: قرآن میں سے ساقط شدہ کلام کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کو بھی ساقط کر دیا تھا'' (الدر المنثور-جلد۱-صفحہ۱۰۶)

مذکورہ روایت میں غور کرنے پر پتا چلتا ہے کہ قرآن اور حدیث کے فرق کرنے میں ان حضرات سے غلطی واقع ہوگئی ہے، اس لئے کہ حدیث فراش متواتر ہے کہ فقہی کتابوں میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے اور محض رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے کسی کلام کا سُن لینا اسے قرآن نہیں بنا دیتا کیونکہ ہر حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر منتہی ہوتی ہے اور اِن دونوں میں اَساسی اِمتیاز یہ ہے کہ تمام کی تمام اُحادیث متواتر نہیں ہیں جبکہ قرآن کریم تواتر سے ثابت ہے۔ بنا بریں یہ لازم ہے کہ ان روایتوں پر عمل نہ کیا جائے، اس لئے کہ یہ آحاد ہیں جو متواتر قرآن کے مقابل نہیں آسکتیں۔

وہ منسوخ کلام کہ جس کا حکم اب بھی باقی ہے کے ضمن میں سیوطی کہتا ہے: ''اس قسم کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں: ابن عمرؓ سے مروی ہے: تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے پورے قرآن کو سمجھ لیا اور اُسے کیا پتا کہ پورا قرآن یعنی کیا؟! درحقیقت قرآن کا بیشتر حصہ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا ہوتا ہے، بلکہ اس کی بجائے اسے کہنا چاہئے کہ میں نے اس کے ظاہر کو سمجھ لیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ میں سورۂ احزاب کے طور

پر دوسو (۲۰۰) آیتوں کی قرأت کی جاتی تھی اور جب حضرت عثمانؓ نے قرآن لکھا تو ہم صرف اُتنے ہی حصہ کو حاصل کر سکے جو ہمارے زمانے میں موجود ہے" اس کے بعد اُس نے چند ایک روایتیں نقل کی ہیں کہ ان کی اسناد کو حذف کرتے ہوئے وہ روایتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ ذر ابن حبیش سے مروی ہے کہ اُبی ابن کعب نے مجھ سے کہا: سورۂ اُحزاب کو کس طرح سے شمار کرتے ہو؟ میں نے کہا: بہتر (۷۲) یا تہتر (۷۳) آیتیں۔ وہ کہنے لگا: اگر چہ یہ سورۂ بقرہ جتنی طویل تھی اور ہم اس سورت میں آیتِ رَجم کی بھی قرأت کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا: آیت رَجم کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: "**اذا زنا الشیخ والشیخة فارجمهما البتة نكالاً من الله والله عزیز حكیم**. اگر بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو لامحالہ خدا کی مقرر کردہ سزا کے طور پر ان دونوں کو سنگسار کر دو اور خدا تو غالب حکمت والا ہے"۔

۲۔ اُبی اُمامہ ابن سہل سے مروی ہے کہ اُس کی خالہ نے کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں آیت رَجم کی قرأت کروائی تھی اور آیت رَجم یہ ہے: "**الشیخ والشیخة فارجموهما البتة بما قضیا من اللذة**. اگر بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو تم لوگ اُن دونوں کو لامحالہ سنگسار کر دو کہ انہوں نے لذت (شہوت) کے معاملہ میں بے راہ روی سے کام لیا ہے"۔

۳۔ حمیدہ بنت ابو یونس سے مروی ہے: میرے والد نے میرے سامنے مصحف عائشہؓ سے یوں قرأت کی جبکہ وہ اُس موقع پر اَسّی سال کے تھے: "**انّ الله و ملآئكته یصلون علی النبی یا ایهاالذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما و علی الذین یصلون الصفوف الاول**. بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر دُرود بھیجتے ہیں۔ اے ایماندارو! تم لوگ اُنؐ پر دُرود بھیجو اور کما حقہ سلام بھی نیز اُن لوگوں پر بھی جو پہلی صفوں میں نماز پڑھتے ہیں"۔ وہ کہتی ہے: یہ حضرت عثمانؓ کے مصاحف کو تبدیل کرنے سے پہلے کی بات ہے۔

۴۔ عطاء ابن یسار سے مروی ہے کہ اس نے ابو واقدی لیثی سے یوں روایت نقل کی ہے: صورت حال یہ ہوتی تھی کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب وحی کی جاتی تھی اور ہم آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو آنحضرتؐ ہمیں اپنی جانب وحی کی گئی کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ کہتا ہے: ایک روز میں حاضر ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**انّا انزلنا المال لإقام الصلاة و ایتاء الزكاة ولو انّ لابن آدم وادیاً لأحبّ ان یكون الیه الثانی ولو كان الیه الثانی لأحبّ ان یكون الیهما الثالث ولا یملأ جوف ابن آدم الّا التراب ویتوب الله علیٰ من تاب**. بے شک ہم نے مال کو نازل کیا تا کہ نماز قائم کی جائے اور زکوٰۃ ادا کی جائے اور اگر بنی آدم

کے پاس (مال کی) ایک وادی ہوتی تو وہ چاہتا کہ اس کے ساتھ ساتھ دوسری بھی ہو اور اگر اس کے پاس دوسری ہوتی تو وہ چاہتا کہ ان دونوں کے ساتھ ساتھ تیسری بھی ہو جبکہ بنی آدم کے شکم کو صرف مٹی ہی پُر کرسکتی ہے جبکہ اللہ توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے"۔

۵۔اُبی ابن کعب سے مروی ہے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اللہ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن کی قرأت کروں اور پھر آنحضرتؐ نے یہ قرأت کیا: "**لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین** (سورۂ بینہ - آیت ۱) اور اس کا بقیہ حصہ یوں ہے: اگر کوئی بنی آدم مال کی ایک وادی مانگتا تو میں اُسے عطا کردیتا، اگر وہ دوسری مرتبہ مانگتا تو بھی میں اُسے دے دیتا اور اگر تیسری مرتبہ بھی مانگتا تو بنی آدم کے شکم کو صرف مٹی ہی پُر کرسکتی ہے جبکہ اللہ توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے اور اللہ کے نزدیک حقیقی دین تو حنیفیہ ہے، یہودیت ہے اور نہ ہی نصرانیت اور جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو وہ کبھی اُس کا منکر نہیں ہوتا"۔

۶۔ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے: برائت کے جیسی ایک سورت نازل ہوئی اور پھر اُٹھالی گئی جبکہ اُس میں سے (صرف) یہ حفظ رہا: "**اِنّ اللہ سیؤید ھذا الدین باقوام لا خلاق لھم ولو انّ لابن آدم وادیین من مال لتمنیٰ وادیا ثالثاً ولا یملأ جوف ابن آدم اِلاّ التراب ویتوب اللہ علیٰ من تاب**۔ بے شک اللہ عنقریب اس دین کی تائید ایسی قوموں کے ذریعہ کرے گا کہ جن کا (اس دنیا میں) کوئی حصہ نہیں ہوگا اور اگر بنی آدم کے لئے مال کی ۲ وادیاں ہوتیں تب بھی اُس کی دِلی تمنا یہی ہوتی کہ تیسری وادی بھی ہو جبکہ بنی آدم کے شکم کو صرف مٹی ہی پُر کرسکتی ہے جبکہ اللہ توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے"۔

۷۔ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے: ہم ایک ایسی سورت کی قرأت کیا کرتے تھے کہ جسے مسبّحات کی کسی سورت سے تشبیہ دیتے تھے اور بعد میں وہ میرے ذہن سے محو ہوگئی مگر صرف یہ یاد رہ گیا: "**یا ایھا الذین آمنوا لا تقولوا ما لا تفعلون فتکتب شھادۃ فی اَعناقکم فتسألون عنھا یوم القیامۃ**۔ اے ایماندارو! ایسی بات نہ کہو کہ جس پر عمل نہیں کرتے کہ ایسی صورت میں تمہاری گردن میں گواہی لکھ دی جائے گی تو روزِ قیامت تم سے اس کے متعلق باز پُرس ہوگی"۔

۸۔عدی ابن عدی سے مروی ہے: حضرت عمرؓ کہتے ہیں: ہم اس (فقرہ) کی قرأت کیا کرتے تھے: "**لا ترغبوا عن آبائکم فاِنہ کفر بکم**۔ اپنے آباؤ اجداد سے روگردانی مت کرو کہ یہ تمہارے کُفر کا باعث ہے" اس کے بعد آپ نے زید ابن ثابت سے کہا: کیا یہی بات ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں!

۹۔مسور ابن مخرمہ سے مروی ہے: حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن ابن عوف سے کہا: کیا ہم پر نازل شدہ کلام میں

تمہیں یہ (فقرہ) نظر نہیں آیا: " اَن جاهدوا كما جاهدتم اَوّلَ مرّة. تم لوگ اُسی طرح سے جہاد کرو جیسا کہ پہلی مرتبہ جہاد کیا تھا" کیونکہ ہمیں تو نہیں ملا۔ اُس نے کہا: قرآن میں سے ساقط کردہ کلام میں سے آپ نے اس کو بھی ساقط کر دیا تھا۔

۱۰۔ ابوسفیان کلاعی سے مروی ہے: مسلمہ ابن مخلد انصاری نے ایک روز اُن لوگوں سے کہا: مجھے قرآن کی ایسی ۲ آیتوں کے بارے میں بتلاؤ جو مصحف میں تحریر نہیں کی گئیں تو اُنہوں نے اُسے کچھ نہ بتایا جبکہ اُن کے درمیان ابوالکنو دسعد ابن مالک بھی موجود تھا تو ابن مسلمہ کہنے لگا: " اِنَّ الذین آمنوا و هاجروا و جاهدوا في سبيل الله بأموالهم و أنفسهم الا اَبشروا اَنتم المفلحون والذين آووهم و نصروهم و جادلوا عنهم القوم الذين غضب الله عليهم اُولئک لا تعلم نفس ما اُخفي لهم من قرة اَعين جزاءً بما كانوا يعملون. بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جانوں کے ذریعہ جہاد کیا آگاہ رہو کہ تمہارے لئے خوشخبری ہے کہ تم ہی لوگ فلاح پانے والے ہو اور جن لوگوں نے اُنہیں پناہ دی اور اُن کی نصرت کی اور اُن لوگوں کا اُس قوم سے دفاع کیا کہ جن پر اللہ غضبناک ہوا تو یہ وہ لوگ ہیں کہ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اُن کے اعمال کے عوض اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے طور پر کیا کچھ مخفی رکھا گیا ہے"(الاتقان - جلد۲ - صفحہ ۲۶ - نیز الدر المنثور - جلد۱ - صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶ کو ملاحظہ کیجئے!)

ان باہم مختلف روایتوں کی توجیہ کی کوشش میں علمائے کرام نے ناسخ و منسوخ سے متعلق کتابیں تصنیف کی ہیں اور اس سلسلہ میں کی سب سے پہلی اور جامع تصنیف ہبت اللہ ابن سلامت (متوفی ۴۱۰ھ) کی ہے کہ جس کے لئے مصنف نے ایک علیحدہ رسالہ تحریر کیا۔ مصنف کے اپنے الفاظ کچھ یوں ہیں: ''کتاب خدا عز وجل میں منسوخ آیتوں کی تین قسمیں ہیں: کچھ ایسی منسوخ آیتیں ہیں کہ جن کی عبارت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے، کچھ کی عبارت منسوخ ہو گئی مگر حکم باقی رہ گیا اور کچھ ایسی منسوخ آیتیں ہیں کہ جن کا حکم تو منسوخ ہو گیا لیکن عبارت باقی رہ گئی۔

وہ منسوخات کہ جن کا حکم اور عبارت (دونوں) منسوخ ہو گئے اُن میں اس قسم کی مثالیں شامل ہیں: '' انس ابن مالک سے مروی ہے کہ زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہم لوگ ایک ایسی سورت کی تلاوت کیا کرتے تھے جو سورۂ توبہ جتنی (طویل) تھی کہ اُس میں سے سوائے ایک آیت کے مجھے کچھ یاد نہیں: "ولو كان لابن آدم واديان من ذهب لابتغىٰ اِليهما ثالثاً، ولو اَنّ له ثالثا لابتغىٰ اِليها رابعاً ولا يملأ جوف ابن آدم اِلّا التراب ويتوب الله علىٰ من تاب. اگر بنی آدم کے پاس سونے کی ۲ وادیاں ہوتیں تب بھی وہ اُن دونوں کے ساتھ ساتھ ایک تیسری کی خواہش کرتا جبکہ اگر تیسری ہوتی تو اُن کے ساتھ ساتھ چوتھی کی آرزو کرتا اور بنی آدم کے شکم کو تو صرف مٹی ہی پُر کر سکتی ہے جبکہ اللہ توبہ کرنے والی کی توبہ کو قبول فرماتا ہے''۔ نیز عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک

آیت پڑھائی تو میں نے اُسے حفظ کرلیا اور اپنے مصحف میں (بھی) لکھ لیا۔ پس جب رات کا وقت آیا تو میں اپنی جائے خواب پر آیا اور میں نے اُس آیت کو تو دوبارہ ملاحظہ ہی نہیں کیا لیکن جب وقت صبح میں نے اپنے مصحف کو دیکھا تو اُس میں وہ ورق سفید تھا۔ لہٰذا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ بات بتلائی تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا: ''اے فرزند مسعود، گذشتہ شب یہ آیت منسوخ ہوگئی!''۔

وہ منسوخات کہ جن کی عبارت تو منسوخ ہوگئی لیکن حُکم باقی رہا میں اس قسم کی مثالیں شامل ہیں: حضرت عمر ابن خطابؓ سے مروی ہے: اگر مجھے لوگوں کا یہ کہنا گراں نہ گزرتا کہ اس (حضرت عمرؓ) نے قرآن میں (از خود) اضافہ کردیا تو میں اس میں آیت رَجم تحریر کر کے ثبت کردیتا کہ بخدا، ہم لوگوں نے اس آیت کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے پڑھا تھا: "لا ترغبوا عن آبائکم فإنّ ذلک کفرٌ بکم. اپنے آباؤ اجداد سے رُوگردانی مت کرو کہ ایسا کرنا تمہارے کفر کا باعث ہے" ، "الشیخ و الشیخة إذا زنیا فارجموھما البتة نکالاً من الله والله عزیز حکیم. بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت اگر زنا کریں تو تم لوگ اُن دونوں کو اللہ کی مقرر کردہ سزا کے طور پر لامحالہ سنگسار کردو اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے"۔ پس یہ وہ منسوخ ہے کہ جس کی عبارت تو منسوخ ہوگئی ہے لیکن حُکم برقرار ہے۔

وہ منسوخات کہ جن کا حُکم تو منسوخ ہوگیا لیکن عبارت باقی ہے تو ایسے منسوخات تریسٹھ (۶۳) سورتوں میں موجود ہیں جیسے بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھنا، پہلا روزہ، مشرکین سے درگذر کرنا اور جاہلوں سے رُوگردانی کرنا۔ ابوالقاسم کہتا ہے: ہم اس سلسلہ میں سورتوں کی نام گزاری سے آغاز کریں گے کہ جن میں کوئی ناسخ ہے اور نہ ہی منسوخ اور یہ تینتالیس (۴۳) سورتیں ہیں، واللہ اعلم! (الناسخ والمنسوخ لابن سلامة -أسباب النزول تألیف واحدی کے حاشیہ کے طور پر- طباعت ششم)

تلاوت کی منسوخی

منسوخی سے متعلق ان روایتوں کو نقل کرنے بعد سیدنا اُستاد (ابوالقاسم خوئیؒ) کہتے ہیں: ''یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ تلاوت کی منسوخی کا قائل ہونا تحریف اور قلم اندازی کا قائل ہونے کے مترادف ہے جس کی تشریح یہ ہے: تلاوت کی مذکورہ منسوخی یا تو از خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے واقع ہوئی ہوگی یا پھر آپؐ کے بعد حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے والے شخص کی جانب سے۔ پس اگر تلاوت کی منسوخی کے قائل حضرات کی مراد یہ ہے کہ از خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے واقع ہوئی تو یہ ایک ایسا اَمر ہے جو بذات خود ثابت کئے جانے کا محتاج ہے جبکہ تمام علمائے اسلام کا

اس بات پر اجماع ہے کہ خبر واحد کے ذریعہ کتاب خدا کی منسوخی جائز نہیں ہے اور علماء کی ایک جماعت نے اُصول وغیرہ...کی کتابوں میں اس کی وضاحت کردی ہے۔(الموافقات-تألیف:ابو اسحٰق شاطبی-جلد۳-صفحہ۱۰۶-مطبوعہ مطبع رحمانیہ-مصر)

بلکہ امام شافعی، اکثر صحابہ اور بیشتر اہل ظاہر نے سُنت متواترہ کے ذریعہ بھی کتاب خدا کی منسوخی کو قبول نہیں کیا اور امام احمد ابن حنبل کے حوالے سے منقولہ دو میں سے ایک روایت میں وہ بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں، بلکہ سُنت متواترہ کے ذریعہ کتاب خدا کی منسوخی کا امکان ظاہر کرنے والے علماء کی ایک جماعت بھی اس (قسم کی) منسوخی کے واقع ہونے سے انکار کرتی ہے۔(الاحکام فی اُصول الاحکام-تألیف: آمدی-جلد۳-صفحہ۲۱۷)

بنابریں، ان راویوں کی روایتوں کی وجہ سے منسوخی کو نبی خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے منسوب کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ اس کے علاوہ بھی اس قسم کی منسوخی کو نبیِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے منسوب کرنا اُن جملہ روایتوں کے منافی ہے جو ضمناً یہ بیان کرتی ہیں کہ یہ قلم اندازی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد عمل میں لائی گئی۔اب اگر قائل حضرات کی یہ مُراد ہے کہ یہ منسوخی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے والے صحابہ کی طرف سے واقع ہوئی ہے تو یہی تو عین تحریف ہے اور اس نظریہ کی رُو سے تو یہ دعویٰ ممکن ہوجائے گا کہ اہلسنت کے اکثر علماء تحریف کے قائل ہیں اور یہی ان کے مذہب کا حصہ ہے۔کیونکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ تلاوت کی منسوخی جائز ہے، خواہ حُکم منسوخ ہُوا ہو یا منسوخ نہ ہُوا ہو۔بلکہ اُن کے اُصولی علماء نے تو عجب کے لئے منسوخ شدہ تلاوت کے جواز میں بھی تردد کا اظہار کیا ہے اور اس بارے میں بھی متذبذب ہیں کہ جس سے کوئی حدث سرزد ہُوا ہو اس کے لئے قرآن کو مَس کرنا جائز ہے!اُن کے کچھ علماء کا قول منتخب یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ہاں، معتزلہ کی ایک جماعت تلاوت کی منسوخی کو جائز نہیں سمجھتی۔(الإحکام فی اُصول الاحکام-تألیف: آمدی-جلد۳-صفحہ۲۰۱ تا ۲۰۳؛ نیز البیان فی تفسیر القرآن-تألیف: امام خوئیؒ کو ملاحظہ کیجئے اور مزید تحقیق کے لئے المعجم میں مادہ نسخ کو ملاحظہ کیجئے)

دعویٰ شدہ سورتیں

اوّل: وہ نامعلوم سورت ہے کہ جس کے متعلق صحیح مسلم کی وہ روایت بیان کردی گئی کہ جس میں یوں مرقوم ہے:
"ابوموسیٰ اشعری نے بصرہ کے قاریوں کو بلایا تو اُس کے پاس تین سَو ایسے افراد آ پہنچے کہ جنہوں نے قرآن کی قرأت کی تھی تو وہ کہنے لگا: تم لوگ تمام اہالیانِ بصرہ میں سب سے نیکوکار ہو اور اُن کے قاری بھی تو تمہیں چاہئے کہ اس (قرآن) کی تلاوت کرتے رہو اور زیادہ عرصہ تک اسے ترک نہ کرو کہ مبادا تمہارے دل سخت ہو جائیں، جس طرح کہ تم سے اگلے لوگ قساوت قلب کا شکار ہوگئے۔ نیز ہم لوگ بھی ایک ایسی سورت کی قرأت کیا کرتے تھے کہ جس کی طوالت اور شدت کے حساب سے اُسے سورۂ برائت سے تشبیہ دیتے تھے اور پھر یہ سورت میرے ذہن سے محو ہوگئی مگر ایک آیت مجھے یاد رہی: "لو کان لابن آدم وادیان من مال لابتغیٰ وادیاً ثالثاً و لا یملأ جوف ابن آدم الاّ التراب. اگر بنی آدم کے لئے مال کی دو (۲) وادیاں ہوتیں تب بھی وہ تیسری کی خواہش کرتا اور بنی آدم کے شکم کو تو صرف مٹی ہی پُر کرسکتی ہے" اس کے علاوہ ہم ایک ایسی سورت کی بھی تلاوت کیا کرتے تھے کہ جسے مسبّحات میں سے کسی سورت سے تشبیہ دیتے تھے اور وہ بھی میرے ذہن سے محو ہوگئی لیکن یہ آیت مجھے یاد رہ گئی: "یا ایھا الذین آمنوا لِمَ تقولون ما لا تفعلون فتکتب شھادۃ فی أعناقکم فتسألون عنھا یوم القیامۃ. اے ایماندارو! تم لوگ ایسی بات کیوں کہتے ہو کہ جس پر عمل نہیں کرتے تو ایسی صورت میں تمہاری گردنوں میں شہادت لکھ دی جائے گی تو روزِ قیامت تم سے اس کے متعلق بازپُرس ہوگی" (صحیح مسلم۔ جلد۳۔ صفحہ۱۰۰)

قولِ جلالی: "اس دعوے کے باطل ہونے کے لئے مدّعی کی جہالت ہی کافی ہے، اس لئے کہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ سورۂ برائت یا مسبّحات میں سے کسی سورت سے مشابہ سورت مکمل طور پر فراموش ہوجائے؟ اس کے علاوہ مسبّحات میں طوالت و اختصار کے اِعتبار سے مختلف سورتیں شامل ہیں! نیز اگر ایسی ہی بات تھی تو مفروضہ دو (۲) آیتیں کیوں فراموش نہ ہوئیں؟ تمام مسلمانوں میں سے صرف ایک ہی نے ان کا تذکرہ کیوں کیا؟ یہ تمام وہ سوالات ہیں کہ جن کا جواب نہیں دیا جاسکتا اور یہیں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ درحقیقت یہ مدّعا اختراعی ہے۔

دعویٰ شدہ سورتیں چار ہیں: خلع، حفد، ولایت اور نورین۔

۱۔ سورۂ خلع

سورۂ خلع کی عبارت: "اللّٰھم اِنّا نستعینک و نستغفرک و نثنی علیک ولا نکفرک و نخلع و نترک من یفجرک. اے اللہ! ہم تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور ہم تیری ثناء

بجالاتے ہیں اور تیرا انکار نہیں کرتے۔ نیز ہم اُس شخص سے جُدائی کا اعلان کرتے ہیں اور اُسے چھوڑ دیتے ہیں جو تیری معصیت کا اِرتکاب کرتا ہے"۔ (الإتقان۔ جلد۱۔ صفحہ ۶۵)

سیوطی نے حسین ابن منادی کے حوالے سے اپنی کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں نقل کیا ہے کہ ان منسوخات میں سے قنوت کی دو (۲) سورتیں ہیں کہ جن کی عبارتیں تو مٹ گئیں مگر وہ دلوں میں محفوظ ہیں اور ان دونوں سورتوں کو ''سورۂ خلع'' اور ''سورۂ حفد'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ (تنبیہ) قاضی ابوبکر نے الإنتصار میں ایک قوم کے حوالے سے یہ حکایت کی ہے کہ وہ لوگ اس قسم (کی منسوخی) کو نہیں مانتے، اس لئے کہ اس کے متعلق وارد ہونے والی روایتیں ''اَخبارِ آحاد'' ہیں جبکہ اَخبارِ آحاد کے ذریعہ نزولِ قرآن یا اس کی منسوخی کے بارے میں قطعی رائے قائم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی روایتیں حجت نہیں بن سکتیں۔ (الإتقان۔ جلد۲۔ صفحہ ۲۶)

عرضِ مؤلّف: ابن منادی کا کلام انتہائی عجیب ہے، اس لئے کہ اگر منسوخی عمل میں آئی تھی - جیسا کہ فرض کیا گیا ہے - تو پھر دلوں میں محفوظ رکھنے کی بھلا کیا وجہ تھی؟ کیونکہ جب کسی کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ فلاں چیز منسوخ ہو چکی ہے تو وہ دلوں سے بھی محو ہو جاتی ہے۔

بلاغی (متوفی۔ ۱۳۵۲ھ) عربی قواعد کے مطابق اس سورت کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے کہتا ہے: "لفظ یفجر کیونکر صحیح ہوسکتا ہے نیز فعل یفجر متعدی کیسے واقع ہوسکتا ہے اور ویسے بھی لفظ خلع بُتوں کے لئے زیبا ہے تو پھر اس مقام پر اس کے کیا معنٰی لیں گے؟ اور یہ غلطی کیسے دُور ہوگی؟" (آلاء الرحمٰن فی تفسیر القرآن۔ صفحہ ۲۲)

۲۔ سورۂ حفد

عبارت: "اللّٰھم ایاک نعبد ولک نصلّی و نسجد و الیک نسعیٰ و نحفد، نرجو رحمتک و نخشیٰ عذابک الجد، انّ عذابک بالکفار مُلحق. اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے لئے ہی نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف دوڑتے ہیں اور جلدی کرتے ہیں، ہم تیری رحمت سے اُمید لگائے بیٹھے ہیں اور تیرے بڑے (انتہائی) عذاب سے ڈرتے ہیں کہ بلاشبہ تیرا عذاب کافروں کو جالے گا" (الإتقان۔ جلد۱۔ صفحہ ۶۵)

[ظاہری ترجمہ لکھا گیا ہے کہ اس کا تنقیدی جائزہ حسبِ ذیل ہے۔ مترجم]

بلاغی (متوفی۔ ۱۳۵۲ھ) اس کا بھی تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے کہتا ہے: "لفظ الجد سے کیا مراد ہے: عظیم ہونا، بے نیازی، ضدِ مذاق (سنجیدہ) یا پھر سجع (کلام کا ہم قافیہ و ہم وزن ہونا) کے تحت (یہ لفظ) ضروری تھا؟" البتہ عبید کی روایت میں

"نخشی نقمتک. ہم تیری انتقامی کارروائی سے خائف ہیں" کا جملہ ہے جبکہ عبداللہ کی روایت میں "نخشی عذابک. ہم تیرے عذاب سے خائف ہیں" کا جملہ ہے۔ نیز اس لفظ "مُلحق" کی یہاں حقیقی تعبیر کیا ہوگی؟ ویسے بھی یہ بات کہاں تک درست اور مناسب ہوگی کہ مومن عذاب الٰہی سے ڈرتا ہے جبکہ عذاب تو کافروں پر آئے گا اور مزید یہ کہ ایسی صورت میں اس کی کیا توجیہہ پیش کی جائے گی؟ بلکہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت میں کمی کردی جائے، اس لئے کہ (اس کے مطابق) ایک مومن شخص عذاب الٰہی سے اس وجہ سے نہیں ڈرتا کہ اس کا عذاب تو کافروں پر آئے گا" (آلاء الرحمٰن فی تفسیر القرآن۔ صفحہ ۲۴)

زرکشی (متوفی۔۷۹۷ھ) نے احمد ابن جعفر منادی (متوفی۔۳۳۴ھ) کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے: "گذشتہ اور موجودہ علماء کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ یہ دونوں۔ سورۂ حفد اور سورۂ خلع۔ اُبی ابن کعبؓ سے منسوب مصحف میں تحریر ہیں اور اُنہوں نے نبیٔ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اُن کو یہ دونوں سورتیں پڑھائی تھیں اور ان کو "سورتہائے خلع اور حفد" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے"(البرھان۔ جلد۲۔ صفحہ ۳۷)

سیوطی (متوفی۔۹۱۱ھ) قرآن کی سورتوں کو شمار کرتے ہوئے کہتا ہے: "اُبیؓ کے مصحف میں ایک سَو سولہ (۱۱۶) سورتیں پائی جاتی ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اس کے آخر میں حفد اور خلع نامی ۲ سورتوں کو تحریر کیا ہے" نیز ابوعبید نے ابن سیرین کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ جس میں وہ کہتا ہے: "اُبی ابن کعبؓ نے اپنے مصحف میں فاتحۃ الکتاب، معوذتین، اللّٰھم إیاک نستعین اور اللّٰھم إیاک نعبد کو تحریر کیا ہے اور ابن مسعود نے انہیں ترک کردیا ہے جبکہ حضرت عثمانؓ نے ان میں سے فاتحۃ الکتاب اور معوذتین کو تحریر کیا ہے"۔

مزید کہتا ہے: "طبرانی نے صحیح سند کے ذریعہ ابواسحٰق سے یوں نقل کیا ہے: اُمیہ ابن عبداللہ ابن خالد ابن اُسید نے خراسان میں اسلام قبول کیا اور اُس نے ان دونوں سورتوں کی قرأت کی"۔

سیوطی نے بھی چند ایک روایتیں نقل کی ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ اور اُبی ابن کعبؓ قنوت میں ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔ نیز طبرانی نے اسے حضرت علی علیہ السلام سے مروی دُعا کے تحت نقل کیا ہے۔ (الاتقان۔ جلد۱۔ صفحہ ۳۵۔ ۱۳۷ھ)

ان روایتوں کی بہترین توجیہہ یوں پیش کی جاسکتی ہیں کہ یہ جملے قنوت کے لئے ایک مخصوص دُعا ہیں اور یہی وجہ ہے کہ طبرانی نے انہیں "باب قنوت" میں نقل کیا ہے نہ کہ "باب قرآن" میں جبکہ راویوں کو اشتباہ ہوگیا تھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوالات کے سلسلہ کی وہ کڑی کہ جس کا ذکر بلاغی نے کیا ہے وہ مجموعی طور پر اس دعوے کو باطل قرار دیتے ہیں کہ مذکورہ جملے قرآن کا حصہ ہیں اس لئے کہ ان کا غیر مناسب سجع صاف ظاہر ہے اور یہ بھی کہ یہ دُعائیہ جملے ہیں لیکن راویوں کو اشتباہ ہو گیا تھا۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ مذکورہ جملے ایک مستقل سورت کی حیثیت رکھتے ہیں جس طرح کہ سورہ خلع میں بیان کیا گیا جبکہ ظاہراً اس قسم کے نام قرآن میں کسی مقام پر دیکھنے میں نہیں آتے۔ واللہ العالم!

۳۔ سورۂ ولایت

مختصر التحفة الإثنیٰ عشریة تألیف شاہ عبدالعزیز ابن غلام حکیم دہلوی (تھذیب محمود شکری الآلوسی۔ صفحہ ۳۱) میں شیعوں سے منسوب کرتے ہوئے کچھ یوں تحریر ہے: "ایک ایسی سورت پائی جاتی ہے کہ جسے "سورۂ ولایت" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نیز وہ کہتا ہے: شیعہ حضرات یہ تصور کرتے ہیں کہ یہ ایک طویل سورت ہے کہ جس میں اہلبیت (علیہم السلام) کے فضائل کا ذکر کیا گیا ہے" اس سورت کی عبارت: "بسم الله الرحمٰن الرحيم ، يا ايها الذين آمنوا، آمنوا بالنبى و بالولىّ الّذيْن بعثناهما يهديانكم الىٰ صراط مستقيم ، نبىٌّ و ولىٌّ بعضهما من بعض و انا العليم الخبير ، إنّ الذين يوفون بعهد الله لهم جنات النعيم ، والذين اذا تليت عليهم آياتنا كانوا بآياتنا مكذّبين ، انّ لهم فى جهنم مقاماً عظيماً اذا نودى لهم يوم القيامة اين الظالمون المكذّبون للمرسلين، ما خلقهم المرسلين الاّ بالحقّ ، وما كان الله ليظهرهم الىٰ اجل قريب ، و سبح بحمد ربك و علىّ من الشاهدين. شروع (کرتا ہوں میں) اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے، اے ایماندارو! نبی اور ولیؑ خدا پر ایمان لے آؤ کہ جنہیں ہم نے مبعوث کیا (اور) جو تم لوگوں کی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، نبی اور ولی ایک دوسرے سے ہیں اور میں ہر چیز سے واقف اور باخبر ہوں، بلاشبہ جو لوگ اللہ سے کئے گئے عہد کو وفا کرتے ہیں اُن کے لئے نعمتوں سے بھرپور جنتیں ہیں، اور وہ لوگ کہ جب اُن پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ جھٹلا دیتے ہیں (تو) بے شک اُن کے لئے جہنم میں مقام عظیم ہے کہ روز قیامت جب اُنہیں ندا دی جائے گی کہ کہاں ہیں وہ ظالم افراد جو (خدا کے) رسولوں کو جھٹلاتے تھے، اُس نے اُنہیں بطور مرسلین خلق نہیں کیا مگر برحق، اور خدا اُنہیں عنقریب (تو) غالب نہیں کرے گا، اور (اے رسولؐ) آپ اپنے پروردگار کی پاکیزگی بیان کریں جبکہ علیؑ اس کے گواہوں میں سے ہیں" (مختصر التحفة الإثنیٰ عشریة۔ مؤلف: شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ صفحہ ۳۱)

عرضِ مؤلف: جعلسازی کے آثار اس میں نُمایاں ہیں، اس لئے کہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ یہ سورت ولایت سے

متعلق نازل ہوئی تھی جبکہ شیعہ عقیدہ کے مطابق ولایت اور نبوت میں مفہوم اور مصداق کے اعتبار سے بہت فرق ہے۔ تو پھر اس جملہ (اور ہم نے ان دونوں کو مبعوث کیا) کی تعبیر کیونکر ممکن ہوگی جبکہ بعثت نبیٔ خدا کے لئے تو واقع ہو سکتی ہے لیکن اُس کے وصی کے لئے نہیں۔ کیونکہ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نبیٔ خدا منجانب اللہ مبعوث ہوتا ہے جبکہ وصی کی وصایت پر نص قائم کرنے والا نبیٔ خدا ہوتا ہے جبکہ بعثت اور نص میں فرق کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے۔

پھر ہم یہی کہیں گے کہ عظمت تکریم کی مناسبت سے ہوتی ہے تو پھر جہنم میں عظمت کی بھلا کیا علامت پائی جاتی ہے جبکہ یہ تو ایک گراہوا مقام ہے؟ اس سلسلہ میں بلاغی (متوفی ۱۳۵۲ھ) نے کیا خوب کہا ہے: "مؤلف فصل الخطاب کا شمار اُن محدِّثین میں سے ہوتا ہے کہ جنھوں نے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں اور جنھوں نے شاذ روایتوں کو ٹٹولنے میں بے انتہا کوششیں کی ہیں جبکہ اس قسم کی منقولہ مثالوں کو دبستان مذاهب میں "گمشدہ روایتوں" میں شُمار کیا ہے اور اس کے باوجود یہ کہا ہے کہ شیعہ کتابوں میں اس منقولہ سورت کا کوئی سُراغ نہ مل سکا۔ تو ایسی صورت میں دبستان مذاهب کے مؤلف پر تعجب ہوتا ہے کہ اُس نے شیعوں سے یہ نسبت کہاں سے نقل کی ہے یعنی شیعوں کی کس کتاب میں اُسے یہ روایت ملی؟! کیا کتابوں سے نقل کا یہی طریقہ ہونا چاہئے؟! لیکن مجھے ان سیاہ صفحوں کی کھڑکھڑاہٹ پر تعجب نہیں ہے کہ میں گوہر نایاب اور ان میں بآسانی فرق محسوس کر لیتا ہوں، اس لئے کہ اس قسم کی کتنی ہی جھوٹی نسبتیں ہیں جو شیعوں سے منسوب کی گئی ہیں" (ملاحظہ کیجئے: آلاء الرحمٰن فی تفسیر القرآن۔ صفحہ ۲۴)

۴۔ سورۂ نُورَین

شیخ نوری نے اس دعویٰ شدہ سورت کی عبارت کو اس طرح سے نقل کیا ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. یا اَیھا الذین آمنوا، آمِنوا بالنورین هما یتلوان علیکم آیاتی و یحذرانِکم عذاب یوم عظیم، نوران بعضهما من بعض و اَنا السمیع العلیم. اِن الذین یوفون بعهد اللہ و رسوله فی آیات لهم جنات النعیم، والذین کفروا من بعد ما آمنوا نقضهم میثاقهم عاهدهم الرسول علیه یقذفون فی الجحیم. ظلموا اَنفسهم و عصوا الوصی والرسول اُولٰئک یسقون من حمیم. اِنَّ اللہ الذی نور السماوات والأرض بما شآء واصطفی مِن الملائکة وجعل من المؤمنین اُولٰئک فی خلقه یفعل اللہ ما یشآء لا اِلٰه اِلّا هو الرحمٰن الرحیم. قد مکر الذین من قبلهم برسلهم فأخذتهم بمکرهم اِنَّ اخذی شدید الیم. اِن اللہ قد اَهلک عاداً فثموداً بما کسبوا و جعلهم لکم تذکرة فلا تتقون و فرعونَ بما طغیٰ علیَّ و اخیه هارون أغرقته

و من اتبعه اجمعین لیکون لکم آیة وانّ أكثر كم فاسقون. إنّ الله يجمعهم في يوم الحشر فلا يستطيعون الجواب حين يُسئلون. إنّ الجحيم مأواهم و إنّ الله عليم حكيم. يا أيها الرسول بلّغ إنذاری فسوف يعلمون. قد خسر الذين كانوا عن آياتي و حكمي معرضون. مثل الذين يوفون بعهدک انی جزيتهم جنات النعيم. إنّ الله لذو مغفرة و أجر عظيم و إنّ علياً من المتقين و إنا لنوفيه حقه يوم الدين ما نحن عن ظلمه بغافلين. و ما كرّمناه على أهلک أجمعين فإنه و ذريته لصابرون و انّ عدوّهم إمام المجرمين. قُل للذين كفروا بعدما آمنوا أطلبتم زينة الحياة الدنيا و استعجلتم بها و نسيتم ما وعدكم الله و رسوله و نقضتم العهود من بعد توكيدها و قد ضربنا لكم الأمثال لعلّكم تهتدون. يا أيها الرسول قد أنزلنا إليک آيات بينات فيها من يتوفاه مؤمنا و من يتولّاه بعدک يظهرون. فأعرض عنهم إنهم معرضون، إنا لهم محضرون في يوم لا يُغني عنهم شيئا ولا هم يرحمون. انّ لهم في جهنم مقاماً عنه لا يعدلون. فسبح باسم ربک و كن من الساجدين. ولقد أرسلنا موسىٰ و هارون بما استخلف فبغوا هارون فصبر جميل فجعلنا منهم القِردَة والخنازير و لعناهم إلىٰ يوم يبعثون، فاصبر فسوف يبصرون. ولقد آتينا بک الحكم كالذين من قبلک من المرسلين، و جعلنا لک وصياً منهم لعلهم يرجعون. و من يتول عن أمری فإلى مرجعه فليتمتعوا بكفرهم قليلاً فلا تسئل عن الناكثين. يا أيها الرسول قد جعلنا لک فى أعناق الذين آمنوا عهداً فخذه و كن من الشاكرين. إنّ علياً قانتا بالليل ساجداً يحذر الآخرة و يرجو ثواب ربه. قُل هل يستوى الذين ظلموا و هم بعذابی يعلمون. سيجعل الأغلال في أعناقهم وهم على أعمالهم يندمون. إنّا بشرناک بذريته الصالحين و إنهم لأمرنا لا يخلفون. فعليهم منی صلوات و رحمة أحياء و أمواتا و يوم يبعثون. و على الذين يبغون عليهم من بعدک غضبی أنهم قوم سوء خاسرين. و على الذين سلكوا مسلكهم منی رحمة و هم في الغرفات آمنون والحمد لله ربّ العالمين." شروع (کرتا ہوں میں) اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے، اے ایماندارو! دو انوار پر ایمان لاؤ کہ وہ دونوں تم لوگوں پر میری آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور تمہیں یوم عظیم (قیامت) کے عذاب سے ڈراتے ہیں، یہ دونوں نور ایک دوسرے سے ہیں اور میں ہمہ وقت سُننے والا (اور) ہر چیز سے باخبر ہوں، بے شک جو لوگ آیتوں سے متعلق اللہ اور اُس کے رسول سے کئے ہوئے عہد کو وفا کرتے ہیں اُن کے لئے نعمتوں سے بھرپور جنتیں ہیں، اور جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کُفر کیا تو رسولؐ سے کئے گئے معاہدہ کو توڑنے کے سبب انہیں

جحیم (دوزخ) میں جھونک دیا جائے گا، اُنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور وصیؑ اور رسولؐ کی نافرمانی کی تو انہی لوگوں کو جہنم کا کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، بے شک اللہ ہی جیسے چاہے آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور اُس نے فرشتوں کو منتخب کیا اور مومنین میں سے انہی کو اپنی خلقت میں قرار دیا، اللہ جو چاہے سو کرتا ہے، نہیں ہے کوئی معبود مگر اُس کے کہ وہ رحمٰن ورحیم ہے، یقیناً ان سے اَگلے لوگوں نے اپنے رسولوں کے خلاف چالیں چلیں تو میں نے اُن کی چالوں کا مؤاخذہ کیا کہ بلاشبہ میری پکڑ سخت دردناک ہے، بے شک اللہ نے قوم عادؑ اور اَگلی مرتبہ قوم ثمودؑ کو اُن کی کرتوتوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور اُنہیں تم لوگوں کے لئے عبرت بنا دیا تو تم لوگ پرہیز نہیں کرتے، اور فرعون نے جو میری اور اُس (موسیٰؑ) کے بھائی ہارونؑ کی سرکشی کی اُس کے سبب میں نے اُسے اور اُس کے تمام پیروکاروں کو (دریا میں) غرق کر دیا تاکہ یہ (اُنہیں غرق کرنا) تم لوگوں کے لئے نشانی ٹھہرے جبکہ تم میں سے بیشتر لوگ فاسق ہیں، بے شک اللہ ان لوگوں کو روزِ محشر یکجا کرے گا تو جب اُن سے بازپُرس ہوگی تو وہ جواب نہ دے سکیں گے، یقیناً دوزخ ہی اُن کا ٹھکانہ ہے اور بلاشبہ اللہ ہر شے سے واقف (اور) بڑی حکمت والا ہے، اے رسولؐ! میرا وعید پہنچا دو کہ عنقریب وہ لوگ عمل پیرا ہوں گے، یقیناً میری آیتوں اور حُکم سے رُوگردانی کرنے والے گھاٹے میں رہے، جو لوگ تم سے کئے گئے وعدہ کو وفا کرتے ہیں میں اُن جیسوں کو جزا کے طور پر نعمتوں سے بھرپور جنتیں دوں گا، بے شک اللہ صاحبِ مغفرت اور اَجرِ عظیم ہے، اور یقیناً (حضرت) علیؑ کا شمار متقی اَفراد میں سے ہوتا ہے، اور بلاشبہ روزِ قیامت ہم اُسے کماحقہ اَجر دیں گے کہ اُس پر ظلم کئے جانے سے ہم غافل نہیں ہیں، اور ہم نے اُسے تمہارے سارے خاندان پر مکرّم کیا ہے تو اِس لئے کہ وہ اور اُس کی ذریت صبر کرنے والے ہیں اور بے شک اُن کا دُشمن مجرموں کا پیشوا ہے، جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کُفر کیا اُن سے کہہ دو کہ کیا تم لوگوں نے دنیوی حیات کو طلب کر لیا ہے اور اُس کے معاملہ میں جلد بازی سے کام لیتے ہو اور تم لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے دیئے ہوئے وعدہ کو بالائے طاق رکھ دیا ہے؟!، اور تم لوگوں نے (تو) معاہدہ کو پکا کرنے کے بعد اُسے توڑ دیا جبکہ ہم نے تمہارے لئے اَمثال بیان کی ہیں تاکہ تم ہدایت حاصل کرو، اے رسولؐ! یقیناً ہم نے تمہاری جانب روشن آیتیں نازل کی ہیں کہ جس میں یہ (درج) ہے کہ کون باایمان مرے گا اور تمہارے بعد جورُوگردانی کریں گے وہ لوگ غالب رہیں گے، تو تم اُن لوگوں سے منہ پھیر لو کہ وہ لوگ (بھی) منہ پھیرنے والے ہیں، بے شک ہم اُنہیں اُس روز لا حاضر کریں گے کہ جب اُنہیں کوئی چیز بے نیاز کر سکتی ہے اور نہ ہی اُن پر رحم کیا جائے گا، بلاشبہ ایسے لوگوں کے لئے جہنم میں ایک مقام ہے کہ جہاں سے وہ لوگ واپس نہیں آسکیں گے، تو تم اپنے پروردگار کی پاکیزگی بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ، یقیناً ہم نے (حضرت) موسیٰؑ کو بھیجا اور (حضرت) ہارونؑ کو اُن کے جانشین کے طور پر بھیجا تو اُن لوگوں نے ہارونؑ کی بات نہ مان کر سرکشی کی تو اُنہوں نے صبرِ جمیل کا دامن نہ چھوڑا تو ہم نے اُن میں سے

بہت سوں کو بندر اور سوّر بنا دیا اور (قبروں سے) اُٹھائے جانے کے دن تک ہم نے اُن پر لعنت کی، تو تم صبر کرو کہ وہ لوگ عنقریب (اس کا انجام) دیکھ لیں گے، یقیناً ہم نے تمہیں اسی طرح سے حُکم عطا کیا کہ جیسے تم سے اَگلے رسولوں کو عطا کیا تھا، اور ہم نے تمہارے لئے اُن میں سے ایک وصی مقرر کیا کہ شاید وہ لوگ (برائیوں سے) باز آجائیں، اور جو شخص میری حُکم عدولی کرے تو اُس کی (بھی) بازگشت میری (ہی) جانب ہے، تو وہ اپنے کُفر سے تھوڑا سا (دنیوی) فائدہ اُٹھالیں تو عہد توڑنے والوں سے تم (کوئی) سوال مت کرو! اے رسولؐ، جو لوگ ایمان لائے ہم نے تمہارے لئے اُن کی گردنوں میں ایک عہد باندھ دیا ہے تو تم اُسے قبول کرلو اور شُکر اَدا کرنے والوں میں سے ہو جاؤ! بے شک (حضرت) علیؑ رات کو (خدا کی) فرمانبرداری کے طور پر سجدہ کرتے ہیں کہ وہ آخرت سے ڈرتے ہیں اور اپنے پروردگار کے ثواب کے اُمیدوار ہیں، (اے رسولؐ) کہہ دو کہ کیا وہ لوگ کہ جنہوں نے ظلم کیا اور یہی لوگ میرے عذاب (کے سزاوار ٹھہرنے والے) عمل انجام دیتے ہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ عنقریب وہ (خدا) اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دے گا اور وہ لوگ اپنے کئے پر نادم ہوں گے، بے شک ہم نے تمہیں اُس کی نیکوکار ذریت کی خوشخبری دی ہے اور وہ لوگ ہماری حُکم عدولی نہیں کرتے، تو اُن پر زندگی میں اور موت کے بعد اور (قبروں سے) اُٹھائے جانے کے دن بھی میرے دُرود اور رحمت ہوں، اور تمہارے بعد جو لوگ اُن پر زیادتی کریں گے اُن پر میرا غضب (نازل) ہوگا کہ یہی لوگ گھاٹا اُٹھانے والی قوم ہے، اور جو لوگ اُن (نیکوکار ذریت) کے نقش قدم پر چلیں گے اُن پر میری رحمت ہوگی اور وہ لوگ (جنت کے) بالاخانوں میں پُراَمن طور پر رہیں گے، اور تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے مخصوص ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ (فصل الخطاب۔ صفحہ ۱۵۸)

بلاغی (متوفی۔ ۱۳۵۲ھ) نے مذکورہ کلام میں موجود غلطیوں کی جانب یوں اشارہ کیا ہے: "قرآن مجید سے مُلحق کئے جانے والے کلام میں سے ایک تو وہ ہے کہ جسے فصل الخطاب میں دبستان مذاہب کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے اور اُس کلام کو شیعوں سے منسوب کر دیا گیا کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآنی نسخوں کو نذرِ آتش کرنا قرآن کی چند ایسی سورتوں کے ضائع ہونے کا سبب بنا کہ جو (حضرت) علیؑ اور اُن کے اہلبیت علیہم السلام کے فضائل سے متعلق نازل ہوئی تھیں اور (اُن میں سے ایک) یہ سورت (سورۂ نورین) ہے۔ نیز مصنف نے ایک ایسے کلام کا ذکر کیا ہے جو فقروں کے اعتبار سے پچیس (۲۵) آیتوں کے مشابہ ہے کہ جسے قرآن کریم کی آیات کے اُسلوب کے مطابق ان فقروں میں شامل کرلیا گیا ہے تو اب آپ قارئین اس کلام میں موجود غلطیوں کو سُنئے چہ جائیکہ اُس کے ملحقہ ناقص اُسلوب کو۔ اس کے بعد مصنف (بلاغی) نے اس کلام میں موجود غلطیوں کو بیان کیا ہے" (آلاء الرحمٰن فی تفسیر القرآن۔ صفحہ ۲۴)

عرضِ مؤلف: اگرچہ بے شمار کتابیں اور مآخذ موجود ہیں، لیکن شیعوں کی اَحادیث کے مآخذ میں ہمیں اس

دعویٰ شدہ سورت کا کوئی ذکر ملتا ہے اور نہ کوئی نام خواہ وہ کتابیں ضعیف ہوں یا صحیح۔ اس کے علاوہ اہلبیت علیہم السلام کے طریق سے مروی ہر حدیث پر مشتمل بحارالانوار جیسی جامع کتاب میں بھی اس سورت کا مُطلَق کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تفرقہ پرداز افراد نے اس سورت کو گڑھ دیا ہے اور بالخصوص برطانوی حکومت کی ماتحتی میں رہتے ہوئے اسی خطہ میں مسلمان اور ہندوؤں کے درمیان مذہبی فسادات کے دوران یہ سورت ہندوستان سے "دبستان مذاھب" نامی کتاب میں شائع ہوئی کہ جس کے مؤلف کے متعلق کوئی شخص بھی کچھ نہیں جانتا سوائے اس کے کہ اُس کا نام "محسن فانی" ہے جبکہ یہ بھی اسم مستعار ہے۔

مُلحقات

اس آزاد اور برقی دَور میں انٹرنیٹ پر (AOL اور Geocities) جیسی ویب سائٹز پر کچھ نامعلوم سورتیں شائع کی گئیں جو دشمنانِ اسلام کی قرآنی اُسلوب کی تقلید میں فکری آزادی کے نام پر اسلامی مفاہیم کی صورت کو مسخ کردینے کی منصوبہ بندی سے پردہ اُٹھاتی ہیں کہ اُن میں سے چند ایک سورتوں کے نام یہ ہیں: الولایات ، التجسید ، الوصایا ، الإیمان اور المسلمون۔ اب آپ قارئین کی خدمت میں اُن تقلیدی اُسلوب کی مثالوں میں سے کچھ نمونے پیش کیے جارہے ہیں:

سورة الوصايا

[illegible]

سورة موضوعة بعنوان سورة الوصايا

سورۂ وصایا کے عنوان سے گڑھی گئی سورت کا عکس

(ایک اور عکس اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

سورة المسلمون

المص (١) قل يا أيها المسلمون إنكم لفي ضلال
بعيد (٢) إن الذين كفروا بالله وصدوهم لفي الآخرة
لهم جهنم وعذاب شديد (٣) وجوه يومئذ ناضرة
مستبشرة تلتمس عفو الله والله يفعل ما يريد (٤)
يوم يقول الرحمن يا عبادي قد فضلت على الذين من
قبلكم بالعدو جزاءً في التوراة والإنجيل (٥) فما كان
لكم أن تكفروا بما أنزلت وتضلوا سواء السبيل (٦)
قالوا ربنا ما ضللنا أنفسنا بل أضلنا من ادعو أنه
من المرسلين (٧) وإذ قال الله يا محمد أغويت عبادي
وجعلتهم من الكافرين (٨) قال ربي إنما أغواني
الشيطان إنه كان لبني آدم أعظم المفسدين (٩)
ويغفر الله للذين تابوا ممن أغواهم الإنسان ويبعث
بالذي كان للشيطان نصيراً إلى جهنم وبئس المصير
(١٠) وإن قضى الله أمراً فإنه أعلم بما قضى وهو على
كل شيء قدير (١١)

سورة موضوعة بعنوان سورة «المسلمون»

سورۂ مسلمون کے عنوان سے گڑھی گئی سورت کا عکس

ان کلمات کو گڑھنے والا اس زعم میں مبتلا تھا کہ لفظی اُسلوب کی تقلید کرنے سے سورتیں بن جاتی ہیں جبکہ اس سلسلہ میں کئی ایک نقاط کا خیال رکھنا ازبس ضروری ہے:

ا۔ قرآنی اُسلوب کی تقلید کرنا کسی شے کو قرآن نہیں بنا سکتا جیسے کہ مسیلمہ کذاب نے بھی اسی وہم میں مبتلا ہو کر یہ سورت گڑھی تھی: "الفیل له خرطوم طویل و له ذنب قصیر. ہاتھی کی لمبی سونڈ ہوتی ہے اور اُس کی چھوٹی سی دُم ہوتی ہے" حالانکہ اس قسم کی حرکت کرنے والے اِس بات سے بے خبر ہیں کہ قرآنی سورتیں عصر رسالت میں (ہی) اصلاحی ترسیل کی متحمل تھیں اور اس روش پر چلنے کی ناکام کوشش کرنا از خود اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی انسان بھی مضمون، اُسلوب اور ہدف کے اعتبار سے قرآن کی سورتوں سے ملتی جلتی سورتیں (تک) لانے سے عاجز ہے۔

۲۔ سورتیں گڑھنے والے نے عربی گرامر کے مروجہ اُصولوں کے مطابق کلام نہیں کہا۔ چنانچہ اس کا نام سورة المسلمون (سورۂ مسلمون) عربی گرامر کے لحاظ سے بالکل غلط ہے، بلکہ ضروری ہے کہ سورة المسلمين (سورۂ مسلمین) لکھا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اضافت برقرار رکھی جائے۔ (عربی گرامر کا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ سورة المسلمين ہونا چاہئے نہ کہ سورة المسلمون مگر انسان جب خدا سے جنگ پر آمادہ ہو جاتا ہے تو یقیناً یہ عزم کرتے ہی وہ بصیرت

کو واقعی کھو دیتا ہے کہ جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ یہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں... مترجم) سورتیں گڑھنے والا یہ بھول گیا تھا کہ قرآن ایک ایسے دور میں نازل ہوا تھا کہ اُس وقت تک عربی گرامر کے مسلمہ اُصول وضع نہیں کیے گئے تھے، بلکہ علمِ نحو (عربی گرامر کا علم) کے کلمات کا سرچشمہ یہی قرآن مجید ہے۔ تو پھر جب قرآن میں بعد میں وضع کیے جانے والے قواعد کی کوئی قید نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کی تقلید کرنے والے کو اُن قواعد کے استعمال میں آزادی حاصل نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ کلام اُن قواعد کی تاسیس کے بعد وجود میں آیا ہے۔

۳۔ یہ جعلسازیاں اس بات پر سے پردہ اُٹھاتی ہیں کہ پہلے ہی سے گڑھ لی گئی سورتیں جیسے سورۂ ولایت اور سورۂ نورین گناہگار ہاتھوں میں موجود تھیں تاکہ اسلام کی رُوح مسخ کی جا سکے اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کیا جا سکے حالانکہ اُنہوں نے اپنی چالیں چلی ہیں جبکہ اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

ضمیمہ

بجستانی (متوفی۔۳۱۶ھ) نے ''وہ تبدیلیاں جو حجاج نے مصحف عثمان میں کیں'' کے عنوان سے ایک باب تحریر کیا ہے اور وہ اپنی اُسناد کے ذریعہ لکھتا ہے: ''عوف ابن ابی جمیلہ سے مروی ہے کہ حجاج ابن یوسف ثقفی (متوفی۔۹۵ھ) نے مصحف عثمان کے گیارہ حروف کو تبدیل کر دیا'' (المصاحف۔ صفحہ ۱۱۷ کو ملاحظہ کیجئے!) اب آپ قارئین کی خدمت میں اسی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے ایک جدول پیش کی جا رہی ہے:

تبدیلئ حجاج	مصحف عثمان کے مطابق	سورہ/آیت
لم يتسنه	لم يتسن	بقرہ/۲۵۹
شرعة و منهاجاً	شريعة و منهاجاً	مائدہ/۴۸
يسيركم في البر والبحر	ينشركم	یونس/۲۲
انا اُنبئكم بتاويله	آتيكم بتاويله	یوسف/۴۵
سيقولون الله	سيقولون لله	مؤمنون/۸۷
سيقولون الله	سيقولون لله	مؤمنون/۸۹
من المخرجين	من المرجومين	شعراء/۱۱۶
من المرجومين	من المخرجين	شعراء/۱۶۷

تبدیلیٔ حجاج	مصحف عثمان کے مطابق	سورہ/آیت
معیشهم	معایشهم	زخرف/۳۲
غیر آسن	غیر یاسن	محمد/۱۵
فالذین آمنوا منکم و انفقوا	فالذین آمنوا منکم واتقوا	حدید/۷
وما هو علی الغیب بضنین	وما هو علی الغیب بظنین	تکویر/۲۴

[المصاحف-صفحه ۱۱۷]

عرضِ مؤلّف: ''تصحیف وتحریف کلمات سے متعلق یہ روایت واضح طور پر آحاد ہے اور مقام اعتبار سے گری ہوئی بھی، اس لئے کہ تنہا یہ روایت تلاوت کی جانے والی نص متواتر کا مقابلہ نہیں کرسکتی، جبکہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ روایت تشیّع کے حق میں اور ظالم حَجاج (متوفی-۹۵ھ) کے خلاف گڑھی گئی ہے[1]۔ تاریخ میں اس کا ظلم مشہور ہے اور تاریخ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ بیشتر قاری حضرات اُس کے ظلم پر مکہ کی طرف فرار کر گئے تھے جبکہ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ قاری حضرات اپنی قرأت کو اپنے نئے وطن میں بھی عام کرتے اور بعد میں جب اس کی حکومت اور ظلم ختم ہوگیا تو پھر سے صحیح قرأت کی طرف رجوع کیا جاتا جبکہ ایسا نہ ہوا، کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ خواہ کوئی بھی ظالم حاکم ہو اُس کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ اُس کی بدعتیں اور احکام بھی مٹ کر رہ گئے۔

روایاتِ تحریف

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ تحریف واقع ہوئی ہے وہ لوگ چند ایک ایسی روایتوں پر تکیہ کرتے ہیں کہ جن کو سُنی اور شیعہ دونوں کے مآخذ نے نقل کیا ہے اور جس طرح کہ ابن جزری (متوفی-۸۳۳ھ) نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے تفسیر کو قرأت میں شامل کرلیا گیا ہے، چنانچہ ابن جزری کا کہنا ہے: ''[صحابہ] بسا اوقات وضاحت اور تشریح کے طور پر تفسیر کو

---

[1] مؤلف دام ظلہ کی مراد یہ نہیں ہے کہ یہ روایت شیعوں نے گھڑی ہے بلکہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کسی افترا پرداز نے یہ روایت گھڑ کے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ گویا شیعہ حجاج ملعون کو تحریف قرآن کا مجرم قرار دیتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید ہر ظالم وجابر کے ہاتھ سے ہر طرح کی تحریف سے محفوظ ہے اور ہمارے عقیدے کے مطابق ہمارے ہاتھ میں جو نسخۂ قرآن ہے وہ حرفاً حرفاً وہی ہے جو رسولؐ اللہ پر نازل ہوا۔ (ت ز)

قرأت میں شامل کر دیتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نبی خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطور قرآن جو کچھ حاصل کیا تھا وہ یقینی تھا تو اس طرح سے وہ لوگ کسی قسم کے بھی اشتباہ سے محفوظ تھے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی صحابی قرآن کے ساتھ ساتھ تفسیر بھی لکھ دیتے تھے'' (النشر - جلد۱- صفحہ۳۲)

ہمعصر ذہبی کہتا ہے: '' کچھ صحابہ نے اپنے قرآنی نسخوں میں کچھ تفسیر بھی لکھ دی تھی تو بعد میں آنے والوں میں سے کچھ افراد یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ وہ مختلف انداز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے یہ قرآن انہی کے مطابق نازل ہوا تھا'' (التفسیر والمفسرون- جلد۱- صفحہ۹۸- مطبوعہ قاہرہ ۱۳۸۱ھ)

صحابہ سے تحریف منسوب کئے جانے کی نسبت شک کی بہت گنجائش ہے، اس لئے کہ وہ حضرات روایتوں کو نقل کرنے والے تھے جبکہ نقلِ کُفر، کُفر نباشد۔ پس وہ لوگ صرف احادیث کو نقل کرنے والے ہیں اور ان روایتوں کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کرنا ایک دوسری چیز ہے۔ بنابریں تحریف کی دلیل سوائے احادیث و روایتوں کے کچھ نہیں ہو سکتی۔

یہ بات کسی طور صحیح نہیں کہ تحریف کے قائل افراد میں سے جو شخص بھی تحریف کی روایتیں نقل کرے خواہ وہ شیعہ ہو یا سُنی اُس پر بھروسہ کرلیا جائے، اس لئے کہ ایسا کرنے سے تو یہ بات لازم آئے گی کہ اہلسنت اور اہل تشیع کے اُن تمام تر محدّثین پر بھروسہ کرلیا جائے جو تحریف کے قائل ہیں اور اُنہوں نے تحریف کی بابت روایتیں نقل کی ہیں جبکہ ایسا نظریہ تو کسی کا بھی نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں بالخصوص شیعوں پر تحریف کی تہمت لگائی جاتی ہے، اس لئے کہ شیعوں میں کچھ ایسے علماء ہیں کہ جنہوں نے ان روایتوں کو نقل کیا ہے اور اُن میں بھی خاص طور سے شیخ کلینیؒ، شیخ طبرسیؒ اور شیخ قمیؒ کو نشانہ بنایا جاتا ہے جبکہ اگر ہم اُن کی منقولہ روایتوں کو غور سے پڑھیں تو ان سب کے متعلق دعویٰ شدہ تحریف کا افادہ حاصل نہیں ہوتا اور یہ تو بالکل واضح ہے کہ کُفر کو نقل کرنے سے انسان کافر نہیں ہو جاتا، لہٰذا ایسی صورت میں تو یہ دعویٰ بنیادی طور پر ہی باطل ہے، یہی وجہ ہے کہ سیدنا اُستاد امام خوئیؒ اس نظریہ کے قائل تھے کہ قول تحریف خرافات ہے۔ (البتہ) اس سلسلہ میں شیعہ اور سُنی کتابوں میں کچھ ایسی آحاد روایتیں ملتی ہیں کہ جن کا لازمہ تحریف در قرآن ہے، لیکن چونکہ یہ آحاد ہیں لہٰذا قرآن کی متواتر نص کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ [1]

---

[1] قرأت کی متواتر سے مراد قرآن مجید کا بہ کثرت ہر عہد اور زمانے میں علماء، قاریوں اور محدثین کے زبان سے پڑھا جانا ہے۔ اسی کو تواتر نصِ قرأت کہتے ہیں۔ اس ثابت شدہ قرأت کے مقابل کسی اکا دکا، غیر معروف روایت کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ (ت ز)

امام خوئیؒ اور تحریف

تحریف قرآن کے سلسلہ میں اہلبیت علیہم السلام سے مروی متواتر روایتوں کی طرف سیدنا اُستاد الخوئیؒ نے خاص توجہ دی اور اُنہیں چار قسموں میں بیان کیا اور اُن میں سے ہر قسم سے متعلق شافی ومدلّل بیان لکھا۔ اُن کی بات کا خُلاصہ یوں ہے: ''ہم پر یہ لازم ہے کہ ان روایتوں کے مدلولات کے متعلق جستجو کریں جبکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان سب روایتوں کا مصداق ایک ہی نہیں ہے، بلکہ یہ باہم مختلف قسموں پر مشتمل ہیں تو اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی الگ الگ تشریح کردی جائے:

پہلی قسم: یہ وہ روایتیں ہیں جو مضمون کے اعتبار سے تحریف پر دلالت کرتی ہیں جو تعداد میں بیس (۲۰) ہیں کہ ہم اُن میں سے ایک روایت کو بیان کرنے جارہے ہیں جبکہ اسی مضمون پر مشتمل روایتوں کا ذکر نہیں کیا جائے گا؛ روایت حسب ذیل ہے:

''علی ابن ابراہیم قمی کے حوالے سے مروی ہے کہ اُس نے اپنی اَسناد کے ذریعہ حضرت ابوذرؓ سے یوں نقل کیا ہے: جب آیت ﴿یوم تبیضّ وجوہ و تسودّ وجوہ﴾ اُس دن کہ جب کچھ چہرے سفید ہوجائیں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوجائیں گے (سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۰۶) نازل ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: روز قیامت میری اُمت میرے پاس پانچ پرچموں کے ساتھ وارد ہوگی۔ اس کے بعد یہ ذکر کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تمام پرچموں (کے ساتھ آنے والے اُمتی) سے یہ دریافت کریں گے کہ اُنہوں نے ثقلین (قرآن اور اہلبیتؑ) کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا؟ تو پہلے پرچم تلے آئے ہوئے اَفراد کہیں گے: ثقل اکبر (قرآن) میں ہم نے تحریف کردی اور اُسے بالائے طاق رکھ دیا جبکہ ثقل اصغر (اہلبیت علیہم السلام) سے ہم نے عداوت کی، اس سے نفرت کی اور اس پر ظلم کیا۔ دوسرے پرچم تلے آئے ہوئے اَفراد کہیں گے: ثقل اکبر کو جلا دیا، اُسے پارہ پارہ کردیا اور اُس کی مخالفت کرتے رہے جبکہ ثقل اصغر سے عداوت کی اور اُن سے جنگ لڑی۔ اس مقام پر امام خوئیؒ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس بات کی واضح دلیل یہ ہے کہ تحریف سے مُراد آیات کو اُس کے حقیقی معنٰی کے علاوہ کسی دوسرے معانی پر محمول کرنا ہے کہ جس کا لازمہ اہلبیت علیہم

۱۔ یہ خطبہ امام حسین علیہ السلام نے روز عاشورا، ۱۰ محرم سن ۶۱ ہجری کو کربلا میں ارشاد کیا تھا جس میں فرمایا تھا: ''یقیناً تم لوگ ہی اس اُمت کے طاغوت، گروہوں میں تفرقہ ڈالنے والے، کتاب خدا میں دست اندازی کرنے والے، شیطان کے چیلے، پیکر گناہ اور کتاب خدا میں تحریف کرنے والے ہو...'' سید الخوئیؒ نے یہ خطبہ صفحہ ۲۲۸ پر ابن شہر آشوب سے نقل کیا ہے۔ (ت ۔ ز)

۲۔ اس روایت کو کتاب الوافی کی کتاب الصلاۃ صفحہ ۲۷۴ سے نقل کیا ہے۔

السلام کے فضائل سے انکار کرنا، اُن سے دُشمنی اور جنگ لڑنا ہے۔ اس بات کا گواہ امام حسین علیہ السلام کا وہ خطبہ ہے جسے پہلے بیان کیا گیا اور یہ خطبہ واضح طور پر یہ کہہ رہا ہے کہ امام حسین علیہ السلام سے جنگ لڑنے والوں سے تحریف عمل میں آئی ہے۔[1] نیز الکافی کی وہ روایت بھی اس بات پر گواہ ہے جو اس بحث کی ابتدا میں نقل کی گئی ہے۔[2] کہ جس میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ''انہوں نے کتاب خدا میں اس طرح سے دست اندازی کی کہ اُس کے حروف کو تو ویسے ہی رہنے دیا اور اُس کی حدود کو تبدیل کر دیا'' جبکہ ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ بایں معنیٰ تحریف قطعی طور پر واقع ہو چکی ہے۔

دوسری قسم: یہ وہ روایتیں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن میں نازل ہونے والی کچھ آیتوں میں ائمہ علیہم السلام کے ناموں کا ذکر کیا گیا ہے اور اس قسم کی روایتیں بے شمار ہیں کہ جن میں سے ایک روایت صاحب کتاب الکافی نے اپنی اَسناد سے محمد ابن فُضَیل کے حوالے سے نقل کی ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ولایت تمام انبیاء کے صحیفوں میں لکھی ہوئی ہے اور یہ (بھی لکھا ہے) کہ ہرگز اللہ کسی رسول کو مبعوث نہیں کرے گا مگر محمدؐ کی نبوت اور اُن کے وصی کی ولایت کے ساتھ۔ صلی اللہ علیھما و آلھما''۔

اس قسم کی روایتوں سے قائم کردہ دلیل کا جواب: ہم یہ بات پہلے بھی واضح کر چکے ہیں کہ کئی روایت قرآن کی تفسیر کی قسم میں سے ہیں نہ کہ عین قرآن۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ائمہ علیہم السلام کے تذکرہ والی روایات کو تفسیر قرآن پر محمول کیا جائے اور اگر یہ احتمال قابلِ قبول نہ ہو تو کتاب و سُنت کی مخالف روایات کو مُسترد کرنا لازمی ہے۔

تیسری قسم: یہ وہ روایتیں ہیں جو قرآن میں کمی بیشی کے ذریعہ واقع تحریف پر دلالت کرتی ہیں اور اس بات پر بھی کہ نبیِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد اُمت نے کچھ کلموں کو تبدیل کر دیا اور اُن کی جگہ دوسرے کلمے لکھ دیے۔ اس سلسلہ کی ایک روایت وہ ہے کہ جسے علی ابن ابراہیم قمی نے اپنی اَسناد کے ذریعہ حریز سے نقل کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''صراط من انعمت علیھم و غیر المغضوب علیھم و غیر الضالین''۔

اس قسم کی روایتوں سے قائم کردہ دلیل کا جواب: اس روایت کی ضعیف سَند سے صرف نظر کرتے ہوئے بھی دیکھنے میں آ رہا ہے کہ یہ روایت قرآن و سُنت کے خلاف ہے جبکہ تمام مسلمانوں کا اجماع قائم ہے کہ قرآن میں حتیٰ کہ ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ جو لوگ تحریف کے قائل ہیں وہ بھی اسی نظریہ کے قائل

---

[1] اس روایت کو صفحہ ۲۲۳ پر تفسیر صافی کے چھٹے مقدمہ کے صفحہ ۱۱۔ مطبوعہ مطبع اعلمی سے نقل کیا ہے کہ جس کے الفاظ یوں ہیں: ''(حضرت علی علیہ السلام) ایک مکمل کتاب کو لے آئے کہ جس میں تاویل، شانِ نزول، محکم، متشابہ، ناسخ اور منسوخ (سب ہی کچھ) شامل تھا کہ اُس میں سے حرف الف قلم انداز کیا گیا تھا اور نہ ہی لام لیکن اُن لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا''۔

ہیں۔ جماعت کثیر نے اس اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا اور دفتین کے درمیان موجود ہر کلمہ قرآن کا حصہ ہے۔ ان دعویٰ کرنے والوں میں شیخ مفیدؒ، شیخ طوسیؒ اور شیخ بہائیؒ جیسی علمی شخصیات شامل ہیں کہ خدا اُن کی قبروں کا تقدس برقرار رکھے۔ اسی طرح احتجاج طبرسیؒ اکی وہ روایت بھی بیان ہو چکی جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن میں کوئی اضافہ عمل میں نہیں آیا۔

چوتھی قسم: یہ وہ روایتیں ہیں کہ جو صرف کمی کے ذریعہ تحریف کے واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اس قسم کی روایتوں سے قائم کردہ دلیل کا جواب: ان روایتوں کو بھی انہی معنیٰ پر محمول کیا جائے کہ کہ جن کا تذکرہ مصحف امیر المومنین علیہ السلام میں اضافے سے لی گئی مُراد میں کیا گیا، جبکہ اگر فی الجملہ اس طرح محمول کرنا ممکن نہ ہو تو پھر ان روایتوں پر عمل نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ یہ قرآن وسُنت کے مخالف ہے۔ (ملاحظہ ہو **البیان فی تفسیر القرآن**۔ صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۵۔ مطبوعہ اعلمی، بیروت ۱۳۹۴ھ)

تحریف و تصحیف کی نفی

تحریف وتصحیف کی نفی سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ کسی بھی انسان کے لئے کلمات کو تبدیل کرنا مُحال ہے، بلکہ اس سے یہ مُراد ہے کہ اگر تبدیلی عمل میں آئی ہوتی تو وہ عام ہو جاتی، اس لئے کہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور کسی قسم کی بھی تبدیلی لحن، تحریف، تصحیف اور غلطی سے پاک ہے اور نسل در نسل اس کی قرأت کی جاتی رہی ہے، جبکہ اگر کتابت یا طباعت میں بھی کوئی غلطی یا تحریف واقع ہوتی ہے تو چونکہ نص قرآنی لوگوں میں مشہور ہے لہٰذا یہ بات ہر ایک پر عیاں ہو جاتی ہے۔

تحریف کی نفی پر اَدلہ اَربعہ: قرآن، سُنت، اجماع اور عقل سے دلیلیں قائم ہیں کہ جن کا ذکر میں نے ایک علیحدہ رسالہ میں تفصیل کے ساتھ کر دیا ہے جبکہ اس کتاب میں اُس کا خُلاصہ پیش کیا جا رہا ہے:

پہلی دلیل: قرآن کریم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ **انّا نحن نزّلنا الذکر و انّا له لحافظون** ﴾ بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (سورۂ حجر۔ آیت ۹) شیخ بہائی (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے اس سے یوں دلیل قائم کی ہے کہ سیاق وسباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت میں ذکر سے مراد قرآن ہے جبکہ اسی سورت کی چھٹی (۶) آیت میں ذکر سے یہی مراد لی گئی ہے اور ان معنیٰ میں وارد ہونے سے متعلق قرآن میں کئی ایک آیتیں ہیں۔

سورۂ فصلت کی آیت ۴۱ و ۴۲ اس بات کی تائید کرتی ہیں: ﴿ **ان الذین کفروا بالذکر لمّا جآء هم و انّه**

لکتاب عزیز لا یاتیه الباطل﴾ بلاشبہ جنہوں نے ذکر (قرآن) کا انکار کیا کہ جب وہ اُن لوگوں کے پاس آیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہی غالب کتاب ہے کہ باطل اس کے پاس نہیں آتا۔

حفاظت سے مراد قرآنی عبارت کو تبدیل ہونے سے محفوظ رکھنا ہے، بایں طور کہ عوام الناس کے نزدیک یہ عبارت مشہور و معروف ہو، اس لئے کہ قرآن انسان کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے یعنی یہ مقام للکار ہے کہ اگر یہ کسی خاص مقام پر محفوظ رہے تو یا اپنے ہی دعوے کے منافی ہو جائے گا کہ ایسی صورت میں تو یہ عوام الناس کی رسائی سے باہر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قال الذین لا یرجون لقآء نا ائت بقرآن غیر ھذا او بدِّله قل ما یکون لی اَن اُبدِّله من تلقآیٔ نفسی﴾ جو لوگ ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے اُنہوں نے کہا کہ تم اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا پھر اسی کو تبدیل کر دو، تم کہہ دو کہ مجھے از خود اسے تبدیل کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں (سورۂ یونس- آیت ۱۵)

اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے: ﴿ولا مبدِّل لکلمات اللہ ولقد جآء ک من نبایٔ المرسلین﴾ اور کوئی اللہ کے کلمات کو تبدیل نہیں کر سکتا اور تمہارے پاس رسولوں کے حالات تو پہنچ ہی چکے ہیں (سورۂ انعام- آیت ۳۴) نیز ارشاد ہوتا ہے: ﴿وتمت کلمت ربک صدقا و عدلاً لا مبدِّل لکلماته﴾ صداقت و انصاف کے حوالے سے تو تمہارے پروردگار کی بات پوری ہوگئی کہ (اب) کوئی اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا (سورۂ انعام-۱۱۵) مزید ارشاد ہوتا ہے: ﴿لا مبدِّل لکلماته ولن تجد من دونه مُلتحداً﴾ کوئی اُس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا اور تم اُس کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پاؤ گے (سورۂ کہف- آیت ۲۷)

لہٰذا مذکورہ بالا آیتوں کی روشنی میں نفی تحریف و تصحیف پر دلیل قائم کی جا سکتی ہے کہ کتب تفاسیر میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

دوسری دلیل: سُنّت

ان میں سے کچھ روایتیں ایسی ہیں جو قرآن سے مطابقت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔

اہلبیت علیہم السلام سے اس سلسلہ میں وارد ہونے والی روایتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: ہر حق پر ایک حقیقت ہے اور ہر صحیح بات پر ایک نُور ہے تو جو کتاب خدا سے میل کھائے اُس پر عمل کرو اور جو کتاب خدا کے مخالف ہو اُسے چھوڑ دو[1]

[1] یہ حدیث شریف خود نفی تحریف پر دلیل ہے، اس لئے کہ جس کتاب کو معیار صحت احادیث قرار دیا جائے وہ خود مورد تحریف نہیں ہو سکتی۔ (ت ز)

برقی نے اپنی کتاب **المحاسن** میں نوفلی کے حوالے سے اس روایت کو نقل کیا ہے جبکہ شیخ صدوق نے اپنی کتاب **الامالی** میں احمد ابن علی ابن ابراہیم کے حوالے سے اور اس نے اپنے والد سے بعینہ روایت کو نقل کیا ہے۔

۲۔ ابان ابن عثمان سے مروی ہے کہ اس نے عبداللہ ابن ابی یعفور سے نقل کیا: حسین ابن ابوالعلا نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ اس محفل میں ابن ابی یعفور حاضر ہوا اور کہنے لگا: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے باہم مختلف احادیث سے متعلق سوال کیا کہ ہم کس کی روایت پر بھروسہ کریں اور کس کی روایت پر بھروسہ نہ کریں؟ آپؑ نے فرمایا: اگر تمہارے سامنے کوئی حدیث وارد ہو تو اگر کتاب خدا کی کوئی آیت یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فرمان اس پر گواہ ہو تب تو اُس پر بھروسہ کرلو ورنہ تو جو شخص تمہارے پاس اپنی روایت لے کر آیا ہے وہی اُس (پر عمل کرنے) کا زیادہ سزاوار ہے۔

برقی نے اپنی کتاب **المحاسن** میں علی ابن حکم کے حوالے سے بعینہ روایت کو نقل کیا ہے۔

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: جو حدیث قرآن سے مطابقت نہ رکھے تو وہ جھوٹ سے آلودہ کلام ہے۔

۴۔ اَیوب ابن حر سے مروی ہے: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ کہتے سُنا: ہر شے کی بازگشت کتاب خدا یا پھر سُنت نبوی کی طرف ہے اور ہر وہ حدیث جو کتاب خدا کے مطابق نہ ہو تو وہ محض جھوٹ سے آلودہ کلام ہے۔

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ کے میدان میں خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا تھا: اے لوگو! تمہارے پاس آنے والی مجھ سے منسوب بات اگر کتاب خدا کے مطابق ہے تو وہ میں نے ہی کہی ہے اور اگر وہ کتاب خدا کے مخالف ہے تو وہ میں نے نہیں کہی۔

برقی نے اپنی کتاب **المحاسن** میں ابوایوب مدنی کے حوالے سے، اس نے ابن اَبی عُمیر سے، اس نے دونوں ہشام اور دیگر اَفراد سے، اور اُس نے اپنے اَگلے لوگوں یعنی اپنے والد سے، اس نے علی ابن نعمان سے، اس نے اَیوب ابن حر سے بعینہ روایت کو نقل کیا ہے۔ (**الوسائل الشیعة**۔ جلد ۱۸۔ صفحہ ۷۸)

کتاب خدا سے مطابقت رکھنے والی روایتوں سے متعلق محقق کرکی (متوفی۔۹۴۰ھ) کا کہنا ہے: ''جس کتاب سے موازنہ کیا جارہا ہے اُس سے مراد ہمارے ہاتھوں میں موجود متواتر کتاب (قرآن) کے علاوہ کوئی دوسری کتاب نہیں ہوسکتی ورنہ تو تکلیف مالایطاق لازم آئے گی۔ لہٰذا اس بات کا لازم ہونا ثابت ہوگیا کہ ان روایتوں کا موازنہ اسی کتاب (موجودہ

۱؎ شیخ انصاریؒ کا یہ بیان دراصل مخالف قرآن وسنت احادیث کی تردید پر ایک ایسا استدلال ہے جسے اُنہوں نے مخالف قرآن وسنت احادیث سے دور رہنے کی تنبیہ والی درست احادیث کے تواتر پر قائم کیا ہے اور حدیثوں کی قبولیت کے عمومی اصولوں میں شامل متضاد اور معارض احادیث کی غیر موجودگی کو مانع نہیں قرار دیا۔ (ت ز)

قرآن) سے کیا جائے اور جب اس میں کمی واقع ہونے پر دلالت کرنے والی روایتوں کا اس سے موازنہ کیا جائے گا تو وہ اس کے مخالف ہوں گی، اس لئے کہ یہ روایتیں اس بات کی دلیل ہوں گی کہ موجودہ قرآن ہی وہ کتاب نہیں ہے کہ جس سے موازنہ کرنا چاہئے! تو کیا اس سے بھی سخت تر کوئی تکذیب ہو سکتی ہے؟!

شیخ انصاری (متوفی-۱۲۸۱ھ) حجیت ظن کے مسئلہ سے متعلق اپنی کتاب الرسائل میں فرماتے ہیں: وہ روایات تواتر سے ثابت ہیں جن کا بیان ہے کہ قرآن وسنت کی مخالف احادیث پر عمل نہ کیا جائے اگرچہ کہ ان مخالف احادیث کے مقابل میں کوئی متضاد حدیث نہ بھی ہو۔ ۱

احادیث ثقلین کا شمار بھی انہی میں سے ہوتا ہے۔ شیخ طوسی (متوفی-۴۶۰ھ) کا کہنا ہے: ''نبی خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ایک ایسی روایت نقل کی جاتی ہے کہ جسے کوئی رَدّ نہیں کرتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: ''بے شک میں تم لوگوں کے درمیان دوگراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک تم لوگ ان دونوں سے متمسک رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے: (ایک) کتاب خدا اور (دوسری) میری عترت یعنی میرے اہلبیتؑ۔ نیز یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں''۔ جبکہ مذکورہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ گراں قدر اثاثے ہمہ وقت ہر زمانے میں موجود رہیں گے، اس لئے کہ جس چیز سے ہم متمسک نہیں رہ سکتے اُس سے متمسک رہنے کا حکم دینا جائز نہیں ہے، جیسے کہ اہلبیت (علیہم السلام) اور وہ افراد کہ جن کی اتباع فرض ہے کا فرمان ہمہ وقت حاضر وموجود ہے اور ایسی صورت میں کہ جب ہمارے درمیان موجود (کلام) کی درستگی پر اجماع قائم ہے تو مناسب یہی ہے کہ ہم اس کی تفسیر اور اس کے معانی بیان کرنے میں مشغول رہیں اور اس کے علاوہ ہر چیز کو ترک کر دیں'' (التبیان- جلد۱- صفحہ۲)

تیسری دلیل: سیرت اور اِجماع

مسلمانوں اور پیشوایانِ دین کی یہی سیرت دیکھنے میں آئی ہے کہ قرآن کی قرأت کرتے ہیں اور اَحکام، تاریخ، اِعراب گذاری اور لغوی طور پر اسی کے ذریعہ دلیلیں قائم کرتے ہیں جبکہ مذکورہ دعویٰ مروجہ متواتر قرآن کے علاوہ کسی اور قرآن کے متعلق نہیں کیا جاتا اور جب امام علی علیہ السلام کو خلافت ملی تو معروف اور مروجہ قرآن کی مخالفت میں قرآن سے متعلق کوئی شے ظہور میں نہیں آئی حالانکہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ بالضرور رُونما ہوتی اور ویسے بھی یہ حضرت علی علیہ السلام کہ جو اُس وقت اِصلاحی تحریک کی قیادت فرما رہے تھے کے اوّلین واجبات میں سے ایک واجب کام تھا کہ وہ ایسے قرآن کو منظر عام پر لاتے، اس لئے کہ قرآن دین کی بُنیاد ہے اور سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی شریعت کے لئے وجہ کمال۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں آپؑ کی سیرت اس کے برعکس نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ جن محدِّثین سے تحریف منسوب کی جاتی ہے

جیسے سیاری، کلینی، قمی اور طبرسی وہ سب کے سب بھی اسی قرآن کے ذریعہ مطلوبہ دلیلیں قائم کرتے ہیں گو کہ ان حضرات نے تحریف سے متعلق روایتوں کو نقل کیا ہے۔ لہٰذا ان محدّثین کا ایسی روایتوں کو نقل کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اس کے مضمون کے بھی قائل ہیں، اس لئے کہ انہوں نے تو اَحادیث کے مآخذ میں مفہوم کے لحاظ سے متضاد روایتوں کو بھی بیان کیا ہے جبکہ اُن کا صرف یہی مقصد تھا کہ یہ اَمانتیں بعد میں آنے والوں کے سپرد کردی جائیں۔ نیز آپ قارئین نے تو یہ جان ہی لیا ہے کہ یہ روایتیں آحاد ہیں جو متواتر نص قرآنی کے مقابل نہیں آسکتیں۔ شیخ مہدی بروجردی نے اپنی کتاب "**البرھان علی عدم تحریف القرآن**" میں علمائے کرام کے تمام اَقوال کو پوری تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، چنانچہ اس کتاب کے قارئین کی خدمت میں اُن کے اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں:

شیخ ابوجعفر صدوق (متوفی-۳۸۱ھ) کا کہنا ہے: "ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ قرآن کہ جسے اللہ تعالی نے اپنی نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا تھا کہ جو دفتین کے درمیان موجود ہے یہی وہ قرآن ہے جو لوگوں کی دسترس میں ہے کہ اس سے زیادہ اس میں کچھ نہیں۔ نیز لوگوں کے نزدیک اس کی سورتوں کی تعداد ایک سو چودہ (۱۱۴) ہے جبکہ ہمارے نزدیک سورۂ ﴿والضحیٰ﴾ اور سورۂ ﴿الم نشرح﴾ ایک ہی سورت ہے اور اسی طرح سے سورۂ ﴿لایلاف﴾ اور سورۂ ﴿الم ترکیف﴾ بھی ایک ہی سورت ہے۔ اَب جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم اس سے زیادہ کے قائل ہیں تو وہ جھوٹا ہے" (**نصوص الدراسة - صفحہ۷۵**)

شیخ طوسی (متوفی-۴۶۰ھ) کا کہنا ہے: "سوائے اس کے کہ شیعہ اور سُنی علماء نے بے شمار ایسی روایتیں نقل کی ہیں جو کہتی ہیں کہ قرآن کی بے شمار آیتوں میں کمی واقع ہوئی ہے اور اُن کے کچھ اَلفاظ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردیئے گئے ہیں تو اُن روایتوں کا طریق آحاد ہے کہ جو کسی علم کا موجب بنتا ہے اور نہ ہی عمل کا۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ ان سے انحراف کیا جائے اور ان کے اَلفاظ کے پیچھے وقت برباد نہ کیا جائے۔ (**التبیان - جلد۱ - صفحہ۳**)

محقق طبرسی (متوفی-۵۴۸ھ) کا کہنا ہے: "جہاں تک قرآن میں (بعد میں کئے جانے والے) کسی اضافہ کا تعلق ہے تو اس قول کے بُطلان پر اجماع قائم ہے۔ البتہ اس میں کمی واقع ہونے سے متعلق ہمارے ساتھیوں کی ایک جماعت اور اہلسنت کے کچھ رذیل اَفراد نے نقل کیا ہے کہ قرآن میں تبدیلی اور کمی عمل میں لائی گئی ہے جبکہ ہمارے عقیدہ کے مطابق صحیح بات اس کے برخلاف ہے اور یہ وہی قول ہے کہ جس کی تائید مرتضیٰ قدّس اللہ روحہ نے کی ہے" (**مجمع البیان - جلد۱ - صفحہ۴**)

علامہ حلّی (متوفی-۷۲۶ھ) کا اپنی کتاب "**نھایة الوصول الیٰ علم الاُصول**" میں کہنا ہے: "دوسری بحث تواتر سے متعلق ہے، ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنی گئی بات کے نقل کرنے پر بغیر تواتر کے متفق ہوجائیں لیکن اگر کوئی ایک ہی شخص یہ روایت کرے کہ فلاں کلام قرآن کا حصہ ہے تو وہ غلط ہے"۔

بیاضی (متوفی-۸۷۷ھ) ﴿الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ﴾ کے متعلق کہتا ہے: ''جملہ قرآن اوراس کی تفاصیل کا تواتر سے ثابت ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔ نیز اس کی حفاظت کی خاطر انتہائی سخت اور کامل اقدام کیا گیا ہے، یہاں تک کہ مسلمانوں نے سورتوں کے ناموں اور اس کے دس حصّوں پر بھی بحث وتکرار کی ہے جبکہ بیشتر افراد تو اس کی حفاظت کے اقدام کو چھوڑ کر اس کے معانی اور احکام کو جاننے میں مشغول ہوگئے ہیں تو اگر اس میں کوئی کمی بیشی واقع ہوئی ہوتی تو ہر صاحب عقل اس سے واقف ہوتا''۔

محقق کرکی (متوفی-۹۴۰ھ) کا کہنا ہے: ''جو روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے تو ایسی صورت میں ضروری ہے کہ اُن کی تاویل کی جائے یا اُن کی بالکل اعتنا نہ کی جائے، اس لئے کہ اگر کوئی حدیث تواتر سے ثابت شدہ کتابِ خدا، سنت رسولؐ اور اجماع کے برخلاف وارد ہو اور اس کی تاویل بھی ممکن نہ ہو اور نہ ہی کسی اور بات پر محمول کیا جاسکے تو اس پر عمل نہ کرنا واجب ہے''۔

مُلا صالح مازندرانی (متوفی-۱۰۸۱ھ) کا اپنی کتاب ''شرح الزبدة'' میں کہنا ہے: ''قرآن تواتر سے ثابت ہے، اس لئے کہ اس کے نقل کا انکار اور اس کے اقرار کا دعویٰ کرنے والے بے شمار افراد ہیں۔ انکار کرنے والوں کی طرف سے یوں ثابت ہے کہ وہ علی الاعلان یہ دعویٰ باطل کرنے کا (خام) ارادہ رکھتے ہیں کہ قرآن معجزہ ہے اور اقرار کرنے والوں کی طرف سے یوں ثابت ہے کہ وہ اپنے حریف کو عاجز کردیتے ہیں اور چونکہ قرآن تمام تر علمی اور عملی احکام کا سرچشمہ ہے تو جب بھی ایسی صورت واقع ہوجائے تو عادت انسانی یہ تقاضا کرتی ہے کہ ایسی چیز کی تفاصیل، اجزاء، الفاظ اور حرکات وسکنات وغیرہ... تواتر سے ثابت ہوں (اور دریں صورت) طریق آحاد کے ذریعہ جو چیز ہم سے نقل کی گئی ہے جیسے شاذ قراءات اور کچھ وہ چیزیں جو ابن مسعودؓ نے اپنے مصحف میں نقل کی ہیں وہ قرآن کا حصّہ نہیں اور جب قرآن کا حصّہ ہی نہیں تو جس طرح کہ آگے چل کر بیان ہوگا یہ حجت بھی نہیں''۔

کاشف الغطاء (متوفی-۱۲۲۸ھ) کا اپنی کتاب ''کشف الغطاء'' میں کہنا ہے: ''{ساتویں بحث' قرآن میں اضافہ کئے جانے سے متعلق ہے}: اس (قرآن) میں کسی سورت، آیت، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وغیرہ... یا حتیٰ کہ کسی کلمہ یا ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں کیا گیا۔ دفتین کے درمیان موجود اللہ تعالیٰ کا تمام تر کلام کہ جس کی تلاوت کی جاتی ہے ضروریات مذہب، بلکہ ضروریات دین میں سے ہے اور اس پر اجماع مسلمین قائم ہے۔ {آٹھویں بحث' قرآن میں کمی واقع ہونے سے متعلق ہے}: اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ (قرآن) مَلِک دیّان (اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام) کی خصوصی حفاظت کی وجہ سے کسی بھی قسم کی کمی سے محفوظ ہے کہ قرآن کی واضح عبارت اور ہر دور کے علماء کے قائم کردہ اجماع اس پر دلالت کرتے ہیں''۔

شیخ محمد حسن مامقانی (متوفی-۱۳۲۳ھ) کا اپنی کتاب "بشری الوصول" میں کہنا ہے: "اور حق بات وہی ہے کہ جسے پچھلے علماء نے اختیار کیا ہے یعنی عدم تحریف کا قول اور اس کی کئی ایک وجوہات ہیں: (پہلی وجہ): اصل (یعنی یہ ایک کلی قاعدہ ہے کہ کوئی بھی حکم یا بات پہلے سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ اُسے ثابت کرنا پڑتا ہے اور جب تک وہ بات یا قاعدہ ثابت نہ کردیا جائے اُسے کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ تفصیلی گفتگو کے لئے علم اُصول پر لکھی گئی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ مترجم) اس لئے کہ تحریف بھی بعد میں رُونما ہونے والی شے ہے اور مشکوک بھی۔ (دوسری وجہ): اجماع۔ (تیسری وجہ): اگر ایسا واقع ہوجاتا تو یہ قرآن کے معجزہ ہونے سے منافات رکھتا کیونکہ اس طرح تو معجزہ کے اصلی معنٰی ہی مفقود ہوجاتے جبکہ آپ یہ جان چکے ہیں کہ قرآن کے معجزہ ہونے کا دارومدار اُس فصاحت وبلاغت سے کام لینا ہے جو معنٰی کے محور سے باہر نہ چلی جائے۔ اس کے علاوہ یہ تو سب کو پتا ہے کہ قرآن دائمی معجزہ ہے۔ (چوتھی وجہ): اگر اس میں کوئی تحریف واقع ہوئی ہوتی تو گذشتہ اَدیان کے ماننے والوں کی ملامتیں اس کا رُخ کرچکی ہوتیں جیسے یہود ونصاریٰ مسلمانوں کو طعنہ کستے، بالکل ایسے ہی جیسے کہ مسلمان اُنہیں توریت اور انجیل میں تحریف کرنے پر ملامت کرتے ہیں۔ (پانچویں وجہ): اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿ لا یأتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه تنزیل من حکیم حمید ﴾ باطل اُس کے پاس تک نہیں پھٹکتا، آگے سے اور نہ ہی پیچھے سے کہ یہ قابل ستائش (اور) حکمت والے (خدا) کی طرف سے نازل کردہ ہے (سورۂ فصلت-۴۲) (چھٹی وجہ): ثقلین سے متعلق روایتیں۔ اس لئے کہ اس سلسلہ میں وارد ہونے والی روایتیں کہتی ہیں کہ کتاب خدا وسیلۂ نجات ہے جبکہ اس میں تبدیلی کے بعد کہ جب یہ اپنی اصلی حالت پر باقی نہ رہے اللہ تعالیٰ کے احکام کی روشنی میں نجات کا وسیلہ تو نہیں بن سکتی۔ (ساتویں وجہ): وہ روایتیں جو یہ حکم دیتی ہیں کہ موجودہ قرآن کہ جو دورِ حاضر میں ہمارے سامنے ہے کو تھاما جائے حالانکہ یہ روایتیں اہلبیت علیہم السلام سے مروی ہیں"۔

شرف الدین (متوفی-۱۳۷۸ھ) کا "اجوبة مسائل موسیٰ جار الله" میں یوں کہنا ہے: "چوتھا مسئلہ: شیعوں کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ وہ تحریف قرآن کے قائل ہیں بایں معنٰی کہ اس کے چندایک کلمات یا آیتوں کو قلم اَنداز کیا گیا ہے...الخ تو اس سلسلہ میں میرا یہ کہنا ہے کہ ہم اس قسم کی بات سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہتے ہوئے اس قسم کی جہالت سے اظہار برائت کرتے ہیں۔ نیز ہر وہ شخص جو اس قسم کی رائے کو ہم (شیعوں) سے منسوب کرتا ہے دراصل وہ ہمارے مذہب سے ناواقف ہے یا پھر ہم پر جھوٹ باندھنا چاہتا ہے، اس لئے کہ قرآن عظیم اور ذکر حکیم ہمارے طریق سے (بھی) متواتر ہے یہاں تک کہ اس کی تمام تر آیتیں، کلمات، تمام تر حروف اور حرکات وسکنات بھی اہلبیت کے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام سے قطعی تواتر سے ثابت ہیں کہ جس میں سوائے ہٹ دھرم کے کسی کو کوئی شک

نہیں۔اس کے علاوہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے کلام کا سلسلہ آپ حضرات کے جد یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر منتہی ہوتا ہے اور انہوں نے تو اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے کہ اس میں کسی کو کوئی کلام نہیں۔ نیز قرآن حکیم کی عبارتوں کے ظاہری پہلو -چہ جائیکہ عین عبارت- ہی اللہ تعالیٰ کی بلیغ حجتیں اور اہل حق کے حق میں قوی ترین دلیلیں ہے اور یہ شیعہ مذہب کے ضروریات میں سے ہے جبکہ اس سلسلہ میں عترت طاہرہ کے توسط سے وارد ہونے والی شیعوں کی صحیح روایتیں متواتر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو روایتوں میں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر قرآن کی مخالفت میں کوئی صحیح روایت بھی وارد ہو تو اُسے دیوار پر مار دینے کا حکم ہے اور دریں صورت ایسی روایتوں پر تکیہ کر کے عملی طور پر شیعہ اپنے ائمہ علیہم السلام کے حکم کی بھی اعتنا نہیں کرتے۔ زمانۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں قرآن اسی صورت میں جمع شدہ تھا کہ آیتوں، سورتوں، اسکے کلمات اور حروف کی جو ترتیب و تنظیم ہمارے زمانے میں موجود ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی واقع نہیں ہوئی، حتیٰ کہ کوئی تقدیم و تاخیر یا تغیر و تبدل تک عمل میں نہیں آیا۔ اگر صرف شیعوں کی نماز پر نظر کر لی جائے تو بس یہی اس کی کافی دلیل ہے، اس لئے کہ شیعہ مذہب کے مطابق نماز کی ہر پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد اس کے علاوہ باقی سورتوں میں سے کسی بھی ایک مکمل سورت کی قرأت واجب ہے اور کسی سورت کا محض کچھ حصہ پڑھ لینا جائز نہیں گردانتے اور نہ ہی اَحوط کی بناء پر یہ جائز گردانتے ہیں کہ ایک سے زائد سورتوں کو ملا کر پڑھ دیا جائے (یعنی کچھ اس میں سے اور کچھ اُس میں سے) بالفاظِ دیگر شیعوں کی فقہ ہی اس بات کی واضح دلیل ہے، اس لئے کہ اگر زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں تمام تر سورتیں ایسی ہی حالت میں نہ ہوتیں کہ جس ترتیب و تنظیم سے ہمارے زمانے میں موجود ہے تو شیعوں کے لئے مذکورہ فتویٰ دینا جائز نہ ہوتا اور نہ ہی اُن کے لئے اس پر کوئی دلیل قائم کرنا ممکن ہوتا۔ ہاں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے (شیعوں کے) نزدیک وحی اور نبوت کے عہد میں قرآن اسی طرح سے جمع شدہ تھا کہ جس طرح سے ہمارے زمانے میں پایا جاتا ہے''۔

ہمارے شیخ العلامہ (متوفی-۱۳۸۹ھ) کا کہنا ہے: ''(قرآن) تغیر و تبدل اور تصحیف و تحریف جیسے عیوب سے بالکل مبرّا ہے اور اس بات پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ کسی کو اس سے کوئی اختلاف، شبہ یا اعتراض نہیں ہے۔ اَب جہاں تک مختلف قرأتوں کا تعلق ہے تو یہ قبیلوں کے لہجوں میں پائے جانے فرق کی وجہ سے ہے۔ البتہ قرآن کریم جیسی کتاب سے ہٹ کر ایک دوسرے موضوع سے متعلق مسلمانوں کے درمیان ایک اِختلاف مشہور ہے اور وہ یہ کہ آیا دو دفتین میں موجود قرآن کے علاوہ ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی جانب کوئی دوسری قرآنی وحی بھی کی گئی تھی یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں کچھ علماء قطعی اور یقینی دعویٰ کرتے ہیں کہ بعثت سے وفات تک بطور قرآن نازل ہونے والی ہر وحی ان دو (۲) دفتین میں موجود ہے جبکہ کچھ علماء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اجمالی طور پر اَحکام کی منسوخی کے علاوہ بھی دوسری وحی نازل ہوئی تھی، بایں معنیٰ کہ بعینہ اور مشخص طور تو

اُنہیں اُس وحی کا علم تو نہیں ہے لیکن قطعی قرائن سے اس کے نزول کا افادہ حاصل ہوتا ہے"(الذریعۃ۔ جلد۱۔ صفحہ ۷۸)

سیدنا اُستاد الخوئی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: "ہمارے گذشتہ بیان سے قاری پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تحریف قرآن سے متعلق وارد ہونے والی روایتیں خیالی ہیں کہ جس کا قائل صرف وہی شخص ہے کہ جس کی عقل کمزور ہے یا پھر وہ اپنی اَطراف میں کما حقہ غور وفکر سے کام نہیں لیتا یا پھر اُسے تحریف کا قول زیادہ محبوب ہے کہ محبت تو انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے، لیکن جہاں تک ایک منصف مزاج مدبّر اور صاحب عقل کا تعلق ہے تو اُسے اس قسم کے قول کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں"(البیان۔ صفحہ ۱۸۱)

امام خوئی رحمہ اللہ نے منفرد طور پر تحریف کے قائل اَفراد کی عقل کو کمزور کہا ہے اور اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مذہب اہلبیت علیہم السلام کے علماء کے نزدیک اس قسم کے دعویدار حقیقت سے کس قدر دُور ہیں!

چوتھی دلیل: عقل

مصحف شریف سے متعلق عقلی طور پر نفی تحریف وتصحیف کے لئے وہی دلیل کافی ہے کہ جس کی وضاحت شریف مرتضیٰ (متوفی۔۴۳۶ھ) نے کی ہے، چنانچہ اُن کا کہنا ہے: "نقل قرآن کی درستگی کا یقین ایسا ہی ہے جیسے شہروں، بڑے بڑے واقعات، بڑی بڑی جنگوں، مشہور کتابوں اور تحریر شدہ اَشعارِ عرب کے بارے میں یقین حاصل ہے۔ اس لئے کہ بڑی خصوصیت کے ساتھ اس کا اہتمام کیا گیا اور اس کے نقل اور اس کی نگہبانی کے دعویدار اتنی تعداد میں ہیں کہ مذکورہ اُمور کے نقل کرنے والے بھی اتنی تعداد میں نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن نبوت کا معجزہ ہے اور شرعی علوم اور دینی اَحکام کا ماخذ ہے۔ اس کے علاوہ تمام مسلمان علماء نے اس کی حفاظت اور حمایت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، یہاں تک کہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کے اعراب، قرأت، حروف اور آیتوں میں کس کس قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے تو ایسی صورت میں کیونکر اِمکان پایا جاسکتا ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی کر دی گئی ہوگی یا کوئی کمی واقع ہوئی ہے جبکہ علماء نے صداقت کے ساتھ اس کی رعایت کی اور اس کی حفاظت کے سلسلہ میں انتہائی سخت اقدام کیا ہے؟!"(مجمع البیان۔ جلد۱۔ صفحہ ۱۵)

خلاصۂ بحث

نزول کے وقت سے دَورِ حاضر تک قرآن کئی تاریخی مراحل سے گذرا ہے جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ قلب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے سامنے اِسے پڑھا اور اسے ظاہر کیا۔

۳۔ قرأت کے ذریعہ صحابہ نے نص قرآنی کی حفاظت کی۔

۴۔ کتابت کے ذریعہ نص قرآنی کو مصحف میں منتقل کیا گیا۔

۵۔ عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں مصحف امام کی صورت میں رائج ہوا۔

۶۔ مصحف پر اعراب کے طور پر نقطے دیئے گئے۔

۷۔ زبر، زیر اور پیش کے ذریعہ اعراب لگائے گئے۔

۸۔ مصحف پر نقطے دیئے گئے۔

۹۔ طباعت مصحف۔

۱۰۔ ترجمۂ مصحف۔

ان تمام مراحل میں قرآن کی عین عبارت اور الفاظ کی حفاظت کے لئے انتہائی اقدام اُٹھایا گیا تا کہ نص قرآنی محفوظ رہے اور اس کے ساتھ ساتھ تمام مسلمانوں نے تحریف وتصحیف کے سلسلہ میں کی گئی کوششوں کو ناکام بنا دیا اور اس طرح یہ نص حقیقی معنٰی میں محفوظ اور سلامت رہی جبکہ خدائے بزرگ اپنے قول میں سچا ہے کہ اس کا ارشاد ہے: ﴿ اِنّا نحن نزّلنا الذکر و اِنّا له لحافظون﴾ بے شکم ہم ہی نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

موقفِ شیخ نوری

محدّث وشیخ میرزا حسین نوری (متوفی ۱۳۲۰ھ) نے تحریف قرآن سے متعلق ایک کتاب تألیف کی ہے کہ اس دعوے سے متعلق مسلمانوں کے حلقہ میں یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ اس کتاب کا نام "فصل الخطاب فی تحریف الکتاب" رکھا گیا جبکہ اس کتاب نے علمی حلقوں میں کہرام مچا دیا تھا اور اس کی ردّ میں سب سے پہلے شیخ محمود معرب تہرانی نے ۱۳۰۲ھ ایک کتاب تالیف کی اور اس کا نام "کشف الاِرتیاب عن تحریف الکتاب" رکھا۔

شیخ نوری نے اپنی کتاب میں ہر اُس روایت کو شامل کیا ہے جو تحریف سے متعلق اہلسنت اور شیعہ طریق سے اُن کے ہاتھ لگی اور اپنی کتاب کو تین مقدموں پر تقسیم کیا: جمع آوریٔ قرآن سے متعلق روایتیں، تغیر وتبدل کی اَقسام اور اَقوال علماء۔ اس کے بعد پہلے باب میں تبدیلی اور کمی واقع ہونے سے متعلق دلیلوں کو بیان کیا ہے اور اس طرح حسب ذیل بارہ (۱۲) دلیلیں شمار کی ہیں:

۱۔ توریت اور انجیل میں تحریف کا واقع ہونا۔

۲۔جمع آوری قرآن کی کیفیت۔
۳۔کسی بھی تلاوت کی منسوخی کے وجود کو غلط ثابت کرنا۔
۴۔امیر المومنین علیہ السلام کا اپنا ایک مخصوص قرآنی نسخہ تھا۔
۵۔عبداللہ ابن مسعودؓ کا اپنا ایک قرآنی نسخہ تھا۔
۶۔اُبی ابن کعب کا قرآنی نسخہ۔
۷۔مصاحف عثمانؓ میں میں موجود اختلاف۔
۸۔کمی واقع ہونے سے متعلق اہلسنت کی بیان کردہ روایتیں۔
۹۔گذشتہ (آسمانی) کتابوں میں اَوصیاء کے ناموں کا ذکر کیا جانا۔
۱۰۔حروف اور کلمات سے متعلق قاریوں کا اختلاف۔
۱۱۔قرآن میں کمی واقع ہونے کے بارے میں عمومی روایتیں۔
۱۲۔سورتوں کے لحاظ سے خصوصی روایتیں۔
دوسرا باب عدم تبدیلی کے قائل افراد کی دلیلوں کو رد کرنے میں رقم کیا ہے۔
مذکورہ کتاب ۱۲۹۸ھ میں حجری طباعت کے تحت ۱۴۰ صفحات میں شائع ہوئی اور اس کی خطاطی میرزا سید محمد رضا احمد اردستانی نے کی تھی۔

مذکورہ بالا مضامین کے عنوان پر گہری نگاہ ڈالنے سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ متعلقہ روایتوں سے کسی غلط فہمی کی بناء پر مؤلف اس عظیم لغزش کا شکار ہوئے ہیں، اس لئے کہ قرآن کریم کا دیگر آسمانی کتابوں سے کوئی موازنہ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قرآن اسلام کا معجزہ ہے نہ کہ دیگر مذاہب کا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص قرآن اور دیگر کتابوں کا تقابلی جائزہ لے تو اُسے ان کے اُسلوب، مضامین اور اَہداف میں واضح فرق نظر آجائے گا۔ جہاں تک قرآنی نسخوں میں اختلاف پائے جانے کی بات ہے تو اس سے متعلق ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں جبکہ قراءات سے متعلق بحث آگے چل کر ہوگی۔ نیز مؤلف مذکور کے پاس سوائے ان روایتوں کے دیگر کوئی حجت نہیں ہے کہ جسے مؤلف نے از خود ۲ حصوں میں تقسیم کیا ہے: وہ روایتیں جو اہلسنت کی کتابوں سے نقل کی گئیں اور وہ روایتیں جو شیعوں کی کتابوں سے نقل کی گئیں۔

تفرقہ اور اختلاف پیدا کرنے والوں کے لئے اس کتاب میں منقولہ روایتوں پر اعتماد کرتے ہوئے ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ کے خلاف آمادہ کرنے میں یہ کتاب کارگر ثابت ہوئی اور چونکہ مؤلف کتاب ایک شیعہ محدِّث تھے لہٰذا مذہبی

اختلافات کارنگ دے کرعلم کی منطق کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔اب مناسب ترین اقدام تو یہ ہوگا کہ محدث مذکور نے جن روایتوں پر تکیہ کرلیا تھا اُن کا بغور مطالعہ کیا جائے اور ان سے مؤلف کی غلط فہمی کا سبب تلاش کیا جائے۔

شیخ نوری (متوفی-۱۳۲۰ھ) نے اپنی گیارہویں دلیل سے متعلق کچھ اس طرح کہا ہے: ''علاوہ اُن متفرق روایتوں کے کہ جو گذشتہ دلیلوں کے ضمن میں نقل کی گئیں دیگر بے شمار معتبر اور واضح روایتیں کہتی ہیں کہ موجودہ قرآن میں قلم اندازی کی گئی ہے اور اس میں کمی واقع ہوئی ہے اور یہ بھی کہ جن وانس کے سردار کے قلب پر بطور اعجاز نازل ہونے والا تمام تر کلام اس موجودہ قرآن میں نہیں ہے بلکہ اس سے کم ہے اور ان روایتوں میں کسی مخصوص آیت یا سورت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ نیز اس قسم کی روایتیں معتبر کتابوں میں مختلف مقامات پر بیان کی گئی ہیں کہ جن پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اصحاب کا مرجع یہی روایتیں ہیں۔اس سلسلہ میں مجھے جن روایتوں تک رسائی ہوئی میں نے خدائے مالک و بخشندہ کی مدد سے اُنہیں اس باب میں یکجا کردیا ہے'' (فصل الخطاب- گیارہویں دلیل)

شیخ نوری کو ان روایتوں سے سوائے تحریف کے اور کچھ سمجھ نہ آیا جبکہ یہ ایک (بہت بڑی) غلط فہمی ہے، اس لئے کہ ان روایتوں میں کئی مضامین مخلوط ہیں جیسے تفسیر، قراءاتی اختلاف اور مختلف آیتوں کا متعدد ہونا۔ جبکہ کچھ ایسی روایتیں بھی ہیں جو نقص اور تحریف پر دلالت کرتی ہیں اور یہ صورت حال بالخصوص موارد قرأت اور اہلبیت علیہم السلام کی قرأت سے متعلق بحث کی ہے اور یہی صورت حال آیت کے مفہوم اور اہلبیت نبی علیہ وعلیہم السلام کی قرأت کی بابت اس پاکیزہ اور سیدھے راستے میں نقص کی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اُن روایتوں کو ملاحظہ کرلیا جائے!

ہمارے اُستاد سید الخوئی رحمہ اللہ نے تحریف سے متعلق وارد ہونے والی روایتوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے کہ جس کا بیان گزر چکا اور ان کے نقل کرنے کے بعد آپ نے کہا ہے: ''ان روایتوں میں قرآن میں متنازع فیہ معنٰی کے لحاظ سے تحریف واقع ہونے پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی اور اس کی تشریح کچھ یوں ہے: ان میں سے بیشتر روایتیں سند کے اعتبار سے کمزور ہیں، اس لئے کہ جملہ روایتیں احمد ابن محمد سیاری کی کتاب سے نقل کی گئی ہیں کہ جس کے فاسد العقیدہ ہونے پر علمِ رجال کے تمام علماء متفق ہیں اور یہ شخص تو تناسخ کا بھی قائل ہے اور علی ابن احمد کوفی سے بھی نقل کی گئی ہیں کہ جس کے متعلق علمائے رجال نے کہا ہے کہ یہ بہت ہی جھوٹا شخص تھا اور فاسد العقیدہ بھی۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے بعض ایسی روایتیں ہیں کہ جن کے متعلق قطعی علم حاصل ہے کہ یہ معصومین علیہم السلام ہی کے ارشادات ہیں۔ نیز ان میں سے کچھ ایسی روایتیں بھی ہیں جو معتبر طریقے سے نقل کی گئی ہیں تو ایسی صورت میں بالخصوص ہر روایت کی سند سے متعلق گفتگو کرنا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے'' (البیان- صفحہ ۲۲۶)

ہمارے شیخ العلامہ (متوفی-۱۳۸۹ھ) نے شیخ نوری کا علمی دفاع کیا ہے، چنانچہ ان کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے: ''میں نے کتاب کے نام رکھنے میں غلطی کر دی کہ درحقیقت زیادہ مناسب یہی تھا کہ میں اس کا نام **"فصل الخطاب فی عدم تحریف الکتاب"** رکھتا، کیونکہ میں نے اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ کتاب اسلام یعنی دفتین کے درمیان موجود قرآن شریف جو دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلا ہوا ہے بمع اپنی تمام تر سورتوں اور آیتوں اور جملوں کے وحی الٰہی ہے کہ جمع آوری سے لے کر آج تک اس میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی کمی بیشی کی گئی ہے، بلکہ ہم تک پہلی دفعہ میں ہی جمع شدہ (قرآن) پہنچا ہے کہ کسی امامی (شیعہ) کو اس میں کوئی شک نہیں یہ وہ کلام تھا کہ جسے ہم نے از خود اپنے شیخ سے سنا ہے اور جہاں تک اُن کے عملی پہلو کا تعلق ہے تو ہم نے یہ دیکھا ہے کہ ان روایتوں میں وارد شدہ مضامین کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ وہ (بھی) انہیں اخبارِ آحاد شمار کرتے ہیں کہ جس سے کسی شے کا قرآنی حصّہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اگلے شیعہ علمائے کبار کے نیکو کار علماء جیسے سید مرتضیٰ، شیخ طوسی، امین الاسلام طبرسی وغیرہ...کی سیرت پر چلتے ہوئے ان روایتوں کو دیوار سے دے مارا ہے اور -نعوذ باللہ- وہ ان میں سے کسی شے کو بھی قرآن کی کرامت سے نہیں ملا دیتے تھے، اگرچہ جو شخص اُن کی مُراد سے صحیح طور پر آگاہ نہیں وہ اس چیز کو ہمارے شیخ قدس سرہ کی کرامت سے ملا دیتا ہے'' (النقباء- جلد۲- صفحہ۵۵۱)

ایک نظر شیخ نوری کے مآخذ پر

شیخ نوری کی نقل کردہ روایتوں کے مآخذ پر غور کرنے پر تحریف کا نظریہ سرے سے ہی باطل نظر آتا ہے، اس لئے کہ تحریف سے متعلق مفروضہ روایتوں کا عمیق مطالعہ ہمیں اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ یہ پانچ قسموں سے خالی نہیں ہیں:

۱۔معنٰی کے لحاظ سے تحریف نہ کہ لفظی طور پر: یعنی قرآن کی تفسیر اس کی اپنی مُراد کے خلاف کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا۔

۲۔شانِ نزول: یعنی اُس واقعہ کو بیان کرنا کہ جس کی وجہ سے مطلوبہ آیت نازل ہوئی۔

۳۔تاویل: یعنی آیات کا مصداق ایسے موارد کو قرار دینا جو زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود نہیں تھے۔

۴۔تفسیر: یعنی قرآنی آیات کی مُراد کی تشریح کرنا۔

۵۔قرأت: یعنی موجودہ نصِ قرآنی کی قرأت اُن سات قرأتوں کے مطابق نہ کرنا کہ جن کا تعین ابن مجاہد (متوفی-۳۲۴ھ) نے کیا تھا۔

جو روایت مذکورہ پانچ میں سے کسی قسم پر مشتمل نہ ہو انہیں اخبارِ آحاد خیال کیا جائے گا کہ جن میں متواتر نصِ قرآنی کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہوتی اور ایسی صورت میں واجب ہے کہ ان پر عمل نہ کیا جائے۔اب قارئین کی خدمت میں ان

میں سے چند ایک مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

تحریفِ معنوی: تحریف معنوی سے متعلق وہ روایت ہے کہ جسے شیخ کلینی اور شیخ صدوق دونوں نے اپنی اپنی اَسناد کے ذریعہ علی ابن سوید سے نقل کیا ہے کہ جس میں وہ کہتا ہے: ''میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ایک نامہ لکھا جبکہ آپ زندان میں تھے تو آپ نے جوابا جو کچھ لکھا اُس میں آپ کا یہ قول بھی تھا: یعنی اُن کے پاس کتاب خدا کو بطور اَمانت رکھوایا گیا تو اُنہوں نے اس میں تحریف کردی اور اسے تبدیل کردیا''۔

روایتوں میں مادۂ تحریف کو تحریف معنوی کے معنیٰ میں استعمال کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ لغوی طور پر تحریف کا مطلب تحریف لفظی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد تحریف معنوی ہے۔ مثال کے طور پر معصوم علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''وہ لوگ غلو کرنے والوں کی تحریف کی مانند دین سے دُور ہوجاتے ہیں'' تو یہاں پر معصوم کی مُراد غلو کرنے والوں کی لفظی نہیں بلکہ معنوی تحریف ہے، کیونکہ ایسے لوگ اسلامی مفاہیم کی حسبِ دل خواہ اور غلط تشریح کرتے ہیں۔

تحریف معنوی پر دلالت کرنے والی وہ حدیث نبوی بھی ہے جسے شیعہ اور سُنی دونوں طریق سے بیان کیا جاتا ہے کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں: ''جو باتیں گذشتہ اُمتوں میں واقع ہوئی ہیں بعینہ اس اُمت کے ساتھ بھی ویسا ہی ہوگا اور اس میں رَتی بھر فرق نہیں پایا جائے گا'' (بحار الانوار - جلد ۸ - صفحہ ۴)

چنانچہ ہروہ شخص جو اپنی رائے کے مطابق قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ قرآن میں تحریف کرنے والوں میں شُمار ہوگا اور ایسے کتنے ہی لوگ ہیں! حتیٰ کہ دَورِ حاضر میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ یا ایھا الذین آمنوا اَطیعوا اللہ و اَطیعوا الرسول و اُولی الاَمر منکم ﴾ اے ایماندارو! تم لوگ اللہ کی اِطاعت کرو اور اس کے رسول اور تم میں سے جو صاحبانِ حکومت ہوں اُن کی اِطاعت کرو (سورۂ نساء - آیت ۵۹) سے یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ ظالم حُکام کی اطاعت فرض ہے جبکہ اُسی لحہ قرآن باقاعدہ وضاحت کرتے ہوئے کلمہ ''منکم. تم میں سے'' کو استعمال کررہا ہے نہ کہ ''علیکم. تم پر'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور ان دونوں کے معنیٰ میں کس قدر واضح فرق ہے! اس لئے کہ اگر صاحبانِ اقتدار قول وفعل کے لحاظ سے (سچے) مسلمان ہیں تو اس میں کوئی کلام نہیں کہ اُن کی اطاعت واجب ہے، لیکن اگر کوئی زبانی تو مسلمان ہے اور عملی طور پر قرآن کی مخالفت کرتا ہے تو اُس کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ تو کیا اس کے علاوہ بھی کوئی شے تحریف معنوی ہے؟!

شانِ نزول: بعض روایتوں میں شانِ نزول کو ''ھکذا نزلت. اسی طرح نازل ہوئی'' یا ''من التنزیل. وجہ نزول'' کے جملوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اِن روایتوں میں سے ایک وہ روایت ہے جسے کتاب الکافی میں ابوبصیرؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

''میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ یا اَیها الذین آمنوا اَطیعوا الله و اَطیعوا الرسول و اُولی الاَمر منکم ﴾ اے ایماندارو! تم لوگ اللہ کی اِطاعت کرو اور اس کے رسول اور تم میں سے جو صاحبانِ حکومت ہوں اُن کی اِطاعت کرو (سورۂ نساء۔ آیت ۵۹) کے متعلق دریافت کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ آیت حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرات حسن و حسین (علیہم السلام) کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس پر میں نے آپؑ سے عرض کیا: لوگ کہتے ہیں پھر ایسی کیا وجہ تھی کہ کتاب خدا میں حضرت علی علیہ السلام اور اُن کے اہلبیت علیہم السلام کے ناموں کا ذکر نہیں کیا گیا؟ آپؑ نے فرمایا: تو تم لوگ اُن سے یہ کہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر نماز تو نازل ہوئی لیکن تین یا چار (رکعتوں) کا کوئی ذکر نہیں ملتا، یہاں تک کہ از خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہی نے لوگوں سے اس کی تشریح بیان فرمائی تھی!'' (الکافی۔ جلد۳۔ صفحہ۶۳)

مذکورہ روایت میں اس آیت کے نزول کی حقیقی مراد کی صریحاً وضاحت کردی گئی ہے، اس لئے کہ نماز کی رکعتوں کی تعداد کی جو تفسیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بیان فرمائی ہے اُس کے متعلق بھی قرآن میں (حُکم) نازل کیا گیا ہے جبکہ اس کی تشریح اَحادیث نبویؐ نے بیان کی ہے۔

تاویل: اس سے ہماری مُراد نص قرآنی کی ایسی تطبیق کرنا ہے جو لفظی طور پر ظاہر نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اَکثر روایتوں میں عمومی مضامین کی تطبیق اس طرح سے کی گئی ہے کہ مثلاً ''ظالمین'' کی تفسیر یہ بیان ہوئی ہے کہ یہ ''وہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے آلِ محمدؐ پر ظلم کیا''۔

تاویل کے سلسلہ کی ایک وہ روایت بھی ہے کہ جسے علی ابن قاسم نے نقل کیا ہے کہ جس میں وہ کہتا ہے: ''میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ و اِذا الموء ودة سُئلت ﴾ اور جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا (سورۂ تکویر۔ آیت ۸) سے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: یہ شیعیانِ آلِ محمدؐ ہیں کہ ان سے سوال کیا جائے گا کہ ﴿ باَیِّ ذنب قُتلت ﴾ وہ کس جُرم کی پاداش میں قتل کی گئی؟! (سورۂ تکویر۔ آیت ۹)

ایضاً: ''اسماعیل ابن جابر سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالے سے یوں مروی ہے کہ وہ کہتا ہے: میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ اِرشاد بیان کیا: ﴿ و اِذا الموء ودة سُئلت ﴾ اور جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا (سورۂ تکویر۔ آیت ۸) وہ کہتا ہے: آپؑ نے فرمایا: حسین ابن علی علیهما السلام۔

دراَصل لفظ ''زندہ درگور لڑکی'' سے کسی اور معنی کی تطبیق یوں جائز ہوسکتی ہے کہ اسے کسی ایسے مقتول سے تشبیہ دی

جائے کہ جسے ناحق قتل کیا گیا ہو جیسے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسے امام حسین ابن علی علیہما السلام اور شیعیانِ آلِ محمدؐ سے تشبیہ دی۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''قرآن کا ایک باطن ہے اور اُس باطنی حصّہ کا بھی ایک باطن ہے۔ نیز اس کا ایک ظاہر ہے اور اس کے ظاہری حصّہ کے لئے بھی ایک ظاہر ہے اور تفسیر قرآن کے علاوہ کوئی دوسری چیز انسانی عقلوں سے دُور تر نہیں، اس لئے کہ کسی آیت کا ابتدائی حصّہ کسی ایک شے سے متعلق ہوتا ہے تو اُس کا انتہائی حصّہ کسی دوسری شے کے متعلق جبکہ یہ ایک متصل کلام ہے جو کئی طور سے گویا ہے'' (تفسیر العیاشی- جلد۱- صفحہ۱۱)

داؤد ابن کثیر سے اس طرح سے مروی ہے: ''میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: کتاب اللہ عزّوجلّ میں آپ حضرات (معصومین علیہم السلام) نماز ہیں، زکوٰۃ بھی آپ ہیں اور حج بھی آپ؟ تو آپؑ نے فرمایا: اے داؤد! کتاب اللہ عزّوجلّ میں نماز ہم ہیں، زکوٰۃ ہم ہیں، روزہ ہم ہیں، حج ہم ہیں اور حرام مہینہ بھی ہم ہیں، شہرِ محترم ہم ہیں، خانۂ خدا ہم ہیں، اللہ کا قبلہ ہم ہیں اور ہم ہی وجہ اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فاینما تولوا فثمّ وجه الله ﴾ تو تم لوگ جہاں رُخ کرو گے وہیں پر اللہ کا سامنا ہے (سورۂ بقرہ- آیت ۱۱۵) نیز ہم ہی آیات ہیں اور ہم ہی بینات ہیں جبکہ ہمارا دُشمن کتاب اللہ عزّوجلّ میں فحش، بُرائی، سرکشی، شراب، جُوا، بُت، پانسے، لکڑی کے بُت، پتھر کے بُت، جبت، طاغوت، مُردار، خون اور سؤر کا گوشت (سے تعبیر کیا گیا) ہے۔ اے داؤد! بے شک اللہ نے ہمیں خلق کیا اور ہماری خلقت کو مکرّم کیا، ہمیں (ساری خلقت پر) فضیلت بخشی، ہمیں اس پر امین اور اس کی حفاظت کرنے والے مقرر کیا نیز آسمانوں اور زمین پر موجود ہر شے پر خزانچی مقرر فرمایا جبکہ ہمارے اضداد اور ہمارے دُشمن بھی بنائے تو اُس نے اپنی کتاب میں ہمارے نام لئے، بہترین اور اپنے اور اپنے پرہیزگار بندوں کے نزدیک محبوب ترین ناموں کے ذریعے ہماری کنیت بیان کیں'' (بحار الانوار- جلد۲۴- صفحہ۳۰۳)

اس کی تاویل میں وہ روایت پیش کی جاسکتی ہے جو امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُسے (قرآن کو) کسی مخصوص زمانے کے لئے قرار نہیں دیا کہ پھر دیگر زمانہ کے لئے نہ ہو اور نہ ہی کسی انسان کو چھوڑ کر کچھ مخصوص لوگوں کے لئے، تو یہ (قرآن) ہر نئے زمانے کے لئے ہے اور روزِ قیامت تک آنے والی ہر قوم کے لئے ایک تروتازہ کلام ہے'' (بحار الانوار- جلد۲- صفحہ۲۸۰)

اس تاویل میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ قرآن کا مصداق پوری حیاتِ انسانی ہے اور یہ محض نظریاتی بحث وتحقیق کا مورد نہیں ہے کہ جس کی تطبیق نہ کی جاسکے۔

تفسیر: اس سے مراد تفسیر کرنے والے کی رائے کے مطابق اَلفاظ کے مفہوم کی تشریح ہے۔

اس سلسلہ میں سُدیر صیرفی کہتا ہے: ''میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان، اے فرزندِ رسولؐ! کیا رُوح کا قبض کیا جانا مومن پر ناگوار گزرتا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: نہیں بخدا! یہاں تک کہ آپؑ نے فرمایا: تو وہ نظر کرتا ہے اور اُس (مومن) کی رُوح کو رب العزت کی جانب سے ایک مُنادی ندا دیتے ہوئے کہتا ہے: اے محمدؐ اور اُن کے اہلبیتؑ سے مطمئن نفس! تم اپنے پروردگار کی جانب لَوٹ جاؤ درحالیکہ تم ولایت پر خوش ہو اور ثواب کے ذریعہ تمہیں خوش کیا جائے گا، تو تم میرے بندوں یعنی محمدؐ اور اُن کے اہلبیتؑ میں شامل ہو جاؤ اور تم میری جنت میں داخل ہو جاؤ''

چنانچہ امام علیہ السلام قبض اَرواح کی بابت کلام فرمارہے ہیں اور اس بات سے آگاہ کر رہے ہیں کہ اُس وقت مومنین کا کیا موقف ہوگا، اس لئے کہ مومنین کو اپنے اعتقادات میں یقین ہے کہ جس میں کوئی شک تک اُنہیں نہیں چُھوتا تو ایسی صورت میں اُن کے نفس راضی ہیں اور خدا اُن سے راضی ہے جبکہ اس مقام پر نصِ قرآنی کے درمیان تفسیر کو شامل کرلیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ابن جزری (متوفی-۸۳۳ھ) کے گذشتہ کلام میں اُس نے کہا تھا: [صحابہ] بسا اوقات وضاحت اور تشریح کے طور پر تفسیر کو قرأت میں شامل کردیتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اُنہوں نے نبیِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بطور قرآن جو کچھ حاصل کیا تھا وہ یقینی تھا تو اس طرح سے وہ لوگ کسی قسم کے بھی اشتباہ سے محفوظ تھے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی صحابی قرآن کے ساتھ ساتھ تفسیر بھی لکھ دیتے تھے'' (النشر- جلد۱- صفحہ۳۲)

قرأت: یہ وہ روایتیں ہیں جو نصِ قرآنی کی متحمل ہوتی ہیں اور کسی نہ کسی طور سے عربی زبان کے قواعد سے مطابقت رکھتی ہیں۔

اس سلسلہ میں علی ابن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی روایت نقل کی ہے کہ جس میں امام علیہ السلام نے فرمایا: "**صراط من انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم و غیر الضالین**" روایت کا ایک حصہ۔

سجستانی (متوفی-۳۱۶ھ) روایت نقل کرتا ہے: ''عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی، محمد ابن اسماعیل اَحمسی نے ہم سے حدیث بیان کی، عبیداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی، سفیان نے اَعمش کے ذریعہ ہم سے حدیث بیان کی، اس نے ابراہیم سے، اس نے علقمہ اور اَسود سے نقل کیا کہ حضرت عمرؓ اس طرح سے قرأت کرتے تھے: "**صراط من انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم و غیر الضالین**" (المصاحف- صفحہ۵)

شیخ نوری نے کچھ ایسی روایتوں کو نقل کیا ہے جو قرأت کی وضاحت کرتی ہیں کہ اُن میں سے ایک روایت یوں ہے: ''غالب ابن ہذیل سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اللہ عزّوجل کے اس فرمان: ﴿**وَامسَحُوا بِرُءُوسِکُمْ**

۱: قاضی نعمان فرقہ اسماعیلیہ کے عالم ہیں اور دعائم الاسلام اُن کی فقہ کی کتاب ہے۔ (ت ز)

وَ اَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ﴾ اور تم لوگ اپنے سروں کا اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں کا مسح کر لیا کرو (سورۂ مائدہ - آیت ۶) کے متعلق دریافت کیا کہ اس میں (لفظ ارجلکم کے لام پر) ''زیر'' لگائیں گے یا ''زبر'' لگائیں گے؟ آپؑ نے فرمایا: ''زیر'' لگائیں گے''۔

عیاشی نے غالب ابن ہذیل سے بعینہٖ روایت کو نقل کیا ہے، لیکن اس میں زبر کی بجائے پیش کے متعلق سوال کیا گیا ہے کہ جس کو کتابت کرنے والے کی غلطی پر محمول کیا جاتا ہے۔

قاضی نعمان کی کتاب دعائم الإسلام میں اللہ عزوجل کے اس فرمان ﴿ و اَرجلکم الی الکعبین ﴾ کے متعلق لکھا ہے کہ اہلبیت علیہم السلام کی قرأت کے مطابق زیر ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام نے اسی طرح فرمایا ہے۔ ۱

اس کے بعد شیخ نوری کا کہنا ہے: ''ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیر دے کر قرأت کی جائے اور ان میں اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ یہ زبر کے ساتھ نازل ہوئی تھی۔ شیخ طوسی نے بھی التہذیب میں اسی طرح وضاحت کی ہے۔

عرضِ مؤلف: درحقیقت یہ تفسیر اور قرأت مخلوط کر دی گئی ہیں۔ شیخ رحمہ اللہ جیسی شخصیت پر تعجب ہوتا ہے کہ ان علمائے اَعلام کی تصریحات کو اہلبیت علیہم السلام کی قرأت کا نام کیسے دے دیا؟! اور اُس پر طرّہ یہ کہ وہ ان روایتوں کو تحریف کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں تو گویا انہوں نے قرأت اور تحریف کی اِصطلاح میں کوئی فرق نہیں جانا جبکہ یہ اصحاب قرأت کی اصطلاحات سے غفلت کا نتیجہ ہے جبکہ اللہ ہی غلطیوں سے بچانے والا ہے۔

[المختصر] شیخ نوری نے جس پر اعتماد کیا ہے وہ چند روایتیں ہیں اور ان پر عمل نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ یہ آحاد روایتیں ہیں جو تواتُر سے ثابت شُدہ نصِ قرآنی کے مقابل نہیں آسکتیں [باوجودیکہ] ان میں سے بیشتر روایتیں اصطلاحی تحریف کے معیار پر پورا نہیں اُترتیں، بلکہ یہ روایتیں معنٰی، تفسیر، قرأت یا تاویل کی تحریف کو بیان کرتی ہیں۔ [اس کے علاوہ] ان روایتوں کے مآخذ قابل وثوق نہیں ہیں اور اسی وجہ سے خود شیخ مذکور نے واضح طور پر انہیں میں ان کے ضعیف ہونے کی وضاحت کی ہے یا پھر اس لئے کہ اُن کے نزدیک وہ نسخہ قابل اعتماد نہیں تھا۔ اس بات کی وضاحت انہوں نے کئی مقامات پر کی ہے کہ اُن میں ایک تو سورۂ مریم کی ۱۸ ویں آیت ہے کہ جس کے متعلق اُن کا کہنا ہے: ''محمد ابن حکیم سے مروی ہے، اس نے اپنے والد سے نقل کیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے یوں قرأت کی: ﴿ اِنی اعوذ بالرحمٰن منک اِن کُنتَ تقیاً ﴾ اگر تو پرہیزگار ہے تو میں تجھ سے (خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں (سورۂ مریم - آیت ۱۸) اس کے بعد وہ لکھتے ہیں: میرے نسخہ میں اسی طرح سے ہے جبکہ یہ نسخہ سقیم ہے اور مجھے کہیں کوئی اختلافی مقام نہیں ملا جبکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ''تقیاً، پرہیزگار'' کی بجائے اس مقام پر لفظ ''شقیاً، بدبخت'' ہوگا۔ واللہ العالم''

مزید تعجب کی بات تو یہ ہے کہ شیخ مذکور نے سورۂ اخلاص میں تحریف واقع ہونے سے متعلق ایک روایت سے دلیل قائم کی ہے اور اس کے بعد وہ کہتے ہیں: ''اس نسخہ میں اسی طرح لکھا ہوا ہے جبکہ یہ انتہائی سقیم ہے اور میرا خیال ہے کہ پہلا لفظ ''الصمد'' ہے اور یہ راوی کا ذاتی شک ہے اس لئے کہ قلم انداز ہونے والا لفظ ''الاحد'' ہے یا ''الواحد'' ہے۔ واللہ العالم

اللہ تعالیٰ کی ستائش کی بناء پر ہم نے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا یعنی جامع قرآن کے مخصوص مقامات پر تبدیلی واقع ہونے پر دلالت کرنے والی تمام روایتوں کو بیان کر دیا، اس لئے کہ سند اور دلالت کے اعتبار سے ان روایتوں سے دلیل قائم کرنے کی تمام تر شرائط ان میں موجود ہیں اور یہ کسی بھی قسم کے سُقم سے خالی ہیں سوائے اس کے کہ ان میں کچھ ضعیف شبہات پائے جاتے ہیں جو تحریف کے منکروں نے شامل کر لئے ہیں، جبکہ ہم ان تمام شبہات کا جواب بھی دیں گے''۔

عرضِ مؤلف: یہ تو سراسر مضحکہ خیز ہے، اس لئے کہ جس نسخہ کے متعلق خود شیخ نے یہ کہا ہے کہ یہ ''انتہائی سقیم'' ہے اور پھر گمان پر تکیہ کر لیا جبکہ کوئی بھی شے یقین کے مقابل نہیں آسکتی تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ان روایتوں اور ان جیسی دیگر روایتوں کو متواتر نص قرآنی کے مقابل کھڑا کر دیا جائے؟! شیخ کی قائم کردہ اکثر دلیلیں اسی قسم کی روایتوں پر مبنی ہیں تو جن شرائط کا انہوں نے دعویٰ کیا ہے وہ کہاں پائی جاتی ہیں؟! اور ایسا کون صاحب رائے ہے جو آحاد کی وجہ سے متواتر پر عمل کرنا ترک کر دے؟! خدارا یہ تو انتہائی عجیب وغریب بات ہے!

اس مقام پر قارئین کی خدمت میں اُن تمام روایتوں کا خُلاصہ پیش کیا جا رہا ہے کہ جنہیں شیخ نوری رحمہ اللہ نے جمع کیا، البتہ سورتوں کے لحاظ سے اگر گذشتہ وجوہات میں سے کوئی وجہ ہوگی تو اُس کی طرف اشارہ کر کے صرف دعویٰ شدہ مادّہ تحریف پر اکتفا کیا جائے گا ورنہ اُس کے متعلقہ کالم کو خالی رہنے دیا جائے گا یا سوالیہ نشان لگا کر اس کی طرف رہنمائی کر دی جائے گی۔

قرأت کی متعلقہ روایتوں کا تقابلی جائزہ ۱ ؎

۱۔ سورۂ فاتحہ

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۴	مالک	ملک	قرأت (۱)	نافع، ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر، حمزہ، ابودرداء، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، مروان ابن حکم، مجاہد، یحییٰ ابن وثاب، اعرج، ابوجعفر، شیبہ، ابن جریج، عاصم جحدری، ابن جندب ابن محیصن، ابوعبید، زید، مسور۔	امع: ۱/ ۳، بحر: ۲۰/۱ تب: ۳۳/۱، یسر: ۱۸، طبر: ۱۴۷/۱، جامع: ۱۳۹/۱ حجل: ۶۲، سبعہ: ۱۰۴ غیث: ۶۰، کشاف: ۹/۱ مج: ۳۳/۱

۱؎ اس جدول کو ملاحظہ کرتے وقت مندرجہ ذیل امور کی طرف متوجہ رہنا انتہائی ضروری ہے:

۱۔ قرآنی عبارت کے سلسلہ میں ہم نے سن ۱۳۴۳ ہجری میں قاہرہ سے شائع ہونے والے مصحف امیری پر اعتماد کیا ہے۔

۲۔ سابقہ آیت کے بعد (+) کی علامت روایت میں اضافہ کی جانب اشارہ ہے۔ (#) کی علامت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یا تو اس روایت میں نقص ہے یا یہ ملی ہی نہیں۔ (=) کی علامت اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ یہ روایت مصحف شریف سے مطابقت رکھتی ہے اور میں نہیں جانتا کہ کیا وجہ تھی کہ محدث نوری نے اپنی کتاب میں اس روایت کو تو لکھ دیا لیکن اس کی قرأت کے طریقہ کی جانب اشارہ نہیں کیا؟ کیونکہ جن روایتوں کو محدث مذکور نے جمع کیا ہے اُن سب کے علاوہ اہلبیت علیہم السلام کی دیگر تمام روایتیں مصحف کے مطابق ہیں۔

۳۔ آخری دو کالم یعنی قاری اور ماخذ کو ہم نے ڈاکٹر عبدالعال سالم مکرم و دو اور احمد مختار عمر کی مؤلفہ "کتاب معجم القراءات القرآنیة" مطبوعہ کویت ۱۴۰۲ھ سے اخذ کیا ہے جبکہ ان دونوں مؤلف حضرات نے ان کی جانب سرسری اشارہ کیا ہے اور ان کے اشارات کے مطابق مآخذ کی تفصیل یوں ہے: اتف: اتحاف الفضلاء، اعن: الإعراب النحاس، امع: الإملاء؛ تالیف عکبری، بحر: البحر المحیط، تب: التبیان؛ تالیف شیخ طوسی، یسر: التیسیر؛ تالیف دانی، طبر: تفسیر الطبری، جامع: تفسیر القرطبی، حجل: الحجة؛ تالیف خالویہ، حجز: الحجة؛ تالیف ابی زرعہ، سبعہ: السبعة؛ تالیف ابن مجاہد، غیث: الغیث؛ تالیف صفاقسی، کشاف: الکشاف؛ تالیف زمخشری، کشف: الکشاف؛ تالیف قیسی، مج: مجمع البیان؛ تالیف طبرسی، مح: المحتسب؛ تالیف ابن جنی، معش: المعانی؛ تالیف اخفش، معف: المعانی؛ تالیف فراء، فخر: تفسیر الرازی، نشر: النشر؛ تالیف ابن جزری۔

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۱. سورۂ فاتحہ

=	الصراط	السراط	قرأت (۲)	ابن کثیر، کسائی، ابوعمرو، قنبل، ابن مجاہد، ابن حمدون، یعقوب، رویس لولوی، ابن عباس، ابوعلی۔	اتف: ۱۲۳، اعن: ۱/۱۲۳، امع: ۱/۴، بحر: ۱/۲۵، تب: ۱/۴۰، جامع: ۱/۴۸، اجمل: ۲۳، تجر: ۸۰، سبع: ۱۰۵، غیث: ۶۳، کشاف: ۱/۱۱، رخ: ۱/۲۷
۷	الذین انعمت	من	قرأت (۳)	ابن مسعود، عمر ابن خطاب ابن زبیر، اہلبیت۔	جامع: ۱/۱۳۹، کشاف: ۱/۱۱، رخ: ۱/۲۸۔
	ولا الضالین	وغیر	قرأت (۴)	عمر، أبي، علی	بحر: ۱/۲۹، کشاف: ۱/۱۲

۲. سورۂ بقرہ

۵۹	فبدل الذین ظلموا	+آل محمد حقهم	تفسیر		
۹۰	بما انزل الله	+ فی علی	تفسیر		
۹۱	بما انزل الله	+ فی علی	تفسیر		
۱۲۹	یتلوا	بولایة	تفسیر		
۱۴۳	أمة وسطاً	ائمة وسطاء	تاویل		
۱۵۹	ما انزلنا من البینات	+ فی علی	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
	۲۔ سورۂ بقرہ				
۲۰۵	ویهلک الحرث و النسل	+ بظلمه و سوء سریرته	تفسیر		
۲۱۱	کم آتیناهم من آیة بینة	+ فمنهم من آمن ومنهم من جحد و منهم من اقر و منهم من بدل	تفسیر		
۲۱۴	وزلزلوا	+ ثم زلزلوا(؟)	قرأت		
۲۳۸	والصلاة الوسطیٰ	+ و صلاة العصر	قرأت (۵)	حفصہؓ، ابن عباسؓ، عبید ابن عمیر، عائشہؓ	بحر:۲/۲۳۰، طبر:۵/۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۳، کشاف:۱/۱۳۶
۲۴۰	غیر اخراج	+مخرجات (؟)	قرأت		
۲۵۵	له ما فی السماوات و ما فی الارض	وما بینهما وما تحت الثریٰ عالم الغیب والشهادة الرحمٰن الرحیم	قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۲۔ سورہ بقرہ

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲۵۵	ومابین أیدیهم	+ وما تحت الثریٰ عالم الغیب و الشهادة فلا یظهر علیٰ غیبه أحداً	قرأت		
۲۵۵	ولایحیطون	ولا یحفظون من علمه	قرأت		
۲۵۵	العلی العظیم	+والحمد لله رب العالمین	قرأت/ دعا		
۲۵۶	بالطاغوت	بالطواغیت	قرأت(۶)	حسن، جویریہ ابن بشیرؒ۔	امع:۱/۹۳، مج:۲/۲۸۳ جامع:۳/۲۸۳، مع:۱۳۱
۲۵۷	والذین کفروا	+ بولایة علی ابن ابی طالب	تفسیر		
۲۶۱	مائة حبة	+ أو اکثر من ذلک	تفسیر		
۲۷۵	لا یقومون	+یوم القیامة	قرأت(۷)	عبداللہ ابن مسعودؓ۔	مج:۲/۳۳۳، جامع:۳/۳۵۴

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۳۔ سورۂ آل عمران

۳۳	و آل عمران	+وآل محمد	قرأت(۸)	عبداللہ ابن مسعودؓ۔	بحر:۴۳۵/۲
۴۳	واسجدی وارکعی	وارکعی واسجدی	قرأت		
۵۵	متوفیک ورافعک	رافعک إلیّ و متوفیک	قرأت		
۸۱	میثاق النبیین	میثاق اُمم النبیین	قرأت (۹)	اُبیؓ،عبداللہ ابن مسعودؓ، مجاہد۔	بحر:۵۰۸/۲،کشاف: ۱۹۸/۱
۹۲	مما تحبون	ماتحبون	قرأت (۱۰)	عبداللہ ابن مسعودؓ۔	بحر:۵۲۳/۲،کشاف: ۲۰۲/۱،فخر:۵۰۱/۲
۱۰۲	مسلمون	مسلّمون	قرأت		
۱۰۳	فانقذکم منها	+ بمحمد	نزول/ تفسیر		
۱۰۴	ولتکن منکم اُمة	ائمة	قرأت		
۱۱۰	کنتم خیر اُمة	ائمة	قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
	۳ ۔ سورۂ آل عمران				
۱۲۳	و انتم اذلة	ضعفاء قلیل	تفسیر / قرأت		
۱۲۸	لیس لک	لک	قرأت		
۱۲۸	او یتوب	ان تبت	قرأت		
۱۲۸	او یعذبهم	او تعذبهم	قرأت		
۱۲۸	ظالمون	+لآل محمد	تفسیر		
۱۴۰	شهداء	شهیداً	قرأت		
۱۸۰	ما بخلوا به	+ من الزکاة	تفسیر		
۱۸۴	فقد کتب رسل من قبلک جآء و ا بالبینات والزبر	قل قد جآء کم رسل من قبلی بالبینات و الزبر قل فتلقوهم	تفسیر (قرأت)		
۱۸۵	الموت	+ ومنشوره	نزول		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۳. سورۂ آل عمران

۲۰۰	اصبروا	+یعنی عن المعاصی	تفسیر		

۴. سورۂ نساء

۲۴	فمااستمتعتم به منهن	+ الیٰ اَجل مسمی	قرأت (۱۱)	اُبیؓ، ابن عباسؓ، سعیدابن جبیر، عبداللہ ابن مسعودؓ۔	بحر:۲۱۸/۳،تب:۱۶۶/۳،طبر:۸/۱۷۷-۱۷۹،جامع:۱۳۰/۵، کشاف:۲۶۲/۱، فخر:۱۹۵/۳
۴۲	وعصوا الرسول	+وظلموا آل محمد حقهم	تاویل		
۴۷	نزلنا	+ فی علی نوراً مبیناً	تفسیر		
۵۴	آل ابراهیم	+آل عمران وآل محمد	تفسیر		
۵۹	اُولی الاَمر منکم	+ من آل محمد	نزول		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
		۴. سورۂ نساء			
۵۹	فإن تنازعتم فی شئ فردوه إلی الله والرسول	+فارجعوه إلی الله +[و] إلی أولی الأمر منکم	تفسیر		
۶۴	جاؤک	+ یاعلی	تاویل		
۶۵	یحکموک	یحکموا محمداً و آل محمد	تفسیر		
۶۵	مما قضیت	+ فی أمر الولایة + من أمر الوالی ویسلموا لله تسلیماً قضی محمد و آل محمد و یسلموا تسلیماً	تفسیر		
۶۶	اقتلوا أنفسکم	+ وسلموا للإمام تسلیما	تاویل		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
		۴۔ سورۂ نساء			
۶۶	ما یوعظون به	+ فی علی	تفسیر		
۷۹	فمن نفسک	و إنما قضیتها	قرأت (۱۲)	ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ۔	امن: ۱/۲۳۷، بحر: ۳/۳۰۱
۱۳۵	أو تعرضوا	+ عما اُمرتم به	تفسیر		
۱۳۷	لم یکن الله لیغفر لهم	لن تقبل توبتهم	تفسیر		
۱۶۳	انا أوحینا	إنی أوحیت	قرأت		
۱۶۶	بما أنزل إلیک	+ فی علی أنزله بعلمه والملآئکة یشهدون	تفسیر		
۱۶۸	وظلموا	+آل محمد حقهم	تفسیر		
۱۷۰	من ربکم	+ فی ولایة علی	تفسیر		
۱۷۴	وأنزلنا إلیکم	+ فی علی	تفسیر		

۵۔ سورۂ مائدہ

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱	اَوفو بالعقود	+ التی عقدت علیکم لاَمیر المؤمنین	تاویل		
۲	اِلی المرافق	من المرافق	نزول		
	واَرجلکم	و اَرجلِکم	قرأت (۱۳)	ابن کثیر، ابوعمرو، حمزہ، ابوبکرؓ، انس، عکرمہ، ابن عباسؓ، شعبی، باقرؑ، قتادہ، علقمہ، ضحاک، مجاہد، ابوجعفر۔	اتن:۱/۲۸۵، بحر:۳/۳۳۷، تب:۳/۳۳۷، یسر:۹۸، طبر:۱۰/۶۰، جامع:۶/۹۱، مجلی:۱۲۹، حجر:۲۳۳، سبعہ:۲۳۲، ۲۳۳، غیث:۲۰۰، کشف:۱/۴۰۶، ۴۰۷، مج:۲/۱۹۳، فخر:۳/۳۶۸، نشر:۲/۲۵۴
۶۷	ما اُنزل الیک	+ فی علی	نزول		
۸۹	اَھلیکم	اَھالیکم + ان علیاً مولی المؤمنین	قرأت نزول		
۹۵	ذوا	ذوی / ذو منکم	قرأت (۱۴)	امام جعفر صادق علیہ السلام۔	امع:۱/۱۳۱، بحر:۳/۲۰، مج:۳/۲۳۲، مج:۱/۲۱۹

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۵۔ سورۂ مائده

		+ یعنی الامام	تفسیر	امام محمد باقر علیہ السلام۔	
۱۰۱	عن أشياء	عن أشياء كم لم تبد لكم	تفسیر		
۱۱۲	يستطيع ربك	ربك يستطيع	قرأت (۱۵)	کسائی	بحر:۴/۵۴، ۵۴، لیر:۱۰۱، جامع:۶/۳۶۴، سبعہ:۲۴۹، کشف:۱/۴۲۲، مج:۲/۲۶۳، فخر:۳/۴۶۷
		تستطيع	قرأت		

۶۔ سورۂ انعام

۲۳	ما كنا مشركين	لولاية علی	تفسیر		
۳۳	لا يكذبونک	لايكذبونک	قرأت (۱۶)	نافع، کسائی، علی، عبداللہ، ابوبکرؒ، اعمش، جعفر صادق	اتف:۲۰۷، امن:۱/۵۳۳، امج:۱/۱۳۹، بحر:۴/۱۱۱، تب:۴/۱۲۷، لیر:۱۰۲، طبر:۱۱/۳۳۰، جامع:۶/۴۱۵، محل:۱۳۸، حجۃ:۲۴۷، سبعہ:۲۵۷، کشاف:۲/۱۰، کشف:۱/۴۳۰، ۴۳۱، مج:۲/۲۹۳، معف:۱/۳۳۱، نشر:۲/۲۵۸

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۶۔ سورهٔ انعام

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۱۵	کلمت ربک	+ الحسنیٰ	قرأت		
۱۵۸	کسبت	اکتسبت	قرأت		
۱۵۹	فرقوا	فارقوا	قرأت (۱۷)	حمزہ، کسائی، حسن، علی۔	اتف:۲۲۰،مع:۱۵۵/۱ بحر:۲۶۰/۴،تب:۳۵۳/۴ یسر:۱۰۸،طبر:۲۶۸/۱۲، جامع:۱۳۹/۷،جمل:۱۵۲، حجۃ:۲۷۸،سبعہ:۲۷۳، غیث:۲۲۰،کشاف:۵۰/۲ کشف:۴۵۸/۱،ح:۲ ۴۸۸،معت:۳۶۶/۲ فخر:۱۷۲/۱۴،نشر:۲۶۶/۲

۷۔ سورهٔ اعراف

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۳۲	من الرزق	+ الحلال	تفسیر		
۴۷	و إذا صرفت	و إذا قلبت	قرأت(۱۸)	اعمش۔	بحر:۳۰۳/۴،کشاف:۹۳/۲
	قالوا	+عائذاًبک أن تجعلنا			
۴۹	رسالة ربی	+فی ولایة علی و الأئمة	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۷۔ سورۂ اعراف

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۷۲	الست بربکم	+ ومحمد رسولی و علی امیر المؤمنین	تفسیر		

۸۔ انفال

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱	عن الانفال	الانفال	قرأت (۱۹)	ابن مسعودؓ، سعد ابن ابی وقاص امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ، زید ابن علی، امام جعفر صادقؑ، طلحہ ابن مصرف، عکرمہ، عطاء، ضحاک۔	اعن: ۱/۶۶۴، بحر: ۴/۳۵۶، تب: ۵/۸۶، ۸۷، طبر: ۱۳/۳۷۷، ۳۸۸، کشاف ۲/۱۱۴، ج: ۴/۵۱۷، مج: ۱/۲۷۲، فخر: ۴/۳۳۳
۲۵	لاتصیبن	لتصیبن	قرأت (۲۰)	زبیر، علی، زید ابن ثابتؓ، اُبیؓ، ابن مسعودؓ، امام باقرؑ، ربیع۔	بحر: ۴/۴۸۶، جامع: ۷/۳۹۳، کشاف: ۲/۱۳۱، ج: ۴/۳۲، مج: ۱/۲۷۷
۲۷	اماناتکم	+ فی آل محمد	تفسیر		

۹۔ سورۂ توبه

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲۶	علیٰ رسوله و علی المؤمنین	+ وایده بروح القدس منه	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۹۔ سورۂ توبہ					
۴۰	لصاحبہ	+ ویلک	تفسیر/قرأت		
۷۳	والمنافقین	بالمنافقین	قرأت (۲۱)		تب:۲۶۰/۵
۱۱۷	علی النبی و المهاجرین	بالنبی علی المهاجرین	قرأت		
۱۰۵	والمؤمنون	والمأمونون و نحن المأمونون	تاویل		
۱۰۶	مرجون	یرجون	قرأت (۲۲)	ابن کثیر، ابن عامر، ابوعمرو شعبہ، یعقوب۔	اتف:۲۴۴، عن:۳۹/۳ بحر:۹۷/۵، تب:۲۹۵/۵ یسر:۱۱۹، طبر:۱۶/۱۱، حجر:۳۴۳، غیث:۲۳۹، کشاف:۲۱۳/۲، کشف:۵۰۶/۱، مع:۶۹/۵ معش:۳۴۷/۲، فخر:۱۹۱/۱۶، نشر:۳۰۶/۱

۹۔ سورۂ توبہ

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۱۱۰	اِلًّا	اِلیٰ	قرأت (۲۳)	یعقوب، ابوحیوۃ، حسن، سہل، قتادہ، عاصم، جحدری، مطوعی، ابوحاتم۔	بحر:۱۰۱/۵،تب:۳۰۳/۵، طبر:۲۶/۱۱،جامع:۲۶۶/۸ کشاف:۲۱۶/۳،مج:۷۰/۵ معش:۳۳۷/۲، فخر:۱۹۸/۱۶،نشر:۲۸۱/۲
۱۱۲	التائبون العابدون	التائبین العابدین	قرأت (۲۴)	اُبیؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ، اَعمش۔	اعن:۳۳/۲،مع:۱۳/۲ بحر:۱۰۴/۵،تب:۳۰۷/۵ جامع:۲۷۱/۸، کشاف:۲۱۶/۲، مج:۷۴/۵،مج:۳۰۴/۱ فخر:۲۰۲/۱۶۔ لفظ التائبون ملاحظہ کیجئے!
۱۱۸	خلّفوا	خالفوا	قرأت (۲۵)	ابوزید، ابومجلز، شعبی، ابن یعمر، امام زین العابدینؑ، زیدؑ ابن علیؑ، امام جعفر صادقؑ، امام باقرؑ، ابوعبدالرحمٰن سلمی، زین العابدین۔	کشاف:۲۱۸/۲، مج:۷۸/۵، مج:۳۰۵/۱،۳۰۶، فخر:۲۱۷/۱۶
۱۲۸	من اَنفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم	من اَنفسنا عزیز علیه ما عنتنا حریص علینا	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
		۱۰۔ سورۂ یونس			
۱۶	ولا ادریکم به	ولا انذرتکم به	قرأت (۲۶)	ابن عباسؓ، اعمش، شہر ابن حوشب، عبداللہ ابن مسعودؓ	بحر: ۵/۱۳۳، طبر: ۱۱/۶۹، کشاف: ۲/۲۲۹، فخر: ۱۷/۵۸
		۱۱۔ سورۂ هود			
۵	یثنون	یثنونی	قرأت (۲۷)	ابن عباسؓ، مجاہد، یحیٰ ابن یعمر، عبداللہؓ، ابن ابی اسحٰق، امام زین العابدینؑ، امام باقرؑ، زیدؓ ابن علیؑ، امام صادقؑ	امع: ۲/۱۹، بحر: ۵/۲۰۲، ج: ۵/۱۳۲، کشاف: ۲/۲۵۹
۱۱	الا الذین صبروا	+ علی ما صنعتم به من بعد نبیهم	تفسیر		
۱۷	علیٰ بینة من ربه	+یعنی رسول اللهؐ ویتلوه شاهد منه وصیة اماماً ورحمة	تفسیر		
۴۲	ابنه	ابنها	تفسیر و قرأت (۲۸)	علیؑ، عروہ ابن زبیر، عکرمہ	امع: ۲/۲۱، بحر: ۵/۲۲۶، تب: ۵/۴۹۵، کشاف: ۲/۲۷۰، ج: ۵/۱۶۱، فخر: ۱۷/۲۳۱

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ

۱۱ ۔ سورۂ ہود

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۸۱	من اللیل	+مظلماً	قرأت		
۱۰۰	قائم و حصید	وحصیداً	قرأت		
۱۰۷	اِلّا ما شآء ربک	اِلّا ما شاء اللہ	تفسیر		
۱۰۸	مجذوذ	مجدود	قرأت		

۱۲ ۔ سورۂ یوسف

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۲۳	ہیت	ہیئت	قرأت (۲۹)	ابوعمرو، ابن عامر، علی، ابن عباسؓ، مجاہد، عکرمہ، ابووائل، ابورجاء، یحییٰ، قتادہ، طلحہ، مقری، ہشام۔	اتف:۲۹۳، اعن:۱۳۳/۲، امع:۲۸/۲، بحر:۲۹۳/۵، تب:۱۱۸/۹، لیسر:۱۳۸، سبعہ:۳۴۷، طبر:۱۰۷/۱۲، جامع:۱۶۳/۹، غیث:۲۵۹، کشاف:۳۱۰/۲ مج:۲۲۲/۵
۳۰	شغفھا	شعفھا	قرأت (۳۰)	حسن، ابن محیصن، علی ابن ابی طالبؑ، امام زین العابدینؑ امام باقرؑ، امام صادقؑ، شعبی، عوف اعرابی، ابورجاء، اعرج ابوجعفر، یحییٰ ابن یعمر، مجاہد، ثابت بنانی، زہری، محمد ابن سمیفع، ابن ابی مریم، حمید	اتف:۲۶۴، امع:۹/۲، بحر:۳۰۱/۵، طبر:۱۱۸/۱۲، جامع:۱۷۶/۹، کشاف: ۳۱۶/۲، مج:۲۲۸/۵، مع:۳۳۹/۱، معف:۳۳/۲، فخر:۱۳۶/۱۸

۱۲۔ سورۂ یوسف

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۳۰	(اصل کتاب میں واضح نہیں ہے)	جفنة فیها خمر			
۴۳	سنبلات	سنابل	قرأت		
۴۳	یاکلهن	#	قرأت		
۴۸	ما قدمتم	ما قربتم	قرأت		
۴۹	یعصرون	یُعصرون	قرأت (۳۱)	امام جعفر صادقؑ، اعرج، عیسیٰ بصری، زید ابن علی۔	مج:۳۱۶/۵، طبر:۱۳۸/۱۳، کشاف:۳۲۵/۲، مج: ۲۳۶/۵، مح:۳۳۳/۱، فخر:۱۵۱/۱۸، جامع: ۲۰۵/۹
۱۱۰	قد کُذبوا	= قد کُذّبوا	قرأت (۳۲)	ابن کثیر، ابن عامر، نافع، ابوعمرو، عائشہ، حسن، قتادہ، محمد ابن کعب، ابورجاء، ابن ابی ملیکہ، اعرج، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، عطاء، زہری۔	اتف:۲۶۸، امن:۱۹۱/۲، امع:۳۳/۲، مج:۳۵/۵، تب:۲۰۷/۶، یسر: ۱۳۰، طبر:۵۷/۱۳، جامع: ۲۷۵/۹، تجلی:۱۹۹، تجر:۳۶۷، سبعہ:۳۵۱، غیث:۲۶۱، کشاف:۲/ ۳۲۷، کشف:۱۵/۲، مج:۲۶۹/۵، محت:۵۶/۳، فخر:۲۲۶/۱۸، نشر:۲۹۶/۲

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۱۳۔ سورۂ رعد

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۷	منذر	+ للعباد و علی	تاویل		
۱۰	منکم	+ علی الله	تفسیر		
۱۱	له معقبات	+ من خلفه و رقیب	قرأت (۳۳)	اُبیؓ، ابن عباسؓ، ابوبرہم، ابوعبداللہ۔	بحر: ۳۷۲/۵، جامع: ۲۹۳/۹، ع: ۲۷۹/۶
۱۱	من أمر الله	بأمر الله	قرأت (۳۴)	علیؑ، ابن عباسؓ، عکرمہ، زیدؓ ابن علیؑ، امام صادقؑ، ابوبرہم، ابوعبداللہ۔	بحر: ۳۷۲/۵، ع: ۲۷۹/۶، ع: ۳۵۵/۱
۳۱	افلم ییاس الذین	افلم یتبین للذین	قرأت (۳۵)	علیؑ، ابن عباسؓ، عکرمہ، ابن ابی ملیکہ، جحدری، امام زین العابدینؑ، زیدؓ ابن علیؑ، ابوزید مزنی علی ابن ندیمہ، عبداللہ ابن یزید، امام جعفر صادقؑ۔	بحر: ۳۹۳/۵، تب: ۲۵۵/۶، جامع: ۳۲۰/۹، کشاف: ۳۶۰/۲، ع: ۲۹۳/۶، ع: ۳۵۷/۱

۱۴۔ سورۂ ابراهیم

۲۲	فاستجبتم لی	+وعد لهم أن تولی کذا	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ

۱۴۔ سورۂ ابراھیم

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۳۴	وآتاکم من کُلِّ	= وایتکم کُلُّ	قرأت (۳۶)	حمزہ، کسائی، ورش، ازرق۔	غیث:۲۶۶، اتف:۲۷۳
۳۷	تھوی	=تھوَی	قرأت (۳۷)	علی ابن ابی طالبؑ، زید ابن علی، امام باقرؑ، امام صادقؑ، مجاہد، مسلم ابن عبداللہ۔	بحر:۵/۴۳۳، کشاف:۲/۳۸۰، مج:۶/۳۱۷، مج:۱/۳۶۴، معجم:۳/۷۸
۳۸	من شئ	+شان شئ	تفسیر		
۴۱	ولوالدی	+ولولدی (یعنی اسماعیل و اسحاق)	قرأت تفسیر (۳۸)	ابن یعمر، زہری، ابراہیم نخعی، امام حسینؑ، امام باقرؑ۔	بحر:۵/۴۳۳، جامع:۹/۳۷۵، کشاف:۲/۳۸۲، مج:۶/۳۱۷، مج:۱/۳۶۵
۴۵	الامثال	+لکی تعقلون	قرأت		

۱۵۔ سورۂ حجر

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۲	مُسلمین	مسلَمین	قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۱۵. سورۂ حجر

۴۱	صراطَ عليَّ	صراطٌ عليٌّ	قرأت (۳۹)	یعقوب، حسن، ضحاک، ابراہیم، ابورجاء، ابن سیرین، مجاہد، قتادہ، قیس ابن عبادہ، حمید، عمرو ابن میمون، عمارہ ابن ابی حفصہ، ابوشرف، ابوعبداللہ	اتف:۴/۱۷۴، بحر:۵/۴۵۴، تب:۶/۳۳۷، طبر:۱۴/۲۳، جامع:۱۰/۲۸، کشاف:۲/۳۹۱، مج:۶/۳۳۶، مع:۲/۳، معت:۳/۸۹، نشر:۲/۳۰۱

۱۶. سورۂ نحل

۲۴	انزل ربكم	+ فی علی	نزول / تفسیر		
۲۶	بنيانهم	بيتهم	قرأت (۴۰)	جعفر	بحر:۵/۴۸۵، غیث:۲۷۰، کشف:۲/۴۰۷، مج:۶/۳۵۶
۹۰	وإيتآء ذی القربیٰ	+حقه	تفسیر		
۹۲	أربىٰ من أُمة	أزكىٰ من أُمة أزكى من ائمتكم	قرأت تاویل		

۱۷. سورۂ إسراء

۵	عباداً	عبيداً	قرأت (۴۱)	حسن، زیدؓ ابن ثابت، علی کسائی، امام علیؑ، زیدؓ ابن علیؑ	اتف:۲۸۱، مع:۲/۳۸، بحر:۶/۹، کشاف:۲/۴۳۸، مج:۶/۳۹۷، مع:۲/۱۳

ماخذ	قاری	طریقه	روایت	قرآنی عبارت	آیت

۱۷۔ سورۂ إسراء

ماخذ	قاری	طریقه	روایت	قرآنی عبارت	آیت
اتف:۲۸۲،اعن:۲۳۲/۲ امع:۳۹/۲،بحر:۱۱/۶ بیر:۱۳۹،جامع:۲۲۳/۱۰ حجل:۳۱۴،حجر:۳۹۸، سبعہ:۳۷۸،غیث:۲۷۳ کشاف:۴۳۹/۲، مج:۳۹۷/۶،فخر:۱۵۹/۲۰ نشر:۳۰۶/۲		قرأت (۴۲)	لنسوء	لیسوءوا	۷
امع:۳۹/۳،بحر:۲۰/۶، تب:۴۵۸/۶،طبر:۴۲/۱۵ جامع:۲۳۲/۱۰،حجل:۳۱۳ کشاف:۴۴۲/۲، مج:۴۰۵/۶،مع:۱۵/۲، معت:۱۱۹/۳،فخر:۱۷۷/۳۰	عاصم،ابوعمرو،سدی، ابن عباسؓ،ابوعثمان نہدی، زید ابن علی،ابوعالیہ،علی، حسن،امام باقرؑ،مجاہد، امام جعفر صادقؑ۔	قرأت (۴۳)	أمّرنا	أمَرْنا	۱۶
		تفسیر	+لیعمهوا فیها	للناس	۶۰
		نزول	+فی علی	أوحینا إلیک	۷۳

۱۷۔ سورہ إسراء

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۷۵	نصیراً	+ثم لا تجد بعدک مثل علی ولیاً	تفسیرو تاویل		
۸۲	الظالمین	+آل محمد حقهم ولا یزید ظالمی آل محمد حقهم الظالمین لآل محمد	تفسیر		
۸۹	اکثر الناس	+لولایة علی	تفسیر		
۱۰۲	علمتَ	علمتُ	قرآت (۴۴)	کسائی، اَعمش، علیؑ ابن ابی طالبؑ، زیدؒ ابن علی۔	اتف:۲۸۷، بحر:۸۶/۶، تب:۵۲۹/۶، یسر:۱۳۱، طبر:۱۱۹/۱۵، جامع: ۳۳۷/۱۰، جمل:۲۲۱، حجر:۳۱۱، سبعہ:۳۸۵، غیث:۲۷۶، کشاف: ۳۶۸/۲، کشف:۵۲/۲، مج:۴۳۳/۶، معتف: ۱۳۲/۲، فخر:۶۵/۲۱، نشر:۳۰۹/۲

ماخذ	قاری	طریقه	روایت	قرآنی عبارت	آیت

۱۷۔ سورۂ إسراء

اتف:۴۸۷،ا؍ن:۳۹۳/۲ بحر:۸۷/۶،تب:۵۳۰/۶ طبر:۱۱۸/۱۵،جامع: ۳۳۹/۱۰،کشاف: ۳۶۹/۲،ع:۳۳۵/۶ ع:۲۳/۳، معف:۱۳۳/۳	ابوعمرو(بروایتی)ابن محیصن،ابی،عبداللہ،علی، ابن عباسؓ،ابورجاء،قتادہ، شعبی،حمید،عمروابن قائد، زیدابن علی،عمروابن ذر، عکرمہ،حسن۔	قرأت (۳۵)	فرقناه	فرقناه	۱۰۶

۱۸۔ سورۂ کهف

		تفسیر	+اسفا ان لم یؤمنوا بهذا الحدیث	علیٰ آثارهم	۶
		تفسیر تفسیر	+فی ولایة علی فی ولایة امیر المؤمنین	من ربکم	۲۹
		تفسیر	+لآل محمد آل محمد حقهم	للظالمین	۲۹
		قرأت	فماعلمت	مما عَلِّمتَ	۶۶

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
		۱۸۔ سورۂ کہف			
۷۷	اَن ینقض	اَن ینقاص	قرأت (۳۶)	علی، عکرمہ، خلید ابن سعد، ابوشیخ خیوان، ابن خالد ہنائی، یحییٰ ابن یعمر، زہری۔	بحر:۶/۱۵۳، کشاف:۲/۴۹۵، ج:۶/۳۸۵، ح:۲/۳۱
۷۹	سفینة	+صالحة صحیحة	تفسیر		
۸۰	فکان ابواه	+کافراً و کان ابواه	تفسیر		
۸۰	مؤمنین	+وطبع کافراً			
۸۲	مافعلته	+یاموسیٰ	تفسیر/ قرأت		
۸۷	من ظلم	+نفسه و لم یؤمن بربه	تفسیر		
۸۷	نعذبه	+بعذاب الدنیا	تفسیر		
۸۷	فیعذبه	+فی مرجعه	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ

۱۸. سورۂ کہف

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۸۹	ثم اتبع	+ذی القرنین الشمس	قرأت		
۱۰۲	أفحسب	أفحسْبُ	قرأت		

۱۹. سورۂ مریم

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۵	خِفْتُ	خفّت	قرأت (۴۷)	عثمان ابن عفانؓ، زید ابن ثابت، ابن عباسؓ، سعید ابن عاص، ابن عمر، ابن جبیر، امام زین العابدینؑ، علی، حسن، جحدری، قتادہ، ابوحرب ابن ابی الاسود، امام جعفر صادقؑ، ابونہیک۔	ائن: ۳۰۲/۴، امع: ۶۰۴، بحر: ۶/۱۷۴، تب: ۷/۹۷، طبر: ۱۶/۳۷، جامع: ۱۱/۷۷، کشاف: ۳/۵۰۲، ج: ۶/۵۰۰، ج: ۳/۳۷، فخر: ۲۰/۱۸۰
۶	یرثنی	+وارث	قرأت		
۲۶	صوماً	+وصمتاً صمتاً			
۸۵	نحشر المتقین	یُحشر المتقون	قرأت (۴۸)	حسن، جحدری، قتادہ	اتف: ۳۰۱، بحر: ۶/۲۱۷، کشاف: ۳/۵۴۳، ج: ۶/۵۳۹
۸۶	ونسوق المجرمین	ویُساق المجرمون	قرأت (۴۹)	حسن، جحدری، قتادہ	اتف: ۳۰۱، بحر: ۶/۲۱۷، کشاف: ۳/۵۴۳، ج: ۶/۵۳۹

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۳۰. سورۂ طٰہٰ

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۵	اخفیها	+من نفسی	قرأت (۵۰)	ابیؓ۔	بحر:۲۳۳/۶، جامع: ۱۸۴/۱۱، کشاف:۵۳۲/۲
۹۷	لَنُحَرِّقَنَّهٗ	لَنُحْرِقَنَّهٗ	قرأت (۵۱)	ابوجعفر، ابن جماز، حسن، قتادہ، ابورجاء، کلبی، ابن مسعودؓ۔	اتحاف:۳۰۷، اعراب:۳۵۹/۲، بحر:۲۷۶/۶، طبر:۱۵۳/۱۶، جامع: ۲۴۲/۱۱، کشاف:۵۵۴/۲، نشر:۳۲۲/۲
۱۱۱	ظلماً	+لآل محمد			
۱۱۵	من قبل	+کلمات فی محمد و علی والحسن والحسین والائمة من ذریته	تفسیر		

۳۱. سورۂ انبیاء

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۳	الذین ظلموا	+آل محمد حقهم	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۲۱۔ سورۂ انبیاء

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۴۷	أتینا	آتینا	قرأت (۵۲)	ابن عباسؓ، مجاہد، سعید ابن جبیر، ابن ابی اسحٰق، علاء، ابن سیابہ، امام صادقؑ، ابن شریح اصبہانی، عکرمہ۔	امع:۲/۳/۷۳، مجر:۹/۳۱۶، تب:۷/۳۲۳، جامع:۱۱/۲۹۳، کشاف: ۲/۵۷۵، مج:۷/۵۰، مج:۲/۹۳، فخر:۲۲/۱۷۷
۹۵	حرام	=وحرام +وحرم حرام	قرأت (۵۳)	حمزہ، کسائی، عاصم، ابوعمرو، اعمش، طلحہ، ابوحنیفہ، شعبہ، ابن عباسؓ، علیؑ، ابن مسعودؓ، یحییٰ ابن وثاب، ابراہیم نخعی، عکرمہ، سعید ابن جبیر۔	اتف:۳۱۲، اعن:۲/۳۸۲، امع:۲/۷۳،۷۵، مجر:۶/۳۳۸، تب:۷/۳۳۵، یسر:۱۵۵ طبر:۱۷/۶۸، جامع:۱۱/۳۳۰، تجل:۲۵۱ تجر:۲۰/۴۷، سبعه:۳۳۱، غیث:۲۹۳، کشاف: ۲/۵۸۳، کشف:۲/۱۱۳ مج:۷/۶۱، معف:۲/۲۱۱ نشر:۲/۳۲۳
۹۸	حصب	حطب	قرأت		

۲۲۔ سورۂ حج

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۹	کفروا	+بولایة علی	تاویل		

۲۲۔ سورہ حج

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲۷	رجالاً	رجال	قرأت (۵۴)	ابن ابی اسحٰق، عکرمہ، حسن، ابومجلد، ابن عباسؓ، مجاہد، ابوعبداللہ، امام صادقؑ۔	امع: ۷۸/۴، بحر: ۳۶۴/۶، جامع: ۳۹/۱۲، کشاف: ۱۱/۳، ع: ۹۷/۷، ع: ۷۹/۴، فخر: ۲۸/۲۳
۲۸	لیشهدوا	+لیحضروا	تفسیر		
۲۸	منافع لهم	فی الدنیا والآخرة	تفسیر		
۳۶	صواف	صوافن	قرأت (۵۵)	عبداللہ ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، باقرؑ، قتادہ، مجاہد، عطاء، ضحاک، کلبی، اعمش، امام باقرؑ، ابراہیم۔	اعن: ۳۰۳/۲، امع: ۷۹/۴، بحر: ۳۶۹/۶، تب: ۲۸۳/۷، طبر: ۱۱۸/۱۷، جامع: ۶۱/۱۲، کشاف: ۱۴/۳، ع: ۸۵/۷، ع: ۸۱/۴، مصحف: ۲۲۶/۲
۴۰	صلوات	=صلوات	قرأت (۵۶)	امام جعفر صادق علیہ السلام۔	امع: ۷۹/۴، بحر: ۳۷۵/۶، جامع: ۷۱/۱۲، ع: ۸۵/۷، ع: ۸۳/۴
۵۲	ولانبی	+ولامحدث	قرأت (۵۷)	ابن عباسؓ۔	جامع: ۷۹/۱۲

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۲۳. سورۂ مؤمنون

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۴	أحسن الخالقين	رب العالمين	تفسیر		
۶۰	ما آتوا	ما أتوا	قرأت (۵۸)	عائشہؓ،ابن عباسؓ،قتادہ، أعمش،حسن،نخعی۔	امع:۲/۸۲،بحر:۶/۴۱۰، جامع:۱۲/۱۳۲،کشاف: ۳/۳۵،ع:۳/۹۵،معف: ۲/۲۳۸،فخر:۲۳/۱۰۷

۲۴. سورۂ نور

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲۱	خُطُوات	خُطْوات(ظ)	قرأت (۵۹)	علی،أعرج،سلام، عمرو ابن عبید۔	ع:۳/۱۰۵
۲۳	المحصنات الغافلات	المحصنين الغافلين			
۳۳	اكراههن	+لهن	قرأت		
۴۵	أربع	+ومنهم من يمشى على اكثر من ذلك	قرأت/ تفسیر		
۶۰	ثيابهن	من ثيابهن	قرأت (۶۰)	أبیؓ،ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ،ابوجعفر، ابوعبداللہ،سعید ابن جبیر۔	طبر:۱۸/۱۲۷،جامع: ۱۲/۳۰۹،ع:۷/۱۵۳، فخر:۲۳/۳۳

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
			۲۵۔ سورهٔ فرقان		
۸	الظالمون	+لآل محمد حقهم	تفسیر		
۱۸	نتخذ	نتخذ	قرأت (۶۱)	ابن عامر، ابوجعفر، ابودرداء، زید ابن ثابتؓ، ابورجاء، نصر ابن علقمہ، زید ابن علی، امام باقرؑ، مکحول، حفص ابن عبید، نخعی، سلمی، شیبہ، ابوبشر، زعفرانی، امام جعفر صادقؑ، ابن عبید، مجاہد، حسن۔	اتف: ۳۲۸، اعن: ۳۶۰/۲، امع: ۸۸/۲، بحر: ۴۸۹/۶، تب: ۴۲۲/۷، طبر: ۱۴۳/۱۸، جامع: ۱۰/۱۳، کشاف: ۸۶/۳، مج: ۱۶۳/۷، مج: ۱۱۹/۲، محتسب: ۲۶۴/۲، فخر: ۶۳/۲۴، نشر: ۳۳۳/۲
۲۰	یمشون	یُمَشُّوْن	قرأت (۶۲)	علی ابن ابی طالبؑ، ابن مسعودؓ، عبدالرحمن ابن عوف، عبداللہ ابن عوف	بحر: ۴۹۰/۶، جامع: ۱۳/۱۳، کشاف: ۸۷/۳، مج: ۱۶۲/۷، مج: ۱۲۰/۲، فخر: ۶۵/۲۴
۲۷	مع الرسول	+علیاً ولیاً	تفسیر/ تاویل		
۲۸	لم اتخذ	+زفر	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۴۵۔ سورۂ فرقان

۳۶	فدمّرناهم	فدمّراهم	قرأت (۶۳)	علیؑ، حسن، مسلمہ، ابن محارب۔	امع:۸۹۴، مج:۳۹۸/۹، مج:۱۶۹/۷
۵۰	الناس	+لولایة علی	تفسیر		
۷۴	واجعلنا للمتقین	واجعل لنا من المتقین	قرأت (۶۴)	اہلبیت علیہم السلام۔	تب:۳۵۲/۷، مج:۱۸۰/۷

۴۶۔ سورۂ شعراء

۱۰۰	فما لنا	+فی الناس شافعین	قرأت		
۲۱۴	الاقربین	+ورهطک منهم المخلصین	تفسیر/ قرأت/ نزول		
۲۲۷	ظلموا	+آل محمد حقهم	تفسیر		

۴۷۔ سورۂ نمل

۱۳	مُبصِرة	مَبصَرة	قرأت (۶۵)	قتادہ، امام زین العابدینؑ۔	امع:۹۳/۲، مج:۵۸/۷، کشاف:۱۳۹/۳، مج:۲۱۲/۷، مج:۱۳۶/۲، معش:۳۲۸/۲، فخر:۱۸۳/۲۳

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ

۲۷۔ سورۂ نمل

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۱۵	علماً	فضلاً	تفسیر / قرأت		
۱۵	قالا	فقالا	تفسیر / قرأت		
۱۵	فضلنا	+بالإیمان بمحمد	تفسیر		
۱۲	من کل شی	کل شی	قرأت		

۲۹۔ سورۂ عنکبوت

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۳	فلیعلمن	ولیعلمن	قرأت (۶۶)	علی ابن ابی طالبؑ، جعفر ابن محمد، محمد ابن عبداللہ ابن حسن، زہری۔	بحر:۱۴۰/۷، کشاف: ۱۹۶/۳، مج:۲۷۱/۸، ع:۱۵۹/۳، مختصر البدیع:۱۱۴

۳۰۔ سورۂ روم

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۲۷	اھون	ھین	قرأت (۶۷)	ابن مسعودؓ۔	بحر: ۱۶۹/۷، جامع: ۳۱/۱۴
۳۲	فرقوا	فارقوا	قرأت (۶۸)	حمزہ، کسائی، ابن عامر، علی ابن ابی طالبؑ۔	اتف: ۳۴۸، تب: ۲۴۳/۸، یسر: ۱۰۸، جامع: ۳۲/۱۴، غیث: ۳۲۰، کشاف: ۲۲۲/۳، مج: ۳۰۴/۸، نشر: ۲۶۶/۲

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۳۰. سورہ روم

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۴۸	خلاله	خلله	قرأت (۶۹)	ضحاک، علی ابن ابی طالبؑ، ابن عباسؓ، حسن۔	اعن: ۵۹۴/۳، ع: ۳۰۸/۸، ع: ۱۶۴/۲
۶۰	لا یستخفنک	لایستفزنک	قرأت (۷۰)	رویس، یعقوب، ابن ابی عبلہ، ابن ابی اسحٰق، حسن، ابن مسعودؓ، ابن ہرمز۔	اتف: ۳۴۹، بحر: ۱۸۴/۷، کشاف: ۲۲۸/۳، یسر: ۴۴۶/۲، ع: ۱۶۶/۲

۳۱. سورہ لقمان

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲۷	یمده	مداده	قرأت (۷۱)	جعفر ابن محمدؑ۔	بحر: ۱۹۱/۷، جامع: ۷۷/۱۴، ع: ۳۲۱/۸، ع: ۱۶۹/۲

۳۲. سورہ سجدہ

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۰	ضللنا	صللنا	قرأت (۷۲)	یحیٰی ابن یعمر، ابن محیصن، طلحہ، ابو رجاء، ابن وثاب، ابو عالیہ، علی ابن ابی طالبؑ، ابن عباسؓ، حسن، ابان ابن سعید ابن عاص، ابوحیوۃ۔	اعن: ۹۱۱/۳، بحر: ۲۰۰/۷، طبر: ۶۱/۲۱، جامع: ۹۱/۱۴، کشاف: ۲۲۲/۳، ع: ۳۲۶/۸، معف: ۳۳۱/۳
۱۷	قرۃ	قرات	قرأت (۷۳)	اعمش، ابن مسعودؓ، ابودرداء، ابوہریرہ، عوف عقیلی، ابوجعفر۔	اتف: ۳۵۳، بحر: ۲۰۲/۷، ۲۰۳، جامع: ۱۰۳/۱۴، ع: ۲۳۰/۸، ع: ۱۷۴/۲، معف: ۳۳۲/۳، کشاف: ۲۴۳/۳

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۳۳۔ سورۂ آحزاب

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۶	من انفسهم	+وهواب لهم فعقوة من ذريته	قرأت		
۱۲	ورسوله	+في ولاية علي والائمة من بعده	تفسیر		
۲۵	القتال	+بعلي	قرأت		
۶۹	آمنوا	+لاتؤذوا رسول الله في علي و الائمة من بعده كما آذوا موسىٰ	تفسیر		
۷۱	ورسوله	+في ولاية علي والائمة من بعده	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
		۳۴. سورہ سبا			
۱۴	الجن	الإنس والجن ان الجن الإنس	قرأت (۷۴)	عبداللہ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ۔	اعن:۲۶۲/۲،جامع: ۲۷۹/۱۳،طبر:۵۱/۲۲ کشاف:۲۸۳/۳، غ:۳۸۰/۸،غ:۱۸۶/۲
۱۷	نجازی	یجازی	قرأت (۷۵)	نافع، ابن کثیر، ابوعمرو، عاصم، ابن عامر، شعبہ، ابوجعفر۔	اتف:۳۵۹،اعن: ۲۶۵/۲،بحر:۲۷۱/۷، تب:۳۵۱/۸،یسر:۱۸۱، طبر:۵۷/۲۲،جامع: ۲۸۸/۱۳،تجل:۲۹۴،حجر: ۵۸۷،سبعہ:۵۲۹،غیث: ۳۲۷،کشاف:۲۸۵/۳، کشف:۵۸۵/۳، کشف:۲۰۶/۲،غ: ۳۸۳/۸،معف: ۳۵۹/۲،نشر:۳۵۰/۲
		۳۶. سورہ یٰس			
۱۲	نکتب	ستکتب	قرأت		
۳۰	یاحسرة علی العباد	یاحسرة العباد	قرأت		
۳۶	ومما لایعلمون	ومما لایأکلون	قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۳۶۔ سورہ یٰس

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۳۸	لمستقر لها	لامستقرلها	قرأت (۷۶)	عبداللہ ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، عکرمہ، عطاء ابن رباح، امام زین العابدینؑ، امام باقرؑ، امام صادقؑ، ابن ابی عبدہ۔	بحر: ۳۳۶/۷، جامع: ۲۸/۱۵، کشاف: ۳۲۲/۳، مجمع: ۴۲۳/۸، ع: ۲۱۲/۲
۴۵	ما خلفكم	+من ولاية الطواغيت	تفسیر		
۴۸	الوعد	+يامحمد	تفسیر/ قرأت (۷۷)	ابن ابی لیلیٰ، علی ابن ابی طالبؑ۔	بحر: ۳۳۱/۷، جامع: ۳۱/۱۵، کشاف: ۳۲۶/۳ مجمع: ۴۲۸/۸، ع: ۲۱۳/۲
۵۲	يا ويلنا	ياويلنا	قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۳۷۔ سورۂ صافات

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۲	عجبت	عجبت	قرأت (۷۸)	حمزه، کسائی، خلف، ابوعبید، علی ابن ابی طالبؑ، ابن مسعودؓ، شعبه، اعمش، ابن سعدان، ابن مقسم، ابن عباسؓ، نخعی، ابن وثاب، طلحه، شقیق۔	اتف: ۳۶۸، اعن: ۲/ ۷۱۳، بحر: ۷/ ۳۵۴، تب: ۸/ ۴۴۴، یسر: ۱۸۶ جامع: ۶۹/۱۵، تجل: ۳۰۱، تجز: ۲۰۶، سبعه: ۵۴۷، کشاف: ۳/ ۳۳۷، کشف: ۲/ ۲۲۳، مج: ۸/ ۴۳۹، معف: ۲/ ۳۸۳، فخر: ۲۶/ ۱۳۶ نشر: ۲/ ۳۵۶
۷۵	نادانا نوح	نادینا نوحاً	قرأت		
۱۰۳	اسلما	سلما	قرأت (۷۹)	حسن، مطوعی، ابن مسعودؓ، علی، ابن عباسؓ، مجاہد، ضحاک، امام صادقؑ، اعمش، ثوری۔	اتف: ۳۷۰، اعن: ۲/ ۷۶۳، بحر: ۷/ ۳۷۰، جامع: ۱۵/ ۱۰۳، کشاف: ۳/ ۳۴۸، مج: ۸/ ۳۵۱، مع: ۲/ ۲۲۲، معف: ۲/ ۳۹۰

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۳۷۔ سورہ صافات

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۳۰	اِل یاسین	آل یاسین	قرأت (۸۰)	نافع،ابن عامر،یعقوب، رویس،اعرج،شیبہ، زید ابن علی،عبداللہ۔	اتف:۳۷۰،عن:۲/۷۹۶،۷۶۷،امع:۳/۱۱۱،بحر:۷/۳۷۳،تب:۸/۴۷۹،یسر:۱۸۷،طبر:۲۳/۹۱،جامع:۱۵/۱۱۸،تجل:۳۰۳،حجر:۶۱۰،سبعہ:۵۴۹،غیث:۳۳۵،کشف:۲/۲۲۷،۲۲۸،رخ:۸/۳۵۶،معنی:۲/۳۹۲،فخر:۲۶/۱۶۲،نشر:۲/۳۶۰
۱۴۷	اَوْ یزیدون	و یزیدون	قرأت (۸۱)	امام جعفر صادق علیہ السلام۔	بحر:۷/۳۷۶،جامع:۱۵/۱۳۲،کشاف:۳/۳۵۴،رخ:۸/۳۵۷،خ:۲/۲۲۶

۳۸۔ سورہ ص

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۳۹	عطاؤنا	+فامسک اَو اَعط فامسک اَو اَعطه	قرأت (۸۲)	ابن مسعودؓ۔	کشاف:۳/۳۷۶
۶۷	عظیم	+فی صدور الذین اُوتوا العلم	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۳۹۔ سورۂ زمر

۲۹	سلما لرجل	سالماً لو ليه	قرأت (۸۳)	ابن کثیر، ابوعمرو، عاصم، ابن محیصن، یزیدی، حسن، ابن عباسؓ، مجاہد، حجدری، ابوعبید، ابن مسعودؓ، عکرمہ، قتادہ، زہری، اَبان، یعقوب۔	اتف: ۳۷۵، امن: ۸۱۷/۲، بحر: ۴۲۳/۷، تب: ۲۳/۹، یسر: ۱۸۹، جامع: ۲۵۳/۱۵، جمل: ۳۰۹، حجۃ: ۶۲۱، سبعہ: ۵۶۲، غیث: ۳۳۹، کشاف: ۳۹۷/۳، کشف: ۲۳۸/۲، مج: ۴۹۶/۸، معف: ۳۱۹/۲، فخر: ۲۷۷/۲۶، نشر: ۳۶۲/۲
۵۳	يغفر	+لكم	قرأت (۸۴)	شہر ابن حوشب، اَسماءؓ، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا، عبداللہ ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ۔	امن: ۸۲۳/۲، کشاف: ۴۰۳/۳، زبر: ۱۱/۲۳، کشاف: ۴۰۳/۳، معف: ۳۲۱/۲، فخر: ۵/۲۷

۴۰۔ سورۂ مؤمن = غافر

۱۲	وحده	+واهل الولاية	تفسیر		

۴۱۔ سورۂ فصلت

۴	اكثرهم	+عن ولاية علي	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۴۱۔ سورہ فصلت

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲۶	كفروا	+بتركهم ولاية على ابن ابى طالب	تفسير		
۳۳	إلى الله	+وهو حبى	تفسير/ قرأت		

۴۲۔ سورہ شوریٰ

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۵	لمن في الأرض	+من المؤمنين	قرأت/ تفسير		
۸	والظالمون	+لآل محمد حقهم	تفسير		
۱۳	ما تدعوهم إليه	+من تولية على ابن ابى طالب يا محمد من ولاية على	تفسير تفسير		
۲۲	ترى الظالمين	+لآل محمد حقهم	تفسير		
۴۴	ترى الظالمين	+لآل محمد حقهم	تفسير		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۴۲۔ سورۂ شوریٰ

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۴۵	ینظرون	+الیٰ علی بطرف خفی	تفسیر		

۴۳۔ سورۂ زخرف

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۳۸	إذا جآء نا	جآء ونا	تفسیر/ قرأت		
		+یقول احدهما لصاحبه حین یراه			
۳۹	إذ ظلمتم	+آل محمد حقهم	تفسیر		
۴۱	منتقمون	+بعلی ابن ابی طالب	تفسیر		
		بعلی	تفسیر		
۵۷	یصدون	یضجون	قرأت/ تفسیر		
۵۸	خصمون	+ان علی الأ عبد	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۴۳. سورهٔ زخرف

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۶۰	منکم	+من بنی هاشم	تفسیر		
۷۱	وفیها	ومنها	قرأت		
۷۷	یامالک	یا مال	قرأت (۸۵)	عبدالله، علی، ابن وثاب، أعمش، ابودرداء۔	اعن:۳/۱۰۲، امع: ۲/۱۳۲، مج:۸/۲۸، جامع:۱۶/۱۱۹، ۱۱۷، کشاف:۳/۳۹۶، مج:۹/۵۶، مع:۳/۲۵۷، فخر:۲۷/۲۲۷

۴۴. سورهٔ دخان

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲۵	وعیون	ونعیم	قرأت		
۴۹	العزیز الکریم	الضعیف اللئیم	تفسیر/ قرأت		

۴۵. سورهٔ جاثیه

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲۹	کتابنا	کتابنا	قرأت		
۲۹	ینطق	ینطق	قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۴۶۔ سورۂ احقاف

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۴	اثارة	وثره	قرأت (۸۶)	علیؑ، ابن عباسؓ، زیدؓ ابن علیؑ، عکرمہ، قتادہ، حسن، سلمی، اعمش، عمرو ابن میمون، ابو رجاء۔	امع: ۱۳۵/۲، بحر: ۵۵/۸، طبر: ۳/۲۶، جامع: ۱۸۲/۱۶، کشاف: ۵۱۵/۳، رح: ۸۲/۹، ع: ۲۶۴/۲، فخر: ۳/۲۸
	یوحی الیّ	+فی علی	تفسیر		
۱۵	احساناً	حسناً	قرأت (۸۷)	نافع، ابو عمرو، ابن کثیر، ابن عامر، ابوجعفر، یعقوب۔	اتف: ۳۹۱، امن: ۱۵۰/۳، امع: ۱۳۶/۲، بحر: ۶۰/۸، تب: ۲۷۱/۹، یسر: ۱۹۹، طبر: ۱۱/۲۶، جامع: ۱۹۲/۱۶، تجل: ۳۲۶، حجز: ۶۶۳، سبعہ: ۵۹۶، غیث: ۳۵۱، کشاف: ۵۲۰/۳، کشف: ۲۷۱/۲، رح: ۸۳/۹، معف: ۵۲/۳، فخر: ۱۳/۲۸، نشر: ۳۷۳/۲

۴۷۔ سورۂ محمد(صلی اللہ علیہ و آلہ وسلمؐ)

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲	علیٰ محمد	+فی علی	تفسیر		
۹	ما انزل الله	+فی علی	تفسیر/ نزول		
		فی حق علی	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
		۴۷۔ سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلمؐ)			
۱۵	مثل	اَمثال	قرأت (۸۸)	علی ابن ابی طالبؑ، ابن عباسؓ۔	کشاف: ۵۳۳/۳، مج: ۹۹/۹، مح: ۲۷۰/۳ معف: ۶۰/۳
۱۶	قلوبهم	+ و سمعهم و ابصارهم	تفسیر/ قرأت		
۲۲	تولیتم	+وتسلطتم وملکتم	تفسیر		
۲۴	القرآن	+فقبضوا اما علیهم من الحق	تفسیر		
۲۶	نزل	انزل الله فی علی	نزول		
۳۱	لنبلونکم	لیبلونکم	قرأت (۸۹)	عاصم، شعبہ، امام محمد باقر علیہ السلام۔	اتف: ۳۹۳، مج: ۸۵/۸، تب: ۳۰۳/۹، یسر: ۲۰۱، طبر: ۳۹/۲۶، جامع: ۱۶/ ۲۵۳/، مجل: ۳۲۹، تجر: ۶۷۰، سبعہ: ۶۰۱، غیث: ۳۵۵، کشاف: ۵۳۸/۳، کشف: ۲/ ۲۷۸، مج: ۱۰۶/۹، نشر: ۳۷۵/۲

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ

۴۹۔ سورۂ حجرات

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۴	----	+بنو تمیم	تفسیر		
۴	اکثرھم	+بنوتمیم			
۶	فتبینوا	فتثبتوا	قرأت (۹۰)	حمزہ، کسائی، خلف، عبداللہ ابن مسعودؓ۔	اتف:۳۹۷، اعن: ۲۰۳/۳، بحر:۱۰۹/۸، تب:۳۴۲/۹، یسر:۹۷، طبر:۷۸/۲۶، جامع: ۳۱۲/۱۶، غیث:۳۵۶، کشاف:۵۶۰/۳، کشف:۳۹۳/۲، رح: ۱۳۱/۹، معتف:۷۱/۳، نشر:۲۵۱/۲

۵۰۔ سورۂ ق

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۱۹	الموت بالحق	الحق بالموت	قرأت (۹۱)	ابوبکر صدیقؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ، سعید ابن جبیر، شعبہ، طلحہ	اعن:۲۱۷/۳، طبر: ۱۰۰/۲۶، جامع:۱۲/۱۷، کشاف:۷/۴، رح: ۱۳۳/۹، رح:۲۸۳/۲، معتف:۷۸/۳
۲۴	القیا	+یامحمد یا علی	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۵۱۔ سورۂ ذاریات

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۵	لصادق	+فی علی	تفسیر		

۵۲۔ سورۂ طور

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۴۷	ظلموا	+آل محمد حقهم	تفسیر		

۵۳۔ سورۂ نَجم

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۸	دنا فتدلیٰ	دنا فتدنا	قرأت		
۹	قوسین	+فی القرب	تفسیر/ قرأت		
۵۸	کاشفة	+والذین کفروا سیّئاتهم الغاشیة	تفسیر/ قرأت		

۵۵۔ سورۂ رحمٰن

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۸	المیزان	+ واقیموا اللسان	قرأت		
۳۹	عن ذنبه	+منکم	قرأت		

۵۵۔ سورۂ رحمٰن

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۴۳	التی یکذب	+التی کنتما بھا تکذبان فاصلیا فیھا لا تموتان ولاتحیان تصلیانھا اصلیاھا	قرأت (۹۲)	ابوعبداللہ۔	کشاف:۴/۴۸،معف: ۳/۱۱۷،ع:۹/۲۰۳
۷۶	رفرف	رفارف	قرأت (۹۳)	ابن محیصن ،عاصم جحدری،عثمان ابن عفانؓ،نصر ابن عاصم، مالک ابن دینار، زہیر عرقی ،ابن مصرف ،ابن مقسم ،شبل ،ابوحیوۃ، زعفرانی ،حسن ،نصر ابن علی ،ابوجلد،ابوضعفہ۔	اتف:۴۰۷،بحر:۱۹۹/۸، طبر:۹۵/۲۷،جامع: ۱۷/۱۹۱،کشاف:۴/۵۰، ع:۹/۲۰۹،ع:۴/۳۰۵ معف:۳/۱۲۰
۷۶	عبقری	عباقری	قرأت (۹۴)	ابن محیصن ،عاصم جحدری،عثمان ابن عفانؓ،نصر ابن عاصم، مالک ابن دینار، زہیر عرقی ،ابن مقسم ،نصر ابن علی ،ابوجلد،ابوطعمہ۔	اتف:۴۰۷،اعن: ۳/۳۱۶،۳۱۷،بحر: ۱۹۹/۸،طبر:۹۵/۲۷، کشاف:۴/۵۰،ع:۹/ ۲۰۹،ع:۴/۳۰۵،معف: ۳/۱۲۰،فخر:۹/۱۳۷

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۵۶۔ سورهٔ واقعه

۲۹	طلحٍ	طلعٍ	قرأت (۹۵)	علی، امام صادق، عبداللہ۔	بحر: ۲۰۶/۸، تب: ۲۹۳/۹، جامع: ۲۰۸/۱۷، کشاف: ۵۳/۴
۸۲	رزقکم	شکرکم	قرأت (۹۶)	علی، ابن عباسؓ۔	اعن: ۳۴۲/۳، بحر: ۲۱۵/۸، جامع: ۲۲۸/۱۷، ع: ۲۴۴/۹، ع: ۳۱۰/۴
۸۹	فَرَوْحٌ	فَرُوْحٌ	قرأت (۹۷)	ابوعمرو، ابن عباسؓ، رویس، روح، حسن، بصری، عائشہ، قتادہ، نوح قاری، ضحاک، اشہب، شعیب ابن حجاب، سلیمان تیمی، ربیع ابن خثیم، محمد ابن علی، ابوعمران جونی، کبی، فیاض، عبید، عبدالوارث، یعقوب ابن صبان، زید، نصر ابن عاصم، جحدری، شعیب ابن حارث، ابن مہران۔	اتف: ۴۰۹، اعن: ۳۳۵/۳، امع: ۱۳۷/۲، بحر: ۳۱۵/۸، تب: ۵۰۹/۹، طبر: ۱۴۱/۲۷، جامع: ۲۳۲/۱۷، مج: ۲۲۷/۹، ع: ۳۱۰/۴، معت: ۱۳۱/۳، فخر: ۲۰۱/۲۹، نشر: ۳۸۳/۲

۵۷۔ سورهٔ حدید

۲۲	فی الأرض	+ولا فی السمآء	تفسیرا قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ

۵۹۔ سورۂ حشر

۷	واتقوا الله	+فی ظلم آل محمد	تفسیر		

۶۱۔ سورۂ صف

۹	رسوله	عبده	قرأت (۹۸)		کشاف:۹۹/۴

۶۲۔ سورۂ جمعه

۹	فاسعوا	فامضوا	قرأت (۹۹)	عمر ابن خطابؓ، ابن مسعودؓ، ابن شہاب، ابن عباسؓ، علی، اُبی ابن کعب، ابن عمرؓ، ابن زبیر، ابوعالیہ، سلمی، مسروق، طاؤس، طلحہ، سالم ابن عبداللہ۔	بحر:۲۶۸/۸، تب:۸/۱۰، طبر:۶۶،۶۵/۲۸، جامع:۱۰۲/۱۸، کشاف:۱۰۵/۴، ع:۳۲۲/۴، معف:۱۵۶/۳
۱۰	من فضل الله	فضل الله	قرأت		
۱۱	انفضوا	انصرفوا	قرأت		
۱۱	التجارة	للذين اتقوا	قرأت (۱۰۰)	ابورجاء عطاردی۔	جامع:۱۲۰/۱۸

۶۳۔ سورۂ منافقین

۱	المنافقون	+لولاية وصيک	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۶۳۔ سورۂ منافقین

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱	المنافقین	+لولایة علی	تفسیر		
۲	فصدوا	+عن ولایة علی	تفسیر		
۳	کفروا	+بولایة وصیک	تفسیر		
۶	استغفرت لهم	سبعین مرّة	تفسیر/ قرأت		

۶۴۔ سورۂ تغابن

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۴	من اَزواجکم	اَزواجکم	قرأت		

۶۵۔ سورۂ طلاق

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱	لِعِدَّتِهِنَّ	فی عِدَّتِهِنَّ	قرأت (۱۰۱)	عثمانؓ، ابن عباسؓ، اُبی، جابرؓ ابن عبداللہ، مجاہد، امام زین العابدینؑ، امام جعفر صادقؑ۔	کشاف: ۱۱۸/۴، ع: ۳۰۲/۱۰، ع: ۳۲۳/۲

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ

٦٦۔ سورۂ تَحْریم

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۳	عرّف	عرف	قرأت (۱۰۲)	کسائی، ابوعمرو، طلحہ، سلمی، حسن، قتادہ، ہارون، علی، کلبی، اعمش، ابوبکر ابن عیاش۔	اتف: ۳۱۹، امن: ۳/۳۶۲، بحر: ۸/۲۹۰، تب: ۱۰/۴۳، یسر: ۳۱۲، طبر: ۲۸/۱۰۳، جامع: ۱۸/۱۸۷، جلل: ۳۳۸، حجۃ: ۷۱۳، سبع: ۶۴۰، غیث: ۳۷۰، کشف: ۲/۳۲۵، رح: ۱۰/۳۱۲، معف: ۳/۱۲۶، نشر: ۲/۳۸۸
۴	تتوبا الی اللہ	+بما همتما	تفسیر		
۴	صغت	زاغت	قرأت (۱۰۳)	ابن مسعودؓ۔	بحر: ۸/۲۹۰
۴	تظاهرا	تظاهروا	قرأت/ تفسیر		
۴	المؤمنین	+علیا	تفسیر		
۹	والمنافقین	بالمنافقین	قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۶۶۔ سورۂ تحریم

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۲	فنفخنا	+فی جیبها من روحنا	قرأت/ تفسیر		

۶۷۔ سورۂ مُلک

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲۸	اهلکنی الله	اَهلککم الله جمیعاً و رحمنا فمن یجزکم	قرأت/ تفسیر		
		اَهلککم و من معکم و نجانی و من معی	قرأت/ تفسیر		

۶۸۔ سورۂ قلم

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲	المفتون	تفتنون	قرأت		

۷۰۔ سورۂ معارج

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲	للکافرین	+بولایة علی	تفسیر		

۷۱۔ سورۂ نوح

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲۸	ولوالدی	+آدم و حواء	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۷۲۔ سورۂ جن

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۷	لنفتنهم	لایفتنهم	تفسیر/ قرأت		
۱۸	فلا تدعوا	+ الیٰ غیرهم	تفسیر		
۲۳	ورسالاته	+ فی علی	تفسیر		
۲۳	ورسوله	+فی ولایة علی	تفسیر		

۷۳۔ سورۂ مزمل

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۰	یقولون	+فیک	تفسیر		
۱۱	و ذرنی	+یا محمد	تفسیر		
۱۱	والمکذبین	+وصیتک	تفسیر		

۷۴۔ سورۂ مدثر

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۶	تستکثر	تستکثره	قرأت		

۷۵۔ سورۂ قیامت

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۵	إمامه	+بکیده	تفسیر/ قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ

۷۶۔ سورۂ انسان/ دھر

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۲۲	جزآء	+ما صنعتم	تفسیر		
۲۳	القرآن	+بولایۃ علی	تفسیر		

۷۷۔ سورۂ مرسلات

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۳۳	جمالۃ	حمالۃ	قرأت		

۷۸۔ سورۂ نبأ

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۳۵	کِذّابا	کذابا	قرأت (۱۰۴)	کسائی، علی ابن ابی طالبؑ۔	اتف: ۴۳۱، اعن: ۶۰۹/۲، بح: ۳۱۵/۸، تب: ۴۳۶/۱۰، یسر: ۳۱۹، طبر: ۱۴، ۱۱/۳۰، جامع: ۱۸۳/۱۹، مجمل: ۳۶۱، حجر: ۷۴۳۶، مبسوط: ۲۶۹، غیث: ۳۸۰، مج: ۳۲۵/۱۰، معت: ۲۲۹/۳، فخر: ۳۱/۳۱، نشر: ۳۹۷/۲
۴۰	ترابا	ترابیا	تاویل		

۸۰۔ سورۂ عبس

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۶	تَصدی	تُصدی	قرأت (۱۰۵)	ابوجعفر، امام محمد باقر علیہ السلام۔	بح: ۴۲۷/۸، کشف: ۲۱۸/۴، مج: ۴۳۶/۱۰، ع: ۳۵۲/۳، فخر: ۵۶/۳۱

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۸۰۔ سورۂ عبس

۱۰	تلهی	تُلهی	قرأت (۱۰۶)	امام محمد باقر علیہ السلام۔	بحر:۳۲۸/۸، مج:۳۳۶/۱۰، مج:۳۵۲/۲، فخر:۵۷/۳۱

۸۱۔ سورۂ تکویر

۸	الموءودة	المودة	قرأت (۱۰۷)	امام محمد باقر علیہ السلام، ابو عبداللہ، ابن عباسؓ۔	مج:۳۲۲/۱۰
۲۴	بضنین	بظنین	قرأت (۱۰۸)	ابن کثیر، ابوعمرو، کسائی، رویس، ابن محیصن، یزیدی، ابن عباسؓ، ابن زبیر، عائشہؓ، ابن مسعودؓ، زید ابن ثابتؓ، عروہ، ابن عمر، عمر ابن عبدالعزیز، ابن جبیر، ہشام ابن جندب، مجاہد، ابن مہران، روح۔	اتف:۴۳۳، اعن:۶۴۰/۳، امع:۱۵۲/۲، بحر:۳۳۵/۸، تب:۲۸۳/۱۰، یسر:۳۲۰، طبر:۵۲/۳۰، جامع:۲۲۲/۱۹، تجل:۳۶۴، حجۃ:۷۵۲، سبعہ:۶۷۳، غیث:۳۸۱، کشاف:۲۲۳/۴، کشف:۳۶۴/۲، مج:۴۳۵/۱۰، معش:۵۳۰/۲، معف:۲۲۲/۳، فخر:۷۴/۳۱، نشر:۳۹۸/۲، ۳۹۹

۸۲۔ سورۂ انفطار

۱۹	یومئذ	+والیوم کلّه	قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۸۵۔ سورۂ بروج					
۴	قتل	+بما قتل	قرأت/ تفسیر		
۸	أن یؤمنوا	+انهم آمنوا الاّ أن آمنوا	قرأت		
۸۶۔ سورۂ طارق					
۱۲	الصدع	=[زیر دیکر]	قرأت		
۸۷۔ سورۂ أعلیٰ					
۳	قدّر	قدر (تشدید کے بغیر)	قرأت (۱۰۹)	کسائی، علی ابن ابی طالب، سلمی	اتف: ۴۳۷، بحر: ۴۵۸/۸، تب: ۳۲۸/۱۰، یسر: ۲۲۱، جامع: ۱۵/۲۰، مجمل: ۳۶۸، حجۃ: ۷۵۸، سبعہ: ۶۸۰، غیث: ۳۸۲، کشاف: ۲۴۳/۴، کشف: ۳۷۰/۲، مع: ۴۷۳/۱۰، معف: ۴۵۶/۳، فخر: ۱۳۹/۳۱، نشر: ۳۹۹/۲
۸۸۔ سورۂ غاشیه					
۱۶	مبثوثة	+متکئین علیها ناعمین	تفسیر/ قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ

۸۸۔ سورۂ غاشیہ

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۱۷	خُلِقَتْ	خَلَقْتُ (سب سے پہلے حرف پر زبر اور تے پر پیش ہے)	قرأت (۱۱۰)	علی ابن ابی طالبؑ، ابو حیوۃ، ابن ابی عبلہ، محمد ابن سمیفع، ابوعالیہ۔	بحر: ۴۶۴/۸، جامع: ۳۶/۳۰، حج: ۴۷۷/۱۰، ع: ۳۵۶/۲
۱۸	رُفِعَتْ	رَفَعْتُ	قرأت (۱۱۱)	علی ابن ابی طالبؑ، ابوحیوۃ، ابن ابی عبلہ، محمد ابن سمیفع، ابوعالیہ۔	بحر: ۴۶۴/۸، جامع: ۳۶/۳۰، حج: ۴۷۷/۱۰، ع: ۳۵۶/۲
۱۹	نُصِبَتْ	نَصَبْتُ	قرأت (۱۱۲)	علی ابن ابی طالبؑ، ابن ابی عبلہ، محمد ابن سمیفع، ابوعالیہ۔	بحر: ۴۶۴/۸، جامع: ۳۶/۳۰، حج: ۴۷۷/۱۰، ع: ۳۵۶/۲
۲۰	سُطِحَتْ	سَطَحْتُ	قرأت (۱۱۳)	علی ابن ابی طالبؑ، ابو حیوۃ، ابن ابی عبلہ، محمد ابن سمیفع، ابوعالیہ۔	بحر: ۴۶۴/۸، جامع: ۳۶/۳۰، حج: ۴۷۷/۱۰، ع: ۳۵۶/۲

۸۹۔ سورۂ فَجر

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۱	والفجر	الفجر	قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
		۸۹ ۔ سورۂ فَجر			
۲۶	لا یُوْثِقُ	لا یُوَثَقُ (زبر کے ساتھ)	قرأت (۱۱۴)	کسائی، ابوعمرو، حسن، یعقوب، ابن سیرین، ابوحیوۃ، ابن ابی اسحاق، قاضی سوار، ابن ابی عبلہ، ابوبحریہ، سلام، سہل ابن خارجہ، ابوعبید، ابوحاتم، ابوقلابہ۔	اتف: ۴۳۹، اعن: ۳/۷۰۰، امع: ۲/۱۵۴، بحر: ۸/۴۷۲، تب: ۱۰/۳۳۵، یسر: ۴۴۴، طبر: ۳۰/۱۲۱، جامع: ۳۰/۵۶، تجل: ۱/۴۷۱، تجز: ۳۶۳، سبعہ: ۶۸۵، غیث: ۳۸۳، کشاف: ۴/۲۵۳، کشف: ۲/۳۷۳، مج: ۱۰/۳۸۴، معف: ۳/۲۶۴، فخر: ۳۱/۱۷۵، نشر: ۲/۴۰۰
۲۸	راضية	+بالولاية	تفسیر		
۲۸	مرضية	+بالثواب	تفسیر		
۲۹	عبادی	+یعنی محمد و اهل بيته	تفسیر		
۳۰	جنتی	+غیر مشوبة	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۹۱۔ سورۂ شمس

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱۵	عقباها	عقبٰها	قرأت		

۹۲۔ سورۂ لیل

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۳	و ما خلق	وخلق	قرأت (۱۱۵)	ابن مسعودؓ، ابودرداء، علی ابن ابی طالبؑ، ابن عباسؓ۔	امن: ۱۷۱۷/۳، طبر: ۱۲۹/۳۰، جامع: ۸۱/۲۰، کشاف: ۲۶۰/۴، ۲۶۱، ع: ۵۰۰/۱۰، ع: ۳۶۴/۲، معف: ۲۷۰/۳، فخر: ۱۹۸/۳۱، بحر: ۴۸۳/۸، تب: ۳۶۳/۱۰
		الله خلق	قرأت		
		خالق			
۱۲	علینا	علیا	تفسیر		
۱۳	لنا	له	قرأت/ تفسیر		
۱۳	للآخرة				
		ولعلی الآخرة علیاً الهدی	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ

۹۳۔ سورۂ ضحیٰ

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۳	وَدَّعَکَ	وَدَعَکَ (بغیر تشدید کے)	قرأت (۱۱۶)	عروہ ابن زبیر، ہشام ابن عروہ، ابوحیوۃ، ابو بحریہ، ابن ابی عبلہ، ابن عباسؓ۔	امع: ۱۵۵/۳، بحر: ۴۸۵/۸، تب: ۳۶۷/۱۰، جامع: ۹۳/۲۰، مج: ۵۰۳/۱۰، مع: ۳۶۴/۲، فخر: ۲۰۹/۳۱
۸	فاغنی	+بک	قرأت		
۹	فلا تقهر	فلا تکهر	قرأت (۱۱۷)	ابن مسعودؓ، ابراہیم تیمی، نخعی، شعبی۔	بحر: ۴۸۶/۸، کشاف: ۲۶۵/۴، مج: ۵۰۳/۱۰، معف: ۲۷۴/۳، فخر: ۲۱۹/۳۱

۹۴۔ سورۂ الم نشرح

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقہ	قاری	ماخذ
۴	ذکرک	+بعلی صهرک	تفسیر		
۶	یسراً	یسرین	قرأت		
۷	فرغت	+ من نبوتک من حجک	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۹۴۔ سورۂ الم نشرح

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۷	فانصب	+علیاً للولایة	تاویل		
		علیاً وصیاً			
		علماً للناس	تاویل		
۸	فارغب	+فی ذلک	قرأت/ تفسیر		

۹۵۔ سورۂ تین

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲	سینین	سیناء	قرأت (۱۱۸)	عمر ابن خطابؓ، زیدؒ ابن علی، عبداللہ ابن مسعودؓ۔	بحر: ۸/۴۹۰، جامع: ۲۰/۱۱۳
۷	فما یکذبک	فمن یکذبک	قرأت		

۹۷۔ سورۂ قدر

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۳	شهر	+لیس فیها لیلة القدر	تفسیر		
		یملکها بنو امیة لیس فیها لیلة القدر	تفسیر		
۴	ربهم	+علی اوصیاء محمد	تفسیر		
		علی محمد وآل محمد	تفسیر		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۹۷۔ سورۂ قدر

۴	من کل امر	بکل امر	قرأت		

۹۹۔ سورۂ زلزله

۷	فمن	من	قرأت		
۷	خیراً	خیراً خیراً (حرف خ پر پیش ہے)	قرأت		

۱۰۰۔ سورۂ عادیات

۵	فوَسَطْنَ	فوَسَّطْنَ (تشدید کے ساتھ)	قرأت (۱۱۹)	ابوحیوۃ، ابن ابی عبلہ، علیؑ، زیدؒ ابن علیؑ، قتادہ، ابن ابی لیلیٰ، ابن مسعودؓ، ابورجاء۔	بحر:۵۰۴/۸، جامع: ۱۶۰/۳۰، کشاف: ۲۷۸/۴، رح:۵۲۸/۱۰، ع:۳۷۰/۲، معف: ۲۸۵/۳، فخر:۶۶/۳۲

۱۰۲۔ سورۂ تکاثر

۶	لترون	لتُرون	قرأت (۱۲۰)	ابن عامر، کسائی، علیؑ ابن ابی طالبؑ، مجاہد، اشہب، ابن ابی عبلہ، سلمی۔	اتف:۴۴۳، اعن: ۷۹۴/۲، امع:۱۵۸/۲، بحر:۵۰۸/۸، تب: ۳۰۴/۱۰، یسر:۲۲۵، طبر:۱۸۱/۳۰، جامع: ۱۷۳/۳۰، مجل:۳۷۵، مجز:۷۷۱، سبعہ:۶۹۵

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۱۰۳۔ سورۂ عصر

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱	والعصر	+ونوائب الدهر	قرأت (۱۲۱)	علیؑ۔	جامع:۱۸۰/۳۰
۲	لفی خسر	+ و انه فيه الیٰ آخر الدهر	قرأت (۱۲۲)	علیؑ۔	طبر:۱۷۸/۳۰،جامع: ۱۸۰/۳۰
۳	الصالحات	+واستمروا بالتقویٰ و ائتمروا	قرأت/ تفسیر		

۱۰۵۔ سورۂ فیل

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲	الم یجعل	الی جعلت	قرأت		

۱۰۸۔ سورۂ کوثر

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱	اعطیناک	+یا محمد	تفسیر		
۳	شانئک	+عمرو ابن العاص	تفسیر		

۱۰۹۔ سورۂ کافرون

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱	قل یا ایّها الکافرون	قل للذین کفروا	قرأت		

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ

۱۰۹۔ سورۂ جحد = کافرون

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۲	تعبدون	+اَعبد اللہ و لا اُشرک به شیئاً			
۶	ولی دین	+دینی الإسلام (تین مرتبہ)	دُعا		

۱۱۱۔ سورۂ تبت = مسد

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۱	وتب	وقد تب	قرأت (۱۲۳)	ابن مسعودؓ، اُبی، اَعمش۔	طبر:۳۰/۲۱۷، جامع: ۲۰/۲۳۲، ۲۳۶، کشاف:۴/۲۹۶، معجم:۳/۲۹۸

۱۱۳۔ سورۂ اخلاص

آیت	قرآنی عبارت	روایت	طریقه	قاری	ماخذ
۴	اَحد	+کذلک اللہ ربنا	دُعا		
		کذلک اللہ ربی	دُعا		
		کذلک اللہ ربی	دُعا		

مذکورہ قرأتوں کی مجموعی تعداد ایک سو تئیس (۱۲۳) ہے کہ اُن میں شیعہ اور سُنی دونوں مآخذ سے اہلبیت علیہم السلام اور دیگر اَفراد کے طریق قرأت کے مختلف پہلوؤں کو تحریر کر دیا گیا ہے جبکہ ان کی وجوہات، علتوں اور اُستاد کو میں نے اپنی

کتاب ''الصراط الوضی'' میں بیان کر دیا ہے کہ جسے اہلبیت علیہم السلام کی قرائات کی بابت تصنیف کیا ہے، لہٰذا تفصیل کے خواہشمند قارئین مذکورہ تصنیف کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

واقعی یہ بڑی عجیب بات ہے کہ دعویدارن تحریف آحادروایات کی بھی ظاہری عبارتوں کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں جبکہ ان میں تفسیر، تاویل، شان نزول، قرأت اور لفظی نہیں بلکہ صرف معنوی تغیر و تبدل جیسی توجیہات موجود ہیں۔ اس پر طرّہ یہ کہ تحریف کے قائل افراد ان آحادروایتوں سے یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اہلبیت علیہم السلام اور تمام مسلمانوں کے گراں ترین (اور انمول) خزانہ میں کمی عمل میں آئی ہے جبکہ ایسے افراد اپنی روزمرّہ زندگی میں تو اپنی جان و مال کے فقدان کے سلسلہ میں وارد ہونے والی آحادروایتوں پر بالکل بھی بھروسہ نہیں کرتے کہ جان و مال انہیں عزیز تر ہے۔ نیز ایسی صورت میں وہ اُس وقت تک کسی روایت پر اپنے اطمینان کا اظہار نہیں کرتے کہ جب تک ہر احتمال دی گئی وجہ کو سمجھنے میں اپنی پوری طاقت صرف نہ کر دیں۔ ان سب سے عجیب تر یہ ہے کہ شیعوں پر یہ تہمت لگائی جاتی ہے کہ وہ تحریف کے قائل ہیں جبکہ مذکورہ آحادروایتیں تو اہلسنت کی کتابوں میں بھی موجود ہیں لیکن وہ لوگ اُس کو پڑھتے ہیں اور نہ ہی اُس پر تکیہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان جیسی کئی روایات اور قرائات کتب اہلسنت اور قرأت کی کتابوں میں بھی پائی جاتی ہیں کہ جب اُن کی تاویل ممکن نہ ہو تو انہیں نظر انداز کر دیا جائے گا اور نتیجتاً یہ لوگ اور وہ لوگ (سب کے سب) غلط فہمی کا شکار مانے جائیں گے، اس لئے کہ آیا اس کے پسِ پردہ اُسلوب اور ہدف سے متعلق بدگمانی کے علاوہ بھی کوئی بات ہو سکتی ہے؟! یہیں سے امام محمد باقر علیہ السلام کے اُس فرمان کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ جس میں آپؑ فرماتے ہیں: ''بے شک قرآن تو صرف ایک ہی ہے جو خدائے واحد کے ہاں سے نازل ہوا تھا، لیکن اس کے متعلق موجود اختلافات راویوں کے پیدا کردہ ہیں''۔ (الکافی۔ جلد۲۔ صفحہ۶۳۰)

دوسرا حصّہ

اَقوال کی روشنی میں

اَحوالِ قرآن کریم

آزاد قرأت

حقیقت پسندی کی نگاہ سے دیکھا جائے تو حضرت عثمانؓ کی جمع آوری کے زمانہ سے پہلے کی قرأت ایک ایسی آزاد قرأت تھی جو کسی قواعد وضوابط کی پابند نہیں تھی اور یہی بات قواعد وضوابط وضع کئے جانے کا سبب بنی، یہاں تک کہ چوتھی صدی ہجری تک یہ ''آزادقرأت'' چلتی رہی اور پھر ابن مجاہد (متوفی۔ ۳۲۴ھ) نے قرأت کو سات طریقوں میں منحصر کردیا کہ جنہیں ''قرامات سبع'' کہا جاتا ہے۔ نیز آزادقرأت سے ہماری مراد وہ قرأت ہے جو بغیر کسی تعلیم وتعلّم کے جاری ہے۔

اس بات کی جانب اشارہ کردینا بھی ازبس ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دورِ رسالت میں لفظ ''قاری'' کا مطلب وہ شخص نہیں ہوتا تھا کہ جو (محض) قرآن کی تلاوت کرتا ہو، بلکہ اُس دور میں قاری اُس شخص کو کہتے تھے جو قرآنی مفاہیم کا پورا علم رکھتا ہو اور از خود تلاوت قرآن کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بھی تعلیم دیتا ہو یا اُنہیں قرآن پڑھاتا ہو تا کہ لوگ اسے حفظ کرلیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے زمانے میں قاری اور حافظ جیسے رائج خطابات اُس دور میں عام نہیں تھے۔ قسطلانی (متوفی۔ ۹۲۳ھ) نے ''شرح بخاری'' میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: ''اس باب میں اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں سے اُن قاریوں کے ذکر کیا گیا ہے جو اُس دَور میں قرآن حفظ کرنے اور لوگوں کو اُسے تعلیم کرنے کی وجہ سے مشہور تھے'' (ارشاد الساری۔ جلد ۷۔ صفحہ ۴۵۶)

چنانچہ دَورِ رسالت میں لفظ قاری کا اطلاق اُس شخص پر ہوتا تھا جو عالمِ دین ہو اور جس نے رسالت اسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا ہو اور چونکہ صحابہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی قربت حاصل تھی لہٰذا عام طور سے اُنہیں نص قرآنی کی احتیاج نہ رہتی تھی کہ اُنہوں نے بہ نفسِ نفیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت کا مشاہدہ کیا تھا اور آپؐ سے براہِ راست اَحادیث سننے کا شرف اُنہیں حاصل تھا۔

امام مسلم نے انس ابن مالک سے روایت نقل کی ہے کہ جس میں وہ کہتے ہیں: ''کچھ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے: ہمارے ہمراہ کچھ ایسے افراد کردیجئے جو ہمیں قرآن وسنت کی تعلیم دیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انصار میں سے ستر (۷۰) مردوں کو اُن کے ساتھ کردیا کہ جنہیں قاریوں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اُن میں ایک میرے ماموں بنام حرام تھے۔ یہ قاری حضرات قرآن پڑھتے تھے اور راتوں کو اُسے سمجھتے اور سیکھتے تھے جبکہ دن میں اپنے ساتھ پانی لاکر مسجد میں رکھتے پھر لکڑیاں جمع کرنے نکل جاتے اور جمع شدہ لکڑیوں کو بیچ کر اہلِ صفہ اور غریب مسکینوں کے لئے کھانا خرید لاتے۔ انہی لوگوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آئے ہوئے وفد کے ساتھ بھیجا

تھا لیکن وہ لوگ اُن قاریوں کے درپے ہوئے اور انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا تو (مرتے وقت) اُنہوں نے کہا تھا: ''اے ہمارے اللہ! ہماری جانب سے ہمارے نبیؐ تک یہ پیغام پہنچا دینا کہ یقیناً ہم تیری مُلاقات کو چلے اس حالت میں کہ ہم تجھ سے راضی ہیں اور تُو ہم سے راضی ہُوا'' کہتے ہیں: ایک سواری حضرت انسؓ کے ماموں حرام کے پاس اُن کے پیچھے سے آئی اور اس کے سوار نے اُنہیں اس طرح سے ایک نیزہ مارا کہ وہ اُن کے جسم میں داخل ہوگیا تو حرام کہنے لگے: ''ربّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا!'' لہٰذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تمہارے بھائیوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور اُن کا کہنا تھا کہ اے ہمارے اللہ! ہمارے نبیؐ تک یہ پیغام پہنچا دینا کہ یقیناً ہم تیری مُلاقات کو چلے اس حالت میں کہ ہم تجھ سے راضی ہیں اور تُو ہم سے راضی ہُوا'' (صحیح مسلم۔ جلد ۶۔ صفحہ ۲۴۵)

قرأت سے ہماری مراد شِفاہی طور پر قرآنی عبارت کو پڑھنا ہے جبکہ دَورِ رسالت میں ایسی قرأت کے آثار مشخص نہیں تھے اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والی متناقض روایات بے شمار ہیں، یہاں تک کہ صحابہ کے درمیان بھی اختلاف پیدا ہوگیا تھا اور بزرگ صحابیوں میں بھی تنازع کھڑا ہوگیا تھا جیسے کہ ایک روایت میں خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ اور اُبی ابن کعبؓ کے درمیان ہوا۔

طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے اپنی اَسناد سے یوں روایت نقل کی ہے: ''ایک شخص نے حضرت عمر ابن خطابؓ کے سامنے ایک مختلف اَنداز سے قرأت کی تو وہ کہنے لگے: بلاشبہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرأت کی تھی تو آنحضرتؐ نے میری کوئی غلطی نہیں نکالی تھی۔ چنانچہ وہ دونوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تصفیہ کے لئے گئے تو آپؓ نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپؐ نے مجھے فلاں فلاں آیتیں نہیں پڑھائی تھیں؟ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں! راوی کہتا ہے: پس حضرت عمرؓ کے سینہ میں کوئی شبہ واقع ہوا کہ جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے چہرے سے بھانپ لیا۔ راوی کہتا ہے: پھر آنحضرتؐ نے اُن کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ''شیطان سے دُور رَہو!'' - یہ جملہ تین مرتبہ دُہرایا - اور اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: اے عمر! جب تک کہ تم رحمت کو عذاب اور عذاب کو رحمت نہ بنادو پورے کا پورا قرآن صحیح ہے!'' (الطبری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۷)

مذکورہ روایت اور اس جیسی دوسری روایات شک کے پہلو کو دُور نہیں کرتیں مگر ضربت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ۔ نیز طبری کی بیان کردہ دوسری بھی ایک روایت ہے جو اس پر مزید روشنی ڈالتی ہے:

زرّ ابن حبیش سے مروی ہے کہ وہ کہتا ہے: ''عبداللہ ابن مسعودؓ کہنے لگے: قرآن کی کسی سورت سے متعلق ہم لوگوں میں بحث چھڑ گئی تو ہم (ابن مسعودؓ اور اُن کے ساتھی) کہنے لگے: اس کی پینتیس (۳۵) یا چھتیس (۳۶) آیتیں ہیں۔

اور پھر ہم لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف چل دیئے تو ہم نے دیکھا کہ حضرت علیؑ اُن سے سرگوشی کر رہے ہیں۔ ہم نے کہا: قرأت سے متعلق ہمارے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں: پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور آپؐ نے فرمایا: ''تم سے پہلے کے لوگ باہمی اختلافات کے سبب ہلاک ہوگئے!''

اس کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے مخفی طور پر کچھ کلام کیا تو حضرت علیؑ ہم سے کہنے لگے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تمہیں یہ حُکم دے رہے ہیں کہ تم لوگ اُسی طرح سے قرأت کرو کہ جیسے تمہیں سکھایا گیا ہے'' (الطبری - جلد ا- صفحہ ۳۶)

آپ علیہ السلام کا یہ کہنا کہ ''تم لوگ اُسی طرح سے قرأت کرو کہ جیسے تمہیں سکھایا گیا ہے'' اس بات کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ اس سلسلہ میں نقل قرآن کا ایک مخصوص طریقہ ہے اور وہ ہے تعلیم۔ درحقیقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپؐ کے اصحاب دوسروں کو قرآنی عبارت کو پڑھنے کی تعلیم دیتے تھے جبکہ اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا طریقہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ تعلیم کے بغیر قرأت کی جائے اور آزاد قرأت سے ہماری یہی مُراد ہے جو کسی تعلیم وتعلّم کی پابندی سے آزاد ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبیؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مخصوص موقعوں پر اس آزاد قرأت کی اجازت بھی دے رکھی تھی کہ جس سے قرآنی عبارت کی سلامتی پر کوئی حرف نہیں آتا کہ بیان کردہ روایات اس بات کی بہترین دلیل ہیں۔

حضرت عثمانؓ کی جمع آوری قرآن کے بعد بھی حالات اس سے کچھ مختلف نہ تھے، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کی جمع آوری سے چوتھی صدی تک کی قرأت کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ قرأت کے سلسلہ میں مذکورہ روایت پر اعتماد کرلینا ایسا ہی ہے جیسے کہ اسناد کے لحاظ سے سلسلہ وار یکے بعد دیگرے طبقہ سے منقولہ روایتوں پر تکیہ کرلینا۔ ان روایتوں میں کچھ مخصوص شرائط کو متعین نہیں کیا گیا، بلکہ صرف یہی کہا گیا ہے کہ مقررہ آیتوں، سورتوں یا پھر بعض صورتوں میں تمام تر قرآن کو اُستاد کے سامنے پڑھا جائے جبکہ کسی مخصوص قرأت کے انتخاب کو قاری کی ذاتی رغبت کے حوالے کردیا گیا ہے۔

مذکورہ بیان پر دلیل کے طور پر ذہبی (متوفی-۷۴۸ھ) کا وہ کلام ہے جو سعید ابن جُبیر کی سوانح حیات میں کہا گیا ہے: ''ابن ہشام امام اور مشعلِ راہ ہیں کہ جنہیں ابوعبداللہ اسدی والبی کے طور پر جانا جاتا ہے کہ یہ اُن لوگوں میں عجمی تھے اور ان کا تعلق کوفہ سے تھا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے: اے کوفہ والو! تم لوگ مجھ سے پوچھتے ہو جبکہ تمہارے درمیان سعید ابن جبیر موجود ہیں؟!''

ربیعہ رائی کا کہنا ہے: ''سعید ابن جُبیر کا شمار جید علماء اور عابدوں میں سے ہوتا ہے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ یہ ماہ شعبان ۹۵ھ میں شہر واسط میں شہید کیے گئے''۔

عمر و ابن میمون ابن مہران اپنے والد سے نقل کرتا ہے: ''سعید ابن جُبیر جب اس دُنیا سے رُخصت ہوئے تو رُوئے زمین پر کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا کہ جو اُن کے علم کا محتاج نہ ہو''۔

اسماعیل ابن عبدالملک کہتا ہے: سعید ابن جُبیر رمضان میں ہمارے امام جماعت کا فریضہ ادا کرتے تھے؛ چنانچہ وہ ایک رات ابن مسعودؓ کے طریقے کے مطابق قرأت کرتے تھے تو ایک رات زیدؓ کی قرأت کے مطابق'' (معرفة القرّاء- جلدا- صفحہ۶۹)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۹۵ ھ کی حدود میں بھی آزاد قرأت رائج تھی۔

قرانات کا تعین

قاریوں کی ایک تعداد قرانات کے تعین اور اُس میں سے منتخب شُدہ کی نشاندہی کے سلسلہ میں کوشاں رہی ہے کہ اُن میں مندرجہ ذیل افراد شامل ہیں:

۱۔احمد ابن جبیر ابن محمد ابن جعفر کوفی انطاکی، ساکن انطاکیہ (متوفی-۲۵۸ھ)۔ دراصل اس کا تعلق خراسان سے تھا۔ اس نے حجاز، عراق، شام اور مصر کی جانب سفر اختیار کئے اور اس کے بعد انطاکیہ میں مقیم ہوگیا تو یہیں سے منسوب ہو گیا۔ یہ بھی قرأت کے سلسلہ کا ایک امام شُمار کیا جاتا ہے۔ (غاية النهاية- جلدا- صفحہ۴۲)

کتاب النشر میں کہا گیا ہے: ''اس (احمد ابن جبیر) نے ہر شہر میں ایک حجت ہے سے متعلق ایک کتاب تألیف کی ہے'' (النشر- جلدا- صفحہ۳۴)

۲۔ اسماعیل ابن اسحٰق مالکی ازدی بغدادی (متوفی-۲۸۲ھ)۔ ذہبی کا کہنا ہے: ''قرانات سے متعلق اس نے ایک کتاب تصنیف کی ہے کہ اُس میں قرأت کے بیس ائمہ کی قرأت کو یکجا کیا ہے'' (النشر- جلدا- صفحہ ۳۴ اور غاية النهاية- جلدا- صفحہ۱۶۲)

۳۔ہارون اخفش (متوفی-۲۹۲ھ)۔ سیوطی (متوفی-۹۱۱ھ) کا کہنا ہے: ''ہارون ابن موسیٰ ابن شریک، قاری اور نحوی، ابو عبداللہ کہ اسے اخفش کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ خاتم الاخفشین تھا۔ اس کا تعلق دمشق سے تھا اور یہ ۲۰۱ ھ میں پیدا ہوا تھا۔ بے شُمار قرانات کو پڑھا اور نادر روایتوں کو بھی۔ قرانات سبع کے استحکام میں اس کا بڑا ہاتھ ہے نیز اسے تفسیر، نحو، معانی، نوادر، شعر و شاعری جیسے علوم کی معرفت حاصل تھی اور اس کی آواز بھی اچھی تھی۔ شامیوں کی قرأت اسی کے ذریعہ مشہور ہوئی کہ اگر یہ اس کی حفاظت نہ کرتا تو متروک ہو چکی ہوتی۔ اس نے عبداللہ ابن ذکوان وغیرہ کے سامنے قرأت کی تھی

اوراس کے سامنے ابوالحسن ابن اُخرم نے قرأت کی تھی۔ یہ ابومسہر غسانی سے حدیث نقل کرتا ہے اوراس سے ابوبکر ابن فطیس ۔فاضل اوراُدیب تھا کہ اس نے قرائات اور عربی کی بابت بہت ساری کتابیں تصنیف کیں۔ یہ ۲۹۱ ھ میں فوت ہوا جبکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا انتقال ۲۹۲ ھ میں ہوا۔ (بغیة الوعاة-طباعت ۱۳۲۶ھ- صفحہ ۴۰)

مذکورہ تینوں شخصیات میں سے کسی کو بھی اُس طرح کا قیادتی مقام حاصل نہ رہا کہ جس طرح سے ابن مجاہد (متوفی-۳۲۴ھ) کو کہ اس نے قرأت کا تعارف قرائات سبع کے نام سے کروایا۔

قرائات سبع اور دورِ ابن مجاهد (متوفی-۳۲۴ھ)

ابن جزری (متوفی-۸۳۳ھ) نے ذکر کیا ہے کہ ابن مجاہد (متوفی-۳۲۴ھ) وہ پہلا شخص ہے کہ جس نے سات قرائات کو سات تک محدود کردیا۔ (غـايـة النهـايـة - جلد ۱- صفحہ ۱۴۲) یہی ابوبکر احمد ابن موسیٰ ابن عباس ابن مجاہد تیمی بغدادی عطشی ہے جو بغداد میں ۲۴۵ ھ میں پیدا ہوا اور ۳۲۴ھ میں فوت ہوا۔ یعنی اس نے اُناسی (۷۹) سال کی عمر پائی۔

یقیناً اس نے بھی اپنے زمانہ کے اہل علم حضرات کی مانند عربی علوم حاصل کیے اور قرآن کو حفظ کیا تھا اور بالآخر قرأت کے سلسلہ میں اپنے دَور کا اُستادالاساتذہ مقرر ہوا۔ اس کی کتاب "السبعة" جو قرائات سے متعلق تھی معرکۃ الآراء تھی اور اس کتاب میں قرأت کی تعداد کو سات میں منحصر کرنے کا عمل انجام دیا گیا۔

ابن ندیم (متوفی-۳۸۰ھ) اس کا تعارف اِن الفاظ میں کرواتا ہے: "ابن مجاہد وہ شخص ہے کہ اس کے دَور میں مدینۃ السلام کی ریاست اسی پر منتہی ہوئی تھی۔ ابوبکر احمد ابن موسیٰ ابن عباس ابن مجاہد، اپنے دَور میں یکتا تھا کہ جس کا ہم پلہ کوئی نہیں تھا۔ قرائات اور علوم قرآن کی معرفت نے اس کے علم وفضل اور دیانت میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، مہذّب، نرم خُو، انتہائی بذلہ سنج، فطین اور سخی تھا۔ ۲۴۵ ھ میں پیدا ہوا اور بروز بدھ کہ جب شعبان میں ایک رات باقی تھی ۳۲۴ھ میں فوت ہوا۔ اپنی وفات کے دوسرے روز سوق العطش میں واقع اپنے ہی مکان کی حدود کی زمین میں دفن کیا گیا۔ اس نے کئی ایک کتابیں لکھیں ہیں: القراء ات الکبیر ، القراء ات الصغیر ، الیاء ات ، الهامات ، قراء ۃ ابی عمرو ، قراء ۃ ابن کثیر ، قراء ۃ عاصم ، قراء ۃ نافع ، قرائة حمزة ، قراء ۃ الکسائی ، قراء ۃ ابن عامر اور قراء ۃ النبی صلی اللہ علیه و آله وسلّم" (الفهرست- صفحہ ۴۹)

خطیب (متوفی-۴۶۳ھ) اس کے تعارف میں کہتا ہے: "اپنے وقت میں قرأت کا ماہر اُستاد تھا اور اپنے تمام ہمعصر افراد پر مقدّم تھا؛ (ساتھ ہی) قابل وثوق اور مورد اطمینان بھی تھا۔ احمد ابن یحیٰ سے مروی ہے کہ اس نے ۲۸۶ ھ

میں یہ کہا تھا کہ فی زمانہ کوئی شخص بھی ابوبکر ابن مجاہد سے زیادہ کتاب خدا کا علم نہیں رکھتا اور اسی نے دو ایسے اُمور کا تذکرہ کیا ہے جو عام طور سے ایک ہی شخص میں یکجا نہیں ہوتے:

پہلی روایت: ابوالفضل زہری سے مروی ہے: ابوالفتح محمد ابن عمر رفا نے ہم سے یوں بیان کیا: میں نے نہروان میں ابوبکر مجبری کو یہ کہتے سُنا: میں نے ابوبکر ابن مجاہد کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو اس نے سورۂ حمد سے آغاز کیا اور خاموش ہوگیا، اس کے بعد پھر پڑھنا شروع کیا اور پھر سے خاموش ہوگیا اور تب جا کر اس نے قرأت کی ابتدا کی تو میں نے عرض کیا: اے شیخ، میں نے آج آپ سے بڑی عجیب حرکت کا مشاہدہ کیا ہے! تو وہ مجھ سے کہنے لگا: کیا تم اس جگہ موجود تھے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! وہ کہنے لگا: تمہیں خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ جب تک میں مٹی میں دفن نہ کر دیا جاؤں میری اس بات کا کسی سے ذکر مت کرنا۔ پھر مجھ سے کہنے لگا: بیٹا! درحقیقت ہوا یوں کہ جب میں نے تکبیرۃ الاحرام اَدا کی تو میں نے دیکھا کہ گویا میں حجابوں میں ہوں کہ میرے اور رب العزت تعالیٰ کے مابین رازداری کی باتیں ہورہی ہیں، اس کے بعد میں نے سورۂ حمد کو پڑھنا شروع کیا تو کتاب خدا میں موجود اُس کی ہر حمد وثناء میری آنکھوں کے سامنے مجسّم بن گئی تو ایسی صورت میں متذبذب ہوگیا کہ اس کی کس حمد وثناء سے ابتدا کروں؟'' (تاریخ بغداد۔ جلد۵۔ صفحہ۱۴۵)

دوسری روایت: محفل طعام میں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد محدث نے ابن غریب مغنّی سے متعلق دریافت کیا کہ جس کی بعینہٖ عبارت یوں ہے: ''میں نے اُس سے کہا: ابن غریب کہاں ہے؟ تو وہ کہنے لگا: کسی رئیس کے ہاں گیا ہے اور وہ ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہوگیا ہے! یہ بات مجھ پر گراں گزری اور اسی موقع پر ابوبکر ابن مجاہد نے میرے سامنے یہ بات منکشف کی: اس مقام پر ابن غریب کی نمائندگی کرنے والا موجود ہے! ہم کچھ دیر باتیں کرتے رہے اور پھر میں نے اس سے کہا: کیا بات ہے کہ ابن غریب کے نمائندہ کا کوئی اَتا پتا نہیں۔ اس پر اس نے میری بات کو نظر اَنداز کر دیا تو میں نے تھوڑی دیر صبر کیا پھر اپنی بات کو دُہرایا اور مُصر ہوا کیونکہ میں درحقیقت ابن غریب کے نمائندہ سے بالکل واقف نہیں تھا تو اس نے ایک نوجوان سے کہا کہ وہ عصا لے آ ؤ تو وہ اُسے لے آیا، چنانچہ ابوبکر نے اُسے ہاتھ میں لیا اور اس کے سہارے جھک کر کھڑا ہوگیا اور اچھی آواز میں گُنگنانے لگا؛ اس نے مجھے چالیس سے بھی زائد آوازوں میں گُنگنا کر دکھایا کہ اس کی آواز انتہائی درجے حسین، پاکیزہ اور مترنّم تھی کہ اس سے میرے بدن میں لرزہ طاری ہوگیا اور مجھے حیران کر دیا تو میں نے اس سے کہا: اے اُستاد، یہ سب آپ نے کب سیکھا اور کس طرح سے سیکھا؟! تو اس نے کہا: اے غَبی شخص، میں نے یہ تعلیم تم جیسے سخت مزاج انسان کے لئے حاصل کی ہے جو کسی دعوت میں محض ایک مغنّی کے لئے حاضر ہوتا ہے۔ بہر حال ہمارا وہ دن بہت اچھا گزرا'' (تاریخ الطبری۔ جلد۵۔ صفحہ۱۴۷)

دراصل پہلی روایت ابن مجاہد کی دیانت پر سے پردہ اُٹھاتی ہے - جیسا کہ ابن ندیم نے اسے دیانت سے موصوف کیا تھا- جبکہ دوسری روایت یہ بیان کررہی ہے کہ ابن مجاہد ایک نرم خواور انتہائی بذلہ سنج انسان تھا جیسا کہ اس کی یہ صفت بھی بیان کی ہے اور یہ صفت ابن شنبوذ (متوفی-۳۲۸ھ) کے مقابلہ میں بیان کی گئی ہے جو ابن ندیم کے کہنے کے مطابق ابن مجاہد سے بیر رکھتا تھا اور اس سے میل جول رکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔یہی عداوت ابن شنبوذ کی ہلاکت کا سبب بنی کہ جس کے خلاف ابن مجاہد نے حاکم وقت سے شکایت کردی تھی تو اسے کئی کوڑے لگائے گئے اور جس طرح کہ اس کی سوانح حیات کے مآخذ میں ملتا ہے اسی فرمانروا کے زندان میں وہ دنیا سے چل بسا۔

ذہبی (متوفی-۷۴۸ھ) ابن مجاہد (متوفی-۳۲۴ھ) کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ ادا کرتا ہے ''یہ سن ۲۴۵ ہجری میں بغداد میں سوق العطش میں پیدا ہوا؛اس نے سعدان ابن نصر،احمد ابن منصور رمادی،محمد ابن عبداللہ مخرمی،ابوبکر صنعانی،عباس دوری اور دیگر کئی افراد سے حدیثیں سنیں''۔

نیز اس نے ابوزعراء ابن عبدوس اور قنبل مکی کے سامنے قرأت کی تھی۔اس نے بہت سارے لوگوں سے قرائات سنی تھیں کہ اُن کا تذکرہ اپنی کتاب کے آغاز ہی میں کردیا ہے؛پڑھانے کا بیڑا اُٹھایا تو تشنگان علم جوق در جوق اس کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرنے لگے؛ایسے لوگ دُنیا بھر سے آتے تھے اور اس طرح اُس کے شہرت کی طوطی بولنے لگی۔

عبدالواحد ابن ابی ہاشم کہتا ہے: ''کسی شخص نے ابن مجاہد سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ اُستاد محترم اپنے لئے کسی ایک طریقہ کا تعین نہیں فرماتے کہ بعد میں آنے والے اسی پر عمل کریں تو اس نے کہا: جس روش پر ہمارے دینی پیشوا چلتے رہے ہیں اس کو اختیار کرنے کی ہمیں اُن سے زیادہ ضرورت ہے؛اُنہیں ہم سے زیادہ اس بات کی احتیاج تھی کہ وہ کسی ایک طریقہ کو منتخب کرتے تاکہ ہمارے بعد کے لوگ اسی کے مطابق قرأت کرتے''۔

فارس ابن احمد کہتا ہے: ''صرف ابن مجاہد نے خصوصی طور پر قنبل سے (قرأت کے) ایسے دس طریقوں کو سیکھا کہ جن کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا''۔

قاری علی ابن عمر کہتا ہے: ''ابن مجاہد کے چوراسی (۸۴) حواشی تھے جو اُن کی جانشینی میں لوگوں پر نگران رہتے تھے''۔

عبدالباقی ابن حسن کہتا ہے: ''ابن مجاہد کے حلقہ میں پندرہ نابینا افراد تھے جو عاصم کی وجہ سے سیکھ رہے تھے''۔

میں کہتا ہوں: ''سب سے آخر میں جس شخص نے ابن مجاہد یا یُمن کندی سے قرائات سبع کو نقل کی ہے اس کی کتاب میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ اس کے نقل کی سند عالی ہے کہ اس نے ابن توبہ سے،اس نے صریفینی سے،اس نے ابوحفص کتانی سے اور اس نے اس (ابن مجاہد یا یُمن کندی) سے نقل کیا ہے''۔

میں نے پوری کتاب عمر ابن منعم طائی کے سامنے پڑھی تھی جبکہ کندی سے اجازہ بھی حاصل کیا تھا۔

اس کا انتقال ماہ شعبان میں سن ۳۲۴ ہجری میں ہوا (معرفة القُرّاء۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۶۹ تا ۲۷۱ کو ملاحظہ کیجئے)

ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) بھی اس سلسلہ میں یوں گویا ہے: ''احمد ابن موسیٰ ابن عباس ابن مجاہد تمیمی، حافظ و اُستاد، ابوبکر ابن مجاہد بغدادی، ماہر فن اور وہ پہلا شخص کہ جس نے سات قرائات کو سات بنایا؛ ۲۴۵ھ میں بغداد میں سوق العطش میں پیدا ہوا؛ عبدالرحمٰن ابن عبدوس کے سامنے بیس مرتبہ ختم القرآن کیا اور قنبل مکی اور عبداللہ کے سامنے بھی قرأت کی تھی۔

جب اس کا طوطی بولنے لگا اور دینداری، حفظ قرآن اور نیکوکاری میں سب پر چھا گیا تو اس کے بعد میں قرأت کے اساتذہ میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا کہ جس کے شاگرد اس سے زیادہ ہوں اور جس طرح جوق در جوق اس کے پاس طلباء آتے تھے اس طرح کسی کے پاس نہیں آئے۔ ابن اخرم حکایت کرتا ہے کہ وہ بغداد پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ ابن مجاہد کے حلقہ میں تقریباً تین سَو صاحبانِ علم تھے۔ قاری علی ابن عمر کہتا ہے کہ ابن مجاہد کے حلقہ میں چوراسی جانشین تھے جو لوگوں پر نگران مقرر تھے؛ اس کا انتقال بروز بدھ وقت ظہر، ۲۰ شعبان ۳۲۴ھ کو ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ'' (غاية النهاية۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۴۲)

ذہبی کی پیش کردہ سوانح حیات ابن مجاہد کی بلند حوصلگی کی عکاسی کرتی ہے، کیونکہ اس نے کہا ہے: ''اس نے ایک بہت بڑی جماعت سے قرأت سُنی ہے'' اور اس کے بعد از خود اُس نے اس علم کو پھیلانے میں پہل کی ''اور اس نے پڑھانے کا بیڑا اُٹھایا'' ان بڑے بڑے عوامل میں کوئی کلام نہیں ہے کہ ان میں سے اہم ترین اُس کی ذاتی کفایت ہے ''اور دُور دُور سے لوگ اس کے پاس آنے لگے اور اس طرح ہر سُو اُس کی طوطی بولنے لگی'' یہ تو ایک طبیعی امر ہے کہ جو شخص اتنے سارے لوگوں سے قرأت سُنے گا وہ دوسروں کو پڑھانے اور قرأت کے انتخاب کے لئے اقدام تو کرے گا ہی۔ اب یہ نہیں پتا کہ قنبل سے ابن مجاہد نے کون سے دس طریقے سیکھے تھے اور اس کے بعد اُس کو ترک کر دیا تھا؟! بالخصوص جبکہ از خود کسی ایک طریقہ کے تعین سے اجتناب کرتا تھا تو پھر اُن دس طریقوں کو اپنی حد تک محدود کیوں رکھا؟ نیز وہ کون سے طریقے تھے؟ نیز یہ بھی ایک طبیعی امر ہے کہ جس شخص کو اس حد تک شہرت حاصل ہو جائے کہ اس کے ۸۴ جانشین ہوں بایں معنیٰ کہ اُسی کے درس کا اعادہ کرواتے تھے لازمی طور پر اس سے حسد کرنے اور عداوت رکھنے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہوگی اور اُس سے عداوت رکھنے والوں کے ساتھ کے معاملات ہی اس کی یکتا شخصیت سے پردہ اُٹھا سکتے ہیں۔

تاریخ نے ابن مجاہد کے دو حریفوں کو محفوظ کیا ہے کہ اُن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ابوالحسن ابن شنبوذ (متوفی۔ ۳۲۸ھ)

۲۔ محمد ابن یعقوب ابن مقسم (متوفی۔ ۳۵۴ھ)

قارئین کی خدمت میں ان دونوں کی زندگی کے کچھ لمحات بھی درج کیے جا رہے ہیں:

ابن شنبوذ (متوفی-۳۲۸ھ)

ابن ندیم (متوفی-۳۸۰ھ) ابن شنبوذ (متوفی-۳۲۸ھ) کی سوانح حیات لکھتے ہوئے کہتا ہے: ''یہ محمد ابن احمد ابن ایوب ابن شنبوذ ہے جو ابوبکر (ابن مجاہد) سے عداوت رکھتا تھا اور اس کے ساتھ میل جول نہیں رکھتا تھا جبکہ یہ دیندار شخص تھا جو ضرر رساں نہیں تھا البتہ کچھ حماقت اس کے شامل حال تھی۔ شیخ ابو محمد یوسف ابن حسن سیرانی اید ہ اللہ نے مجھ سے اپنے والدؒ سے نقل کرتے ہوئے کہا تھا: بے شمار لحن کا حامل مگر کم علم تھا نیز اس نے متعدد قرائات نقل کی ہیں کہ اس سلسلہ میں اس کی کئی تصنیفات ہیں۔ ۳۲۸ھ میں حاکم وقت کے زندان میں اس کا انتقال ہوا جبکہ اس دور کا وزیر ابوعلی ابن مقلہ تھا اور اس نے اُسے کئی کوڑے مارے تھے نیز اُس کے ہاتھ قطع کرنے کا دعویٰ کیا تھا تو اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اور یہ ایک عجیب متفق فیصلہ تھا۔ (الفہرست۔ صفحہ ۴۹)

ذہبی (متوفی-۷۴۸ھ) نے اس کی سوانح حیات بیان کرتے ہوئے جو کچھ کہا وہ یوں ہے: ''ابو الحسن ابن شنبوذ (متوفی-۳۲۸ھ) ہی محمد ابن احمد ابن ایوب ابن صلت ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے: ابن صلت ابن ایوب ابن شنبوذ بغدادی کہ ابن مجاہد کے ساتھ یہ بھی عراق میں قرأت کا اُستاد تھا۔ اس نے مختلف شہروں کے بے شمار علمائے قرأت کے سامنے قرأت کی تھی کہ اُن میں سے ایک قنبل ہے''۔ اور (اس کے بعد) ایک جماعت (کے ناموں) کو شمار کیا ہے۔

اس کے بعد کہتا ہے: ''اِسے ایسے ایسے علمائے کِبار سے ملاقات کا شرف حاصل رہا ہے کہ جس کا موقع ابن مجاہد کو بھی نہیں ملا؛ اس نے مشہور اور شاذ (دونوں) قرأت کے مطابق قرأت کی تھی؛ بے شمار تعداد میں لوگوں نے اس کے سامنے قرأت کی کہ اُن میں احمد ابن نصر شنذائی بھی شامل ہے''۔ اور (پھر) ایک جماعت (کے ناموں) کو شمار کیا ہے۔

اس کے بعد کہتا ہے: ''ابوعمر ودانی اور دیگر علمائے کِبار نے اپنی کتابوں میں اس کی اَسانید پر اعتماد کیا ہے۔ ابوبکر ابن شاذان، عمر ابن شاہین، احمد ابن محمد ابن ابراہیم نیشاپوری، ابوطاہر ابن ابی ہاشم اور ابوشیخ ابن حیان نے اس کے ذریعہ سے روایات نقل کی ہیں''۔

اس کی رائے یہ تھی کہ نماز میں مصحف اُبیؓ اور مصحف ابن مسعودؓ کے مطابق قرأت کرنا جائز ہے نیز اُن احادیث کے مطابق بھی جو صحیح ہیں - جبکہ اس کے جواز کے سلسلہ میں قدیم وجدید علماء کے درمیان کا اختلاف مشہور ہے۔ اور اس کا اقدام بھی کیا۔

بذات خود ایک قابل وثوق، نیکوکار اور دیندار شخص تھا، اس سلسلہ میں اپنی مثال آپ تھا، لیکن ابن مجاہد سے کھنچا کھنچا رہتا تھا اور کہتا تھا: ''اس عطشی شخص نے تو ابھی طلب علم کی راہ میں اپنے قدم بھی نہیں جمائے!'' یعنی یہ ابھی تک بغداد کے علاوہ کہیں نہیں گیا جبکہ ایسا نہیں تھا، کیونکہ اس نے حج کیا تھا اور مکہ میں قنبل کے سامنے قرأت کی تھی۔

حافظ محمد ابن یوسف کہتا ہے: ''ابن شنبوذ کا یہ حال تھا کہ جب اُس کے پاس کوئی قاری آتا تھا تو وہ کہتا تھا: کیا ابن مجاہد سے قرأت سیکھی ہے؟ اگر وہ ہاں میں جواب دیتا تو اُسے نہیں پڑھاتا تھا''۔

قاری ابوبکر جلاء کہتا ہے: ''ابن شنبوذ ایک نیک سیرت انسان تھا''۔

ابوعمر ودانی کہتا ہے: ''میں نے عبدالرحمٰن ابن عبداللہ فرائضی سے سُنا کہ وہ کہہ رہا تھا: اس آیت: ﴿ و ان تغفر لهم فإنك أنت العزيز الحكيم ﴾ اور اگر تو انہیں معاف کر دے تو بے شک تو ہی غالب (اور) بڑی حکمت والا ہے (سورۂ مائدہ- آیت ۱۱۸) کی بناء پر ابن شنبوذ سے توبہ کروائی گئی۔ ہم سے عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے ابوبکر اَبہری کو یہ کہتے سُنا: جس دن ابن شنبوذ سے مناظرہ ہو رہا تھا جملہ فقہاء کے ساتھ میں بھی وہاں پر موجود تھا اور اُن حاضرین میں ابن مجاہد بھی تھا''۔

دانی کہتا ہے: ''اسماعیل ابن عبداللہ اَشعری کے حوالے سے مجھ سے یہ بات نقل کی گئی: ہم سے ابوالقاسم ابن زنجی، اَنباری کاتب، نے یہ بات نقل کی کہ میں علی ابن مقلہ وزیر راضی کی محفل میں حاضر ہوا تو وہاں پر ابن شنبوذ کو بھی لایا گیا تھا۔ اس سے قرأت کے طریقوں کے متعلق بحث ہونے لگی کہ اس کے حوالے سے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ وہ ان حروف کی قرأت کرتا ہے جبکہ یہ طریقے شاذ میں شمار ہوتے تھے تو اس حاضر کیے گئے شخص (ابن شنبوذ) نے اَبوعلی مقلہ کے حضور میں اپنے اُن طریقوں کا تو اعتراف کر لیا کہ جن پر وہ عمل کرتا تھا جبکہ وہاں پر ابوبکر ابن مجاہد، محمد ابن موسیٰ ہاشمی، ابوایوب محمد ابن احمد بھی موجود تھے اور آخری دو اَفراد کی شہادت کو اُس زمانہ میں قبول کیا جاتا تھا''۔

مُحَرِّر کا نسخہ: محمد ابن احمد ابن ایوب عُرف ابن شنبوذ سے قرأت کے اُن طریقوں سے متعلق دریافت کیا گیا کہ جن کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ وہ ان پر عمل کرتا ہے جو یہ ہیں: ﴿فامضوا الىٰ ذكر الله﴾ تو اُس نے اعتراف کر لیا، نیز اس آیت: ﴿ و تجعلون شكر كم أنكم تكذبون ﴾ اور اس ﴿كل سفينة صالحة غصبا﴾ کے متعلق بھی دریافت کیا گیا تو اس نے اعتراف کر لیا۔ اسی طرح ﴿ كالصوف المنفوش ﴾ کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے اعتراف کر لیا اور جب ﴿فاليوم ننجيك ببدنك﴾ کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے اس کا بھی اعتراف کر لیا۔ ﴿تبت يدا أبى لهب و قد تبّ﴾ کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس کا بھی اعتراف کر لیا، ﴿فلمّا خرّ تبينت الإنس و

الجن لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا حولاً فی العذاب المھین﴾ سے متعلق سوال کیا گیا تو اس کا بھی اعتراف کرلیا، ﴿الذکر والانثیٰ﴾ ، ﴿فقد کذب الکافرون فسوف یکون لزاماً﴾ ، ﴿ویںھون عن المنکر و یستغیثون اللہ علیٰ ما اصابھم واُولٰئک ھم المفلحون﴾ ، اور ﴿فساد عریض﴾ کے متعلق پوچھا گیا تو ان سب کا بھی اعتراف کرلیا۔

اُس میں یہ بھی ہے کہ ابن شنبوذ نے میرے سامنے اس رقعہ میں لکھے گئے کا بھی اعتراف کرلیا اور ابن مجاہد نے ہفتہ کے روز اپنے ہاتھوں سے اسے لکھا تھا کہ ابھی ۳۲۳ھ کا ربیع الآخر بھی نہیں گزرا تھا۔

ابن جوزی اور دیگر چند افراد نے تیسرے سال (۳۲۳ھ) کے واقعات میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ ابن شنبوذ کو لایا گیا اور اسی طرح قاضی عمر ابن محمد ابن یوسف، ابن مجاہد اور قاریوں کی ایک جماعت کو بھی بلایا گیا۔ جب ابن شنبوذ سے بحث ہونے لگی تو اس نے وزیر سے سخت کلامی کی نیز قاضی اور ابن مجاہد سے بھی اور اس نے یہ کہہ دیا کہ ان کی معرفت بہت کم ہے اور جس طرح سے اُس نے علم کی طلب میں سفر کئے ہیں ان لوگوں نے نہیں کئے۔

چنانچہ وزیر نے اُسے سات تازیانے لگانے کا حکم جاری کیا جبکہ وہ وزیر کے خلاف دعویٰ کررہا تھا کہ اللہ اس کے ہاتھ کاٹ دے اور اُس کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے! اس کے بعد اُس نے اُن طریقوں کی نشاندہی کی کہ جن کی وہ قرأت کرتا تھا البتہ اُن میں قبیح طریقوں کو ترک کردیا، تو اُن لوگوں نے زبردستی کی کہ وہ ان کی تلاوت سے باز آجائے۔ نیز کہا گیا ہے کہ اُسے بغداد سے نکال دیا گیا تو وہ بصرہ چلا گیا جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوڑے مارتے وقت اُسے برہنہ کردیا گیا اور ریت کے دو (۲) بلند ٹیلوں کے درمیان کھڑا کردیا گیا اور تقریباً ابھی دس کوڑے ہی مارے گئے تھے کہ اُس کی تکلیف ناقابل برداشت ہوگئی اور وہ چلانے لگا اور اس طرح اُس نے اپنے کئے سے علی الاعلان توبہ کرلی۔ البتہ وزیر کے خلاف اُس کی بددعا مستجاب ہوئی اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور اُسے ذلت کا مزہ چکھنا پڑا۔

ابن شنبوذ کا انتقال ماہ صفر ۳۲۸ھ میں ہوا جبکہ ابن مقلہ بھی اُسی سال ہلاک ہوا'' (معرفۃ القُرّاء۔ جلد۲۔ صفحہ۲۷۹)

ابن شنبوذ کی روایتوں پر سوائے اس کے کوئی اثر نہیں پڑا کہ اُس پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے مصحف کی مخالفت کرتا ہے اور ابن ندیم نے ابن شنبوذ کے قرأتی جملوں کو یہ کہتے ہوئے بیان کیا ہے: ''اِذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فامضوا الیٰ ذکر اللہ'' ، اس نے اس کی بھی قرأت کی: ''وکان اِمامھم ملک یأخذ کل سفینۃ صالحۃ غصباً'' ، نیز ''کالصوف المنفوش'' ، ''تبت یدا ابی لھب و قد تبّ ما اغنی'' ، ''الیوم ننجّیک ببدنک لتکون لمن خلفک . . . الخ'' ، ''فلمّا تبینت الاِنس انّ الجن لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا

حولاً فی العذاب الاَلیم"، "واللیل اِذا یغشیٰ والنهار اِذا تجلّیٰ والذکر والاُنثی"، "فقد کذب الکافرون فسوف یکون لزاماً"، "اَلاّ تفعلوہ تکن فتنۃ فی الاَرض و فساد عریض"، "ولتکن منکم اُمۃ یدعون اِلی الخیر و یأمرون بالمعروف و ناھون عن المنکر و یستعینون اللہ علیٰ ما اَصابھم اُولٰئک ھم المفلحون" اور "واللہ اَخرجکم من بطون اُمھاتکم" کی قرأت بھی کی تھی۔ نیز کہا گیا ہے کہ اُس نے اِن سب کا اعتراف بھی کرلیا تھا۔ اس کے بعد اس سے توبہ کرنے کو کہا گیا اور اس بات کے لئے اُس پر دباؤ بھی ڈالا گیا۔ چنانچہ اُس نے لکھا: محمد ابن احمد ابن ایوب کہتا ہے کہ میں کئی ایک ایسے حروف کی قرأت کرتا تھا جو مصحف عثمانؓ (ابن عفان) سے مختلف تھے کہ وہ متفق علیہ تھے اور ان کی قرأت پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اَصحاب بھی متفق تھے لیکن بعد میں مجھ پر یہ بات عیاں ہوئی کہ یہ غلط ہے لہٰذا میں نے توبہ کی اور اُن کو دوبارہ پڑھنے سے باز رہا اور میں اُن کی قرأت سے اللہ جلّ اسمہ کی پناہ میں رہتے ہوئے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں، اس لئے کہ مصحف عثمانؓ ہی صحیح ہے کہ جس کی مخالفت جائز نہیں ہے اور نہ ہی کسی اور کا پڑھنا جائز ہے۔ اس کی کئی تصنیفات ہیں کہ جن میں ایک کتاب ابن کثیر کے ابوعمرو سے اِختلافاتی کلمات سے متعلق ہے۔ (الفہرست۔ صفحہ ۵۰)

یہ طریقے دس سے زیادہ نہیں ہیں جو ابن مسعودؓ وغیرہ کی قرأت میں نقل کردیئے گئے ہیں۔ اور جس طرح کہ ہم ابن شنبوذ کے حالات زندگی سے واقف ہوچکے ہیں وہ قرأت کے کسی طریقے کا بھی انکار نہیں کرتا تھا۔ بلکہ جیسا کہ ذہبی (متوفی۔ ۷۴۸ھ) نے کہا ہے: ''اسے ایسے ایسے علمائے کبار سے ملاقات کا شرف حاصل رہا ہے کہ جس کا موقع ابن مجاہد کو بھی نہیں ملا'' جبکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن مجاہد نے ابن شنبوذ کے علم کا اور نہ ہی اس کے علمائے کبار سے ملاقات کرنے کا پاس رکھا اور اس کی منتخب کردہ قراات کی بھی کوئی اعتنا نہیں کی۔

ابن ندیم کی روایت کے مطابق جو کچھ ابن شنبوذ نے لکھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے خلاف جو تہمت لگائی گئی تھی، بالخصوص یہ کہ وہ مصحف عثمانؓ کی مخالفت کرتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے کو جائز قرار دیتا ہے اس کی کوئی غیر معمولی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ تو ذاتی اِنتخاب ہے کہ ہر دَور کے قاری اس طرح کرتے آئے ہیں اور جہاں تک ابن مجاہد کے ساتھ اس کے سلوک کی بات ہے تو اُس کی وجہ بھی کوئی تادیب نہیں تھی بلکہ یہ ایک سیاسی نظریہ کے تحت تھا۔ اور ابن شنبوذ جیسی شخصیت کے خلاف فیصلہ دینے۔ . . سے دیگر قراات ناپید ہونا شروع ہوگئیں، لیکن ابن شنبوذ کو اُن لوگوں میں شُمار کیا گیا ہے جو ابن مجاہد کے ہم فکر نہیں تھے اور اُن میں سے ایک محمد ابن حسن ابن مقسم بھی تھا۔

ابن مقسم (متوفی-۳۳۲ھ)

اس کی سوانح حیات کو بیان کرتے ہوئے ابن ندیم (متوفی-۳۸۰ھ) کہتا ہے: ''ابوبکر محمد ابن حسن ابن مقسم ابن یعقوب مدینۃ السلام کا ایک قریب الحال قاری تھا جو لغت اور اشعار کے علم کا ماہر تھا۔ ثعلب سے سنا ہے (اس سے روایات نقل کی ہیں) اس کا انتقال ۳۳۲ھ میں ہوا۔ اس کی کئی تصنیفات ہیں: **الانوار فی علم القرآن ، المدخل الیٰ علم الشعر ، احتجاج القراء ات ، فی النحو (کلاں) ، المقصور والممدود ، المذکر و المؤنث ، الوقف والإبتداء ، عدد التمام ، المصاحف ، اختیار نفسہ ، السبعۃ بعللھا (کلاں) ، السبعۃ الأوسط ، الأوسط** (ایک ہی سلسلہ کی دوسری کتاب) ، **الأصغر** کہ یہ کتاب **شفاء الصدور** کے نام سے جانی جاتی ہے، **الإنفرادات** اور **مجالس ثعلب**۔ (ابن الندیم- صفحہ۵۲)

ذہبی (متوفی-۷۴۸ھ) اس سلسلہ میں کہتا ہے: ''ابن حسن ابن مقسم امام ابوبکر بغدادی، قاری، نحوی، عطار نے ادریس حدّاد اور داؤد ابن سلیمان صاحب کے سامنے قرأت کر کے قرأت کو سیکھا - یہاں پر مصنف نے سب کو ایک ایک کر کے شمار کیا ہے- اس کے بعد کہا ہے: کوفہ سے تعلق رکھنے والے نحوی لوگوں میں اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ ماہر یہی تھا اور قرأت کے سلسلہ میں سب سے زیادہ واقف کار بھی خواہ وہ مشہور قرأت ہو، نادر ہو یا شاذ''۔

ابو عمر ودانی کہتا ہے: ''حافظ اور مہارت میں مشہور تھا، علم عربی کا عالم تھا اور اس نے لغت حفظ کی ہوئی تھی۔ علوم قرآن سے متعلق بہترین تصنیف کرتا تھا اور ابن شنبوذ کے عقیدہ پر عمل کرتا تھا کہ جس نے اس کا انکار کر دیا تھا اور اسی وجہ سے لوگوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔ کہتا ہے: میں نے عبدالعزیز کو یہ کہتے سنا: میں نے اس سے ثعلب کی امالی سنی ہیں اور اس نے کچھ ایسے طریقے اپنا رکھے تھے کہ عوام الناس اس کی مخالفت کرتے تھے، چنانچہ اس سے مناظرہ کیا گیا تو اس کے پاس حجت نہیں تھی لہٰذا اس سے توبہ کرنے کو کہا گیا، جب اسے سزا دینے کے لئے قید کیا گیا تو وہ اپنے منتخب کردہ طریقے سے باز آ گیا اور ابن مجاہد کے اس کی سزا معاف کر دینے کی درخواست پر اس کو سزا سے معاف رکھا گیا تو یہی وجہ تھی کہ وہ کہا کرتا تھا: ابن مجاہد کی طرح مجھ پر کسی کی کوئی منت نہیں ہے، مگر ابن مجاہد کے انتقال کے بعد اپنی بات پر لوٹ آیا؛ وہ یہ بات منسوب کرتا تھا کہ مصحف کی عبارت سے جو قرأت بھی میل کھائے اس طریقے سے قرأت کرنا جائز ہے چاہے اس کا کوئی مادّہ نہ ہو''۔

ابوبکر خطیب کہتا ہے: ''تفسیر اور معانی سے متعلق ابن مقسم کی ایک بہت بڑی تالیف ہے کہ اس کتاب کا نام اس نے ''**الانوار**'' رکھا۔ نیز اس کی کئی دیگر تصنیفات بھی ہیں۔ اسے اس بات پر مطعون قرار دیا جاتا تھا کہ اس نے اپنی کتاب میں چند ایسے قرآنی کلمات کو بیان کیا ہے جو اجماع کے مخالف ہیں جبکہ اس نے کئی طریقوں سے ان کو پڑھا اور پڑھایا بھی۔

نیز اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عربی زبان میں ان کلمات کا استعمال رَوا ہے اور یہ بات اسی کے حوالے سے لوگوں میں عام ہوگئی تو اسے جھٹلایا جانے لگا اور بالآخر بات حاکم وقت تک پہنچ گئی تو اس نے اسے بُلایا اور فقہاء اور قاریوں کے سامنے اس سے توبہ کرنے کو کہا، لہٰذا اُس نے اپنی توبہ کا اعلان کیا جبکہ محرّر نے اس کی توبہ کو لکھ لیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے کلمات سے دستبردار نہیں ہوا تھا بلکہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اُن کی تلاوت کرتا رہا''۔

ابوطاہر ابن ابی ہاشم اپنی کتاب البیــــان میں کہتا ہے: ''ہمارے اس دَور میں ایک نابغۂ زمانہ نمودار ہوا ہے اور وہ اس زعم میں مبتلا ہے کہ عربی کا جو حرف اُس کے نزدیک صحیح ثابت ہے اور وہ ایسا حرف قرآن ہے جو مصحف کی عبارت سے میل کھاتا ہے تو نماز وغیرہ میں اُس کی قرأت کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اپنے اس قول کے ذریعہ اس نے ایک بدعت پیدا کی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ہے اور اس نے اپنے آپ کو ہلاکت کے ایسے گڑھے میں ڈال دیا ہے کہ جس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اُس کا یہ جُرم سخت سے سخت تر ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس نے یہ کوشش کی ہے کہ کتاب خدا کے ساتھ باطل کو مُلحق کر دے حالانکہ باطل اُس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے۔ اس عظیم جُرم کی وجہ یہ ہے کہ دین خدا میں اس نے اپنی رائے کا اظہار کر کے مُلحدوں کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اہل حق کو غلط قرار دیں، کیونکہ اس نے ایک نئے رُخ سے قراءات منتخب کی ہیں اور تحقیق اور استنباط میں اپنی ذاتی رائے کو اہمیت دی ہے جبکہ اس نے روایتوں اور کتب ماسلف کا پاس نہیں رکھا ہے۔ نیز ہمارے اُستاد ابوبکر - نضره الله وجهه - سے اس کی گمراہ کُن بدعت کے متعلق سوال کیا گیا تھا تو اُنہوں نے پہلے تو اُس سے اپنے نظریہ کی دلیل طلب کی کہ جس پر وہ کوئی ایسا حیلہ پیدا نہ کر سکا جو حجت ٹھہرتا اور اس کے بعد اس سے توبہ کرنے کو کہا اور جب اُس نے توبہ کی تو ابوبکر نے حاکم وقت سے اُس کی سزا کو معاف کر دینے کی گذارش کی جبکہ ان دنوں وہ اپنی بدعت کی طرف واپس لوٹ آیا ہے اور اس طرح اُس نے ضعیف العقیدہ، سادہ لوح اور اپنے سے کم فہم لوگوں کو گمراہی کے راستہ پر ڈال دیا، یہاں تک کہ ابن ہاشم کہتا ہے: اس لئے کہ اس نے کہا تھا: جب ابن ہشام، ابوعبید اور ابن سعدان کو اپنی رائے دہی کا اختیار حاصل تھا اور بغیر کسی رُوک ٹوک کے اُن کو اس کی اجازت حاصل رہی تو ان کے بعد آنے والوں کے لئے بھی مُباح ہی ہونا چاہئے اور اگر بعد میں آنے والے اُن کے عین نقش قدم پر چلیں اور اُنہی کی روش کو اپنائیں تو ایسا کرنا اُن کے لئے اور دوسروں کے لئے بھی جائز ہونا چاہئے۔ میرے بیان کی دلیل یہ ہے کہ خلف نے حمزہ کے کچھ طریقوں کو ترک کر دیا اور اُس نے یہ قول اختیار کیا کہ نافع کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق قرأت کرنا جائز ہے اور جہاں تک ابوعبید اور ابن سعدان کا تعلق ہے تو اُن میں سے کسی ایک نے بھی دیگر شہروں کے ائمۂ قرأت کی خلاف ورزی نہیں کی۔ اب (میری) اس بات کا انکار ائمۂ قرأت کی قائم کردہ رائے کے حساب سے بالکل ہٹ کر (شاذ)

ہے جبکہ وہ لوگ حجت تھے خواہ کسی بات پر اُن کا اجماع ہو یا اُن کی رائے باہم مختلف ہو۔

خطیب کہتا ہے: ابوبکر احمد ابن محمد غزال نے مجھ سے یہ بات نقل کی کہ میں نے ابو احمد فرضی کو کئی دفعہ یہ کہتے سُنا: میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ گویا جامع مسجد میں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہوں جبکہ محمد ابن حسن ابن مقسم قبلہ کی جانب پیٹھ کیے ہوئے ہے اور وہ اسی عالم میں یعنی پشت بہ قبلہ نماز پڑھ رہا ہے تو میں نے اس کی تعبیر کی کہ اپنی رائے دہی کے سلسلہ میں وہ پیشواؤں کی مخالفت کرے گا۔

ابن مقسم ۲۶۵ھ میں پیدا ہوا اور ۸، ربیع الآخر ۳۵۴ھ میں فوت ہوا۔ اس کا انتقال دن کے وقت ہوا اور اُسی روز نماز ظہر کے بعد اُسے دفن کر دیا گیا'' (معرفة القُراء۔ صفحہ ۳۰۶ تا ۳۰۹)

اس کے برعکس ابن شنبوذ نے قراءات کے سلسلہ میں مصحف عثمانؓ کی بغیر کسی وجہ کو بیان کیے جو مخالفت کی تھی اُسی کی وجہ سے لغوی اعتبار سے محمد ابن حسن ابن مقسم (متوفی۔ ۳۵۴ھ) کا دور ہمارے سامنے آیا اور اس کے دعویٰ کو چند الفاظ میں وہ یوں بیان کرتا ہے: ''ہر وہ قرأت جو مصحف کی عبارت سے میل کھاتی ہے پس اُس کی قرأت کرنا جائز ہے خواہ اُس کا کوئی مادّہ نہ پایا جاتا ہو''۔

نیز وہ یہ تذکرہ بھی کرتا ہے۔ جیسا کہ خطیب کی بیان کردہ روایتوں میں نقل کر دیا گیا۔ ''لُغت اور عربی (دونوں) میں اس کی قرأت جائز ہے''۔

قارئین عنقریب مطالعہ کریں گے کہ ہمارے دَور میں قرأت کی درستگی کے سلسلہ میں تمام علماء اس نظریہ سے اتفاق کرتے ہیں۔

جس طرح کہ ابن مقسم کے مخالفین نے نقل کیا ہے اُس کی یہ دلیل: ''جب ابن ہشام، ابوعبید اور ابن سعدان کو اپنی رائے دہی کا اختیار حاصل تھا اور بغیر کسی رُوک ٹوک کے اُن کو اس کی اجازت حاصل رہی تو ان کے بعد آنے والوں کے لئے بھی مُباح ہی ہونا چاہئے'' کا مطلب یہ ہے کہ رائے قائم کرنا کوئی توقیفی عمل نہیں ہے لہٰذا اس سلسلہ میں قرأت کی بھی یہی صورت حال ہوگی چاہے وہ بعد کا زمانہ ہو یا اگلا بشرطیکہ اُس میں دو باتیں پائی جاتی ہوں: مصحف کی عبارت سے میل کھائے اور عربی زبان کے (قواعد کے) مطابق ہو۔

ابوطاہر ابن ہشام جو ابن مجاہد کا شاگرد تھا کی رائے یہ تھی: ''(یہ) غفلت، بدعت اور گمراہی پھیلانا ہے، اس لئے کہ تحقیق اور استنباط کرتے وقت اس نے قراءات کے سلسلہ میں ذاتی آراء کا استعمال کیا ہے اور اس موقع پر علمائے ماسلف کی بیان کردہ روایتوں کا پاس رکھا ہے اور نہ ہی اُن کی رائے کا احترام کیا ہے''۔

ابن مقسم کی ذہانت کو دیکھئے کہ جب اُس پر مقدمہ چلایا گیا، اس سے مناظرہ کیا گیا اور سزا دہی کے لئے قید کیا گیا تو اس نے اپنی رائے کو واپس لے لیا اور یہی وجہ تھی کہ ابن مجاہد نے اُس کی سزا کو معاف کرنے کی درخواست کی تو اس کی سزا کو معاف کردیا گیا جبکہ یہ موقف ابن شنبوذ کے قضیہ کے بالکل برعکس ہے۔(یہ کیونکر ممکن ہے کہ) سزا کے مستحق کو سزا سے معاف رکھا جائے؟ ابن مقسم کی یہ روش ابن مقسم کے اظہار بیزاری کو ثابت کرتی ہے جبکہ ابن مجاہد کا معاملہ ذاتی تھا یا پھر سیاسی۔ اور یہی وجہ تھی کہ -جیسا کہ روایت میں بیان کیا گیا ہے- ''اس نے ان طریقوں کو بالکل ترک نہیں کیا اور اپنی زندگی کے آخری لمحات تک ان کی قرأت کرتا رہا'' جبکہ ابن مجاہد اس کی راہ میں رُکاوٹ نہیں بن سکتا تھا اور اس کی زندگی میں تو اُس کے ڈر سے ایسا نہیں کرتا تھا لیکن اس کی وفات کے بعد بلا خوف وہ اپنی رائے پر علی الاعلان لوٹ آیا۔

ابن مقسم (ولادت: ۲۶۵ھ ، وفات: ۳۵۴ھ) کے اس واقعہ کی تاریخ کو رقم نہیں کیا گیا، جبکہ غالب امکان یہی ہے کہ یہ اُسی سال کی بات ہے کہ جس میں اُس کے اُستاد ابن شنبوذ کو سزا دی گئی یعنی ۳۲۳ھ اور اس میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا، اس لئے کہ ابن مجاہد تو ۳۲۴ھ میں انتقال کرگیا تھا اور اُس کی موت کے ساتھ ہی قرأت کا اب کوئی خوف بھی نہیں رہا تھا اور یوں وہ اپنی ذاتی رائے کے مطابق مصحف اور عربی زبان کے قواعد کے مطابق قرأت کرنے لگا۔ یعنی ابن مجاہد کی وفات کے بعد سے تقریباً اکتیس (۳۱) سالوں تک۔

ابن مقسم کا موقف اُس کے اُستاد ابن شنبوذ کے موقف سے یکسر مختلف تھا، کیونکہ ابن شنبوذ نے ابن مجاہد کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکے تو اُس کو اس کی پاداش میں سات کوڑے مارے گئے اور (زبردستی) توبہ کروا کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا اور -ابن ندیم کی روایت کے مطابق- حاکم وقت کے زندان میں ۳۲۸ھ میں ہی اُسے موت نے آلیا یعنی ابن مجاہد کی موت کے پانچ سال بعد۔ پس یہ کیسے ممکن ہے کہ شاگرد کو معاف کردیا جائے اور اُستاد کو معافی نہ ملے جبکہ دونوں کی روش ایک ہی ہو؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن مقسم کی مخالفت سے وہ خوف لاحق نہیں تھا کہ جو خوف ابن شنبوذ کی مخالفت کی وجہ سے پیدا ہوگیا تھا۔

بنابریں، ابن شنبوذ (اُستاد) اور ابن مقسم (شاگرد) کے قضیہ میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں پایا جاتا کہ ابن مجاہد جو اُس وقت حکومت وقت کی نمائندگی کررہا تھا اس کی بات سے متفق نہیں تھا۔

یہ سب عباسی خلیفہ راضی باللہ ابوالعباس محمد ابن مقتدر باللہ کے زمانہ خلافت (۳۲۲ھ تا ۳۲۹ھ) کی بات ہے اور البدایة والنهایة کی گیارہویں جلد کے صفحہ ۱۷۸ میں ۳۲۲ھ کے واقعات کے ضمن میں مرقوم ہے کہ ان میں ایک عظیم واقعہ اصفہان میں مرداویج کا واقعہ ہے کہ جس کے متعلق لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ بغداد پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اور قرامطہ کے امیر کے ندیم کا بھی

مُمد ومُعاون تھا جبکہ ان دونوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ حکومت کو عرب سے لے کر عجم کے حوالے کر دیں گے۔ (جلد۱۱۔ صفحہ۱۷۸)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان سیاسی واقعات کے رُونُما ہونے اور جس طرح کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے ابن شنبوذ کے عجم ہونے میں کوئی نہ کوئی ربط ضرور ہے اور اسی طرح وزیر وقت علی ابن مقلہ کہ جس نے قاہر (باللہ) کو چھوڑ کر راضی کی وزارت اختیار کی تھی کے موقف اور ۔۔جس طرح کہ ابن جوزی نے بیان کیا ہے۔ ابن شنبوذ کا وزیر سے سخت کلامی کرنا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

نتیجتاً ابن شنبوذ اور ابن مُقسم دونوں کے طریقے خواہ کوئی وجہ بھی رہی ہو مفقود ہو کر رہ گئے اور بالآخر جیت ابن مجاہد کی ہی ہوئی تو پھر ابن مجاہد کا طریقہ کون سا ہے؟!

طریقہ ابن مجاہد

ابن مجاہد نے اپنے دَور کی سات مشہور قرائات کو منتخب کیا اور اس کی یہ کوشش رہی کہ اسلامی معاشرہ میں اسی کو لازم قرار دیا جائے۔ خوش قسمتی سے اُس نے اپنے ان سات طریقوں کا تعین اپنی کتاب "کتاب السبعة" میں کر دیا ہے کہ اس کے بعد کسی اشتباہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

مقدّمہ میں کہتا ہے: "جس طرح کہ اَحکام میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح سے قرأت کے سلسلہ میں بھی اُن کی آراء باہم مختلف ہیں اور صحابہ اور تابعین کے حوالے سے ہی مختلف روایتوں کو بیان کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کے لئے وُسعت پیدا ہو اور باعث رحمت بھی جبکہ یہ باہم ملتی جلتی روایات ہیں اور حاملین قرآن اس کے حفظ کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لینے کے درپے رہے جبکہ حروف کے ناقل اَفراد کو اپنے حروف کو نقل کرنے میں کوئی نہ کوئی مقام حاصل رہا ہے اور اب میں اُن کے مقام کا ذکر کرنے جا رہا ہوں نیز اہل قرأت کی رائے کی تشریح بھی کروں گا، بلکہ اُن کے اختلافات اور اتفاقی آراء کو بھی واضح کرتا چلوں گا انشاء اللہ کہ اللہ ہی سے میں اُس کی منّت کے سائے میں توفیق مرحمت کرنے کا خواستگار ہوں" (کتاب السبعة۔ صفحہ۴۵)

اس بناء پر مُصنف کا ہدف ائمہ ٔ قرأت کا ذکر کرنا ہے کہ جن کی آراء پر حجاز، عراق اور شام کے لوگ عمل کرتے تھے اور یہ بھی کہ اُن کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کو بیان کیا جائے جبکہ مذکورہ شہروں (حجاز، عراق اور شام) کی ترتیب میں بھی ایک حکمت پوشیدہ ہے جو قارئین پر عنقریب عیاں ہو جائے گی۔

مصنف نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اُن کے اس انتخاب کی وجہ قرائات کا مختلف ہونا ہے، چنانچہ لکھتا ہے:

''جہاں تک حروف کے متعلق روایتوں کا تعلق ہے تو اُن کی صورت حال بھی وہی ہے جو اَحکام سے متعلق وارد ہونے والی روایتوں کی ہے کہ اُن میں کچھ ایسی روایات ہیں کہ جن پر تمام علما متفق ہیں اور وہ معروف بھی ہیں، کچھ اُن میں ایسی بھی ہیں جو ہمارے زمانے میں متروک ہو چکی ہیں، لوگ انہیں ناپسند کرتے اور اُس پر عمل کرنا معیوب سمجھتے ہیں اگر چہ انہیں بیان کیا گیا ہے اور حفظ بھی جبکہ ان میں کچھ ایسی روایات بھی ہیں کہ اُن کو نقل کرنے والا اس کے متعلق وہم کا شکار ہو گیا ہے لہٰذا اُس روایت کو ضائع کر دیا اور طویل مُدت گزر جانے کی وجہ سے جو کچھ سُنا تھا اُسے بھول گیا، چنانچہ جب اہل حضرات کے سامنے اُنہیں پیش کرتا ہے تو وہ اسے وَہم خیال کرتے ہیں اور اسے نقل کرنے والے کی طرف ہی لوٹا دیتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ اس روایت پر عمل کرنے پر مُصر ہونے اور اس سے باز نہ آنے کی وجہ سے اس کی روایت ہی ساقط ہو گئی اور اکثر جن لوگوں نے حدیث کو ترک کر دیا اور اُن کے روایت کرنے کو متہم قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان کے پس پردہ یہی عِلّت کارفرما تھی۔ نیز اس پر تنقید کرنے والا روایتوں، حلال وحرام اور اَحکام سے بخوبی واقف ہوتا ہے نہ کہ وہ شخص تنقید کرتا ہے کہ جو حدیث کی معرفت رکھتا ہے اور نہ ہی روایت اور اِختلاف کی بصیرت رکھتا ہے۔ یہی صورت حال اُن روایتوں کی بھی ہے جو حروف قرآن سے متعلق وارد ہوئی ہیں کہ ان میں مُعرب، شائع اور واضح روایات بھی ہیں اور اس کے علاوہ ایسی بھی ہیں جو مُعرب اور واضح تو ہیں لیکن عام نہیں ہوئیں جبکہ ان میں شاذ اور کم یاب لُغت بھی ہیں اور کچھ ایسی روایات بھی ہیں جو ضعیف ہیں اور ان کا مقصود اِعراب گزاری ہے لیکن پھر بھی (ضعیف ہونے کے باوجود) ان کی قرأت کی گئی ہے اور کچھ ایسی روایات بھی ہیں جس میں وَہم طاری ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے جو شخص عربی سے کوئی خاص واقفیت نہیں رکھتا اس کے لئے یہ غلط ہے۔ اور یہ لحن جائز نہیں ہے۔ اور انہی میں سے ایک لحن خفی بھی ہے کہ سوائے ایک ہوشمند عالم کے کسی کو اس کی معرفت حاصل نہیں۔

قرأت سے متعلق ہر طور سے روایات وارد ہوئی ہیں اور جس طریقہ سے مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ اور شام کے اَہالیان قرأت کرتے تھے یہ وہی طریقہ تھا کہ جو اُنہوں نے اپنے اَگلوں سے حاصل کیا تھا اور ہر شہر میں کوئی نہ کوئی شخص ایسا ہوتا تھا کہ جس نے قرأت کا طریقہ تابعین سے سیکھا ہو نیز ہر خاص وعام اُس کی قرأت سے اتفاق کرتا تھا اور قرأت کے سلسلہ میں اُسی کی روش پر چلتا تھا، بلکہ جس طرح کہ نقل کیا جاتا ہے اس کی رائے کا بھی ہر کوئی احترام کرتا تھا۔

مصنف نے ساتوں قاریوں کے حالات اور طریقوں کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ''پس حجاز، عراق اور شام کے یہ سات اَفراد ہیں کہ جنہوں نے قرأت میں تابعین کی نمائندگی کی ہے اور ہر کوئی ان کی قرأت سے متفق ہے خواہ وہ کسی بھی شہر کا رہنے والا ہو کہ جن کے نام اُوپر لئے گئے ہیں یا ان کے علاوہ کسی ایسے شہر کا رہنے والا ہو جو ان کے نزدیک واقع ہے ماسوائے اس کے کہ کوئی شخص ذاتی رائے کے طور پر شاذ طریقہ کو زیادہ پسند کرتا ہو تو ایسی صورت میں وہ اسی کے مطابق قرأت

کرتا ہے یعنی ایسے کلمات کو کہ کچھ اگلے لوگوں نے الگ سے انہیں نقل کیا ہے؛ پس یہ عوام الناس کی قرأت میں شامل نہیں ہیں۔ نیز کسی صاحب عقل کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ پیشواؤں اور اپنے اُسلاف کی کسی ایسے طور سے خلاف ورزی کرے کہ اُس طریقہ کو عربی زبان میں وہ جائز خیال کرتا ہے اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ کوئی بھی قاری کسی ایسے طریقہ کے مطابق قرأت کرے کہ جس پر سب متفق نہ ہوں'' (السبعة- صفحہ۱۰۱)

مصنف نے مدینہ کی قرأت سے آغاز کیا ہے اور اس کے بعد مکہ، پھر عراق (کوفہ اور بصرہ) اور اس کے بعد شام کی قرأت کو بیان کیا ہے۔ غالب امکان اس بات کا ہے کہ مصنف نے یہ ترتیب اس لئے رکھی ہے کہ مصاحف عثمانیہ ان شہروں کی طرف اسی ترتیب سے ارسال کئے گئے تھے۔ نیز ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابن مجاہد یہ خیال کرتا تھا کہ ان شہروں میں قرأت کو شہرت حاصل ہونے کا سبب انہی مصاحف کا پایا جانا ہے۔

اس کے علاوہ عنقریب آپ قارئین بھی مطالعہ کریں گے کہ ان قرأت کے انتخاب کی سطح یکساں نہیں تھی، بلکہ ان میں سے کوئی طریقہ ایسا ہے کہ جس کی تقریباً بیس مرتبہ قرأت کی گئی جیسے -بالخصوص- نافع کی قرأت جبکہ دوسری جانب کوئی تو ایسا طریقہ بھی ہے کہ جس کی قرأت ہی نہیں کی گئی، بلکہ اسے صرف نقل کی حد تک محدود رکھا گیا ہے جیسے عاصم کی قرأت۔

ابن مجاهد (متوفی-۳۲۴ھ) کے انتخاب کے مطابق
سات قرانات کی جدول

ترتیب	نام	تعداد قرأت	منسوب شخص	قرأت کا مرکز
۱	نافع	اس کی قرأت بیس مرتبہ کی	اسی کی طرف منسوب ہے	مدینہ
۲	عبداللہ ابن کثیر	۲۷۸ھ میں اس کی قرأت کی	اسی کی طرف منسوب ہے	مکہ
۳	عاصم	اس کی قرأت نہیں کی صرف نقل کیا ہے	اسی کی طرف منسوب ہے	کوفہ
۴	حمزہ	ایک سے زیادہ مرتبہ اس کی قرأت کی	اسی کی طرف منسوب ہے	کوفہ
۵	کسائی	ایک سے زیادہ مرتبہ اس کی قرأت کی	اسی کی طرف منسوب ہے	کوفہ
۶	ابوالعلاء	کئی مرتبہ اس کی قرأت کی	اسی کی طرف منسوب ہے	بصرہ
۷	ابن عامر	اس کی قرأت نہیں کی	اسی کی طرف منسوب ہے	شام

ابن مجاہد کی تنقید

ابن مجاہد کے اپنے ہمعصروں کے لئے قراءات سبع کے تعین پر تنقید صرف انہیں لوگوں تک محدود نہیں ہے کہ جن پر حسد او معارضہ کی تہمت لگائی جاتی ہے، بلکہ اس کے بعد بھی اور حتیٰ کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ حسد اور رقابت کے تمام تر عوامل کے مفقود ہو جانے کے باوجود بھی متعدد معروف قاریوں نے اس کی مخالفت اور تنقید کی کہ اُن میں حسبِ ذیل افراد شامل ہیں:

۱۔ ابوالعباس احمد ابن عمار مہدوی (متوفی۔ ؟۴۳۰ھ) جو قراءات اور عربی زبان کا جید عالم تھا۔ (معرفة القرّاء۔ صفحہ ۳۹۹)

۲۔ ابومحمد مکی ابن ابی طالب قیسی (متوفی۔ ۴۳۷ھ) جو علوم قرآن اور عربی زبان کا متبحر عالم تھا۔ (معرفة القرّاء۔ صفحہ ۳۹۴)

۳۔ ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) نے اپنی کتاب النشر کی پہلی جلد کے صفحہ ۳۷ پر تفصیل کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''اگلے بے شمار پیشواؤں نے ابن مجاہد کے قاریوں کی تعداد سات میں منحصر کرنے کو سخت ناپسند کیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے ابن مجاہد کو غلط قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اس نے سات کے علاوہ کسی اور عدد پر اکتفا کیوں نہیں کیا یا اس سے زیادہ تعداد کیوں نہ رکھی یا پھر اس نے اپنی مراد کو واضح کیوں نہیں کیا تاکہ جو اس شبہ سے واقف نہ ہو وہ بھی اسی کا انتخاب کرتا۔ امام ابوالعباس احمد ابن عمار مہدوی (متوفی۔ ؟۴۳۰ھ) نے کہا ہے کہ اکثر شہروں میں نافع، ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر، عاصم، حمزہ اور کسائی کی قرأت پر جو اکتفا کیا گیا ہے تو اس سلسلہ میں بعد میں آنے والے کچھ علماء نے اختصار کے طور پر ان قراءات کا انتخاب کیا ہے جبکہ عوام الناس نے اسے فرض اور حتمی قرار دے دیا ہے، یہاں تک کہ جب وہ یہ سنتے ہیں کہ فلاں شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ اس کو غلط اور کافر قرار دیتے ہیں اور شاید یہی قراءات غالب اور مشہور ترین تھیں۔ اس پر طرّہ یہ کہ ان ائمۂ قرأت میں سے جس پر لوگوں کی عنایتیں کم ہوتی تھیں اس کے متعلق یہ حالت تھی کہ جب کوئی سنتا تھا کہ کوئی شخص ان سے منسوب قرأت کو نقل کر رہا ہے تو اُسے باطل اور غلط تصور کرتے تھے اگرچہ کبھی وہ بھی مشہور رہی ہو۔ ان سات قراءات کو سات کر دینے والے نے ایک ایسا فعل انجام دیا ہے جو لائق تو یہی تھا کہ ایسا نہ کیا جائے کیونکہ اُس نے عوام الناس کو ایک مشکل میں ڈال دیا ہے اور وہ یہ کہ ایک عام شخص ایک ایسی بات سے ناواقف ہے کہ اب اُس کی اِس جہالت میں وسعت نہیں رہی اور تنگ نظر انسان وہم میں پڑ گیا ہے کہ دیگر مذکورہ قراءات بھی حدیث نبویؐ میں وارد ہوئی ہیں نہ کہ کسی اور طور سے اور اس کی تاکید بھی کی گئی ہے جبکہ یہ لوگ (انکار کرنے والے) تو بعد میں آنے والے ہیں

کہ جنہوں نے یہ جسارت کی ہے۔ کاش کہ وہ (ابن مجاہد) سات سے کم تعداد کر دیتا یا اس میں اضافہ کر دیتا تو شبہ زائل ہو جاتا۔ (نیز اس نے یہ بھی کہا ہے): مرجحہ قرأت کہ جس کا رَدّ کرنا جائز نہیں ہے اس میں تین شرائط یکجا نہیں ہیں حالانکہ جس میں تمام شرائط موجود ہوں اس کا قبول کرنا واجب ہے اور کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کو رَدّ کر دے خواہ وہ مذکورہ سات ائمہ قرأت میں سے کوئی ہو کہ عام طور سے جن پر اکتفا کیا جاتا ہے یا کوئی اور امام قرأت۔

امام ابو محمد مکی (متوفی۔۴۳۷ھ) کا کہنا ہے: ''علماء نے اپنی کتابوں میں ستر (۷۰) سے بھی زیادہ ائمہ قرأت کا ذکر کیا ہے کہ وہ مذکورہ سات سے بھی زیادہ اعلیٰ منزلت کے حامل اور جلیل القدر تھے۔ مزید برآں یہ کہ علماء کی ایک جماعت نے اپنی قرائات سے متعلق کتابوں میں مذکورہ سات ائمہ قرأت کا ذکر نہیں کیا اور اُن کو رہنے ہی دیا۔ ابو حاتم وغیرہ نے حمزہ، کسائی اور ابن عامر کا تذکرہ ہی نہیں کیا، بلکہ تقریباً بیس (۲۰) ایسے ائمہ قرأت کا ذکر کیا ہے جو ان سات سے بھی برتر تھے۔ اسی طرح سے طبری نے اپنی کتاب القراءات میں ان سات افراد کے ساتھ ساتھ تقریباً پندرہ دیگر افراد کا بھی ذکر کیا ہے۔ بعینہ ابو عبید اور قاضی اسماعیل نے بھی یہی کام کیا ہے۔ تو ایسی صورت میں کیونکر ممکن ہے کہ کوئی خیال کرنے والا یہ سوچ لے کہ بعد میں آنے والے یہ سات افراد میں سے ہر ایک کی قرأت یعنی ساتوں قرائات پر نص قائم ہے؟ یہ ایک بہت بڑی خلاف ورزی ہے اس لئے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا بیان کیا تھا یا پھر اس پر نص کیونکر قائم ہوئی؟ نیز ویسے بھی یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے جبکہ کسائی کو مامون وغیرہ کے دور میں ان سات گذشتگان میں ساتویں کے طور پر شامل کیا گیا ہے جبکہ ساتواں تو یعقوب حضرمی تھا تو ۳۰۰ھ یا اس کے آس پاس ابن مجاہد نے یعقوب کی جگہ کسائی کا نام ثبت کر دیا اور اس کے بعد اس کے بیان میں ایک طویل کلام رقم کر دیا'' (النشر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۷)

اس کے برعکس ڈاکٹر شوقی ضیف کہ جس نے ابن مجاہد کی تصنیف کتاب السبعة پر تحقیق کی ہے نے مختلف قرائات کا جائزہ لینے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ جس بات کا اقدام ابن مجاہد نے کیا تھا وہ ایک ضروری امر تھا، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''ان تمام باتوں کے لئے ضروری تھا کہ قرائات کے علماء میں سے کوئی عالم یا اُن میں کے نقاد افراد اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کریں تا کہ عالم اسلام میں پھیلی ہوئی بے شمار قرائات کا تقابلی جائزہ لیا جاسکے اور اُن میں سے چند ایک قرائات کو عوام الناس کے لئے منتخب کریں تا کہ وہ ان پر عمل پیرا ہوں، اُن کو دشواری نہ آئے، حق و باطل باہم مخلوط نہ ہو جائیں اور بلا کسی تخصیص کے لوگ جس قرأت سے چاہیں مساوی طور پر استفادہ کر سکیں، گویا ہر کسی کو یہ حق حاصل رہے کہ وہ اپنی معرفت کی بناء پر خواہ مکمل بصیرت حاصل نہ ہو اور نہ ہی وہ مشہور متواتر اور غیر متواتر میں فرق کرسکتا ہو قرأت کے مختلف انداز کو پڑھ سکے۔ ابن مجاہد نے اس انتہائی گراں ذمہ داری کی ادائیگی میں ذرا بھی توقف نہیں کیا گو کہ دیگر بے نظیر قاری علماء کی جماعتوں نے

اس سے گریز کیا۔ چنانچہ موصوف نے بہت کدّ وکاوش کے بعد ائمۂ قراءات میں سے سات کا انتخاب کیا کہ ہر شہر اور ہر مقام پر بسنے والے تمام مسلمانوں نے اسی پر عمل کرنا شروع کردیا اور اس طرح مسلمانوں کا شیرازہ بندھ گیا اور قبل اس کے کہ خدا کی آسمانی اور عظیم کتاب کی قراءات میں اختلاف کا دائرہ وسیع تر ہوتا اُمت نے اس کا ادراک کرلیا۔ (مقدمۃ کتاب السبعۃ۔ صفحہ ۱۲)

عرضِ مؤلف: بلاشبہ مذکورہ کلام علم القراءات کے متعلق خالصۃً ایک سیاسی نظریہ ہے جبکہ ہم اس کام کو اس قدر اہمیت کا حامل بھی نہیں سمجھتے کہ جتنا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ خود ابن مجاہد نے اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ اس نے عوام الناس میں مشہور قراءات کا انتخاب کیا ہے۔ لہٰذا اگر یہ اس قدر مشہور تھیں جیسا کہ حقیقت بھی یہی ہے۔ تو ان کی شہرت ہی ان پر عمل کرنے کے لئے کافی تھی اور غیر مشہور قراءات کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ اس اُمت کا شیرازہ بکھر جائے۔ جس طرح کہ کہنے والا خیال کرتا ہے۔ بلکہ دورِ حاضر میں بھی قراءات کا وجود پایا جاتا ہے جیسے کہ عاصم کی قرأت جو مشہور تھی اور اس کے علاوہ بھی دیگر کئی غیر مشہور قراءات ہیں کہ جو کتابوں کے اندر موجود ہیں یا پھر سینوں میں محفوظ ہیں اور ان سے نظام میں کوئی برہمی وجود میں نہیں آئی حالانکہ ان غیر مشہور قراءات کا اقدام کرنے والے بھی قراءات کے طریقوں کے متعلق بصیرت تامہ رکھتے تھے اور وہ متواتر مشہور اور غیر متواتر میں تمیز بھی کرسکتے تھے۔ نیز اس میں کوئی کلام نہیں کہ ان قراءات کو دوسری قراءات کی نسبت ترجیح دینے میں ابن مجاہد کا کردار مثبت تھا اور عوام الناس کے درمیان۔ اس کی اپنی تعبیر کے مطابق۔ ان کی مشہوری پر زور دیا گیا تھا جبکہ ابن مجاہد کا کردار خلیفہ حضرت عثمانؓ کے کردار سے مشابہ ہے مگر یہ کہ وہ خلیفہ نہیں تھا۔ المختصر دونوں نے تاریخ قرآن سے متعلق ایک تاریخی کردار ادا کیا تھا اور جو اُن کی رائے کا احترام نہیں کرتا تھا اس کی سرزنش کرتے تھے۔

جہاں تک خلیفہ حضرت عثمانؓ کی بات ہے تو۔ مسعودی کی روایت کے مطابق۔ اُنہوں نے عبداللہ ابن مسعودؓ کی قرأت کے مقابلہ میں شہر مدینہ میں انتہائی سخت موقف اختیار کیا تھا اور ابن مسعودؓ کو انہوں نے دابۃ السوداء (کالے جانور) سے تعبیر کیا تھا اور اُنہیں ٹانگوں سے گھسیٹا تھا یہاں تک کہ اُن کی پسلی ٹوٹ گئی اور وہ اس دُنیا سے چل بسے۔

اُدھر ابن مجاہد نے محمد ابن شنبوذ (متوفی۔ ۳۲۸ھ) کے خلاف عراق میں انتہائی سخت موقف اختیار کررکھا تھا، چنانچہ وزیر نے اُسے سات کوڑے لگانے کا حکم جاری کیا تھا جبکہ اُس نے تقریباً دس کوڑے لگائے تو وہ درد کی شدت سے چلا اُٹھا اور اپنی رائے کو واپس لے لیا حتیٰ کہ جس طرح کہ ابن ندیم نے بیان کیا ہے حاکم وقت کے زندان میں انتقال کرگیا اور اس طرح ابن مجاہد کا کردار قراءات سبع کو دوسری قراءات پر ترجیح دینے کے سلسلے میں اب بھی موثر ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ -اُس کی اپنی تعبیر کے مطابق- ابن مجاہد نے اپنی ساری توجہ مکہ، کوفہ، بصرہ اور شام جیسے شہروں کے عوام الناس کے درمیان مشہور قراءات پر مرکوز کر دی تھی نہ کہ دیگر قراءات پر جبکہ قاریوں نے صرف انہی قراءات کو معیّن نہیں کیا تھا، اس لئے کہ اُن میں کچھ ایسے قاری بھی تھے کہ جنہوں نے ان میں سے کسی شہر سے ہجرت کر لی تھی اور کچھ ایسے تھے کہ جنہوں نے ان شہروں کی جانب ہجرت کر لی تھی جبکہ اُن کا تعلق مذکورہ شہروں میں سے کسی شہر سے نہیں تھا۔ چنانچہ کسائی مختلف شہروں میں منتقل ہوتا رہتا تھا (صفحہ ۷۹) ابوعمرو ابن علاء نے حجاز کے باشندوں کو قراءت سنائی تھی اور قراءت کے سلسلہ میں اُنہی کی روش پر عمل کیا تھا (صفحہ ۸۲) اور اس کی قراءت کی جانب بصرہ کے تمام یا اکثر باشندوں نے عدول کیا تھا۔ (صفحہ ۸۵)

لہٰذا ابن مجاہد کے دیگر شہروں کو چھوڑ کر صرف ان شہروں کو منتخب کرنے کے عمل پر کوئی شرعی حجت قائم نہیں ہے گو کہ غالب امکان اسی بات کا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے انہی شہروں کی جانب مصاحف ارسال کئے تھے، لیکن وہ پانچ تھے تو اس بناء پر قراءات کو بھی پانچ میں منحصر کرنا چاہیے تھا نہ کہ سات میں اور ویسے بھی ابن مجاہد نے بحرین کو نظر انداز کیوں کر دیا جبکہ بعض روایتوں کے مطابق اس کی طرف بھی ایک نسخہ ارسال کیا گیا تھا۔

عاملی (متوفی-۱۲۲۶ھ) کہتے ہیں: ''ابن جبیر نے ابن مجاہد سے بھی پہلے قراءات سے متعلق ایک کتاب تصنیف کی تھی اور اُس میں پانچ روایتوں پر اکتفا کیا تھا کہ یہ وہی تعداد ہے کہ اتنے شہروں کی جانب حضرت عثمانؓ نے مصاحف ارسال کئے تھے'' اس کا کہنا ہے: ''کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ سات شہروں کی طرف ارسال کئے تھے کہ پانچ تو بیان کردہ مقامات کی طرف ارسال کئے گئے تھے جبکہ ایک مصحف یمن کی طرف اور ایک نسخہ بحرین کی جانب بھی ارسال کیا گیا تھا اور چونکہ ابن مجاہد وغیرہ نے اس تعداد کا پاس رکھنے کی ٹھان لی تھی حالانکہ وہ باقی دو مصحفوں سے متعلق کسی روایت سے واقف نہیں تھا لہٰذا اُس نے دیگر دو قاریوں کے نام بھی ثبت کر دیئے اور ان دونوں کے نام لکھنے سے تعداد مکمل ہوگئی کہ جس کے متعلق روایت بھی وارد تھی اور وہ اس روایت سے واقف بھی تھا جبکہ جو شخص مسئلہ کی تہ تک نہیں پہنچ سکا اُس نے یہ خیال کر لیا کہ حروف سبعہ سے مراد قراءات سبع ہے -تمام شد- مذکورہ بیان اُس نظریہ کی تائید کرتا ہے کہ جو ہمارے ساتھیوں (شیعہ علماء) کا قائم کردہ ہے'' (مفتاح الکرامۃ- جلد۲- صفحہ ۳۹۵)

قسطلانی (متوفی-۹۲۳ھ) نے ابن مجاہد کے اس عمل کی ایک ایسی توجیہہ بیان کی ہے کہ جس کا دعویٰ خود ابن مجاہد نے بھی نہیں کیا، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''ابن مجاہد وہ پہلا شخص ہے کہ جس نے ان سات قاریوں پر اکتفا کیا، لہٰذا اُسے یہ بات زیادہ پسند آئی کہ حرمین، عراقین اور شام کی مشہور قراءات کو یکجا کرے، اس لئے کہ یہ پانچ شہر ہی ہیں جہاں سے علم نبوت

پھیلا یعنی قرآن، تفسیر، حدیث، ظاہری اور باطنی اعمال میں فقہ اور دیگر دینی علوم"۔

اس پر مزید کہتا ہے: "پس جب اس نے یہ ارادہ کرلیا تو اس نے ان شہروں کے ائمۂ قرأت میں سے سات مشہور قاریوں کی قرأت کو یکجا کیا تا کہ جتنے انداز سے قرآن نازل ہوا تھا قرأت کی تعداد بھی اُتنی ہی ہو جائے، نہ اس لئے کہ اُس کا یا دیگر علماء کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ سات افراد ہی متعین ہیں کہ ان کے علاوہ دیگر کسی قاری کی قرأت کے طریقہ سے قرأت کرنا جائز نہیں ہے"(لطائف الإشارات- جلد۱- صفحہ۸۶)

سات قرائات کے تعین کے طور پر مذکورہ توجیہ ابن مجاہد کی از خود بیان کردہ توجیہ سے بھی عجیب تر معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ حروف سبعہ کی تعداد سے میل کھانا یہ ایک اشتباہ ہے کہ کسی عالم کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایسے فعل کو انجام دے، بلکہ ضروری ہے کہ وہ اس عمل سے اجتناب برتے کہ مبادا غلطی نہ ہو جائے اور یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ سات سے مُراد وہی سات ہیں کہ جن کا ذکر سات روایتوں میں ملتا ہے۔

بظاہر اس سلسلہ میں ابن مجاہد اپنے اُستاد طبری (متوفی-۳۱۰ھ) سے متاثر تھا، کیونکہ قرأت کے معاملہ میں وہ اُسی کا مرہونِ منت تھا۔ چنانچہ خطیب بغدادی (متوفی-۴۶۳ھ) نے ابوعلی طوماری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتا ہے: "میں ماہِ رمضان میں ابوبکر ابن مجاہد کے لئے نمازِ تراویح کی خاطر مسجد میں جانے کے لئے قندیل اُٹھاتا تھا، پس آخری دس راتوں میں سے ایک رات اپنے گھر سے باہر آ کر اُس نے مسجد کا راستہ طے کیا لیکن اس کے اندر داخل نہ ہوا جبکہ میں اُس کے ساتھ ساتھ ہی تھا، چنانچہ وہ اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ سوق العطش کے آخری حصہ تک جا پہنچا اور وہاں جا کر مسجد محمد ابن جریر -طبری- کے دروازہ کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا جبکہ محمد وہاں پر سورۂ رحمٰن کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ کافی دیر تک اُس کی قرأت سنتا رہا اور اس کے بعد واپس ہوا؛ میں نے اُس سے عرض کیا: اُستادِ محترم! لوگ آپ کو دیکھ رہے ہیں آپ نے تو اس کی بھی اعتنا نہ کی اور آپ اس شخص کی قرأت سننے یہاں تک آ گئے؟ تو اس نے کہا: اے ابوعلی! تم اس بات کو رہنے ہی دو، اس لئے کہ میں نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا انسان بھی پیدا کیا ہو گا جو اس قرأت سے بہتر قرأت کر سکتا ہو گا۔(تاریخ بغداد- جلد۲- صفحہ۱۶۴)

طبری کے اَلفاظ کچھ یوں ہیں: "کسی شخص کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے مصاحف میں کوئی ردّوبدل کر دے، اور چونکہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے لہٰذا وہی قرأت صحیح مانی جائے گی جو ان شہروں کے قاریوں کی مقرر کردہ ہیں نہ کہ اُن قاریوں کی قرائات جو شاذ میں شمار کی جاتی ہیں"(تفسیر الطبری- جلد۳۳- صفحہ۶۶۳- مطبوعہ ۱۳۲۷ھ)

اس بناء پر طبری کی رائے یہ ٹھہری کہ قاریوں کا اجماع قرأت کے سلسلہ کی حجت ہے اور یہ بھی کہ ابن مجاہد کا خیال یہ

ہے کہ ان سات قاریوں کی قرائات اُن کے اجماع کی حیثیت رکھتی ہیں اور - اس کے اجتہاد کے لحاظ سے - ان کی دُرستگی وغیرہ کے لئے یہی کافی ہیں، لیکن ابن مجاہد کا کسی قرأت کو دوسری پر ترجیح دینا، جیسے نافع کی قرأت کو دوسری قرائات پر، اس تعین کے منافی ہے۔

نافع کی قرأت سے متعلق ابن مجاہد کے اس قدر انتہائی اہتمام کے باوجود بھی ان دنوں یعنی ۱۳۸۵ھ میں ابن مجاہد کے اپنے وطن عراق میں نافع کی قرأت کے مطابق پڑھنے والا کوئی قاری نہیں ہے، حتیٰ کہ ایک بھی نہیں، بلکہ اس کے برعکس اُس کے حریف ابن مقسم نے جو دعویٰ کیا تھا کہ مصحف کی عبارت اور عربی زبان کے قواعد وضوابط سے میل کھانا دو بنیادی قانون ہیں ہمارے زمانے میں تمام عالمِ اسلام میں قرأت کی دُرستگی کا معیاری اُصول بن گیا ہے۔

چوتھی صدی میں ایک جماعت رُونما ہوئی کہ جس نے قرائات سبع کی علتیں تحریر کیں، ان پر دلیلیں قائم کیں اور اُن کی تائید میں بہت کچھ لکھا:

۱۔ سب سے پہلے تو انہوں نے ابو بکر محمد ابن سری سراج (متوفی-۳۱۶ھ) کی تحریر کو ابن مجاہد پر تنقید ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن جس طرح کہ **مقدمة الفارسی** سے ظاہر ہوتا ہے کامیاب نہ رہے۔

۲۔ محمد ابن حسن اَنصاری (متوفی-۳۵۱ھ) نے **کتاب السبعة بعللها** (کلاں) تصنیف کی۔

۳۔ محمد ابن حسن ابن مقسم (متوفی-۳۶۲ھ) نے اس سلسلہ میں دو کتابیں کلاں اور متوسط تحریر کیں۔

۴۔ عبداللہ ابن حسین ابن خالویہ (متوفی-۳۷۰ھ) نے **الحجة فی القراء ات السبع** تصنیف کی جو ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی۔

۵۔ ابو علی فارسی (متوفی-۳۷۷ھ) نے بھی **الحجة فی القراء ات السبع** نامی کتاب تصنیف کی جو ۱۹۸۴ء میں دمشق سے شائع ہوئی۔

مذکورہ کتابوں میں سے گو کہ کچھ تو ضائع ہوگئی ہیں لیکن اس کے باوجود بھی اسلامی معاشرہ میں ابن مجاہد نے قرائات سبع کو جس طرح سے عام کیا ہے اُس کی اس باقیات کے متعلق ایک واضح فکر عطا کرتی ہیں۔

ان کتابوں کے بعد جو کچھ لکھا گیا وہ اسی بنیاد کی توسیع میں شمار ہوتا ہے کہ بعد میں آنے والے بھی اگلوں کی روش پر گامزن رہے اور اُن میں سے مشہور ترین مندرجہ ذیل افراد ہیں:

۱۔ مکی ابن ابی طالب قیسی (متوفی-۴۳۷ھ)

۲۔ عثمان ابن سعید دانی (متوفی-۴۴۴ھ)

۳۔قاسم ابن فیروز شاطبی (متوفی-۵۹۰ھ)

درس وتدریس، قرأت اور حفظ کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک نے ایک فعّال کردار ادا کیا ہے؛ آپ قارئین کی خدمت میں ان سات قاریوں کی زندگی کے چند پہلو پیش کئے جا رہے ہیں:

سات قاریوں کی تواریخ کی جدول

قاری	اَصل	مقام	حاکم وقت	قوم حاکم	مخالفت	ائمہ اہل بیتؑ
۱۔ابن عامر (متوفی-۱۱۸)	؟	دمشق	ہشام ابن عبدالملک	اُموی	زید (شہادت۱۲۲ھ)	امام باقرؑ (شہادت۱۱۴ھ)
۲۔ابن کثیر (متوفی-۱۲۰ھ)	عجمی	مکہ	عبدالملک	اُموی	زید (شہادت۱۲۲ھ)	امام صادقؑ (شہادت۱۴۸ھ)
۳۔عاصم (متوفی-۱۲۷ھ)	عجمی	کوفہ	عبدالملک	عباسی	نفس زکیہ (شہادت۱۵۴ھ)	امام صادقؑ (شہادت۱۴۸ھ)
۴۔عمرو (متوفی-۱۵۴ھ)	عجمی	بصرہ	منصور دوانیقی	عباسی	ابراہیم (متوفی۱۵۴ھ)	امام کاظمؑ (شہادت۱۸۳ھ)
۵۔زیات (متوفی-۱۵۶ھ)	عجمی	کوفہ	ہادی	عباسی	شہید فخ (شہادت۱۶۹ھ)	امام کاظمؑ (شہادت۱۸۳ھ)
۶۔نافع (متوفی-۱۶۹ھ)	عجمی	مدینہ	ہادی	عباسی	شہید فخ (شہادت۱۶۹ھ)	امام کاظمؑ (شہادت۱۸۳ھ)
۷۔کسائی (متوفی-۱۸۱ھ)	عجمی	کوفہ	رشید	عباسی	امام کاظمؑ (شہادت۱۸۳ھ)	امام کاظمؑ (شہادت۱۸۳ھ)

سات قاری

ان سب کا تعلق اُن شہروں سے ہے کہ جہاں حضرت عثمانؓ نے مصاحف ارسال کئے تھے، یعنی کوفہ، بصرہ، شام اور

ان کے ساتھ ساتھ مکہ اور مدینہ۔ سوائے ابن عامر کے سب کے سب عجمی تھے جبکہ اس ایک شخص کے بارے میں دو مختلف باتیں ہیں کہ آیا یہ عربی تھا یا عجمی؟ ابن مجاہد نے مکہ، مدینہ، دمشق اور بصرہ سے ایک ایک جبکہ کوفہ سے تین قاریوں کا انتخاب کیا ہے، البتہ دوسرے شہروں کو چھوڑ کر صرف ایک ہی شہر یعنی کوفہ سے تین قاریوں کو منتخب کرنے کی توجیہ بیان کرنا ایک دُشوار کام ہے۔ اُن کی تواریخ وفات کے لحاظ سے اُن قاریوں کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ ابن عامر (متوفی-۱۱۸ھ) کہ یہی ابو عمران ابن عبداللہ ابن عامر یحصبی ہے کہ یہ شام کا باشندہ تھا۔
۲۔ ابن کثیر (متوفی-۱۲۰ھ) یہ ابو معبد عبداللہ ابن کثیر، ابو معبد، مکی عجمی اور مکہ کا رہنے والا تھا۔
۳۔ عاصم (متوفی-۱۲۷ھ) یہ ابوبکر عاصم ابن ابی نجود اَسدی کوفی ہے جو کوفہ کا رہنے والا تھا۔
۴۔ ابوعمرو ابن علاء (متوفی-۱۵۴ھ) ابوعمر و زیاد ابن علاء، ابن عمار بصری مازنی جو بصرہ کا رہنے والا تھا۔
۵۔ حمزہ زیات (متوفی-۱۵۶ھ) ابوعمارہ حمزہ ابن حبیب زیات کوفی جو کوفہ میں رہنے والا تھا اور بالاصل عجمی تھا۔
۶۔ نافع (متوفی-۱۶۹ھ) ابورویم نافع ابن عبداللہ محمد ابن نعیم لیثی جو مدینہ میں رہنے والا عجمی تھا۔
۷۔ کسائی (متوفی-۱۸۹ھ) ابوالحسن علی ابن حمزہ اَسدی جو کوفہ کا رہنے والا عجمی شخص تھا۔

۱۔ ابو عامر دمشقی (متوفی-۱۱۸ھ)

ابن عامر دمشقی کی قرأت اُس ہشام ابن عبدالملک اُموی کے عہد (۱۰۶ھ تا ۱۲۶ھ) میں ظاہر ہوئی کہ جس نے حضرت زید بن علی ابن الحسین علیہما السلام کو شہید کیا اور دمشق کو اپنی سلطنت کا دارالخلافہ قرار دیا تھا۔

موّرخ ابن اَثیر (متوفی-۶۳۰ھ) اپنی کتاب الکامل میں خراسان میں بنوعباس کی تشہیر کرنے والوں کے واقعات رقم کرتے ہوئے ۱۱۷ھ کے متعلق یوں رقمطراز ہے: ''اس سال عبداللہ نے بنوعباس کی تشہیر کرنے والوں کی ایک جماعت کو خراسان میں گرفتار کر کے اُنہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا جبکہ اُن میں سے بعض اَفراد کا مُثلہ کیا (ناک کان کاٹے) اور بعض کو قید کر دیا'' (الکامل - جلد۴- صفحہ ۲۱۵)

ابن اَثیر (متوفی-۶۳۰ھ) نے ۱۱۸ھ میں ابن عامر کی وفات کو تحریر نہیں کیا۔ (ملاحظہ کیجئے الکامل - جلد۴- صفحہ ۲۲۲) اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس دَور میں ابن عامر کو شہرت حاصل نہیں تھی جبکہ معرفۃ القرّاء کی پہلی جلد میں صفحہ ۸۲ تا ۸۶ پر ذہبی نے ابن عامر کی سوانح حیات کو درج کیا ہے اور کہا ہے: ''اس کا انتقال ۱۱۸ھ میں ہوا تھا''۔

اس کی سوانح حیات پڑھتے ہوئے ہمیں مندرجہ ذیل نقاط سے آگاہی حاصل ہوتی ہے:

از خود ابن عامر کہتا ہے: ''رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) جب اس دُنیا سے رُخصت ہوئے تو اُس موقع پر میں دوسال کا تھا اور جب نو سال کا ہوا تو دمشق منتقل ہوگیا۔ (معرفة القرّاء - جلد۱- صفحہ۸۲) اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ ۹ ھ میں پیدا ہوا اور ۱۸ ھ میں دمشق میں منتقل ہوگیا تھا۔ اُس نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ وہ کہاں سے دمشق منتقل ہوا تھا۔ نیز اس نے اپنی زندگی کے ایک سَو سترہ سال دیکھے اس لئے کہ اس کا انتقال ۱۱۸ ھ میں ہوا تھا اور یہ عام عمر سے طویل ترتھی۔ اس بناء پر ذماری نے جو نقل کیا ہے کہ ابن عامر ۲۱ ھ میں پیدا ہوا تھا یہ حقیقت سے قریب تر نظر آتا ہے اور ایسی صورت میں اس کی عمر ۹۶/۹۷ سال کی ہوگی۔

وہ دمشق میں قضاوت کے عہدہ پر فائز ہوا تھا اور معاویہ سے نقل کرتے ہوئے اَحادیث بیان کرتا ہے۔ (معرفة القرّاء - جلد۱- صفحہ۸۳) اس بناء پر اُموی خاندان سے اس کے تعلقات کافی اُستوار تھے۔ نیز ابن عامر فوج کا قاضی اور مسجد کا رئیس تھا کہ اُس نے مسجد میں جس بدعت کو بھی دیکھا اُسے بدل کر رکھ دیا۔ (جلد۱- صفحہ۸۴) تو ایسی صورت میں اُموی سپاہیوں میں اس نے ایک فعّال کردار اَدا کیا تھا۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس کا تعلق قبیلہ حمیر سے ہے جبکہ اس کے نسب کو مطعون بھی قرار دیا جاتا ہے۔ (جلد۱- صفحہ۸۴) اس طور سے اُس میں کچھ خاندانی کمی تھی کہ جس کی وجہ سے اُس کے حسب نسب میں قدغن لگایا گیا جیسا کہ سلمان ابن عبدالملک نے مہاجر ابن ابی مہاجر سے کہا تھا: ''جب رمضان کی پہلی شب آئے تو امام جماعت کے پیچھے کھڑے ہو جانا اور جب ابن عامر آگے بڑھے تو اُس کے لباس کو پکڑ کر کھینچ لینا اور کہنا: پیچھے کو ہٹو کہ ایک زنازادہ کبھی ہم سے آگے نہیں ہوسکتا'' (جلد۱- صفحہ۸۵) بنابریں اس کے حسب نسب کا دعویٰ تو مشہور و معروف تھا۔ البتہ عجلی کا کہنا ہے: ''ابن عامر شامی اور قابل وثوق شخص ہے'' (جلد۱- صفحہ۸۵) تو یقیناً اُس کا دعویٰ حسب نسب کے علاوہ کسی اور اَمر سے متعلق ہوگا۔

چنانچہ یہ ایک بدیہی اَمر ہے کہ ابن عامر نے جن حکومتی اُمور کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی ہوئی تھی اُن کی وجہ سے اُموی مرکز میں تو اس کی قرأت عام ہوگی ہی اور اُموی لوگ اِس سلسلہ میں اُس کی اِعانت بھی کریں گے اور نتیجتاً زید شہیدؒ فرزند امام زین العابدین علیہ السلام کی قرأت سے اعتنا نہ کی جائے گی جو اُموی حکومت کے سب سے بڑے مخالف تھے اور اُموی حکومت نے اُن کی بغاوت کے خلاف فیصلہ دے دیا تھا تو اُن کی شہادت کے ساتھ اُن کی قرأت بھی متروک ہوگئی - یہاں تک کہ انؒ کی قرأت کو شاذ قراءات میں شمار کیا جانے لگا - (ملاحظہ ہو ابن جنی کی تألیف المحتسب- صفحہ۱)

اس کے بعد تو ابن عامر کی قرأت کا بھی خاتمہ ہوگیا اور اس دور میں یعنی ۱۳۸۵ ھ میں دمشق میں کوئی اُس کے مطابق قرأت کرتا ہے اور نہ ہی کسی دوسری اِسلامی مملکت میں یعنی بالفاظ دیگر اُموی حکومت کا خاتمہ ابن عامر کی قرأت کے

زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

ابن مجاہد (متوفی۔ ۳۲۴ھ) کہتا ہے: ''عبداللہ ابن عامر یحصبی نے مغیرہ ابن ابی شہاب مخزومی سے جبکہ مغیرہ نے حضرت عثمان ابن عفان سے قرأت سیکھی تھی''۔

یحیٰی ابن حارث ذماری کے حوالے سے نقل کیا جاتا ہے کہ اُس نے کہا تھا: ''میں نے عبداللہ ابن عامر یحصبی کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ عبداللہ نے مغیرہ ابن ابی شہاب مخزومی کے سامنے قرأت کی تھی اور مغیرہ نے حضرت عثمان ابن عفان کے سامنے'' (السبعة۔ صفحہ ۸۶)

شام کے اہالیان ابن عامر کی قرأت کو اپنائے ہوئے ہیں اور الجزیرہ کے ممالک میں بھی اکثر افراد اسی کی قرأت پر قائم ہیں سوائے مصر کے کچھ باشندے کہ یہ لوگ نافع کی قرأت پر عمل کرتے ہیں جبکہ شام کے باشندوں پر تو ابن عامر ہی کی قرأت چھا گئی ہے۔ (کتاب السبعة۔ صفحہ ۸۷)

ابن مجاہد نے عبداللہ ابن عامر کی قرأت کے سلسلہ میں تین اُسناد پیش کی ہیں کہ اُن میں کی پہلی سند یوں ہے: جہاں تک ابن عامر کی قرأت کا تعلق ہے تو احمد ابن یوسف تغلبی نے ہمیں اُس کی قرأت کے متعلق بتلایا، اس نے عبداللہ ابن احمد ابن ذکوان دمشقی ابو عمرو سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتا ہے: میں نے قاری ایوب ابن تمیم تمیمی کے سامنے قرأت کی اور ایوب نے مجھے بتلایا کہ اس نے یحیٰی ذماری کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ یحیٰی ابن حارث نے عبداللہ ابن عامر کے سامنے قرأت کی تھی۔ (السبعة۔ صفحہ ۱۰۱)

قیسی (متوفی۔ ۴۳۷ھ) کہتا ہے: ''ابن عامر ہی سب سے سن رسیدہ قاری ہے نیز ہم سے نقل کیا گیا ہے کہ اُس نے حضرت عثمانؓ اور ابودرداء کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مغیرہ ابن ابی شہاب مخزومی کے سامنے قرأت کی تھی اور مغیرہ نے حضرت عثمان کے سامنے اور دونوں ہی طریقوں کے متعلق کلام کیا تھا اور اسی لئے ہم نے اسے بعد میں بیان کیا۔ میں نے اب تک کسی ایسے اُستاد کو نہیں دیکھا جس نے اس کی قرأت کو ترک کر دیا ہو، بلکہ ہر کوئی اسے صحیح و سالم قرأت مانتا ہے اور ہم نے بھی یہی رائے قائم کی ہے۔

ابن عامر کا شمار تابعین کے دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے کہ اس کا انتقال دمشق میں ۱۱۸ھ میں ہوا تھا۔ امام بخاری نے روایت نقل کی ہے کہ ابن عامر معاویہ سے سن کر اُسی کے حوالے سے نقل کرتا تھا جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے نعمان ابن بشیر کے سامنے قرأت کی تھی اور واثلہ ابن اسقع کے سامنے بھی: رحمۃ اللہ علیہم'' (التبصرة۔ صفحہ ۵۱)

اس کی سوانح حیات کو بیان کرتے ہوئے ذہبی (متوفی۔ ۷۴۸ھ) کہتا ہے: ''قرأت کے سلسلہ میں شامیوں کا

امام ہے کہ اس کا نام عبداللہ ابن عامر ابن یزید ابن تمیم ابن ربیعہ ہے اور صحیح ترین روایت کے مطابق (اس کی کنیت) ابوعمران ہے جبکہ ابوعامر بھی کہی گئی ہے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی کنیت ابونعیم تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابوعلیم تھی: کچھ نے ابوعبید بتائی ہے اور کچھ کا کہنا ہے کہ ابومحمد تھی۔ بعض لوگ ابوموسیٰ کے قائل بھی ہیں اور بعض ابومعبد کے جبکہ ابوعثمان دمشقی بھی بتائی جاتی ہے۔ بحسب ابن دھمان احمد حمیر کی طرف اس کا حسب نسب ثابت ہے جبکہ حمیر کا تعلق قحطان سے تھا۔ بعض لوگوں کو اس کے حسب نسب میں کلام ہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کا حسب نسب بالکل واضح ہے''۔

خالد ابن یزید مُری کہتا ہے: ''میں نے عبداللہ ابن عامر کو یہ کہتے سُنا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت میری عمر دو سال تھی اور جب میں دمشق میں منتقل ہوا اُس وقت میری عمر نو سال تھی''۔

اس نے ابودرداء کے سامنے قرأت کر کے اُسے سیکھا تھا اور مغیرہ ابن ابی شہاب سے بھی جو حضرت عثمانؓ کا دوست تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے براہ راست حضرت عثمانؓ کے سامنے قرأت کی تھی اور اس کے حوالے سے ایک ایسی قرأت بھی مروی ہے جو یحییٰ ذماری نے اس کے سامنے کی تھی۔

ابوادریس خولانی کے بعد دمشق کی قضاوت کا عہدہ اسی نے سنبھالا تھا نیز اس نے معاویہ، فضالہ ابن عبید، نعمان ابن بشیر اور واثلہ ابن اسقع سے اَحادیث نقل کی ہیں۔

فسوی اپنی تاریخ میں یوں رقمطراز ہے: ''ہشام ابن عمار نے ہم سے یہ بیان کیا کہ ہیثم ابن عمران نے ہم سے یہ بیان کیا: وہ عبدالملک کے دَور میں اور اس کے بعد بھی دمشق کی مسجد کا رئیس تھا، اس کا نام عبداللہ ابن عامر یحصبی تھا کہ اس کے حسب نسب کو مطعون قرار دیا جاتا ہے! ماہ رمضان میں آیا تو لوگوں نے کہا: ہماری امامت کون کرے گا؟ تو اُن لوگوں نے کہا کہ مہاجر ابن ابی مہاجر۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ عجمی تھا جبکہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ کوئی غیر عرب شخص ہماری امامت کا فریضہ اَدا کرے۔ یہ خبر سلیمان ابن عبدالملک تک پہنچی تو جب وہ خلیفہ مقرر ہوا تو اُس نے مہاجر کے پاس یہ پیغام بھجوایا: جب ماہِ رمضان کی پہلی شب آئے تو امام جماعت کے پیچھے کھڑے ہو جانا اور جب ابن عامر آگے بڑھے تو اُس کے لباس کو پکڑ کر کھینچ لینا اور کہنا: پیچھے کو ہٹو کہ ایک زنا زادہ ہمارے آگے کھڑا نہیں ہوسکتا اور تم نماز پڑھانا اے مہاجر! تو اس نے ایسا ہی کیا''۔

احمد ابن عبداللہ عجلی کہتا ہے: ''ابن عامر شامی اور قابل وثوق شخص تھا''۔

یحییٰ ابن حارث کے حوالے سے مروی ہے کہ اس نے ابن عامر کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ اس نے مغیرہ ابن ابی شہاب کے سامنے قرأت کی تھی اور مغیرہ نے حضرت عثمانؓ کے سامنے۔ ہم نے ہشام کی وہ روایت بیان کر دی ہے جسے اُس نے ولید سے نقل کیا ہے اور اُس میں مغیرہ کا نام ساقط ہے اور یہ بھی کہ ہشام نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے اور اُسے خرافات

کا نام دیا ہے۔

خلیفہ، محمد ابن سعد اور ابن جریر کہتے ہیں: "ابن عامر کا انتقال ۱۱۸ھ میں ہوا تھا" (معرفة القرّاء۔ جلد ا۔ صفحہ ۸۶)

قاضی عبدالفتاح ابن عامر کی قرأتی روش کے متعلق حسبِ ذیل نقاط میں بیان کرتا ہے:

ا۔ اس نے بھی دونوں سورتوں کے درمیان اُسی بات کا ذکر کیا ہے کہ جس کا ذکر ابوعَمرو نے کیا ہے؛ ملاحظہ کیجئے صفحہ ۲۸۴۔

۲۔ مدِّ متصل اور مدِّ منفصل میں توسط کا قائل ہے۔

۳۔ جب دو ہمزہ ایک ہی کلمہ میں یکجا ہو جائیں تو تسہیل اور تحقیق کے ساتھ ادخال کا قائل ہے بشرطیکہ ہمزہ پر زبر ہو، جبکہ اگر ہمزہ پر زیر یا پیش لگا ہوا ہو تو تحقیق کی صورت میں ادخال کے ساتھ اور اُس کے بغیر بھی بیان کیا ہے۔ یہ پوری رائے ہشام کی ہے جبکہ ذکوان حفص کی طرح قرأت کا قائل ہے۔

۴۔ وقف کے موقع پر (کلمہ کے) آخر میں واقع ہمزہ میں اس سلسلہ میں لکھی گئی تفصیل کے مطابق تغیر کا قائل ہے؛ یہ رائے صرف ہشام ہی کی ہے۔

۵۔ ہشام کی روایت کے مطابق حرف "ذ" کو بعض دوسرے حروف میں مُدغم کر دیا جاتا ہے جیسے **اِذ تبرّاء الذین اتبعوا** جیسی مثال میں جبکہ دیگر دو روایتوں کے مطابق حرف دال کو حرف "ث" میں جیسے **و من یرد ثواب**، حرف "ث" کو حرف "ت" میں جیسے **لبثت** اور **لبثتم** چاہے جہاں بھی واقع ہو جائیں اور اسی طرح سے حرف "ذ" کو حرف "ت" میں مُدغم کر دیا جاتا ہے جیسے **اخذت** اور **اتخذتم** میں خواہ کیسی بھی صورت میں واقع ہوں۔

۶۔ ہشام (ہی) کی روایت کے مطابق سورۂ اَحزاب (۳۳ ویں سورت) کی ۵۳ ویں آیت: ﴿**غیر ناظرین اِناہ**﴾، میں حرف **اِناہ**، سورۂ یٰس (۳۶ ویں سورت) کی ۷۳ ویں آیت میں لفظ **مشارب** کے الف اور سورۂ کافرون (۱۰۹ ویں سورت) کی تیسری اور چوتھی آیت میں عابدون اور عابد اور سورۂ غاشیہ (۸۸ ویں سورت) کی پانچویں آیت ﴿**تسقیٰ من عین آنیة**﴾ میں لفظ آنیة کے الف کو امالہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

۷۔ ہشام کی روایت کے مطابق بعض مقامات میں لفظ **ابراھیم** کے حرف "ہ" پر زبر پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد حرف الف۔

۸۔ اِن اَلفاظ میں ابن ذکوان کی روایت کے مطابق الف کو امالہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے: **جآء، شآء** اور **زاد**۔ خواہ یہ کلمے جہاں کہیں اور جیسی حالت میں بھی واقع ہوں **حمارک**، **المحراب**، **اِکراھھنّ**، **کمثل الحمار**،

الاکرام ، عمران۔

۹۔ابن ذکوان کی روایت کے مطابق سورۂ صافات (۳۷ویں سورت) میں "و انّ الیاس" میں ہمزہ کو ملا کر پڑھا جائے گا۔(تاریخ القرّاء۔ صفحہ۲۳)

۲۔ ابن کثیر (متوفی۔ ۱۲۰ھ)

ابن کثیر اور ابن عامر ہمعصر شمار ہوتے ہیں کہ دونوں ہی اُموی خلیفہ ہشام ابن عبدالملک کے دورِ خلافت میں تھے جو ۱۰۶ھ سے لے کر ۱۱۶ھ پر محیط ہے، گو کہ ابن کثیر میں یہ فرق پایا جاتا ہے کہ اس کی قرأت مکہ مکرمہ میں مشہور تھی۔ابن اثیر (متوفی۔۶۳۰ھ) نے ۱۲۰ھ میں خراسان میں بنو عباس کے ہم فکروں کے کردار کو فعال قرار دیا ہے اور اسی سال خالد ابن عبداللہ قسری معزول ہوا تھا اور ہشام ابن عبدالملک کی جانب سے یوسف ابن عمر ثقفی حجاج والی مقرر ہوا تھا۔(جلد۴۔ صفحہ۴۳۶) ابن کثیر نے اس کی وفات کے متعلق کچھ نہیں لکھا کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت تک یہ مشہور نہیں تھا جس طرح سے کہ ۱۲۱ھ میں زیدؒ ابن علیؑ ابن حسینؑ کا قیام اور اُن کو شہید کئے جانے کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ذہبی (متوفی۔۷۴۸ھ) نے اس کی سوانح حیات بیان کرتے ہوئے اس کی وفات کو ۱۲۰ھ میں بیان کیا ہے۔وہ کہتا ہے: ''عبداللہ ابن کثیر ابن مطلب، امام ابو معبد جو عمر و ابن علقمہ کنانی کا غلام تھا، داری مکی اور قرأت کے سلسلہ میں مکہ کے رہنے والوں کا امام تھا۔اس کا تعلق فارس اور دارین سے تھا جو ہندوستان کے مضافات میں واقع ہے جہاں اَبنائے فارس بستے ہیں کہ کسریٰ نے انہیں صنعاء کی طرف بھیجا اور وہاں سے انہیں حبشہ کی طرف جلاوطن کر دیا گیا تھا'' (معرفة القرّاء۔ جلد۱۔ صفحہ۸۶)

اس کے پیشہ کے متعلق کہا جاتا ہے: ''یہ عطار تھا'' (جلد۱۔ صفحہ۸۷) جس کے ذریعہ ابن کثیر نے حدیثیں نقل کی ہیں وہ عبداللہ ابن زبیر ہے (جلد۱۔ صفحہ۸۷) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاکم وقت سے اس کے تعلقات اُستوار تھے کہ جس وقت زیدؒ ابن علیؑ کی شورش رُونما ہوئی جو پیدائشی مدنی تھے اور حسب نسب کے لحاظ سے عربی بھی اُس زمانہ میں مدینہ شرقی دُنیا کا مرکز فکر اسلامی بن چکا تھا اور وہ (زید شہیدؒ) کوفہ میں انقلاب لانے کی کوشش میں تھے کہ ۱۲۱ھ میں اُنہیں قتل کر دیا گیا۔ہم دیکھتے ہیں کہ اس عرصہ میں ابن کثیر مکی فارسی کی شہرت نے لوگوں کی توجہ مدینہ سے ہٹا دی جو اُموی حکومت کے خلاف انقلابی کارروائیوں کا فکری مرکز بنا ہوا تھا اور اس طرح لوگوں کی توجہ مکہ کی طرف مبذول ہوگئی جو مسلمانوں کی مقدس ترین زمین ہے۔

ابن مجاہد کہتا ہے: ''یہ (ابن کثیر) امام تھا کہ مکہ میں قرأت اسی پر منتہی ہوئی اور اس دور میں اہالیان مکہ کی امامت کے فرائض عبداللہ ابن کثیر نے ادا کئے جو عمر و ابن علقمہ کنانی کا غلام تھا؛ اسے داری بھی کہا جاتا ہے، یہ سب پر مقدم تھا۔ اس نے مجاہد ابن جبر کے سامنے قرأت کی جبکہ مجاہد نے ابن عباس کے سامنے قرأت کی تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور ابن عباس نے اُبی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے۔ نیز ابن کثیر نے قرأت کے سلسلہ میں کسی بھی طرح سے مجاہد کی مخالفت نہیں کی۔

عبداللہ ابن کثیر کے زمانہ میں شہر مکہ میں جس شخص نے اپنے آپ کو قرأت کے لئے وقف کر دیا تھا اور اس کا بیڑا اُٹھایا تھا وہ محمد ابن عبدالرحمٰن ابن محیصن تھی ہے کہ اسے محمد ابن عبداللہ ابن محیصن کہا جاتا ہے جبکہ عبدالرحمٰن ابن محمد محیصن بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے درباس کے سامنے قرأت کی تھی جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا غلام تھا جبکہ درباس نے ابن عباسؓ کے سامنے قرأت کی تھی؛ ابن کثیر نے بھی درباس کے سامنے قرأت کی تھی۔ ابن محیصن عربی زبان کا عالم تھا اور اُس کا ایک انتخاب ایسا بھی ہے کہ جس میں اس نے اپنے ساتھیوں کی اتباع نہیں کی؛ اس نے ابن مجاہد سے بھی قرأت سیکھی تھا۔ مجاہد کے حوالے سے نقل کیا جاتا ہے کہ وہ کہا کرتا تھا: ابن محیصن صرف عربی زبان کو اُستوار ہی نہیں کر رہا بلکہ وہ اسے مضبوط سے مضبوط تر بناتا جا رہا ہے؛ اس طرح سے وہ اس کی مدح سرائی کرتا تھا۔ ابن ابی خیثمہ نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا کہ: خلف نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا کہ: عبید ابن عقیل نے شبل کے ذریعہ، اس نے حمید اور اس نے مجاہد کے ذریعہ بھی یہی قول بیان کیا ہے کہ اہل مکہ نے اس کی قرأت پر اس طرح سے اتفاق نہیں کیا کہ جس طرح سے ابن کثیر کی قرأت پر اجماع قائم کیا ہے۔ (کتاب السبعة۔ صفحہ ۶۵)

ابن کثیر کی اسانید کے متعلق وہ کہتا ہے: ''جہاں تک ابن کثیر کی قرأت کا تعلق ہے تو میں نے اُس کی قرأت کے مطابق ابوعمر محمد ابن عبدالرحمٰن ابن محمد ابن خالد ابن سعید ابن جرجہ مخزومی مکی کے سامنے ۲۷۸ھ میں پڑھا تھا کہ اس کا لقب قنبل تھا۔ نیز مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے احمد ابن محمد ابن عون نبال تو اس کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ اس نے اُسے یہ بھی بتلایا کہ اس نے ابو اخریط وہب ابن واضح کے سامنے قرأت کی تھی۔ وہ کہتا ہے: وہب نے مجھے بتایا کہ اس نے اسماعیل ابن عبداللہ ابن قُسط کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ اسماعیل نے اُسے بتایا کہ اس نے شبل ابن عباد اور معروف ابن مشکان کے سامنے قرأت کی تھی اور اُن دونوں نے اُسے بتایا کہ اُن دونوں نے ابن کثیر کے سامنے قرأت کی تھی، رحمہ اللہ تعالیٰ''۔

نبال کہتا ہے: ''وہب نے مجھے بتایا کہ اس نے معروف ابن مشکان اور شبل ابن عباد سے ملاقات کی اور اُن دونوں کے سامنے قرأت کی، نیز اُن دونوں نے اُسے اس اسناد کی خبر دی'' (کتاب السبعة۔ صفحہ ۹۳)

قیسی (متوفی۔ ۴۳۷ھ) بیان کرتا ہے: ''جہاں تک ابن کثیر کا تعلق ہے تو اس نے مجاہد کے سامنے قرأت کی تھی

جبکہ مجاہد نے ابن عباسؓ کے سامنے قرأت کی تھی اور ابن عباسؓ نے اُبیؓ اور زیدؓ کے سامنے قرأت کی تھی اور اُبیؓ اور زیدؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے قرأت کی تھی"۔

اس نے عبداللہ ابن سائب مخزومی کے سامنے بھی قرأت کی تھی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے صحابی تھے اور عبداللہ نے اُبیؓ کے سامنے قرأت کی تھی اور ان کا تعلق تابعین میں کے دوسرے طبقہ سے تھا، لہٰذا اس کی فضیلت بھی مشہور تھی۔ اس کی قرأت ہی اہل حجاز کی قرأت ہے اور وہ بھی مستند سند کے ساتھ کہ اس روایت کا طریق بھی صحیح ہے۔ اس کا انتقال مکہ میں ۱۲۰ھ میں ہوا" (التبصرۃ۔ صفحہ ۴۶)

ذہبی (متوفی ۔۷۴۸ھ) اس کی سوانح حیات کے طور پر یہ الفاظ لکھتا ہے: "عبداللہ ابن کثیر (متوفی ۔۱۲۰ھ) ابن المطلب امام ابو معبد جو عمرو ابن علقمہ کا غلام، کنانی داری مکی تھا اور قرأت کے سلسلہ میں مکہ کے رہنے والوں کا امام تھا"۔

دراصل اس کا تعلق فارس سے تھا اور مکہ میں اس کا شمار داریؔ کے طور پر ہوتا تھا؛ یہ عطار تھا اور یہ اُن کے اس محاورہ سے ماخوذ ہے: **عطر دارین**۔ دارین ہندوستان کے قریب ایک مقام ہے۔ نیز اس کے داری کی طرف منسوب کئے جانے کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے: یہ قریشی تھا کہ اس کا تعلق بنو عبدالدار سے تھا اور یہ بات امام بخاری نے کہی تھی جبکہ ابوبکر ابن ابی داؤد کا کہنا ہے: دار ذیلی قبیلہ ہے لخم کا جو تمیم الداری کا ایک قبیلہ ہے۔ اصمعی کے حوالے سے نقل کیا جاتا ہے کہ اس نے کہا تھا: داری یعنی وہ شخص جو اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتا اور نہ ہی وہ معاش کی تلاش میں کہیں جاتا ہے۔ اسی کے حوالے سے مروی ہے کہ اس نے کہا تھا: عبداللہ ابن کثیر (پیشے کے لحاظ سے) عطار (عطر فروش) تھا؛ میں کہتا ہوں: یہی بات صحیح ہے اور مشترکہ حسب نسب اس قول کو غلط قرار نہیں دے سکتا نیز ابن کثیر ابنائے فارس میں کا ایک تھا کہ جنھیں کسریٰ نے صنعاء کی طرف بھیجا تو وہاں سے انہیں حبشہ کی طرف جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

اس نے قرأت سکھانے کا بیڑا اٹھایا تھا اور اس طرح قرآن کو حفظ کرنے کے سلسلہ میں یہ اہل مکہ کا امام بن گیا کہ عمرو ابن علاء نے اسی کے سامنے قرأت کی تھی نیز شبل ابن عباد، معروف ابن مشکان، اسماعیل ابن عبداللہ ابن قسطنطین اور ایک بڑی جماعت نے بھی۔

ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ عبداللہ ابن کثیر فصیح و بلیغ اور شعلہ بیان تھا کہ اس کی سفید اور طویل ریش تھی اور یہ جسیم بھی تھا۔ اس کی رنگت گندمی تھی؛ اس کی آنکھیں سیاہی مائل سُرخ تھیں کہ یہ مہندی سے خضاب لگاتا تھا اور بڑے وقار اور طمانیت کا حامل شخص تھا۔

ابن عیینہ کہتا ہے: "میں نے ۱۲۰ھ میں اس کے جنازہ میں شرکت کی تھی" جبکہ کسی اور کا کہنا ہے: "اس نے

پچھتر (۷۵) سال کی زندگی پائی'' اور میں کہتا ہوں: امکان یہی ہے کہ اس کی ولادت ۴۵ھ میں ہوئی تھی اور اس کے اُستاد عبداللہ ابن سائب نے ستر سال سے بھی زیادہ عرصہ کی زندگی پائی۔

اس نے اُبی ابن کعبؓ کے سامنے قرأت کی تھی اور مجاہد نے ابن عباسؓ کے سامنے قرأت کی تھی۔ ابن کثیر کی احادیث کو صحاحِ ستہ کی تمام کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔ (معرفة القرّاء- صفحہ ۸۶ تا ۸۸)

قاضی نے ابن کثیر کی قرأت کے متعلق حسبِ ذیل نقاط بیان کئے ہیں:

۱۔ سوائے سورۂ اَنفال اور سورۂ توبہ کے ہر دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھا جائے گا جیسے کہ قالون کی رائے ہے۔

۲۔ صیغۂ جمع کے میم پر پیش دیا جائے گا اور اسے واؤ سے ملا دیا جائے گا بشرطیکہ اس کے بعد کا حرف متحرک ہو اور اس کا کوئی نعم البدل بھی نہ ہو۔

۳۔ اگر ضمیر "ہ" پر پیش ہو، اُس کے ماقبل حرف پر جزم ہو اور مابعد حرف متحرک ہو جیسے "منه آيات" تو اسے واؤ سے ملا دیا جائے گا اور اگر اس کے نیچے زیر دیا گیا ہو اور اس کے ماقبل حرف پر جزم ہو اور بعد والا حرف متحرک ہو جیسے "فيه هدى" تو ایسی صورت میں اس ضمیر کو حرف "یے" سے ملا دیا جائے گا۔

۴۔ مقصور منفصل اور توسط متصل کی قرأت بھی کی جائے گی کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

۵۔ کسی بھی ایک ہی کلمہ میں دو ہمزہ یکجا ہو جانے کی صورت میں اس کے دوسرے ہمزہ کو تسہیل کے ساتھ پڑھا جائے گا اور ان دونوں کے درمیان حرف الف بھی شامل نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ اگر دو ہمزہ دو کلموں میں یکجا ہوں تو ایسی صورت میں اس کے دونوں راویوں میں اختلاف پایا جاتا ہے بشرطیکہ دونوں ہی حرکت کا تقاضا کر رہے ہوں۔ چنانچہ بزی ایسی صورت میں قالون کی طرح پڑھنے کو کہتا: میرا مطلب ہے کہ اگر دونوں ہمزہ پر زبر ہے تو پہلے ہمزہ کو ساقط کر دیا جائے گا اور اگر دونوں ہمزہ کے نیچے زیر لگا ہے یا ان دونوں پر پیش ہے تو ان دونوں کو تسہیل کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ البتہ قنبل کی رائے یہ ہے کہ دوسرے ہمزہ کو تسہیل کے ساتھ پڑھا جائے گا اور اسے حرف مدّ میں تبدیل کر دیا جائے گا جیسے ورش کہتا ہے، لیکن اگر دونوں پر مختلف حرکات ہوں تو ایسی صورت میں ان دونوں کی روایتوں کے مطابق دونوں میں کے دوسرے ہمزہ کو تبدیل کر دیا جائے گا جیسے کہ قالون اور ورش تغییر کے قائل ہیں۔

۷۔ اضافت کے طور پر استعمال ہونے والے تمام حرفہائے ''یے'' پر زبر دیا جائے گا بشرطیکہ ان کے بعد ہمزۂ قطع واقع ہوا ہو اور اُس پر بھی زبر ہو یا پھر ہمزۂ وصل ہو کہ جو لام تعریف (اَل) سے مقرون ہو یا پھر ان میں سے کوئی صورت نہ ہو

البتہ اُس تفصیل کا خیال رکھتے ہوئے جو قرأت سے متعلق تالیف کی گئی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔

۸۔ وصل اور وقف کے موقعوں پر بعض زائد حرفہائے "یٔ" کو ثابت رکھا جائے گا اور علمائے قرأت نے اس پر بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن کثیر کے دونوں رُواۃ، بزی اور قنبل، کے درمیانی اختلاف سے بھی آگاہی حاصل ہو جائے کہ دراصل ان اختلافات کا وجود بہت ہی کم کلمات میں ملتا ہے اور ان کی تفصیل کو قرأت سے متعلق تالیف کی گئی منظومہ اور نثری کتابوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

۹۔ مصاحف میں جہاں جہاں حرف "ۃ" (تائے مکتوبی ۃ) ہے اُسے "ت" (تائے ملفوظی) کے طور پر لکھا گیا ہے اُن مقامات پر حرف "ت" پر (ہی) وقف کیا جائے گا جیسے "رحمت اللہ و برکاتہ" اور "جنت نعیم" (تاریخ القُرّاء۔ صفحہ۱۵)

۳۔ عاصم کوفی (متوفی-۱۲۸ھ)

اُموی حکومت کے خلاف عباسی اقتدار کے عروج کے وقت عاصم ابن ابی نجود کی قرأت کوفہ میں مشہور ہو گئی تھی اور اس کے سالِ وفات میں عبدالرحمٰن ابن مسلم عُرف ابومسلم خراسانی نے خُراسان کا رُخ کیا جبکہ وہ اُنیس سال کا تھا۔ (الکامل- جلد۵- صفحہ۲۱) اور اُموی حکومت کے خلاف اپنی بغاوت کا اظہار مشرقی حدود میں کیا تھا۔

ابن اثیر نے الکامل میں اس کی وفات کے سلسلہ میں اپنے قول کا اظہار یوں کیا ہے: ''اور اس سال - ۱۲۸ھ- میں عاصم ابن ابی نجود صاحب قرأت کا اِنتقال ہوا'' (الکامل- جلد۵- صفحہ۲۳)

عاصم نے اُموی حکومتوں کے اَدوار میں زندگی بسر کی ہے اور اس نے حکومت وقت کے خلاف بنی مروان کی لڑائیوں کو بھی دیکھا ہے، بالخصوص ولید ابن یزید اُموی (۱۲۰ھ-۱۲۷ھ) اور یزید ابن ولید (۱۲۷ھ-۱۲۷ھ) کے اَدوار کو دیکھا ہے کہ آخر الذکر حاکم نے پانچ ماہ اور دَورات حکومت کی تھی۔ (الکامل- جلد۴- صفحہ۴۴۹)

دمشق میں موجود اُموی اور اُن عباسی حاکموں کی باہمی لڑائی کے سایہ میں کہ جنہوں نے پہلے کوفہ کو اور بعد میں بغداد کو اپنا دارالخلافہ بنالیا تھا عاصم کی قرأت منظر عام پر آئی اور پھیلتی چلی گئی؛ تو یہ عاصم کون ہے؟ اور اس کی تعلیمی قابلیت کتنی ہے؟

ذہبی (متوفی-۷۴۸ھ) معرفۃ القُرّاء کے صفحات ۸۸ تا ۹۴ میں اس کی سوانح حیات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''عاصم ابن ابی نجود اَسدی عجمی کوفی قاری اور اِمام تھا کہ اس کا نام ابوبکر تھا'' (جلد۱- صفحہ۸۸) سن۷۴ ہجری میں امام قرأت ٹھہرا۔ نیز کہتا ہے: ''اس کے اُستاد ابوعبدالرحمٰن سلمی کے بعد کوفہ کی قرأت اور امامت اسی پر منتہی ہوئی تھی'' (جلد۱- صفحہ۸۹) ''سلمی کا اِنتقال سن۷۴ میں ہوا تھا'' (جلد۱- صفحہ۵۷)

اس کا شاگرد ابو بکر ابن عیاش یوں نقل کرتا ہے: ''قرأت کے سلسلہ میں عاصم سے بہتر میں نے کسی کو نہیں پایا'' (جلد۱- صفحہ۹۰) ''میں نے عاصم ابن ابی نجود سے فصیح تر ہرگز کسی کو نہیں پایا (البتہ) جب وہ کلام کرتا تھا تو اس میں خود پسندی سرایت کر جاتی تھی'' (جلد۱- صفحہ۹۰) امام احمد ابن حنبل کے مطابق مُطلق طور پر اس کی قرأت کو ترجیح حاصل نہیں تھی، کیونکہ ان کا کہنا ہے: ''اہل مدینہ کی قرأت مجھے زیادہ پسند ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو پھر عاصم کی قرأت'' (جلد۱- صفحہ۹۰) اپنے سیاسی اور دینی عقیدہ کے طور پر ''وہ عثمانی تھا'' (جلد۱- صفحہ۹۱) جبکہ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا یہ عقیدہ اس کے قرأت کے انتخاب پر اثر انداز نہیں ہوا تھا، عاصم کہتا ہے: ''ابو عبدالرحمٰن سلمی (متوفی-۴۷ھ) کے علاوہ مجھے کسی نے ایک حرف بھی نہیں پڑھایا۔ نیز اس نے حضرت علی علیہ السلام کے سامنے قرأت کی تھی'' (جلد۱- صفحہ۹۱) اپنے عثمانی عقیدہ کے دفاع میں کہتا ہے: ''ہم حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے مقام کو کمتر نہیں جانتے لیکن یہ کہ وہ -یعنی حضرت عثمانؓ- اس سے برتر تھے کہ وہ اپنی تعریف آپ کرتے'' (جلد۱- صفحہ۹۳) جبکہ بسا اوقات عثمانی عقیدہ عاصم کی شہرت کے سلسلہ میں کافی اثر انداز ہوتا تھا۔

ابن مجاہد (متوفی-۳۲۴ھ) کہتا ہے: ''جہاں تک اہل کوفہ کا تعلق ہے تو اُن میں کے اگلوں پر عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت غالب تھی، اس لئے کہ یہ (ہی) تو تھے کہ جنہیں عمر ابن خطابؓ نے کوفہ والوں کی طرف بھیجا تھا تا کہ وہ اُن کو تعلیم دیں تو قبل اس کے کہ حضرت عثمان لوگوں کو ایک ہی طریقہ پر یکجا کرتے میں نے ان سے قرأت سیکھ لی تھی اور اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا کہ ان کے بعد انہی کے ساتھیوں سے لوگ قرأت کو سیکھتے تھے''۔

نیز وہ کہتا ہے: ''علی ابن عبدالصمد نے مجھ سے بیان کیا کہ: قاری محمد ابن ہیثم نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: موسیٰ ابن داؤد نے حفص کے ذریعہ، اس نے عمران کے ذریعہ اور اس نے اعمش کے ذریعہ ہم سے بیان کرتے ہوئے کہا: میں نے کوفہ کے حالات کا بغور مشاہدہ کیا اور میں نے دیکھا کہ اُن کے درمیان زیدؓ کی قرأت کی وہی حیثیت تھی جو ہمارے دور میں تم لوگوں کے درمیان عبداللہؓ کی قرأت کی ہے کہ سوائے ایک یا دو افراد کے اس کے مطابق کوئی بھی قرأت نہیں کرتا'' (کتاب السبعة- صفحہ۶۷)

یہ بھی کہا تھا: ''کوفہ میں عبداللہؓ کی قرأت کا یہ عالم ہے کہ لوگ اس کے علاوہ کسی قرأت کو نہیں جانتے اور حضرت عثمان نے جس قرأت پر لوگوں کو یکجا کیا تھا کوفہ میں اُسے سب سے پہلے پڑھانے والا ابو عبدالرحمٰن سلمی ہے کہ اس کا نام عبداللہ ابن حبیب تھا؛ وہ مسجد اعظم میں بیٹھتا تھا اور اس نے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اور چالیس سال تک وہ لوگوں کو اس طریقہ سے قرأت پڑھاتا رہا؛ ابو اسحٰق سبیعی کے بیان کے مطابق بشر ابن مروان کی

حکومت میں اپنی وفات تک اُس نے یہ سلسلہ جاری رکھا، جبکہ بشر ابن مروان کا دورِ حکومت سن ہجری (۷۳ھ) تھا'' (کتاب السبعۃ۔ صفحہ ۶۸)

اس نے ابوعبدالرحمٰن سے قرأت سیکھی تھی اور زِر ابن حبیش کے سامنے تقابلی قرأت کی تھی۔ عبداللہ ابن محمد ابن شاکر نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا وہ کچھ یوں ہے: ''یحییٰ ابن آدم نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: ابوبکر ابن عیاش نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: مجھ سے عاصم نے کہا: سوائے ابوعبدالرحمٰن سلمی کے مجھے کسی نے ایک حرف بھی نہیں پڑھایا جبکہ خود ابوعبدالرحمٰن نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے قرأت کی تھی اور جب میں ابوعبدالرحمٰن کے ہاں سے واپس ہوتا تھا تو زِر ابن حبیش کے سامنے قرأت دہراتا تھا جبکہ زِرّ نے عبداللہؓ کے سامنے قرأت کی ہوئی تھی۔ ابوبکر ابن عیاش کہتا ہے: تو میں نے عاصم سے کہا: تم نے (اپنی قرأت کو) اُستوار کر لیا ہے'' (کتاب السبعۃ۔ صفحہ ۷۰)

عاصم اپنے دَور میں سب پر مقدّم اور فصاحت میں مشہور تھا۔ اس کے بارے میں یہ بھی معروف تھا کہ اس کی قرأت بہترین ہے جبکہ بعض اہلِ کوفہ نے عاصم کی قرأت ہی کو اپنا لیا تھا لیکن سب پر اس کی قرأت غالب نہ آ سکی، عاصم سے سیکھنے والوں میں جس نے اسے زیادہ بہتر طور پر سیکھا تھا اور وہ ابوبکر ابن عیاش تھا - کیونکہ کہا جاتا ہے کہ - اس نے عاصم سے پانچ پانچ کر کے قرأت کو سیکھا تھا۔ نیز کوفہ کے رہنے والے عاصم کی قرأت میں سوائے ابوبکر ابن عیاش کے کسی ایسے شخص کی اقتدا نہیں کرتے تھے کہ جس کے متعلق اُنہیں یقین ہو جاتا تھا کہ اس نے عاصم کے سامنے قرأت کی ہوئی ہے اور اسی طرح سے از خود اُس شخص کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ جو عاصم کی قرأت کا ارادہ کرتا تھا۔ لہٰذا کوفہ میں اس وجہ سے یہ قرأت کم سے کم ہوتی گئی اور اِسے بہترین اَنداز میں پڑھنے والے کمیاب ہوتے چلے گئے اور ہمارے زمانے میں اہلِ کوفہ پر حمزہ ابن حبیب زیات کی قرأت چھائی ہوئی ہے۔ (کتاب السبعۃ۔ صفحہ ۷۱)

عاصم کی قرأت کی اَسانید کے متعلق ابن مجاہد کہتا ہے: ''ابوبکر ابن عیاش کے حوالے سے عاصم ابن ابی نجود کی قرأت وہی ہے کہ جس کے بارے میں مجھے عبداللہ ابن محمد ابن شاکر نے بتایا ہے کہ اس نے یحییٰ ابن آدم کے ذریعہ نقل کی ہے، اس نے ابوبکر ابن عیاش سے اور اس نے عاصم سے یعنی آغازِ قرآن سے لے کر سورۂ کہف کے اختتام تک۔

ابراہیم ابن احمد ابن عُمر وکیعی نے اپنے والد کے ذریعہ، اس نے یحییٰ ابن آدم کے ذریعہ، اس نے ابوبکر کے ذریعہ، اس نے عاصم کے ذریعہ قرآن کے شروع سے لے کر آخر تک مجھے اس کی خبر دی۔ (کتاب السبعۃ۔ صفحہ ۹۴)

عرضِ مؤلّف: ابن مجاہد کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے عاصم کی قرأت کو ماہر اَساتذۂ قرأت کے سامنے نہیں پڑھا تھا، بلکہ اپنے اَساتذہ سے نقل کرنے پر ہی اکتفا کیا تھا جبکہ باقی چھ میں سے متعدد قراآت کو پڑھا تھا اور اس سے

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے عاصم کی قرأت کو اتنی توجہ نہیں دی کہ جس قدر اُس نے نافع کی قرأت کی طرف توجہ دی تھی۔

قیسی (متوفی۔۴۳۷ھ) کہتا ہے: ''عاصم کا شمار تیسرے طبقہ میں ہوتا ہے اور اپنے دور میں زید ابن ثابتؓ کی قرأت کو سب سے زیادہ بہتر انداز میں اسی نے یاد کیا تھا جبکہ اس نے ابو عبدالرحمٰن سلمی کے سامنے قرأت کی تھی اور ابو عبدالرحمٰن نے علیؑ ابن ابی طالبؑ کے سامنے قرأت کی تھی؛ حضرت علیؑ نے زید کے سامنے قرأت کی تھی[1] اور زید نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرأت کی تھی۔ نیز مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرأت کی تھی اور عاصم نے ابن مریم زِرّ ابن حبیش کے سامنے بھی قرأت کی تھی۔ وہ کہتا ہے: ابو عبدالرحمٰن کے سامنے قرأت کرنے کے بعد میں زیدؓ کے سامنے تقابلی قرأت کیا کرتا تھا جبکہ زِرّ نے حضرات علی، عثمان اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے سامنے اور ان تمام ہستیوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرأت کی تھی۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی کی وفات کے بعد عاصم نے قرأت پڑھانے کے لئے اس کی جگہ سنبھال لی تھی اور اس کے ذریعہ عطاء ابن ابی رباح مکی بھی روایت کرتا ہے جبکہ یہ جملہ تابعین میں سے ہے، لہٰذا قرأت کے ساتوں اساتذہ کے نزدیک اس کی قرأت بھی منتخب شدہ ہے اور عاصم کی فصاحت، اس کی سند کی درستگی اور اس کے ناقل کے قابل وثوق ہونے کی بناء پر اس کی قرأت کو دوسروں کی قرائات پر مقدّم کیا جاتا ہے؛ عاصم کا انتقال ۱۲۷ھ میں ہوا تھا جبکہ ۱۲۸ھ بھی بتایا جاتا ہے۔ (التبصرۃ۔ صفحہ۴۴)

ذہبی (متوفی۔۷۴۸ھ) کہتا ہے: ''اس کے اُستاد ابو عبدالرحمٰن سلمی کے بعد کوفہ میں قرأت کے سلسلہ کی امامت اسی پر منتہی ہوئی تھی؛ ابو بکر عیاش کہتا ہے: جب ابو عبدالرحمٰن فوت ہوا تو عاصم لوگوں کو قرأت سکھانے بیٹھ گیا اور قرآن پڑھنے میں عاصم کی آواز سب سے اچھی تھی''۔

ابو خیثمہ وغیرہ نے کہا ہے: ''ابو نجود کا نام بہدلہ تھا، جبکہ فلاس کہتا ہے: بہدلہ اُس کی ماں کا نام ہے''۔

عاصم کا انتقال ۱۲۷ھ کے آخر میں ہوا جبکہ اسماعیل ابن مجالد نے ۱۲۸ھ میں کہا ہے۔ اس روایت کو امام بخاری نے احمد ابن سلیمان کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ احمد نے اُس سے نقل کیا ہے اور اس سے ایسا لگتا ہے کہ یہ اس سال کے

---

[1] حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذات والاصفات اس سے بلند ہے کہ وہ زید بن ثابت کے سامنے قرأت کر کے استفادہ حاصل کریں۔ آپؑ آغوش پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروردہ تھے اور دیگر اصحاب پیغمبرؐ حضرت علی علیہ السلام کے محتاج تھے۔ اسی لئے زبان رسالت نے حضرت علی علیہ السلام کو جملہ علوم کا باب قرار دیا تھا۔ (ت۔ز)

ابتدائی حصہ میں فوت ہوا تھا۔

احمد ابن عبداللہ عجلی کہتا ہے: ''عاصم ابن بہدلہ، صاحب سُنت و قرأت جو قرآن کے سلسلہ میں چوٹی کا عالم تھا نے جب بصرہ میں قدم رکھا تو سب سے بہترین رائے اسی کی ہوتی تھی کہ اس کے سامنے سلام ابو منذر نے قرأت کی تھی اور یہ عثمانی تھا۔ اَعمش نے اپنی نوجوانی میں اسی کے سامنے قرأت کی تھی اور اس کے بعد یحیٰ ابن وثاب کے سامنے''۔

ابو بکر ابن عیاش کہتا ہے: ''عاصم عربی گرامر کا ماہر تھا اور جب بات کرتا تھا تو فصاحت کے ساتھ کلام کرتا تھا، اپنے کلام کی وجہ سے مشہور تھا اور اعمش، عاصم اور ابو حصین یہ سب دیکھ نہیں سکتے تھے۔ ایک روز ایک شخص آیا تا کہ عاصم کی رہنمائی کرے تو وہ بُری طرح سے گر گیا لیکن پھر بھی اس نے اُسے جھڑکا اور نہ ہی اس سے کچھ کہا''۔

حماد ابن زید ابن عاصم کہتا ہے، اس نے کہا تھا: ہم ابو عبدالرحمٰن کے پاس آتے تھے جبکہ ہم لوگ نوجوان لڑکے تھے۔ ایک مرتبہ اُس پر غشی طاری ہوگئی اور جب افاقہ ہوا تو اُس نے اس آیت کی قرأت کی: ﴿ ثم رُدّوا الی الله مولاهم الحق﴾ پھر تم لوگ اپنے سچے مالک خدا کی طرف لوٹا دیے گئے۔ (سورۂ اَنعام۔ آیت ۶۲)

ابو بکر ابن عیاش کہتا ہے: ''عاصم نے کہا تھا: جو عربی کو صرف ایک طریقہ سے اچھی طرح جانتا ہے تو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے''۔ نیز مجھ سے عاصم نے کہا تھا: سوائے ابو عبدالرحمٰن کے مجھے کسی نے ایک حرف کی تعلیم بھی نہیں دی جبکہ ابو عبدالرحمٰن نے علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے سامنے قرأت کی تھی اور جب میں اُس (ابو عبدالرحمٰن) کے ہاں سے لوٹتا تھا تو زرّ کے سامنے تقابلی قرأت کرتا تھا جبکہ زرّ نے عبداللہؓ کے سامنے قرأت کی تھی۔ پس میں نے عاصم سے کہا: بلاشبہ تم نے (اپنی قرأت) کو محکم اَنداز میں سیکھا تھا'' اس روایت کو یحیٰ ابن آدم نے اس کے ذریعہ سے نقل کیا ہے۔

ایک جماعت نے عَمرو ابن صباح کے ذریعہ، اس نے حفص غاضریؒ کے ذریعہ، اس نے عاصم سے، اس نے ابو عبدالرحمٰن سے اور اس نے حضرت علی علیہ السلام سے قرأت کو نقل کیا ہے۔

عاصم نے بیان کیا تھا کہ اس نے اپنی قرأت کی کسی شے میں بھی ابو عبدالرحمٰن کی مخالفت نہیں کی اور ابو عبدالرحمٰن نے اپنی قرأت کی کسی شے میں بھی حضرت علیؑ کی مخالفت نہیں کی تھی۔

احمد ابن یونس نے ابو بکر ابن عیاش کے ذریعہ سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا تھا: ''سوائے ایک طریقہ کے عاصم کی تمام تر قرأت ابو عبدالرحمٰن ہی کی قرأت ہے''۔

ابو بکر نے عاصم کے ذریعہ نقل کیا ہے: ابو عَمرو شیبانی مسجد اعظم میں لوگوں کو قرأت سکھاتا تھا تو میں نے بھی اس کے سامنے قرأت کی اور اس کے بعد میں نے اس سے ایک آیت کے متعلق دریافت کیا تو اس نے مجھ پر یہ تہمت لگائی کہ اس

سلسلہ میں اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہوں۔ایک دفعہ میں مسجد کے اندر داخل ہوا تو اُس نے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو مجھ سے ڈرا دیا؛ اس روایت کو یحییٰ ابن آدم نے اس کے ذریعہ سے نقل کیا ہے۔نیز حفص ابن سلیمان سے مروی ہے کہ اس نے کہا تھا: مجھ سے عاصم نے کہا تھا: ''قرأت سے متعلق جو کچھ میں نے تم کو پڑھایا ہے یہ وہی قرأت ہے کہ جسے میں ابوعبدالرحمٰن سلمی کے سامنے پڑھا کرتا تھا کہ اس نے حضرت علی علیہ السلام سے حاصل کی تھی اور جو قرأت میں نے ابوبکر عیاش کو پڑھائی ہے یہ وہ قرأت ہے کہ جسے میں زرّ ابن حبیش کے سامنے پڑھا کرتا تھا کہ اس نے ابن مسعودؓ سے حاصل کی تھی''(معرفة القرّاء- جلد ا- صفحہ ۸۸)

اس کی اَحادیث کو صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں نقل کیا گیا ہے اور اس کی اَحادیث بہت بڑی نہیں ہیں (نسخہ میں اسی طرح لکھا ہوا ہے جبکہ صحیح جملہ یوں ہے: اس کی اَحادیث بہت زیادہ نہیں ہیں) رحمہ اللہ تعالیٰ۔

قرآن عظیم کے سلسلہ میں جو اعلیٰ ترین بات واقع ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے تمام تر قرآن کو ابوالقاسم سحون مالکی کے سامنے پڑھا تھا کہ اس نے ابوالقاسم صفراوی سے سیکھا تھا، اس نے ابوالقاسم ابن عطیہ سے، اس نے ابن فحام سے، اس نے ابن نفیس سے، اس نے سامری سے، اس نے اُشنانی سے، اس نے عبید ابن صباح سے، اس نے حفص سے، اس نے عاصم سے، اس نے ابوعبدالرحمٰن سے، اس نے حضرت علی علیہ السلام اور زرّ سے، انہوں نے عبداللہ سے، انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے، انہوں نے جبرئیل علیہ السلام سے اور انہوں نے (بلا واسطہ) اللہ عزوجل سے۔لہٰذا ہم اللہ سے اس بات کے خواستگار ہیں کہ وہ اسے ہمارے حق میں گواہ مقرر کرے اور شفاعت کنندہ بھی''(معرفة القرّاء- جلد ا- صفحہ ۸۸/۹۴)

قاضی نے عاصم کی قرأتی روش کے متعلق حسب ذیل نقاط کو بیان کیا ہے:

۱۔سوائے سورۂ اَنفال اور سورۂ برائت کے ہر دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھا جائے گا اور اس میں وقف، سکتہ اور وصل کا قائل ہے۔

۲۔مدِّ متصل اور مدِّ منفصل دونوں کو متوسط اَنداز میں پڑھا جائے گا یعنی چار حرکات کے برابر۔

۳۔اس سے نقل کرتے ہوئے شعبہ سورۂ اَنفال (۱۷ویں آیت) میں ﴿ولکن اللہ رمی﴾ میں لفظ رمیٰ کے الف، سورۂ اسراء (۷۲ویں آیت) کے دونوں اَعمیٰ ﴿ و من کان فی ھذہ اَعمیٰ فھو فی الآخرۃ اَعمیٰ﴾ کے الف، اسی طرح سے سورۂ اسراء (۸۳ویں آیت) میں ﴿نأی بجانبہ﴾ میں لفظ نأی کے الف، سورۂ مطففین (۱۴ویں آیت) میں ﴿کلا بل ران﴾ میں لفظ ران کے الف اور سورۂ توبہ (۱۰۹ویں آیت) میں ﴿ شفا جرف ھار﴾ میں لفظ

ھار کے الف کو اِمالہ کے ساتھ پڑھنے کا قائل ہے جبکہ حفص نے اس کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مجراھا(سورۂ ہود-۴۱) میں حرف "ر" کے بعدوالے الف کو امالہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

۴۔شعبہ کی روایت کے مطابق سورۂ صف کی چھٹی آیت: ﴿من بعدی اسمہ احمد﴾ میں یائے اضافت کو زبر دیا جائے گا اور سورۂ مائدہ (۱۱۶ویں آیت) ﴿و اُمی الٰھین﴾ میں شعبہ ہی کی روایت کے مطابق جزم دیا جائے گا جبکہ تمام مقامات پر ﴿اَجری الاّ﴾ میں موجود حرف "یَ"، سورۂ آل عمران (آیت۲۰) اور سورۂ انعام (آیت۷۹) میں ﴿وجھی للہ﴾، سورۂ نوح (آیت۲۸) میں ﴿ولمن دخل بیتی﴾ میں لفظ بیتی اور سورۂ کافرون (آیت۶) میں ﴿ولی دین﴾ کے حرف یَ کو جزم دیا جائے گا۔

۵۔شعبہ کی روایت کے مطابق سورۂ نمل (آیت۳۶) میں ﴿فما آتانی اللہ خیر﴾ میں وصل اور وقف کے موقع پر زائد "یَ" کو حذف کردیا جائے گا۔

۶۔شعبہ ہی کی روایت کے مطابق سورۂ کہف کی دوسری آیت میں ﴿من لدنہ﴾ کے دال کو جزم اور اشمام کے ساتھ پڑھا جائے گا جبکہ "ن" اور "ہ" کو زیر دیا جائے گا اور "ہ" پر لگی حرکت کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔(تاریخ القرّاء-صفحہ۲۸)

۴۔ابو عمرو بصری (متوفی-۱۵۴ھ)

اس کی قرأت ۱۳۵ھ میں اُس وقت مشہور ہوئی کہ جب عباسیوں نے اُموی حکومت سے اقتدار چھین کر بغداد کو اپنا دارالخلافہ بنالیا تھا۔اس نے دمشق میں قسمت کے مارے کئی اُمویوں کو بھی دیکھا اور کوفہ میں عباسیوں کا چھا جانا اور اس کے بعد اُن کا ۱۴۵ھ میں بغداد میں منتقل ہوجانا جیسے واقعات اُس کی نظروں سے گزرے تھے۔اسی طرح جب عباسی اور علوی لوگوں کا حکومت سنبھالنے پر تنازع ہوا تھا بالخصوص شہر بصرہ میں تو اس نے وہ منظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔نیز ابراہیم ابن عبداللہ ابن اسحٰق علوی کی بصرہ میں بغاوت اور یہاں تک کہ کوفہ میں اُنہیں ۱۴۵ھ میں قتل کیے جانے کا بھی عینی شاہد تھا کہ اس علوی بغاوت کے آثار ۱۵۶ھ تک اثر انداز ہوتے رہے کہ جب بصرہ کے عامل عمر و ابن شداد نے حکومت سنبھالی جو ابراہیم ابن عبداللہ کی جانب سے فارس کا عامل تھا۔(الکامل-جلد۵-صفحہ۲۱۱)

ابن اثیر نے الکامل میں اس کا ذکر اُن افراد میں کیا ہے کہ جن کا انتقال ۱۵۴ھ میں ہوا تھا، چنانچہ وہ کہتا ہے:

"اس سال ابوعمر و ابن علاء بھی فوت ہوا؛ اس کا انتقال سن ۱۵۴ ہجری میں ہوا تھا اور اس وقت اس کی عمر چھیاسی برس تھی"

(جلد۵۔ صفحہ۲۰۵)

ذہبی (متوفی۔۷۴۸ھ) نے اس کی سوانح حیات کو اس طرح سے بیان کیا ہے: ''مازنی، قاری، نحوی، بصری، اہل بصرہ کی قاریوں کی جماعت کا امام تھا اور صحیح ترین قول کے مطابق اس کا نام زبان تھا'' (معرفة القرّاء۔ جلد۱۔ صفحہ۱۰۰) ''یہ مکہ میں سن ۶۸ ہجری میں پیدا ہوا تھا اور اس کی پرورش بصرہ میں ہوئی جبکہ کوفہ میں اس کا انتقال ہوا کہ بصرہ کی قرأت کی امامت اسی پر منتہی ہوئی تھی'' (جلد۱۔ صفحہ۱۰۱) شعبہ اس قرأت کی حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا، لہٰذا کہتا تھا: ''ابوعمرو کی قرأت پر جمے رہو کہ ایک روز یہ تمام لوگوں کے لئے سند کی حیثیت اختیار کر جائے گی'' (جلد۱۔ صفحہ۱۰۲) یہ پیش بینی خصوصی طور پر اس کی تعلیمی قابلیت کو ثابت کرتی ہے، کیونکہ وہ ''قرآن اور عربی کا سب سے بڑا عالم تھا اور اسی طرح عرب کی لڑائیوں اور اشعار اور لوگوں کے حالات کا بھی'' (جلد۱۔ صفحہ۱۰۳) چنانچہ اُس کی تاریخ سے اس قدر واقفیت اور اُس کی مصلحت پسندی نے اُسے کسی بھی قسم کی سیاسی مخالفت سے محفوظ رکھا اور یہی وجہ تھی کہ جب اُس سے پوچھا گیا تھا کہ وہ عربی ہے یا عجمی تو اُس نے کہا تھا: ''نسب تو مازن سے جا ملتا ہے مگر سرپرستی کسی اور کی حاصل رہی۔ جبکہ عدس نے کہا تھا: سرپرستی خرفہ کے ساگ کی حاصل رہی (جلد۱۔ صفحہ۱۰۵) بنابریں اس کے نزدیک اہم بات یہ تھی کہ سرپرستی یا دوستی دوسرے خرفہ کے ساگ کی رہی کہ جسے کھایا جاتا ہے یا خچر (بغلہ) سے دوستی کی کہ جس پر سوار ہوتے ہیں اور اس کے بعد انسان اس دُنیا میں اسی حال میں کسی کی سرپرستی کے بغیر زندگی گزارتا رہتا ہے کہ چاہے وہ دوسرا حق ہو یا باطل۔ نیز لوگوں نے اس کی قبر پر ''بنوحنیفہ کا خادم'' لکھا دیکھا تھا اور باوجود اس کے کہ وہ اس قسم کی سرپرستی سے دُور بھاگتا تھا ۱۵۴ھ میں اس کی موت کے بعد اسے اُس کی قبر پر لکھ کر لگا دیا گیا۔

ابوحنیفہ نعمان متوفی سن ۱۵۰ ہجری کی وفات کے چار سال بعد اس کا انتقال ہوا کہ جنہوں نے بصرہ میں علوی بغاوت کے ساتھ ہمدردانہ سلوک روا رکھا تھا۔

ابن اثیر الکامل کی جلد۵۔ صفحہ۲۰۵ میں ۱۵۴ھ کے واقعات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اس سال ابوعمرو ابن علاء کا انتقال ہوا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا انتقال ۱۵۷ھ میں ہوا تھا اور اس کی عمر چھیاسی برس تھی''۔

ابن مجاہد (متوفی۔ ۳۲۴ھ) کہتا ہے: ''اپنے دور میں سب پر مقدم تھا کہ قرأت اور اس کے تمام طریقوں سے بخوبی واقف تھا اور علم لغت میں پایہ کا کمال حاصل تھا نیز عربی زبان کے سلسلہ میں لوگوں کا امام و رہبر تھا جبکہ عربی کے علم اور سمجھ بوجھ کے ساتھ ساتھ احادیث سے بھی متمسک رہتا تھا اور اس سے اگلے ائمہ قرأت سے اس کی منتخب کردہ قرأت اخذ کی گئی ہے: یہ اپنے علم میں ایک متواضع عالم تھا کہ اس نے اہل حجاز کے سامنے قرأت کی تھی اور قرأت کے سلسلہ میں انہی کی

روش پر قائم تھا؛ اس کے زمانہ میں علماء دوسروں پر اسے مقدم ہی جانتے تھے اور اس کی فضیلت کے معترف بھی تھے۔ اپنی قرائتی روش میں لوگوں کا پیشوا مانا جاتا تھا۔

سفیان ابن عُیینہ سے منقول ہے کہ اس نے کہا تھا: ''میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو عالمِ خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے مختلف قرائات سُنی ہیں تو آپؐ مجھے کس کی قرأت کے مطابق پڑھنے کا حکم فرماتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ابوعَمرو ابن علاء کی قرأت کے مطابق پڑھو!''

ابوبکر موسیٰ ابن اسحٰق نے مجھ سے بیان کیا، اُس نے کہا: ہارون ابن حاتم نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: ابوالعباس خفن لیث نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے ابوعَمرو سے پوچھا کہ میں کس کے سامنے قرأت کروں؟ تو اس نے کہا: مجاہد اور سعید ابن جبیر وغیرہ . . . کے سامنے۔

قاری فضلان نے مجھ سے بیان کیا، اُس نے کہا: ابو حمدون نے یزیدی کے ذریعہ اور اس نے ابوعَمرو سے نقل کیا، اُس نے کہا: سعید ابن جبیر نے میری قرأت سُنی تو کہنے لگا: اپنی اس قرأت کو مت چھوڑنا!

ابن یوسف نے ابوعبید کے ذریعہ اور اس نے حجاج سے، اس نے ہارون سے، اس نے ابو اسحٰق سے نقل کیا، اُس نے کہا: ابوعَمرو ابن علاء نے کہا: ''ہم نے (ان) اُساتذہ یعنی نصر ابن عاصم اور اس کے ساتھیوں سے سیکھا۔ ہارون نے کہا: میں نے ابوعَمرو سے اس بات کا ذکر کیا تو اس نے کہا: لیکن میں نے عاصم سے قرأت سیکھی ہے اور نہ ہی اس کے ساتھیوں سے، بلکہ اہل حجاز سے سیکھی ہے''۔

اس کے دَور میں قرأت کے علم کی ماہر ایک جماعت تھی جو اس کے مقابل نہ آسکی کہ اس جماعت میں عبداللہ ابن ابی اسحٰق، عاصم ابن ابی صباح جحدری اور عیسیٰ ابن عمر ثقفی نحوی (جیسے افراد) شامل تھے جبکہ ان لوگوں کو فصاحت پر بھی عبور حاصل تھا لیکن جس طرح سے ابوعَمرو کی قرأت کو حفظ کیا گیا اس طرح سے ان کی قرأت کو محفوظ نہ رکھا گیا اور اہالیان بصرہ یا اُن میں کے اکثر افراد نے اسی کی قرأت کو اپنا لیا تھا۔

اس کے بعد ابوعَمرو کوفہ پہنچا اور محمد ابن سلیمان کے پاس دورانِ قیام انتقال کر گیا۔ میرے بعض ساتھیوں نے مجھے ابوبکر ابن خلّاد کے ذریعہ اور اس نے وکیع ابن جراح کے توسط سے خبر دیتے ہوئے کہا: میں نے کوفہ میں ابوعَمرو ابن علاء کی قبر پر یہ پڑھا: ''یہ ابوعَمرو ابن علاء کی قبر ہے کہ جو بنی حنیفہ کا خادم تھا'' (کتاب السبعة۔ صفحہ ۸۵)

ابوعَمرو ابن علاء کی اَسانید سے متعلق ابن مجاہد کہتا ہے: ''جہاں تک ابوعَمرو ابن علاء کی قرأت کا تعلق ہے تو اُس کے مطابق میں نے ابن عبدوس کے سامنے پورے قرآن کی متعدد مرتبہ قرأت کی ہے اور اس نے مجھے یہ (بھی) بتلایا کہ اس نے

ابوعُمر کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ ابوعُمر نے یزیدی کے سامنے اور یزیدی نے ابوعمرو کے سامنے۔

میں نے ایک ایسی جماعت کے سامنے بھی قرأت کی تھی کہ جس کے ہر فرد نے ابوایوب سلیمان خیاط کے سامنے قرأت کی ہوئی تھی جبکہ ابوایوب نے یزیدی کے سامنے قرأت کی تھی۔

میں نے ایک ایسے شخص کے سامنے قرأت کی تھی جو ابوایوب خیاط کا صحابی تھا اور وہ شیخ صداقت میں اپنی مثال آپ تھا کہ اس کو عبداللہ ابن کثیر کہہ کر پکارا جاتا تھا اور اس نے ابوایوب کے سامنے قرأت کی تھی اور میں نے قرآن کی عمومی تعلیم اُسی سے حاصل کی تھی۔

نیز (یہی) ابوالقاسم ابن یزیدی نے اپنے والد اور چچا کے ذریعہ اور اس نے یزیدی کے ذریعہ مجھے بتایا۔

اور عبیداللہ ابن علی ہاشمی نے نصر ابن علی جہضمی کے ذریعہ، اس نے اپنے والد اور اس نے مجھے ابوعمرو کے ذریعہ بتایا۔ (کتاب السبعۃ۔ صفحہ۹۹)

قیسی (متوفی۔۴۳۷ھ) کہتا ہے: ''ابوعُمرو نے بیان کردہ سند کے مطابق ابن کثیر کے سامنے قرأت کی تھی اور نصر ابن عاصم کے سامنے بھی جبکہ نصر نے ابوموسیٰ اشعری کے سامنے اور ابوموسیٰ نے اُبیؓ اور زیدؓ کے سامنے قرأت کی تھی اور اُبیؓ اور زیدؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سامنے قرأت کی تھی۔ نیز ابوعُمرو نے سعید ابن جبیر کے سامنے اور سعید نے ابن عباسؓ کے سامنے قرأت کی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے مجاہد کے سامنے اور مجاہد نے ابن عباسؓ کے سامنے جبکہ ابن عباس نے اُبیؓ اور زیدؓ کے سامنے اور اُبیؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سامنے قرأت کی تھی؛ ابوعُمرو نے عکرمہ، عطاء ابن ابی رباح اور اعرج کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ ابوعُمرو نے ابن محیصن، یزید ابن رومان، شیبہ ابن نصاح اور یزید ابن قعقاع کے سامنے بھی قرأت کی تھی؛ اس کے علاوہ ابوعُمرو نے حسن ابن ابی الحسن اور یحییٰ ابن یعمُر وغیرہ . . کے سامنے بھی قرأت کی تھی۔ جس جس کے سامنے اس نے قرأت کی تھی اُن سب میں سے ایک قرأت جمع کی تھی جو اسی کے حوالے سے مروی ہے۔ اس کا انتقال ۱۵۴ھ میں ہوا تھا جبکہ ۱۵۷ھ بھی بتایا گیا ہے۔ نیز اس کی قبر پہ لکھا ہوا تھا: ''بنی حنیفہ کا خادم'' جب یہ فوت ہوا تھا، رحمہ اللہ، تو اس وقت اس کی عمر چھیاسی برس تھی۔ اس کا شمار چوتھے طبقہ میں ہوتا ہے اگرچہ تیسرا طبقہ بھی کہا گیا ہے، اس لئے کہ اس نے تابعین کے سامنے قرأت کی تھی لیکن وہ کم سن تھا۔

ابوعُمرو مکہ میں پیدا ہوا، اس کی پرورش بصرہ میں ہوئی تھی اور اس کا انتقال کوفہ میں ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شام کے راستہ میں فوت ہوا۔ ابوعُمرو کہتا ہے: ''حسن کے زمانہ میں مجھے پیشوا ہونے کا مقام حاصل تھا'' ابوزید کہتا ہے: ''میں نے ابوعُمرو سے عرض کیا: کیا جو کچھ تم نے حاصل کیا ہے اور اس کی قرأت کی ہے اس سب کو تم نے سُنا ہے؟ تو وہ کہنے لگا: اگر

میں نے اُسے نہیں سُنا ہوتا تو اس کی قرأت ہی نہ کرتا اس لئے کہ قرأت ایک سُنت ہے۔ چنانچہ اس کے قابل وثوق ہونے کی وجہ سے اس کی قرأت اکثر شہروں کے اہالیان کی منتخب کردہ اور مقدّم ہے اور اس کی دیانت اور پرہیزگاری کے ساتھ ساتھ لغت اور اعراب کے علم میں بھی اسے سبقت حاصل تھی''۔

اس کے حوالے سے مروی ہے کہ اس نے کہا تھا: ''میں اب بھی اُسی طرح کی قرأت کا متلاشی ہوں کہ جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قرأت فرمائی تھی اور جس طرح کہ اُسے نازل کیا گیا تھا۔ وہ حجاج کے ڈر سے مکہ فرار ہوگیا تھا، وہاں جا کر اہل حجاز وغیرہ . . . میں کے تابعین سے ملاقات کی اور اُن کے سامنے قرأت (بھی) کی۔ (التبصرۃ۔ صفحہ ۴۸)

ذہبی (متوفی۔۷۴۸ھ) کہتا ہے: ''مازنی، قاری، نحوی اور امام تھا؛ اہل بصرہ کا قاری تھا کہ صحیح ترین قول کے مطابق اس کا نام زبان تھا اگرچہ عُریان بھی بتایا گیا ہے اور یحییٰ، محبوب، جنید، عیینہ، عثمان اور عیاد کے متعلق بھی اقوال ملتے ہیں۔ یہی ابوعَمر و ابن علاء ابن عمار ابن عریان تھا جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے: ابن علاء ابن عمار ابن عبداللہ ابن حصین ابن حارث ابن جُلہُم ابن خزاعی ابن مازن ابن مالک ابن عمرو ابن تمیم تیمی اور پھر مازنی۔ اصمعی اور عمر ابن شبہ کہتے ہیں: اس کا نام ہی اس کی کنیت تھی''۔

اُصمعی کے حوالے سے ایک دوسری روایت بھی منقول ہے کہ اس نے کہا تھا: ''اس کا نام زبان تھا اور اس کے کئی بھائی تھے: سفیان، معاذ اور ابوحفص عمر''۔

ابوعَمرو ۶۸ھ میں پیدا ہوا جبکہ سن پیدائش ۷۰ھ بھی بتایا گیا ہے۔ اس نے اہل حجاز اور اہل بصرہ سے قرأت سیکھی تھی اور پھر مکہ میں مجاہد، سعید ابن جبیر، عطاء، عکرمہ ابن خالد اور ابن کثیر کے سامنے قرأت کی تھی۔

ابوعَمر ودانی کہتا ہے: ''کہا جاتا ہے کہ یہ مکہ میں ۶۸ھ میں پیدا ہوا تھا، اس کی پرورش بصرہ میں ہوئی تھی اور اس کا انتقال کوفہ میں ہوا تھا۔ بصرہ کی قرأت کے سلسلہ کی امامت اسی پر منتہی ہوئی تھی''۔

اُصمعی کا کہنا ہے: ''جس وقت میں نے ابوعَمرو کو کلام کرتے دیکھا تو میں نے یہ خیال کیا کہ یہ کچھ بھی نہیں جانتا اس لئے کہ اس کی گفتار بڑی سہل تھی۔ یہ روزانہ ایک پیسہ کا کوزہ اور ایک پیسہ کا ریحان (ایک خوشبودار پودا) خریدتا تھا اور روزانہ کوزہ میں مشروب پیتا تھا اور اُسے ہبہ کردیتا تھا؛ اپنی کنیز سے کہتا تھا کہ جب مشکوں میں ریحان خشک ہوجائے تو اُسے کوٹ لینا''۔

ابوعبیدہ کہتا ہے: ''ابوعَمرو کا گھر اُس کی یادداشتوں سے چھت تک بھرا پڑا تھا اور جب وہ ڈھل گئیں تو اُنہیں

نذرِ آتش کر دیا؛ اس کا شمار اشراف اور سرداران عرب میں ہوتا تھا"۔

اصمعی کہتا ہے: "ابو عمرو نے کہا تھا: گذشتگان کے مقابلہ میں ہماری مثال کھجور کے طویل القامت درخت کی جڑوں کے مقابل اُگنے والی گھاس کی سی ہے"۔

ابن معین کہتا ہے: "ابو عمرو قابل وثوق ہے اور ابو حاتم کہتا ہے: اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے جبکہ میں کہتا ہوں: صحاحِ ستہ میں اس کی کسی حدیث کا کوئی ذکر نہیں ملتا"۔

ابو عمرو کے حوالے سے نقل کیا جاتا ہے کہ اس نے کہا تھا: "میری ختنہ کیے جانے سے بھی قبل میں نے اس علم کی طرف توجہ دی تھی اور اب میں چوراسی سال کا ہوں"۔

ابن مجاہد کہتا ہے: "ہمارے بعض ساتھیوں نے ابوبکر ابن خلاد کے ذریعہ اور اس نے وکیع کے ذریعہ مجھ سے بیان کیا ہے کہ اس نے کہا تھا: "میں نے کوفہ میں ابو عمرو کی قبر پر یہ لکھا دیکھا تھا: "بنی حنیفہ کا خادم" میں کہتا ہوں: شاید اس سے مراد حلیف (ہم معاہدہ دوست) ہے"۔

ابن درید کہتا ہے: "ابو حاتم نے ابو عبیدہ کے ذریعہ ہم سے بیان کیا کہ اس نے کہا تھا: ابو عمرو ابن علاء نے کہا تھا: میں نے قصیدۂ اعشیٰ کے آغاز میں حسب ذیل مصرعہ کا اضافہ کیا تھا اور اس سلسلہ میں اللہ سے مغفرت کا طالب ہوں:

وانکرتنی و ما کان الذی نکرتْ   من الحوادثِ الاّ الشّیْبُ و الصَّلَعا

[اور اس نے مجھے انکار کر دیا جبکہ حوادث روزگار میں سے سوائے بڑھاپے اور مصیبت کے کسی نے منع نہیں کیا]

اصمعی اور دیگر علماء کا کہنا ہے: "ابو عمرو کا انتقال ۱۵۴ھ میں ہوا" (معرفة القرّاء- جلد ۱- صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۵)

قاضی نے ابو عمرو کی قرائتی روش میں حسب ذیل نقاط کو بیان کیا ہے:

۱۔ سوائے سورۂ انفال اور سورۂ برائت کے ہر دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سکتے اور وصل کا قائل تھا۔ گو ان میں قطع، سکتے اور وصل کا تو قائل تھا لیکن ان میں سے کسی میں بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی قرأت نہیں کرتا تھا۔

۲۔ سوسی کی روایت کے مطابق دو متماثل کلموں میں ادغام کا قائل تھا جیسے الرحیم ملک اور اسی طرح سے دو متقارب کلموں میں بھی جیسے شھد و شاھد۔ البتہ دو متجانس کلموں میں ایک مخصوص شرط کے ساتھ ادغام کا قائل تھا جیسے ربکم اعلم۔

۳۔ دونوں روایتوں کے مطابق مدِّ متصل میں توسط کا قائل تھا جبکہ دوری کی روایت کے مطابق مدِّ منفصل میں قصر اور توسط (دونوں) کا قائل تھا اور سوسی کی روایت کے مطابق صرف قصر کا قائل تھا۔

۴۔ایک ہی کلمہ میں واقع ہونے والے دو ہمزہ میں سے دوسرے ہمزہ کو تسہیل سے پڑھنے کا قائل تھا جبکہ ان دونوں کے درمیان ایک الف بھی شامل کرتا تھا۔

۵۔حرکات میں دو یکساں کلموں میں واقع ہونے والے دو ہمزہ میں سے پہلے ہمزہ کو ساقط کر دیتا تھا جبکہ دونوں کی حرکات باہم مختلف ہونے کی صورت میں دوسرے ہمزہ کو تبدیل کر دیتا تھا بالکل ایسے ہی کہ جیسے ابن کثیر اور جعفر ابن ربیعہ اسے تبدیل کر دیتے تھے۔

۶۔چند ایک مخصوص حروف میں لفظ اِذْ کے حرف "ذ" جیسے اذ دخلوا میں، مقررہ حروف میں کے حرف "د" جیسے فقد ظلم میں، بعض حروف میں تائے تانیث جیسے کذبت ثمود، سورۂ ملک (آیت ۳) میں ھل تری من فطور اور سورۂ حاقہ (آیت ۸) میں فھل تری لھم من باقیۃ میں ھل کے حرف لام میں ادغام سے کام لیتا تھا اور بعض ساکن حروف کو بعض قریب المخرج حروف میں بھی ادغام کرتا تھا جیسے فنبذتھا، عذت اور و من یرد ثواب۔

۷۔جن حرفہائے اَلف کے ساتھ حرف "یَ" بھی ہو اُن میں تقلیل کا قائل تھا بشرطیکہ جس کلمہ میں اَلف ہو وہ فَعْلیٰ کے وزن پر ہو خواہ اس کے فَ پر زبر ہو جیسے السَّلْوٰی یا اس کے نیچے زیر دیا گیا ہو جیسے سِیمَاھم یا اس پر پیش لگایا گیا ہو جیسے المُثلی۔ "یَ" کے حامل حرفہائے اَلف کو امالہ کے ساتھ پڑھتا تھا بشرطیکہ حرف "یَ" حرف "ر" کے بعد واقع ہوا ہو جیسے اشتری، الذکری اور النصاری۔اسی طرح سے اُن حرفہائے اَلف کو بھی امالہ کے ساتھ پڑھا جائے گا جو دو (۲) "ر" کے درمیان واقع ہوئے ہوں جبکہ دوسرا "ر" کلمہ کے آخر میں واقع ہوا ہو اور اُس کے نیچے زیر بھی دیا گیا ہو جیسے ﴿ اِنَّ کِتَابَ الْاَبْرَارِ ﴾ (سورۂ مطففین۔ آیت ۱۸) اور ﴿ مِنَ الْاَشْرَارِ ﴾ (سورۂ ص۔ آیت ۶۲) دوری کی روایت کے مطابق لفظ الناسِ کہ جب اس کے نیچے زیر دیا گیا ہو امالہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

۸۔مصاحف میں مرقوم اُن حرفہائے "ت" پر وقف کا قائل ہے کہ جو "ت"، "ۃ" کے عوض واقع ہوئے ہیں جیسے ﴿ بَقِیَّتُ اللهِ خَیْرٌ لَّکُمْ ﴾ (سورۂ ہود۔ آیت ۸۶) اور ﴿ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴾ (سورۂ دخان۔ آیت ۴۳)

۹۔اُن اضافت کے طور پر واقع ہونے والے حرفہائے "یَ" کو زبر کے ساتھ پڑھا جائے گا کہ جن کے بعد ہمزۂ قطع واقع ہوا ہو اور اُس پر بھی زبر ہو جیسے اِنی اَعلم یا اس کے نیچے زیر لگایا گیا ہو جیسے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۹: فانہ منی اِلاّ من اغترف غرفۃ بیدہ۔اسی طرح سے اُس وقت بھی یہی حکم جاری ہوگا کہ جب ان حرفہائے یَ کے بعد لام تعریف (اَل) سے ملا ہوا ہمزۂ وصل واقع ہوا ہو جیسے لا ینال عھدی الظالمین (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۲۴) بلکہ اُن حرفہائے "یَ" کی بھی یہی صورت حال ہوگی کہ جن کے بعد ہمزۂ وصل واقع ہوا ہو لیکن لام تعریف کے ساتھ نہ ہو جیسے ھارون اخی اشدد (سورۂ

طٰہٰ - آیت ۳۱)؛ اس فن سے متعلقہ کتب میں درج شدہ تفصیل کا پاس رکھنا ضروری ہے۔

۱۰۔ بعض زائد حرفہائے ''یے'' کو ثابت رکھتا تھا جیسے ﴿أجیب دعوة الداع إذا دعانِ﴾ (سورۂ بقرہ- آیت ۱۸۶) اور ﴿و من آیاته الجوار فی البحر کالاعلام﴾ (سورۂ شوریٰ- آیت ۳۲)۔ (تاریخ القُرّاء- صفحہ ۱۸)

۵۔ حمزہ زیات (متوفی-۱۵۶ھ)

حمزہ زیات (متوفی-۱۵۶ھ) اور ابوعَمر و ابن علاء، (متوفی- ۱۵۴ھ اور بقولے ۱۵۶ھ) دونوں ہی اپنے حوادث روزگار میں ایک دوسرے کے ہمعصر تھے۔ حمزہ نے ساٹھ سال کی زندگی پائی۔ سن ۱۵۴ ہجری میں منصور عباسی جب شام کے سفر پر گیا تھا اُس وقت یہ موجود تھا۔ (الکامل- جلد۵- صفحہ ۱۴۵) اور اسی طرح سن ۱۵۶ ہجری میں یمانیوں کی وجہ سے کہ جن کے خلاف عبدالرحمٰن اُموی نے قیام کیا تھا جب عبدالرحمٰن اُموی کو اُندلس میں واقع اشبیلیہ کی طرف جلاوطن کیا گیا تھا اُس وقت بھی موجود تھا ''چنانچہ اس کے بعد یمانیوں کا کوئی (قابل ذکر) مقابل نہیں تھا'' (الکامل- جلد۵- صفحہ ۲۰۹)

ان واقعات کے زیر اثر سن ۱۵۷ ہجری کے متعلق ابن اثیر کہتا ہے: ''اس وقوعہ اور عرب کے ساتھ دھوکہ کئے جانے کے سبب عبدالرحمٰن لوگوں کو جمع کرنے کی طرف مائل ہوا'' (الکامل- جلد۵- صفحہ ۲۱۰)

اسی طرح سن ۱۵۶ ہجری کے واقعات کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس سال قاری حمزہ ابن حبیب زیات کا انتقال ہوا تھا کہ اس کا شمار قُرّاء سبعہ میں ہوتا ہے۔ (جلد۵- صفحہ ۲۱۱)

تو پھر یہ (مذکورہ) حمزہ کون ہے؟!

ذہبی (متوفی-۷۴۸ھ) اس کا وصف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''حمزہ ابن حبیب ابن عمارہ ابن اسماعیل، امام ابوعمارہ کوفی جو آل عکرمہ ابن ربعی تیمی کا غلام اور زیات (تیل بیچنے والا) تھا اور اس کا شمار قُرّاء سبعہ میں ہوتا ہے'' (معرفة القُرّاء- جلد۱- صفحہ ۱۱۱) ''سن ۸۰ ہجری میں پیدا ہوا تھا'' اور ''اعمش، حمران ابن اعین اور (امام) جعفر صادق (علیہ السلام) کے سامنے قرأت کی تھی۔ . . نیز ایک مدّت تک قرأت کا بیڑا اُٹھائے رکھا۔ چنانچہ اس کے سامنے بے شمار افراد نے قرأت کی'' (صفحہ ۱۱۲)

''وہ امام اور حجت تھا اور حاملِ کتاب خدائے متعال تھا، احادیث کا (بھی) حافظ تھا اور فرائض نیز عربی کی بصیرت رکھتا تھا؛ عبادت گزار، خداترس اور اللہ کا فرمانبردار تھا، بے انتہا پرہیزگار اور فقید المثال شخصیت کا حامل تھا'' (صفحہ ۱۱۲) اس کے پیشہ کے متعلق کہتا ہے: ''حمزہ عراق سے حلوان کو روغن لے جاتا تھا اور حلوان سے اخروٹ اور پنیر کوفہ لے جاتا تھا'' (صفحہ ۱۱۳)

اس کے قرآنی نسخہ سے متعلق کہتا ہے: ''اس کا اپنا قرآنی نسخہ تھا جو ابن زبیر کے نسخہ کے عین مطابق تھا'' (صفحہ ۱۱۳) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حمزہ کی قرأت نے پیچیدگی سے سادگی کا رخ کیا تھا، کیونکہ وہ کہتا ہے: ''اس لئے کہ یہ تحقیق اسی کی طرف منتہی ہوتی ہے اور اس کے بعد یہ قبیح ہوگئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ کسی سفید داغ کی مانند ہوگئی کہ اگر اس پر مزید اضافہ ہوتا تو برص کی صورت اختیار کر جاتا'' (جلد ۱- صفحہ ۱۱۵) احمد ابن حنبل کو حمزہ کی قرأت میں امالہ ناپسند تھا، چنانچہ ان کا کہنا ہے: ''حمزہ کی قرأت میں مجھے شدید اور مجتمع حرفہائے ہمزہ ناپسند ہیں'' (الإمالة- جلد ۱- صفحہ ۱۱۶) جبکہ از خود حمزہ اسے ریاضت گردانتا ہے، چنانچہ وہ کہتا تھا: ''حرفہائے ہمزہ، ریاضت ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کی قرأت صحیح طور سے کرے تو وہ بتدریج قرأت کو سیکھ لے گا'' (جلد ۱- صفحہ ۱۱۶) اس کی قرآن کے سلسلہ کی خدمات بہت طویل المدت ہیں، لہٰذا خود کہتا ہے: ''میں نے قرآن کریم پر اس قدر نظر کی ہے کہ مجھے اندیشہ ہوگیا کہ مبادا میری بصارت زائل ہو جائے'' (جلد ۱- صفحہ ۱۱۳) ''پندرہ سال کی عمر میں ہی میں نے اپنی قرأت کو اُستوار کر لیا تھا'' (جلد ۱- صفحہ ۱۱۰) اور چونکہ اس کا سن پیدائش ۸۰ ھ ہے لہٰذا ۹۵ ھ میں اُس نے قرأت کو بخوبی سیکھ لیا تھا اور یہ سلسلہ اُس کی وفات تک یعنی سن ۱۵۶ ہجری تک جاری رہا۔

ابن مجاہد (متوفی- ۳۲۴ ھ) کہتا ہے: ''حمزہ کا شمار اُن لوگوں کی فہرست میں ہوتا ہے کہ جنہوں نے اپنے آپ کو قرأت کے لئے وقف کر دیا تھا اور اس سلسلہ میں بے انتہا کوششیں کی تھیں؛ اس کی روش عبداللہ کے ساتھیوں کی سی تھی، اس لئے کہ کوفہ میں عبداللہ کی قرأت اَعمش پر منتہی ہوئی تھی''۔

اَسانیدِ حمزہ: حمزہ نے اُس قرأت کو اَعمش کے سامنے پڑھا تھا جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے اَعمش کے سامنے قرأت نہیں کی تھی، بلکہ اس کی قرأت سُنی تھی۔ نیز اس نے ابن ابی لیلیٰ کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ ابن ابی لیلیٰ نے منہال ابن عُمرو کے سامنے قرأت کی تھی، منہال نے سعید ابن جبیر کے سامنے، سعید نے ابن عباس کے سامنے، رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ابن عباس نے اُبی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اور اُبی ابن کعبؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرأت کی تھی۔ (کتاب السبعة- صفحہ ۷۲)

ابن مجاہد نے حمزہ تک اپنے سلسلۂ اُسناد کے بارے میں کہا ہے: ''میں نے متعدد دفعہ حمزہ ابن حبیب کی قرأت ابن عبدوس کے سامنے پڑھی تھی اور اس نے مجھے یہ بتایا کہ اس نے ابو عمر حفص ابن عمر کے سامنے قرأت کی تھی اور ابو عمر نے اس کو بتایا تھا کہ اس نے سلیم ابن عیسیٰ کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ سلیم نے اسے بتایا تھا کہ اس نے حمزہ کے سامنے قرأت کی تھی کہ خدا اُس پر اپنی وسیع رحمت نازل کرے''۔

محمد ابن جہم نے مجھے بتایا: ''خلف ابن ہشام نے سلیم کے ذریعہ اور اس نے حمزہ کے ذریعہ مجھ سے بیان کیا'' جبکہ محمد

ابن جہم کہتا ہے: ''اور میں نے عائذ ابن ابی عائذ کے سامنے قرأت کی تھی اور عائذ نے حمزہ کے سامنے'' (کتاب السبعة۔ صفحہ ۹۷)

قیسی (متوفی۔ ۴۳۷ھ) کہتا ہے: ''جہاں تک حمزہ کی بات ہے تو اس نے ابن ابی لیلیٰ کے سامنے قرأت کی تھی اور ابن ابی لیلیٰ نے منہال کے سامنے، جبکہ منہال نے سعید ابن جُبیر کے سامنے اور سعید نے ابن عباسؓ کے سامنے قرأت کی تھی۔ نیز اس نے حمران ابن اَعین کے سامنے اور حمران نے ابوالاسود دؤلی کے سامنے قرأت کی تھی اور ابوالاسود نے حضرت علیؑ اور حضرت عثمانؓ کے سامنے قرأت کی تھی۔ اس کے علاوہ حمزہ نے اَعمش سلیمان ابن مہران کے سامنے قرأت کی تھی اور اَعمش نے یحییٰ ابن وثاب کے سامنے، جبکہ یحییٰ نے ابن مسعودؓ کے اَصحاب اور زِرّ ابن حُبیش کے سامنے قرأت کی تھی اور زِرّ نے حضرات علیؑ، عثمانؓ اور ابن مسعودؓ کے سامنے قرأت کی تھی۔ اَعمش کی وفات کے موقع پر اس نے حمزہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا''۔

حمزہ کہتا ہے: ''جو قرأت میں نے ابن ابی لیلیٰ کے سامنے کی تھی وہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے حاصل کردہ ہے اور میری قرأت جو اَعمش سے سیکھی تھی وہ ابن مسعودؓ سے حاصل کردہ ہے'' چنانچہ اس کا یہ (مذکورہ) قول اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اَعمش کے سامنے قرأت کی تھی اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کی قرأت کا سلسلہ حضرات علیؑ ابن ابی طالبؑ اور ابن عباسؓ سے جا ملتا ہے۔

اس کے علاوہ حمزہ نے (امام) جعفرؑ (صادق) ابن محمدؑ ابن علیؑ ابن حسینؑ کے سامنے بھی قرأت کی تھی جبکہ (امام) جعفرؑ (صادق) نے اپنے اَجداد کے سامنے قرأت کی تھی؛ حمزہ کا شمار چوتھے طبقہ میں سے ہوتا ہے اور حمزہ کا انتقال ۱۵۶ھ میں ہوا تھا کہ اس نے سفیان ثوری کے سامنے تمام تر قرآن کی چار مرتبہ قرأت کی تھی جبکہ ۱۰۰ھ میں اس نے کوفہ میں امام جماعت کے فرائض اَدا کیے تھے تو اس بناء پر حمزہ کی امامت غالب رہی اور اُستوار اور مشہور بھی نیز اس کی سند مستقیم ہے۔ (التبصرة۔ صفحہ ۴۹)

ذہبی (متوفی۔ ۷۴۸ھ) کہتا ہے: ''امام ابن عمارہ ابن اسماعیل، ابوعمارہ، کوفی، آل عکرمہ ابن ربعی کا غلام، تیمی، زیات تھا کہ اس کا شمار قُرّاءِ سبعہ میں ہوتا ہے۔ ۸۰ھ میں پیدا ہوا تھا اور اس کے دَور میں بھی صحابہ موجود تھے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُن میں سے کچھ کو تو دیکھا بھی تھا؛ اَعمش، حمران ابن اَعین، محمد ابن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ، منصور، ابواسحٰق اور دیگر لوگوں کے سامنے قرآن کی قرأت کی تھی نیز طلحہ ابن مصرّف اور (امام) جعفر صادقؑ کے سامنے بھی قرأت کی تھی۔

اُس نے ایک مدّت تک قرأت کی تعلیم کا بیڑا اُٹھائے رکھا کہ بے شمار لوگوں نے اس کے سامنے قرأت کی تھی۔

اس کے علاوہ یہ امام اور حجت تھا، کتابِ خدائے متعال کا حامل، اَحادیث کا حافظ اور فرائض اور عربی کی بصیرت رکھتا تھا، عبادت گزار، خدا ترس اور اللہ کا فرمانبردار تھا، انتہائی پرہیزگار اور فقید المثال تھا۔ امام بخاری نے کہا ہے: ''حمزہ ابن حبیب زیات بنی تیم اللہ ابن ربیعہ کا خادم تھا'' سلیم کہتا ہے: حمزہ بنی تیم اللہ ابن ثعلبہ ابن عکابہ کا خادم تھا اور محمد ابن حسن نقاش نے کہا ہے کہ بنی عجل کا خادم تھا؛ اَکثم ابن صیفی کی اَولاد میں سے تھا، نیز اس نے کہا ہے: حمزہ عراق سے حلوان کو روغن لے جاتا تھا جبکہ حلوان سے کوفہ کو اَخروٹ اور پنیر لے جایا کرتا تھا۔

ابو عبید کہتا ہے: ''حمزہ ہی وہ شخص ہے جو اپنی قرأت کی بناء پر اہل کوفہ کا رئیس ٹھہرا تھا جبکہ ان کی پوری جماعت اس پر متفق نہیں تھی''۔

ابن مجاہد نے کہا ہے کہ مُطَیّن نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا: عقبہ ابن قبیصہ نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا: میرے والد نے ہم سے بیان کیا: ہم سفیان ثوری کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ حمزہ آ کر اس سے گفتگو کرنے لگا اور جب وہ اس کے پاس سے اُٹھا تو سفیان ہماری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: اس شخص نے اللہ عزوجل کی کتاب کا کوئی حرف بھی پڑھا ہے تو اس کے متعلق روایت کی بناء پر (ورنہ نہیں)

اسی نے بیان کیا ہے کہ محمد ابن عیسیٰ نے مجھ سے بیان کیا، اس نے کہا: ابو ہشام نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا: سلیم نے ہم سے حمزہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جب وہ نماز میں قرأت کرتا تھا ہمزہ کے ساتھ نہیں پڑھتا تھا۔

اسی نے بیان کیا ہے: ابن ابی دنیا نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا: محمد ابن ہیثم نے ہم سے بیان کیا کہ ابراہیم ازرق نے مجھے بتایا، اس نے کہا: حمزہ دورانِ نماز اسی طرح سے قرأت کرتا تھا کہ جس طرح سے قرأت کی جاتی ہے کہ وہ اپنی قرأت میں سے کسی شے کو بھی نظر اَنداز نہیں کرتا تھا، چنانچہ اس نے مدّ، ہمزہ اور ادغام کا استعمال بھی کیا تھا۔

عبداللہ ابن احمد ابن حنبل کہتا ہے: ''میرے والد نے کہا: حمزہ کی قرأت میں مجھے شدید حرفہائے حمزہ اور اضجاع ناپسند ہیں'' [الإمالة]

حمزہ کے حوالے سے منقول ہے کہ اس نے کہا تھا: ''حرفہائے ہمزہ ایک قسم کی ریاضت ہے کہ اگر کوئی اسے اَحسن طریقہ سے انجام دے تو بتدریج اس کی قرأت اُستوار ہو جائے گی''۔

سہل ابن محمد تمیمی کہتا ہے: ''سلیم نے ہم سے کہا تھا: میں نے حمزہ کو یہ کہتے سُنا: میں ۸۰ ھ میں پیدا ہوا تھا اور جب میں پندرہ سال کا تھا تب ہی اپنی قرأت کو اُستوار کر لیا تھا''۔

ابن ابی دنیا کہتا ہے: محمود ابن ابی نصر عجلی نے مجھ سے بیان کیا: حمزہ کا انتقال سن ۱۵۶ ہجری میں ہوا تھا اور یہی

تاریخ ایک سے زائد افراد نے بیان کی ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا سن وفات ۱۵۸ تھا جو کہ سراسر خام ہے؛ خدا اس پر رحم کرے۔ (معرفۃ القُرّاء۔ جلد۱۔ صفحہ۱۱۸)

قاضی نے حمزہ کی قرأت سے متعلق حسب ذیل نقاط کو بیان کیا ہے:

۱۔ ہر سورت کے اختتام کو اس کے بعد والی سورت سے بغیر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ملا دیتا تھا۔

۲۔ وصل اور وقف کے موقع پر ان تین الفاظ، علیھُم، اِلیھُم اور لدیھُم میں حرف "ہ" پر پیش دیتا تھا۔

۳۔ ان کلمات میں حرف "ہ" کو جزم دیتا تھا: ﴿ یؤدّہ الیک ﴾ (سورۂ آل عمران۔ آیت۷۵)، ﴿ ما تولیٰ و نُصلہ جھنم ﴾ (سورۂ نساء۔ آیت۱۱۵)، ﴿ نؤتہ منھا ﴾ (سورۂ آل عمران۔ آیت۱۴۵؛ سورۂ شوریٰ۔ آیت۲۰) اور ﴿ فالقہ الیھم ﴾ (سورۂ نمل۔ آیت۲۸)

۴۔ مدِّ متصل اور مدِّ منفصل میں چھ حرکات کے برابر اشباع سے کام لیتا تھا۔

۵۔ اَل اور شیء پر سکتہ دیتا تھا جبکہ خلف کی روایت کے مطابق فاصلہ دیئے گئے پر بھی سکتہ دیتا تھا جیسے ﴿ عذاب الیم ﴾ (سورۂ بقرہ۔ آیت۱۰)

۶۔ وقف کے موقع پر ہمزہ کو تغییر دیتا تھا خواہ کلمہ کے وسط میں واقع ہوا ہو جیسے یؤمنون یا کلمہ کے آخر میں جیسے ینشیء، البتہ اس سلسلہ میں بیان کی گئی تفصیل کا پاس رکھنا ضروری ہے۔

۷۔ خلف کی روایت کے مطابق لفظ اِذ کے حرف "ذ" کو حرفہائے "د" اور "ت" میں مدغم کیا جائے گا جبکہ خلاد کی روایت کے مطابق سوائے "ج" کے تمام حروف میں مدغم کیا جائے گا اور اسی طرح سے دونوں روایتوں کے مطابق حرف "د" کو اور تائے تانیث کو بھی تمام حروف میں مدغم کیا جائے گا۔ سورۂ مطففین میں ھل ثوب الکفار میں ھل کے لام کو حرف "ث" میں، سورۂ یوسف میں بل سولت لکم میں بل کے لام کو حرف "ت" میں جیسے بل تاتیھم اور اسی طرح سے جس حرف "ب" پر جزم ہوا سے حرف "ف" میں مدغم کیا جائے گا جیسے و اِن تعجب فعجب؛ یہ سب خلاد کی روایت کے مطابق ہے۔ حرف "ذ" کو حرف "ت" میں بھی مدغم کیا جائے گا جیسے عذت، اتخذتم، فنبذتھا اور اُورِثتموھا میں حرف "ث" کو حرف "ت" میں مدغم کیا جائے گا اور اسی طرح سے لبثت میں بھی چاہے کیسی بھی صورت میں واقع ہو۔

۸۔ جن حرفہائے الف کے ساتھ حرف "یَے" ہو اور اسی طرح مصاحف کے اُن حرفہائے الف کو جو حرف "یَے" مرسوم ہیں امالہ کے ساتھ پڑھیں گے جیسے الھدیٰ، مشتری اور النصاری۔ نیز خاب، خافوا، طاب، ضاقت، وحاق، راغ، جاء، شاء اور زاد کے حرفہائے الف کو بھی امالہ کے ساتھ پڑھا جائے گا جبکہ ذو(۲)"د" کے درمیان واقع

ہونے والے الف پر تقلیل کا عمل ہوگا بشرطیکہ اُن میں سے دوسرا "ر" آخر میں واقع ہوا ہو اور اس کے نیچے زیر دیا گیا ہو جیسے اِنَّ کتاب الأبرارِ ، من الأشرارِ۔

۹۔ سورۂ ابراہیم (آیت ۳۱) میں ﴿قل لعبادی الذین آمنوا﴾ اور سورۂ زمر (آیت ۵۳) میں ﴿یا عبادی الذین اَسرفوا﴾ اور ان جیسے کلمات میں اضافت کے طور پر واقع ہونے والے حرف "یے" کو جزم دیا جائے گا جبکہ علماء نے ایسے مخصوص کلمات کا ذکر بھی کیا ہے کہ باقی سورتوں میں ایسا نہیں کیا جائے گا۔

۱۰۔ سورۂ نمل (آیت ۳۶) میں ﴿اَتمدونَنِ بمال﴾ اور سورۂ ابراہیم (آیت ۴۰) میں ﴿ربنا و تقبّل دُعَاءِ﴾ میں زائد "یے" کو ثابت رکھا جائے گا۔ (تاریخ القُرّاء۔ صفحہ ۳۳)

۶۔ نافع (متوفی-۱۶۹ھ)

"نافع کی قرأت عباسیوں کی حکومت سنبھالنے کے سلسلہ کی باہمی چپقلشوں کے درمیان مشہور ہوئی۔ اُدھر مہدی عباسی (۱۶۹ھ) نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ اپنے بیٹے موسیٰ ہادی کو چھوڑ کر ولی عہد کے طور پر رشید کی بیعت کرائے گا اور اُسے ہادی پر مقدم رکھے گا" (الکامل۔ جلد۵۔ صفحہ ۲۵۹) "(لیکن ہوا یہ کہ) اُس نے کھانا کھایا (بیمار پڑا) اور دس دن کے بعد مرگیا۔ اس کی موت کا سبب کیا تھا اس سلسلہ میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض کا کہنا ہے کہ اس نے ایسے برتن سے کچھ نوش کیا تھا کہ جس میں زہر تھا لہٰذا وہ اُسی وقت مرگیا" (الکامل۔ جلد۵۔ صفحہ ۲۵۹) جس روز مہدی اس دنیا سے رُخصت ہوا اُسی دن اس کے فرزند موسیٰ ہادی کی بیعت کی گئی۔ (جلد۵۔ صفحہ ۲۶۳)

ہادی (۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ) کی خلافت صرف ایک سال چلی کہ جس میں وہ (اپنے بھائی) رشید کی بجائے اپنے بیٹے جعفر کی بیعت لینے کی کوشش کرتا رہا (جلد۵۔ صفحہ ۲۷۰) "کیا چیز اس کی موت کا باعث ہوئی اس سلسلہ میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس کی ماں خیزران کی کنیزوں کی وجہ سے اس کی موت ہوئی تھی، کیونکہ اس نے ہی اُنہیں ایسا کرنے کو کہا تھا" (جلد۵۔ صفحہ ۲۷۲) چنانچہ جب وہ بیمار پڑا تو اس کی ماں نے (تیمارداری کے بہانے) اپنی کنیزوں کو اس کے پاس رکھ چھوڑا اور اُنہوں نے اس کے چہرہ کو ڈھانپ کر اور اُس پر بیٹھ کر اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا" (جلد۵۔ صفحہ ۲۷۳)

ہادی کی خلافت کے دوران ۱۶۹ھ میں حسن ابن علی شہید فخ کی تحریک رُونما ہوئی اور یہ تحریک یوں پھیلی کہ ہادی نے مدینہ پر عمری کو عامل مقرر کر کے کچھ علویوں پر یہ تہمت لگائی کہ وہ نبیذ پیتے ہیں اور اس طرح اُنہیں مارنے کو کہا تو اُن سب کو مارا گیا اور (اس سے پہلے) اُن کے گلوں میں رسیاں ڈال کر شہر بھر میں اُنہیں پھرایا گیا تو حسین ابن علی عمری نے آکر اُس

سے کہا: ''تم نے اُنہیں مارا ہے لیکن تمہیں اُن کو مارنے کا حق حاصل نہیں تھا، اس لئے کہ عراقیوں کو اُن پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر تم نے اُنہیں (شہر بھر میں) کیوں پھرایا؟'' (الکامل - جلد۵ - صفحہ۲۶۵)

پس جب حسین نے وقت صبح نماز پڑھی تو لوگ اس کے پاس آئے اور کتاب خدا، رسول خدا اور آل محمد کے مرتضیٰ کی سنت پر اس کی بیعت کی (جلد۵ - صفحہ۲۶۶) اور اس طرح مکہ کے قریب فخ کا معرکہ ظہور پذیر ہوا۔

ابن اثیر نے کسی طرح بھی اس تحریک میں نافع کے متعلق کسی رائے کو پیش نہیں کیا، بس صرف اتنا کہا ہے: ''سن ۱۶۹ ہجری میں قاری نافع ابن عبدالرحمٰن ابن ابی نعیم جو صاحب قرأت تھا اور اس کا شمار قرّاء سبعہ میں ہوتا ہے کا انتقال ہوا (جلد۵ - صفحہ۲۶۹) جبکہ اس نے اپنی کتاب البدایۃ میں نافع کی وفات کی جانب کوئی اشارہ نہیں کیا (جلد۱۰ - صفحہ۱۵۶) تو پھر یہ نافع کون ہے؟

ذہبی نے اس کی سوانح حیات بیان کرتے ہوئے کہا ہے: ''نافع ابن عبدالرحمٰن ابن ابی نعیم لیثی، اُن میں کا عجمی ابو رویم قاری مدنی جو ایک جید عالم تھا اور یہی جعونہ کا غلام تھا؛ دراصل اس کا تعلق اصفہان سے تھا اور ایک طویل مدت تک بہترین قاری رہا کہ قُدماء میں سے مالک نے اس کے سامنے قرأت کی تھی؛ اس نے ۱۰۱ھ میں مدینہ میں قدم رکھا تھا تو وہاں نافع کو امام قرأت پایا کہ جس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں تھا'' (جلد۱ - صفحہ۱۰۸) ذہبی نے اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے کہ یہ ۱۱۳ھ کی بات ہے اور خواہ کوئی بھی سال ہو بہرطور اس کی قرآئی قابلیت بالکل عیاں ہے۔ اصمعی نے کسی حوالہ سے یوں نقل کیا ہے: ''میں ۱۰۰ھ میں مدینہ گیا تو اس وقت رئیس قرأت نافع تھا'' (جلد۱ - صفحہ۱۰۹) یہ بیان اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی عمر سو کے لگ بھگ ہونی چاہئے جبکہ نافع وہ واحد شخص ہے کہ جس نے قرأت کے سلسلہ میں اپنے اُسلوب کو وضاحت سے بیان کیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ''پس میں نے اس قول میں غور کیا کہ جس پر دو افراد کی ایک ہی رائے تھی اور میں نے بھی اسی کو اختیار کیا، لیکن جس قول کا قائل شاذ طور پر کوئی ایک ہی تھا اُسے میں نے ترک کر دیا اور اس قرأت کو میں نے اسی ڈھنگ سے تألیف کیا ہے'' (جلد۱ - صفحہ۱۰۹) نیز حلوانی کا کہنا ہے: ''نافع شدید حرفہائے ہمزہ کو خاطر میں نہیں لاتا تھا اور وہ مدّ سے کام لے کر قرأت قائم کرتا تھا نیز وہ مشدّد نہیں کرتا تھا اور ممدود اور غیر ممدود میں تقریب کا قائل تھا'' (جلد۱ - صفحہ۱۱۰) نافع ۱۶۹ھ میں فوت ہوا''۔

ابن مجاہد (متوفی - ۳۲۴ھ) کہتا ہے: ''ابوعبدالرحمٰن نافع ابن عبدالرحمٰن ابن ابی نعیم، جعونہ ابن شعوب لیثی کا غلام تھا جو حمزہؓ ابن عبدالمطلب کا حلیف تھا۔ قاری ابوبکر محمد ابن فرج نے مجھے اس کے حسب نسب کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا تھا: ''محمد ابن اسحٰق ابن محمد ابن عبداللہ مسیبی نے اس کے والد کے ذریعہ سے مجھے اس کی خبر دی تھی''۔

محمد ابن عیسیٰ عباسی نے مجھے بیان کیا کہ ابو حاتم سہل ابن محمد جستانی نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا: اَصمعی نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا: نافع ابن ابی نعیم نے مجھ سے کہا تھا: ''دراصل میرا تعلق اصفہان سے ہے''۔

ابوبکر ابن محمد ابن عبدالرحیم نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے مفضل ابن غسان غلابی کو یہ کہتے سُنا: ''اہل مدینہ میں سے ایک شخص نے بحوالۂ ابو سہر مجھ سے بیان کیا: میں نے نافع ابن ابی نعیم کے سامنے قرأت کی تھی اور اس کے آقا سے متعلق پوچھا تھا تو اس کا خیال یہ تھا کہ وہ جعونہ ابن شعوب لیثی کا غلام تھا جو بنی ہاشم کا حلیف تھا۔ (کتاب السبعة۔ صفحہ ۵۴)

اس کے بعد نافع کے اُساتذہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''یہ قرأت کے تمام طریقوں سے بخوبی واقف تھا اور اپنے شہر کے گذشتہ ائمۂ قرأت کی روایتوں پر عمل پیرا تھا کہ اس نے تابعین کی ایک جماعت سے قرأت سیکھی تھی'' اس کے بعد اُن میں سے چند ایک کے تفصیلی اَحوال بیان کئے ہیں کہ اُن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عبدالرحمن ابن ہرمز اَعرج

۲۔ جعفر ابن زید ابن قعقاع

۳۔ یزید ابن رومان

۴۔ شیبہ ابن نصاح

۵۔ مسلم ابن جندب ہذلی

کہتا ہے: ''محمد ابن فرج نے مجھ سے بیان کیا کہ محمد ابن اسحٰق مسیبی نے ہم سے بیان کیا -اپنے والد کے ذریعہ سے- اس نے نافع کے ذریعہ سے کہ اس نے کہا تھا: ''میں نے (نہ صرف) ان پانچ ائمہ قرأت بلکہ دیگر قاریوں سے بھی قرأت سیکھی ہے -اُس نے پانچ ناموں کا ذکر بھی کیا تھا لیکن میرے والد کو یاد نہ رہے- نافع کہتا ہے: چنانچہ جس قول پر اُن میں سے کوئی دو متفق تھے اُس کو میں نے منتخب کرلیا جبکہ شاذ طور پر جس کا قائل صرف کوئی ایک ہی تھا اُسے ترک کر دیا اور میں نے اپنی اس قرأت کی تالیف اسی طریقہ پر کی ہے''۔

محمد ابن احمد ابن محمد ابن شاہین نے مجھ سے بیان کیا کہ روح ابن فرج نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: عبدالغنی ابن عبدالعزیز عُرف عسال نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: میں نے ابن وہب کو کہتے سُنا: اہل مدینہ کی قرأت سُنت ہے۔ اس سے پوچھا گیا: نافع کی قرأت (بھی)؟ اس نے کہا: ہاں! نیز مدینہ میں نافع کی قرأت پر ہر خاص و عام متفق ہے۔

محمد ابن احمد ابن شاہین نے مجھ سے بیان کیا، اُس نے کہا س: میں نے ابو زنباع روح ابن فرج کو یہ کہتے سُنا: میں نے محمد ابن رمح کو یہ کہتے سُنا: میں نے لیث ابن سعد کو یہ کہتے سُنا: میں نے ۱۱۰ھ میں حج کیا اور اُس وقت مدینہ میں

قرأت کے سلسلہ میں لوگوں کا پیشوا نافع ابن ابی نعیم تھا۔

عبداللہ ابن صقر ابوالعباس سکری نے مجھ سے بیان کیا، اُس نے کہا: محمد ابن اسحٰق نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: میں نے ابوخلید دمشقی کو بحوالہ لیث ابن سعد بیان کرتے ہوئے سُنا کہ وہ مدینہ میں ۱۱۰ھ میں وارد ہوا تھا تو اُس نے دیکھا کہ قرأت کے سلسلہ میں نافع بلا مقابلہ لوگوں کا امام ہے۔

قیسی (متوفی۔۴۳۷ھ) کہتا ہے: ''نیز نافع نے شیبہ ابن نصاح جو زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُم سلمہ کا غلام تھا کے سامنے قرأت کی تھی اور اسی طرح سے عبدالرحمٰن ابن ہرمز، مسلم ابن جندب ہذلی اور یزید ابن رومان کے سامنے بھی''۔

ان سب (مذکورہ) افراد نے ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ نے اُبی ابن کعبؓ کے سامنے اور اُبیؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرأت کی تھی اور اس کی یہ قرأت ہی سُنت ہے کہ مدینہ معدن علم اور مقام وحی تھا اور یہ حرم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں امام جماعت بھی تھا اور اس لئے بھی کہ مالک نے اس کی مدح کی ہے اور اسے عادل قرار دیا ہے نیز اس کی فضیلت بھی مشہور و معروف تھی۔ حتیٰ کہ مالک اور ابن وہب نے کہا تھا: ''نافع کی قرأت ہی سُنت ہے اور اس سے مراد یہ تھی کہ اہل مدینہ کے لئے سُنت کی حیثیت رکھتی ہے جبکہ سُنت سے ثابت شدہ قرأت کے متعلق کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اُسے رد کردے۔ نافع مدینہ میں ۱۶۸ میں فوت ہوا جبکہ اُس کا سن وفات ۱۶۷ھ بھی بتایا گیا ہے؛ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ۱۰۰ھ سے قبل اس سے بہتر قرأت کسی کی نہیں تھی اور اس کا شمار تیسرے طبقہ میں ہوتا ہے۔ لوگوں کو ہر اس چیز کی قرأت سکھاتا تھا کہ اس کے نقل کردہ میں سے جسے اس کے سامنے پڑھا گیا تھا سوائے اس کے کہ کوئی انسان اس سے سوال کرلے، مگر اس کی اپنی قرأت میں کہ ایسی صورت میں وہ اس پر نگران رہتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس کے حوالے سے بے شمار اختلافات معرض وجود میں آئے۔ (التبصرة۔ صفحہ ۴۶)

ذہبی (متوفی۔۷۴۸ھ) کہتا ہے: ''نافع ابن عبدالرحمٰن ابن ابی نعیم لیثی اُن میں کا عجمی تھا جو ابورویم قاری اور مدنی تھا۔ اس کا شمار جید علماء میں ہوتا ہے اور یہ جعونہ ابن شعب لیثی کا غلام تھا جو حمزہؓ ابن عبدالمطلب یا اُن کے بھائی عباسؓ کا حلیف تھا۔ کہا گیا ہے: اس کی کنیت ابوالحسن تھی جبکہ بقولے دیگر ابوعبدالرحمٰن تھی اور بقولے ابوعبداللہ جبکہ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کی کنیت ابونعیم تھی، لیکن ان سب میں سے مشہور ترین ابورویم تھی۔

اُس نے اہل مدینہ میں تابعین کے ایک گروہ کے سامنے قرأت کی تھی، اس کا رنگ سخت کالا تھا اور دراصل اس کا تعلق اصفہان سے تھا۔

ابوقرہ موسیٰ ابن طارق کہتا ہے: میں نے اُسے یہ کہتے سُنا: ''میں نے ستر تابعین کے سامنے قرأت کی تھی''۔

سعید ابن منصور کہتا ہے: میں نے مالک کو یہ کہتے سُنا: اہل مدینہ کی قرأت سُنت ہے۔ اس سے کہا گیا: کیا نافع کی قرأت بھی؟ اس نے کہا: ہاں!

عبداللہ ابن احمد ابن حنبل کہتا ہے: میں نے اپنے والد سے پوچھا: آپ کی پسندیدہ ترین قرأت کون سی ہے؟ کہنے لگے: اہل مدینہ کی قرأت، اور اگر یہ ممکن نہیں تو عاصم کی قرأت۔

نیز مالک نے کہا تھا: ''نافع قرأت کے سلسلہ میں لوگوں کا امام ہے''۔

ابوخلید دمشقی - اس کا نام عتبہ تھا - نے بحوالۂ لیث ابن سعد نقل کیا ہے کہ وہ ۱۱۰ھ میں مدینہ میں آیا تھا تو اس نے قرأت کے سلسلہ میں نافع کو لوگوں کا بلا مقابلہ امام پایا۔

اسحٰق مسیبی کہتا ہے: نافع نے کہا تھا: ''میں نے ان افراد کے سامنے قرأت کی تھی، چنانچہ مجھے جس قول پر ان میں سے دو افراد ہم رائے ملے اُسے منتخب کرلیا اور شاذ طور پر جس کا قائل صرف کوئی ایک تھا اُسے ترک کر دیا اور اسی ڈھنگ پر رہتے ہوئے میں نے اس قرأت کو یکجا کیا ہے''۔

اصمعی کہتا ہے: ''میں نے نافع سے لفظ الذئب اور البئر کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا: اگر عرب اس میں ہمزہ لگاتے ہیں تو تم بھی ہمزہ لگاؤ!''۔

حلوانی بحوالہ قالون نقل کرتا ہے: ''نافع شدید حرفہائے ہمزہ کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، وہ مدّ سے کام لیتا تھا اور قرأت کو اسی طرح قائم کرتا تھا جبکہ وہ تشدید سے کام نہیں لیتا تھا اور ممدود اور غیر ممدود میں تقریب کا قائل تھا'' (معرفة القرّاء - جلد۱- صفحہ ۱۰۷ تا ۱۱۱)

قاضی نے نافع کی قرأتی روش میں حسب ذیل نقاط بیان کیے ہیں:

قرأت کے سلسلہ میں نافع کے دو انتخابات یا دو طرز تھے کہ ان میں سے پہلا قالون اور دوسرا ورش کو پڑھایا تھا۔

طرزِ قالون

۱۔ سوائے سورۂ انفال اور سورۂ برائت کے ہر دو سورتوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ثبت کیا جاتا تھا اور ان دونوں سورتوں کے تین طریقے مقرر تھے: قطع، سکتہ اور وصل جبکہ تینوں طریقوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو شامل نہیں کیا تھا۔

۲۔ جمع کے میم کو واؤ کے ساتھ ملاتے ہوئے پیش دیا جاتا ہے بشرطیکہ اس کے بعد والا حرف متحرک ہو خواہ ہمزہ ہو یا کوئی دوسرا حرف، جیسے ﴿سوآء علیهم ء انذرتهم ام لم تنذرهم لا یؤمنون﴾ (سورۂ بقرہ- آیت ۶) جبکہ اسی نے

میم کو جزم دے کر بھی پڑھا ہے تو اس بناء پر ایسے میم میں اس نے دو طریقے مقرر کیے ہیں ایک صلہ (ملا دینا) اور دوسرا جزم دینا۔

۳۔ مدِّ منفصل کو مقصور اور متوسط طور سے پڑھا جاتا ہے جیسے یا ایھا ، وفی انفسکم اور قوا انفسکم جبکہ مقصور کی مقدار دو اور متوسط کی چار حرکات کے برابر ہے۔

۴۔ اگر ایک ہی کلمہ میں دو ہمزہ یکجا ہو جائیں تو دوسرے ہمزہ پر تسہیل کا حکم جاری ہوگا اور ان دونوں کے درمیان ایک الف کو شامل کیا جائے گا جو دو حرکات کے برابر ہوگا خواہ دوسرے ہمزہ پر زبر دیا گیا ہو جیسے ءَ انتم یا اس کے نیچے زیر دیا گیا ہو جیسے ءِ انکم یا اُس پر پیش دیا گیا ہو جیسے اؤُنبئکم۔

۵۔ اگر دو کلموں میں دو ہمزہ یکجا ہو جائیں بایں طور کہ پہلا ہمزہ پہلے کلمہ کے آخر میں اور دوسرا ہمزہ پہلے کلمہ کی ابتدا میں واقع ہوں تو اُن میں سے پہلے ہمزہ کو ساقط کر دیا جائے گا اور اس کے لئے یہ شرط ہے کہ دونوں ہمزہ زبر کا تقاضا کر رہے ہوں جیسے ﴿ ثُمَّ اِذا شَآءَ أنشره ﴾ (سورۂ عبس - آیت ۲۲) لیکن اگر یہ دونوں ہمزہ زیر کا تقاضا کر رہے ہوں جیسے ﴿ ھٰؤلآءِ إن کنتم ﴾ (سورۂ بقرہ - آیت ۳۱) یا پیش کی حرکات کا جیسے ﴿ ولیس لہ من دونہ اولیآءُ اُولٰئک ﴾ (سورۂ احقاف - آیت ۳۲) تو ایسی صورتوں میں پہلے ہمزہ پر تسہیل کا حکم جاری ہوگا۔ نیز اس قاری کے مطابق تینوں حالات میں دوسرے ہمزہ پر سوائے تحقیق کے اور کوئی حکم جاری نہیں ہوتا۔

البتہ اگر دونوں ہمزہ کی حرکات باہم مختلف ہوں تو ان میں سے دوسرے پر بَین بَین تسہیل کا حکم جاری ہوگا بشرطیکہ دوسرے ہمزہ کے نیچے زیر دیا گیا ہو اور پہلے پر زبر، جیسے ﴿ و جآءَ إخوۃ یوسف ﴾ (سورۂ یوسف - آیت ۵۸) یا پھر ایسی صورت ہونی چاہیے کہ دوسرے ہمزہ پر پیش دیا گیا ہو اور پہلے پر زبر اور ایسی صورت سورۂ مومنون کی ۴۴ ویں آیت میں واقع ہوئی ہے: ﴿ کلّما جآءَ اُمۃ رسولھا ﴾ لیکن اگر دوسرے ہمزہ پر زبر ہو تو اسے خالصۂ حرف "یے" میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ (معرفۃ القرّاء - صفحہ ۹)

طرز ورش

قاضی نے ورش کی قرائتی روش کے متعلق حسب ذیل نقاط بیان کئے ہیں:

۱۔ ہر دو سورتوں میں تین طریقے مقرر کئے ہیں: بسم اللہ الرحمن الرحیم، سکتہ اور وصل جبکہ ان دو صورتوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو شامل نہیں کریں گے۔ البتہ سورۂ انفال اور سورۂ برائت کے متعلق اس کی رائے بھی قالون کی مانند ہے۔

۲۔مدِ متصل اور مدِ منفصل، دونوں صورتوں میں چھ حرکات کے برابر اشباع کا قائل ہے جبکہ مدِ بدل جیسے آمنوا، ایماناً اور اُوتو میں تین طریقوں کا قائل ہے: دو حرکات کے برابر قصر، چار حرکات کے برابر توسط اور چھ حرکات کے برابر مدّ۔ ہمزہ سے قبل حرف لین واقع ہونے کی صورت میں جیسے شیئاً اور سوءۃ میں توسط اور مدّ کا قائل ہے حالانکہ سوائے اس کے کوئی بھی ایسا قاری نہیں ہے جو بدل اور لین میں توسط اور مدّ کا قائل ہو۔

۳۔اگر ایک ہی کلمہ میں دو ہمزہ یکجا ہو جائیں تو اُن میں سے دوسرے ہمزہ میں بَین بَین تسہیل سے کام لیا جائے گا اور ایسی صورت میں اگر اُس ہمزہ پر زبر ہے تو حرف الف کو شامل نہیں کیا جائے لیکن اسے حرف مدّ سے بدل دیا جائے گا، البتہ اگر اس کے نیچے زیر ہو یا اُس پر پیش دیا گیا ہو تو اس میں سوائے تسہیل کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

۴۔اگر ایک جیسی حرکات والے دو کلموں میں دو ہمزہ یکجا ہو جائیں تو دوسرے ہمزہ میں تسہیل سے کام لیا جائے گا اور وہ ہمزہ کو حرف مدّ میں بدل دیتا تھا لیکن اگر حرکات کے لحاظ سے دو مختلف کلموں میں دو ہمزہ یکجا ہو جائیں تو اُن میں سے دوسرے ہمزہ کی قرأت ایسے کریں گے کہ جس طرح سے قالون کا طرز تھا۔

۵۔سوائے مستثنیات کے جس ہمزہ پر جزم ہوا سے حرف مدّ سے بدل دیا جائے گا بشرطیکہ یہ ہمزہ فائے کلمہ ہو جیسے یؤمن اور پیش کے بعد زبر دیئے گئے ہمزہ کو واؤ سے بدل دیا جائے گا بشرطیکہ یہ فائے کلمہ ہو جیسے مؤجلاً۔

۶۔جمع کے میم پر پیش لگایا جائے گا اور اسے واؤ سے ملا دیا جائے گا بشرطیکہ اس کے بعد ہمزۂ قطع واقع ہوا ہو جیسے ومنهم أميون۔

۷۔لفظ قد کے دال کو حرف ضاد میں مُدغم کر دیا جائے گا جیسے فقد ضل ،حرف ''ظ'' میں بھی جیسے فقد ظلم، تائے تانیث کو حرف ''ظ'' میں مُدغم کر دیا جائے گا جیسے کانت ظالمة اور حرف ''ذ'' کو حرف ''ت'' میں مُدغم کر دیا جائے گا جیسے أخذتم وغیرہ . . .

۸۔اُن ''الف'' پر تقلیل کا عمل کیا جائے گا جو حرفہائے ''یَ'' کے ساتھ ہوں کہ وہ اُن کی نمائندگی کریں جیسے الهدى اور الهوى اور اسی طرح سے اگر حرف ''ر'' کے بعد ایسی صورت پیدا ہو جائے جیسے اشترىٰ اور النصارىٰ تو متفقہ طور پر تقلیل واقع ہوگی۔ نیز ایسے حرفہائے الف پر بھی تقلیل کا حُکم جاری ہوگا جو ایسے ''ر'' سے پہلے واقع ہوں کہ جس کے نیچے زیر دیا گیا ہو اور وہ کلمہ کے آخر میں ہو جیسے الأبرارِ، الأشرارِ، أبصارِهم اور دیارِهم۔

۹۔جس ''ر'' پر زبر ہو اُس پر ترقیق کے ساتھ پڑھا جائے گا جیسے خیراً اور اسی طرح اگر اس پر پیش ہو جیسے نحن خیرٌ۔ البتہ اُن شرائط کا پاس رکھتے ہوئے کہ جن کو علماء نے کتابوں میں درج کیا ہے۔

۱۰۔ جن حرفہائے لام پر زبر لگا ہوا گر وہ حرف "ص" کے بعد واقع ہوں تو انہیں موٹا کر کے پڑھا جائے گا جیسے الصلاۃ یا اگر جزم لگا ہو تب بھی، جیسے یصلی۔ اسی طرح اگر ایسے حرف "ط" کے بعد واقع ہو کہ جس پر زبر دیا گیا ہو جیسے بَطَلَ یا پھر ایسے حرف "ط" کے بعد واقع ہو کہ جس پر جزم دیا گیا ہو جیسے مَطْلَع یا ایسے حرف "ظ" کے بعد واقع ہو جائے کہ جس پر زبر دیا گیا ہو جیسے ظلم یا پھر ایسے حرف "ظ" کے بعد واقع ہو جائے کہ جس پر جزم دیا گیا ہو جیسے **ولا یُظْلَمُونَ** (تب بھی موٹا کر کے پڑھا جائے گا)۔ سوائے اس کے دوسرا کوئی ایسا قاری نہیں کہ جس نے حرفہائے "ر" میں ترقیق اور حرفہائے لام میں تغلیظ کے لئے کہا ہو۔

۱۱۔ اضافت کے طور پر واقع ہونے والے حرفہائے "یے" میں قالون کا شریک ہے یعنی جس کو قالون نے زبر دینے کو کہا تھا اس کو زبر دیتا ہے اور جس کو جزم دینے کا کہا تھا اُس کو جزم دیتا ہے۔ نیز ایسے حرفہائے "ب" بھی ہیں کہ ان کے متعلق دونوں کی رائے میں فرق پایا جاتا ہے کہ علماء نے اپنی تصنیفات میں ان پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۲۔ زائد حرفہائے "یے" میں بھی قالون کا ہم رائے ہے، لہٰذا جسے وہ ثابت رکھتا تھا اسے یہ بھی ثابت رکھنے کو کہتا ہے اور جسے وہ حذف کرنے کو کہتا تھا اُسے یہ بھی حذف کرتا ہے سوائے چند ایک مقامات پر کہ جہاں ان دونوں کی آراء ایک دوسرے سے مختلف ہیں؛ اُن کے متعلقہ مقامات پر اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ (تاریخ القرّاء- صفحہ ۱۱)

۷۔ کِسائی (متوفی-۱۸۹ھ)

کِسائی کی قرأت ہارون رشید عباسی کے دور (۱۷۰ھ تا ۱۹۴ھ) میں مشہور ہوئی؛ اس نے بغداد کو اپنا وطن بنالیا تھا اور رشید اور اس کے بیٹے امین (۱۹۴ھ تا ۱۹۸ھ) کے اتالیق کے فرائض انجام دیئے تھے۔ ہارون کی خلافت جب مستحکم ہوگئی تو اس نے اُن لوگوں کے خلاف فیصلے سُنانا شروع کر دیئے کہ جن سے وہ خائف تھا اور انہیں میں سے آل برمک (۱۷۰ھ-۱۸۸ھ) اور اُن کا رئیس جعفر ابن یحییٰ برمکی (۱۸۸ھ) تھے۔ نیز برامکہ کے قتل کئے جانے کے زیر اثر اُس نے اپنا دارالخلافہ بغداد سے ہٹ کر رقہ کو بنالیا تھا اور از خود ۱۹۳ھ میں رافع ابن لیث سے مقابلہ کے لئے خراسان کا رُخ کیا کہ اُس کے ساتھ ساتھ یہ کسائی اور محمد ابن حسن -شیبانی- بھی تھے اور دونوں ایک ہی دن شہر رے میں انتقال کر گئے، چنانچہ رشید کہتا تھا: "فقہ اور عربی کو میں نے شہر رے میں دفن کر دیا" (البدایۃ و النہایۃ- جلد ۱۰- صفحہ ۲۰۲)

رشید سے اس قدر تعلقات ہی اس بات کا باعث بنے کہ رشید نے اسے امام جماعت مقرر کر دیا۔ کسائی کہتا ہے: "ایک روز میں رشید کو نماز پڑھا رہا تھا کہ اُسے میری قرأت بہت پسند آئی، پس میں نے ایک ایسی غلطی کر دی کہ کوئی کند ذہن

بھی ایسی غلطی نہیں کرتا: جب میں نے لعلھم یرجعون کہنا چاہا تو اس کی بجائے میں نے کہہ دیا لعلھم ترجعین ،لیکن رشید نے میری قرأت کو رد کرنے کی جسارت نہ کی، لہٰذا جب میں نے سلام پڑھا تو اس نے کہا: یہ کون سی قرأت ہے؟ تو میں نے کہا: کبھی تیز رفتار گھوڑا بھی پھسل جاتا ہے۔ اس نے کہا: ہاں یہ تو ہے!'' (البدایة و النھایة۔ جلد ۱۰۔ ۲۰۳)

یہ کسائی کون ہے؟

ابن اثیر نے اپنی کتاب البدایة میں ۱۹۵ ھ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (جلد ۱۰۔ صفحہ ۲۰۳)

ذہبی (متوفی ۷۴۸ ھ) نے اس کی سوانح حیات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''امام ابوالحسن اسدی اُن میں کا عجمی، کوفی، قاری اور نحوی تھا کہ اس کا شمار فاضل علماء میں ہوتا ہے: ۱۲۰ ھ کے لگ بھگ فوت ہوا۔ اس نے (امام) جعفر صادق (علیہ السلام) اور دیگر افراد سے روایات سُنی ہیں اور قرآن کی قرأت کی تھی نیز حمزہ زیات اور علی ابن عمر حمدان کے سامنے بہترین انداز میں (تجوید کے ساتھ) قرأت کی تھی'' (معرفة القرّاء۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۲۰) ''اور چونکہ کسائی قرأت کا انتخاب کرتا تھا لہٰذا اس نے حمزہ کی بعض قرأت کو لے لیا اور اس کے بعض حصہ کو رہنے دیا'' (جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۲)

چونکہ کسائی نے رشید کے بیٹے محمد امین کو پڑھایا تھا اور اس کا اتالیق بھی رہ چکا تھا لہٰذا بڑے جاہ وحشم کا مالک تھا، اس کے علاوہ رشید کا اتالیق بھی رہ چکا تھا لہٰذا اُسے ایسا جاہ وجلال، مال اور عزت و اکرام ملا تھا جو کسی کو حاصل نہ رہا اور اس طرح سے اُسے علم اور دُنیا (دونوں) کی ریاست حاصل تھی۔ (جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۳)

فرّاء اور کسائی کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اس سے اس کی شخصیت اُجاگر ہوتی ہے۔ فرّاء کہتا ہے: ''میں نے ایک روز کسائی سے ملاقات کی تو میں نے دیکھا کہ گویا وہ گریہ کر رہا ہو تو میں نے کہا کہ تم گریہ کیوں کر رہے ہو؟ تو وہ کہنے لگا: یہ حاکم یعنی یحییٰ ابن خالد نے مجھے بلایا ہے اور اب وہ مجھ سے کچھ پوچھے گا۔ لہٰذا اگر میں نے جواب دینے میں وقت لیا تو اس کے عتاب کا سزاوار ٹھہروں گا جبکہ اگر فی الفور جواب دیتا ہوں تو لغزش کا اندیشہ ہے! میں نے کہا: اے ابوالحسن، تم پر بھلا کون اعتراض کر سکتا ہے؟! جو تمہارا دل کرے کہہ دو کہ تم تو کسائی ہو تو اُسی لمحہ اُس نے اپنی زبان کو اپنے ہاتھ میں پکڑا اور کہنے لگا: اگر میں کوئی ایسی بات کہہ دوں کہ جس کا مجھے علم نہ ہو تو خدا اِسے قطع کر دے گا! (جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۶)

اس باہمی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق بات کہنے میں اس بات سے بھی اس کی آزمائش ہوتی تھی کہ اپنے سے زیادہ قوت والے کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا اور اس میں وہ سوچ بچار سے کام لیتا تھا، واقعی کس قدر انمول سوچ تھی! اس کے بعد اُن کتابوں کا ذکر کیا ہے کہ جو اس نے قرآن، شعر، نحو اور یحییٰ زید کے مراثی سے متعلق تالیف کی تھیں۔ (معرفة القرّاء۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۸) کسائی کا انتقال شہر رے کے گاؤں ارنوبہ میں ۱۸۹ ھ میں ہوا تھا۔ (جلد ۱۔ صفحہ ۱۲۸)

یہ ایک طبیعی امر ہے کہ کسائی کی قرأت ہارون رشید کے مکمل تعاون کی بناء پر مشہور ہوئی ہو گی تو پھر اُس کے ساتھ شہرزے جانے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے: آیا اُن دونوں (ہارون اور امین) کی محبت میں گیا تھا یا پھر ان کے خوف کی وجہ سے؟ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس کی تاریخی تحقیق ناگزیر ہے۔

ابن مجاہد (متوفی۔ ۳۲۴ھ) کہتا ہے: ''علی ابن حمزہ کسائی نے حمزہ کے سامنے قرأت کی تھی اور قراءات کے مختلف طریقوں میں صاحب نظر تھا اور علم عربی ہی اس کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا نیز اس نے حمزہ اور دیگر قاریوں کی قرأت میں سے بھی ایسا انتخاب کیا تھا جو متوسط درجے کا تھا جبکہ گذشتہ ائمۂ قرأت کی روایتوں میں سے بھی کسی چیز کو ترک نہیں کیا تھا۔ قرأت کے سلسلہ میں اپنے دَور کے لوگوں کا امام تھا اور جب وہ لوگوں کے سامنے قرأت کرتا تھا تو لوگ اُس کے اَلفاظ کو حوالہ کی حیثیت دیتے تھے۔ (کتاب السبعۃ۔ صفحہ ۷۸)

احمد ابن قاسم بُرِّی نے مجھ سے بیان کیا کہ اسحٰق ابن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: میں نے کسائی کو لوگوں کے سامنے پورے قرآن کو دومرتبہ قرأت کرتے سُنا۔

خلف کہتا ہے: ''میں کسائی کے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ لوگوں کے سامنے قرأت کر رہا تھا اور لوگ اپنے مصاحف پر اُس کے قرأت کرتے وقت نقطے دیتے جا رہے تھے؛ اس نے کوفہ میں قیام نہیں کیا اور وہ شہر بہ شہر منتقل ہوتا رہتا تھا۔ اس کا انتقال بِرَنبُویہ۔ شہرزے کا ایک گاؤں۔ میں ۱۸۹ھ میں ہوا تھا''۔

نیز قاری محمد ابن عبدالرحیم نے ہم سے بیان کیا کہ قاری محمد ابن عیسیٰ اصفہانی نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: محمد ابن سفیان نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: کسائی نے کہا: میں نے اہل کوفہ کے علمائے کبار میں سے ان قُراء اور فقہاء سے کسب فیض کیا: ابن ابی لیلی، ابان ابن تغلب، حجاج ابن ارطاۃ، عیسیٰ ابن عمر ہمدانی اور حمزہ زیات۔

ابن ابی دنیا نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: قاری محمد ابن خالد نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: عبداللہ ابن صالح عجلی نے ہم سے بحوالۂ کسائی نے بیان کیا، اُس نے کہا: مجھ سے خلیفۂ وقت ہارون نے کہا: محمد کو حمزہ کی قرأت سکھاؤ! تو میں نے کہا: اے امیر المومنین، وہ میرا اُستاد ہے! (کتاب السبعۃ۔ صفحہ ۷۹)

کسائی کی قرأت کی اَسانید سے متعلق ابن مجاہد کہتا ہے: ''ابوالحسن علی ابن حمزہ کی قرأت کے مطابق میں نے متعدد مرتبہ ابن عبدوس کے سامنے پورے قرآن کی قرأت کی۔ نیز اس نے مجھے بتایا کہ اس نے ابو عمر کے سامنے بھی قرأت کی تھی جبکہ ابو عمر نے کسائی کے سامنے قرأت کی تھی۔

محمد ابن یحیٰ کسائی نے ابوالحارث لیث ابن خالد کے ذریعہ اور اس نے کسائی کے ذریعہ مجھے یہ خبر دی۔ (کتاب

السبعۃ۔ صفحہ ۹۸)

قیسی (متوفی۔ ۴۳۷ھ) کہتا ہے: ''جہاں تک کسائی کی بات ہے تو اس نے حمزہ کے سامنے اپنی مستقیم سند کے ساتھ قرأت کی تھی اور حمزہ کے علاوہ بھی کسی اور قاری کے سامنے قرأت کی تھی، لیکن زیادہ تر اس کی قرأت حمزہ کے حوالے سے ہوتی تھی۔ چونکہ اُسے لغت پر انتہائی عبور حاصل تھا، عربی کا سب سے زیادہ ماہر تھا اور اس کا طریق نقل بالکل صحیح تھا اس نے بالخصوص حمزہ سے نقل کیا تھا لہٰذا اپنی قرائات کے سلسلہ میں وہ سب پر مقدّم تھا؛ اس کا شمار چوتھے طبقہ میں ہوتا ہے اس لئے کہ اس نے محمد ابن ابی لیلیٰ وغیرہ جیسے اساتذہ کا زمانہ دیکھا تھا۔ اس کا انتقال ۱۸۹ھ میں ہوا جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۱۸۳ھ میں ہوا؛ وہ کوفہ میں پیدا ہوا تھا اور (ہارون) رشید کے ساتھ خراسان جاتے ہوئے شہر رَے میں فوت ہوگیا۔ اسے کسائی کی طرف منسوب اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس کے متعلق مروی ہے کہ اس نے چادر (کساء) کو حج کے احرام کے طور پر باندھا تھا۔ (التبصرۃ۔ صفحہ ۴۹)

کسائی کی سوانح حیات بیان کرتے ہوئے ابن کثیر (متوفی۔ ۷۷۶ھ) کہتا ہے: ''دراصل اس کا تعلق کوفہ سے تھا اور اس کے بعد اس نے رشید اور اس کے بعد اس کے بیٹے امین کے بغداد کو اپنا وطن قرار دیا تھا۔ اس نے حمزہ ابن حبیب زیات کے سامنے اس کی قرأت کی تھی اور اسی کو پڑھاتا تھا لیکن بعد میں اُس نے اپنے لئے ایک قرأت کا انتخاب کیا اور اسی کی قرأت کرتا تھا۔ ابوبکر ابن عیاش اور سفیان ابن عیینہ وغیرہ . . . کے ذریعہ نقل کرتا ہے جبکہ اس سے یحیٰ ابن زیاد فراء اور ابوعبید نقل کرتے ہیں۔ شافعی کہتا ہے: جو شخص بھی عربی گرامر سیکھنا چاہتا ہے وہ کسائی کا مرہون منت ہے۔ کسائی نے خلیل سے عربی گرامر کا فن سیکھا تھا، چنانچہ ایک روز اس سے پوچھا تھا: تم نے یہ علم کس سے حاصل کیا؟ اس نے کہا: حجاز کے صحراؤں سے تو اس نے اُنہی اطراف میں سفر کیا اور عرب کے متعلق بہت کچھ لکھا اور پھر خلیل کے پاس لوٹ آیا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو یونس نے اُس کی جگہ سنبھالی لہٰذا دونوں کے درمیان مناظرے ہوئے کہ جن میں یونس اس کی فضیلت کا قائل ہوگیا اور اُسے اپنی جگہ پر بٹھا دیا''۔

کسائی کہتا ہے: ''ایک روز میں رشید کو نماز پڑھا رہا تھا کہ اُسے میری قرأت بہت پسند آئی، پس میں نے ایک ایسی غلطی کردی کہ کوئی بچہ بھی ایسی غلطی نہیں کرتا: جب میں نے **لعلهم یرجعون** کہنا چاہا تو اس کی بجائے میں نے کہہ دیا **لعلهم ترجعین**، لیکن رشید نے میری قرأت کو رد کرنے کی جسارت نہ کی، لہٰذا جب میں نے سلام پڑھا تو اس نے کہا: یہ کون سی قرأت ہے؟ میں نے کہا: کبھی تیز رفتار گھوڑا بھی پھسل جاتا ہے۔ اس نے کہا: ہاں یہ تو ہے!'' کسی کا قول ہے: ''میں کسائی سے ملا تو دیکھا کہ وہ رنجیدہ ہے، تو میں نے کہا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: یحیٰ ابن خالد نے میرا رخ کیا ہے تا کہ چند ایک چیزوں کے

متعلق مجھ سے سوالات کرے اور میں ڈر رہا ہوں کہ مبادا خطا کر جاؤں۔ میں نے کہا: جو تمہارا دل کرے کہہ ڈالو کہ تم تو کسائی ہو۔ تو وہ کہنے لگا: خدا اسے۔یعنی اس کی زبان کو۔ قطع کردے گا اگر میں کوئی ایسی بات کہہ دوں کہ جس کے بارے میں مجھے علم نہیں ہے۔ نیز کسائی نے کہا تھا: میں نے ایک دن بڑھئی سے کہا: یہ دونوں دروازے کتنے کے ہیں؟ تو وہ کہنے لگا: مفت کے ہیں، اے مصفعان! (مصفعان عربی میں اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے منہ پر تھپڑ مارے جائیں)۔

بنا بر قول مشہور کسائی اسی سال فوت ہوا تھا اور اس وقت اس کی عمر ستر سال کی تھی۔ وہ رَے کے شہروں میں رشید کا ہمسفر تھا اور اسی کے مضافات میں اس کا انتقال ہوا تھا، اس کا اور محمد ابن حسن دونوں کا ایک ہی روز انتقال ہوا تھا۔ لہذا رشید کہتا تھا: میں نے فقہ اور عربی کو شہر رَے میں دفنا دیا۔ ابن خلکان کا کہنا ہے: ''نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسائی ۱۸۲ ھ میں طوس کے مقام پر فوت ہوا تھا اور کسی نے کسائی کو خواب میں دیکھا تھا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہا تھا تو اس نے کہا: تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ کیا سلوک روا رکھا؟ اس نے کہا: قرآن کی بدولت مجھے معاف کر دیا۔ تو میں نے کہا: اور حمزہ کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا: وہ علیین میں ہے، ہم اسے صرف ایسے ہی دیکھ سکتے ہیں جیسے ستارے کو دیکھا جاتا ہے جبکہ اسی سال اس کا انتقال ہوا تھا۔ (البداية و النهاية- جلد ۱۰- صفحہ ۲۰۱)

ذہبی (متوفی-۷۴۸ ھ) کہتا ہے: ''امام ابوالحسن اسدی، اُن میں کا عجمی کوفی، قاری، نحوی اور فاضل علماء میں سے شمار ہوتا تھا''۔

۱۲۰ ھ کی حدود میں پیدا ہوا اور (امام) جعفر صادق، اعمش، زائدہ، سلیمان ابن ارقم اور ایک قلیل جماعت سے (قرآن) سنا تھا اور حمزہ زیات اور عیسیٰ ابن عمر ہمدانی کے سامنے تجوید کے ساتھ قرآن کی قرأت کی تھی۔

ابو عمر ودانی وغیرہ نقل کرتے ہیں کہ کسائی نے محمد ابن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ کے سامنے بھی قرأت کی تھی اور اس نے اپنے لئے ایک قرأت منتخب کی اور بصرہ کا رخ کیا اور پھر خلیل ابن احمد سے عربی سیکھی۔

محمد ابن عیسیٰ اصفہانی کہتا ہے: محمد ابن سفیان نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا: کسائی کہتا ہے: میں نے کوفہ کے ان علمائے کبار سے ملاقات کی: ابان ابن تغلب، ابن ابی لیلیٰ، حجاج ابن ارطاہ، عیسیٰ ابن عمر ہمدانی اور حمزہ۔

میں کہتا ہوں: اس کے علاوہ حروف بھی ابوبکر ابن عیاش وغیرہ سے سیکھے اور صحراؤں کی طرف نکل پڑا تو ایک طویل مدت تک غائب رہا اور نجد اور تہامہ میں بحوالۂ بدوِ عرب بے شمار لغات اور نوادر کو تحریر کیا اور اس کے بعد لوٹ آیا درحالیکہ اس نے سیاہی کی پانچ بوتلیں خالی کی تھیں۔

صوفی کہتا ہے: ''یہ علی ابن حمزہ ابن عبداللہ ابن بہمن ابن فیروز بنی اسد میں کا عجمی ہے''۔

ابوعبیداپنی کتاب القراء ات میں رقمطراز ہے: ''کسائی قراءات کو منتخب کرتا تھا، چنانچہ اس نے حمزہ کی قرأت کے کچھ حصہ کو لے لیا جبکہ کچھ کو ترک کردیا، اس کا شمار اہل قرأت میں ہوتا ہے اور قرأت ہی اس کا علم وفن تھا۔ اس کے علاوہ ہم نے کسی محفل میں اس سے زیادہ حافظِ قرأت پایا اور نہ ہی اس سے زیادہ صحیح قرأت کرنے والا''۔

وہ لوگوں میں عربی گرامر کا [سب سے بڑا عالم] تھا اور نوادر میں یکتا۔ قرأتِ قرآن کے سلسلہ میں اپنی مثال آپ تھا اور اسی وجہ سے لوگ جوق در جوق اس کے سامنے قرأت کرتے تھے یہاں تک کہ اس کا کوئی حساب نہیں کہ اس نے کتنے افراد کی قرأت کی اصلاح کی تھی۔ اس کی روش یہ تھی کہ وہ سب کو یکجا کر کے خود کرسی پر بیٹھتا تھا اور شروع سے لے کر آخر تک قرآن کی تلاوت کرتا تھا جبکہ وہاں پر موجود لوگ اس کو سنتے تھے اور حتیٰ کہ اس کے مقاطع اور مبادی کو بھی شمار کر لیتے تھے۔

میں کہتا ہوں: ''چونکہ کسائی نے رشید کے بیٹے محمد امین کو پڑھایا اور اس کا، بلکہ رشید کا اتالیق بھی رہا تھا لہٰذا اس کا بڑا رعب و دبدبہ تھا تو یزیدی نے کسائی سے کہا: اے ابوالحسن، تمہارے حوالے سے ہم تک کچھ ایسی باتیں پہنچی ہیں کہ جن میں سے بعض کا لوگ انکار کرتے ہیں! کسائی کہنے لگا: کیا میرے جیسا شخص ایسی باتیں کرسکتا ہے؟! کیا عربی کے عالم کے لئے یہ باتیں میرے ایک فضول لعاب سے زیادہ کوئی حیثیت رکھتی ہے؟ اور پھر اس نے تھوک دیا تو یزیدی خاموش ہو کر رہ گیا''۔

اس کے سن وفات کے سلسلہ میں کچھ ضعیف اقوال نقل کئے گئے ہیں: ۱۸۱ھ، ۱۸۲ھ، ۱۸۳ھ، ۱۸۵ھ اور ۱۹۳ھ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے ستر سال کی عمر پائی تھی۔ (معرفة القرّاء۔ جلد۱۔ صفحہ۱۲۸)

قاضی نے کسائی کی قرائتی روش کے متعلق مندرجہ ذیل نقاط بیان کئے ہیں:

۱۔ سوائے سورۂ انفال اور سورۂ برائت کے ہر دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی جائے گی جبکہ مذکورہ دونوں سورتوں میں وقف کیا جائے گا، سکتہ دیا جائے گا یا پھر وصل سے کام لیا جائے گا۔

۲۔ مدِ متصل اور مدِ منفصل کو متوسط طور پر یعنی چار حرکات کے برابر کھینچا جائے گا۔

۳۔ سوائے حرف ''ج'' کے ہر حرف میں لفظ اِذ کے ذال کو مُدغم کیا جائے گا جبکہ قد کے ''د''، تائے تانیث اور هل اور بل کے لام کو ہر حرف میں مُدغم کردیا جائے گا۔ اسی طرح سے جس حرف ''ب'' پر جزم ہوا سے حرف ''ف'' میں مدغم کردیا جائے گا جیسے قال اذهب فمن تبعک منهم نیز سورۂ سبأ (آیت ۹) ﴿إن نشأ نخسف بهم﴾ میں جزم دیئے گئے ''ف'' کو حرف بے میں مدغم کردیا جائے گا۔ لیث کی روایت کے مطابق جزم دیئے گئے لام کو یفعل ذلک کے ''ذ'' میں مدغم کردیا جائے گا خواہ یہ لفظ کہیں پر بھی واقع ہو۔ عذت، فنبذتها اور اتخذتم کے ''ذ'' کو حرف ''ت'' میں مدغم

کر دیا جائے گا جبکہ اُورثموھا، لبثت اور لبثم کے حرف "ث "کوحرف "ت "میں مدغم کر دیا جائے گا۔

۴۔جن حرفہائے الف کوحمزہ امالہ کے ساتھ پڑھتا تھا اُس میں یہ بھی امالہ کا قائل ہے اور اس کے علاوہ یہ بعض دوسرے الفاظ میں بھی امالہ کا قائل ہے کہ جن کی وضاحت قرائات کی کتابوں میں کر دی ہے۔

۵۔مخصوص شرائط کا خیال رکھتے ہوئے وقف کے موقع پر ہائے تانیث کے ماقبل کو امالہ کے ساتھ پڑھنے کا قائل ہے جیسے رحمة اور الملآئکة۔

۶۔شجرت، بقیت اور جنت جیسے الفاظ میں زبر دی گئی "ت" (تائے ملفوظی) پر "ۃ" (تائے مکتوبی) کے طور پر وقف کرتا گے۔

۷۔سورۂ ابراہیم (آیت ۳۱) میں قل لعبادی الذین آمنوا اور سورۂ عنکبوت (آیت ۵۶) اور سورۂ زمر (آیت ۵۳) میں یا عبادی الذین میں یائے اضافت کو جزم دینے کا قائل ہے۔

۸۔سورۂ ہود (آیت ۱۰۵) میں یوم یأت اور سورۂ کہف (آیت ۶۴) میں وما کنا نبغ میں وصل کی حالت میں زائد "یے" کو ثابت رکھنے کا قائل ہے۔

سورۂ فاتحہ میں قرائات سبع کا تقابلی جائزہ

مصحف عثمانی	اَلحمد	مالک	الصراط	علیهم	غیر
۱۔ابن عامر۔شام (۱۱۸ھ)					
۲۔ابن کثیر۔مکہ (۱۲۰ھ)					غیرَ
۳۔عاصم۔کوفہ (۱۲۷ھ)					
۴۔ابوالعلاء۔بصرہ (۱۵۴ھ)	إلحمد	مَلک/ مِلِک	السراط/ صراط		
۵۔حمزہ زیات۔کوفہ (۱۵۶ھ)			الزراط		
۶۔نافع - مدینہ (۱۶۹ھ)	إلحمد	مَلِک		علیهُم	
۷۔کسائی۔کوفہ (۱۸۹ھ)					

قرائات عشر (دس قرائات)

نویں صدی ہجری میں محمد ابن جزری (متوفی۔۸۳۳ھ) نے ابن مجاہد پر یہ اعتراض کیا کہ اس نے چند ایک اہم قرائات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے قرائات سبع پر دیگر تین کا اضافہ کر دیا جو قرأت کے مطلوبہ درجے کو پہنچتی تھیں۔ اس سلسلہ میں جو چیز ابن جزری کے لئے مُمد و معاون ثابت ہوئی وہ قرأت کے بارے میں اس کا عمیق مطالعہ اور مہارت تھی اور جس طرح کہ اس کی سوانح حیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اس کی خاطر اس نے کئی ایک سفر بھی کیے تھے۔ قارئین کی خدمت میں مختلف مآخذ سے سُرمہ کی ایک سلائی برابر اس کی سوانح حیات کا خُلاصہ پیش کیا جا رہا ہے: ''محمد ابن جزری (۷۵۱ھ۔۸۳۳ھ) ابن محمد ابن محمد ابن محمد ابن علی ابن یوسف عمری، دمشقی اور پھر شیرازی، شافعی جو ابن جزری (شمس الدین، ابوالخیر) کے ناموں سے جانا جاتا ہے، قاری، تجوید سے بخوبی واقف، محدِّث، حافظ، تاریخ دان، مفسر، فقیہ، نحوی، علم بیان کا ماہر، ناظم اور دیگر چند ایک علوم سے بھی واقف تھا۔ دمشق میں ۲۵ رمضان کو پیدا ہوا تھا اور وہیں پر فقہ کی تعلیم حاصل کی اور حدیث اور قرائات کا بھی متلاشی رہا۔ قاریوں کے لئے ایک مدرسہ تعمیر کر کے اسے دارالقرآن سے موسوم کیا نیز خود بہترین قاری تھا؛ کئی ایک مرتبہ قاہرہ بھی آیا تھا اور وہاں قطلبک استدار اتمش سے جا ملا لیکن اس کے ملامت کرنے اور دھمکانے پر اس کے ہاں سے فرار ہو گیا۔ اس کے بعد بلاد روم کی طرف سمندری سفر کیا اور وہاں جا کر ابو یزید عثمان سے جا ملا تو اس نے اس کی تعظیم کی اور بلاد روم کے لوگ جوق در جوق آ کر اس سے قرأت سیکھنے لگے۔ لہٰذا جب ابن عثمان کو قید کر لیا گیا تو ابن جزری لنک سے جا ملا اور اس نے (بھی) اس کی تعظیم کی اور شیراز کی قضاوت اس کے سپرد کر دی۔ ایک طویل مدت تک وہ اس عہدہ پر فائز رہا حتیٰ کہ وہاں کے لوگوں نے اس سے قرائات اور حدیث کا علم سیکھا۔ نیز وہ ینبع میں مقیم ہوا اور پھر مدینہ میں اور اس کے بعد مکہ میں اور وہاں پر حج بھی ادا کیا اور (اس کے بعد) عراق کو واپس ہوا اور پھر مکہ لوٹ کر حج کیا اور قاہرہ میں داخل ہوا تو وہاں کے بادشاہ شریف نے اس کی تعظیم کی اور اس کے ساتھ عزت سے پیش آیا۔ پھر اس نے حج کیا اور بطور تاجر یمن چلا گیا تو صاحب یمن کے ہاں حدیث کی سماعت کی اور اسی سے جا ملا اور وہاں سے بے تحاشا پونجی کے ساتھ لوٹا اور پھر سے قاہرہ چلا گیا اور ایک مدت وہیں قیام کیا۔ اس کے بعد اس نے شام اور بصرہ کے راستے سفر کیا یہاں تک کہ شیراز پہنچ گیا اور وہیں ۵ ربیع الاوّل کو اس کا انتقال ہو گیا'' (معجم المؤلفین۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۲۹۲)

طبقات الحفاظ میں سیوطی کہتا ہے: ''اس کے دور میں قرائات کے سلسلہ میں اس کی نظیر پوری دُنیا میں کہیں پر نہیں تھی؛ یہ احادیث وغیرہ کا حافظ تھا اور اس کا بہترین علم رکھتا تھا البتہ فقہ میں اس کی معرفت نہیں تھی'' (فهرست الفهارس۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۲۳)

بغدادی نے هدیة العارفین میں اس کی ۴۸ تالیفات کی تفصیل بیان کی ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف اسلامی علوم میں اس کی مہارت کس قدر تھی جبکہ کتانی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن جزری نے علم قرائات کے مفاد کو بیچ جانا ہے حالانکہ اس کی مسلسل کاوشوں سے ایسا ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ جس طرح سے کہ علم حدیث وعلم قرائات اور دیگر علوم سے واقفیت کی بناء پر اس کی اسانید کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت علم حدیث کی بابت صرف ایک حصہ کی طرف متوجہ رہتا تھا جو اس کے قرائات کے سلسلہ ہی کی تکمیلی کڑی تھی۔

ابن جزری نے ابن مجاہد کی تنقید میں یہ الفاظ کہے ہیں: ''امام (اور) شیخ الاسلام ابوالفضل عبدالرحمٰن ابن احمد رازی نے پہلے اس شبہ کا ذکر کیا کہ جس کی وجہ سے کند ذہن عوام یہ سمجھ بیٹھے کہ ان ائمہ قرأت کے طریقہ بھی سات ہیں کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے: ''قرآن سات طرز سے نازل کیا گیا'' جبکہ لوگوں نے جو آٹھ قرائات چُن لیں اور کچھ لوگوں نے دس یعنی ابن مجاہد نے جن سات قرائات کے بیان پر اکتفا کیا تھا اُن پر کچھ قرائات کا اضافہ کر دیا تھا اس کی وجہ مذکورہ شبہ ہی تھی۔ اس کے بعد کہتا ہے: ''میں نے کسی بھی عالم کی تصنیف میں آٹھ، دس یا کسی نئی رائے کا اظہار نہیں دیکھا مگر یہ کہ مذکورہ شبہ کو برطرف کرنے کے لئے ایسا کیا گیا تا کہ لوگ یہ جان جائیں کہ سات طرز سے مُراد باقی سب کو چھوڑ کر صرف سات اَفراد کی پاسداری نہیں ہے اور نہ ہی یہ سات کا عدد اَدوار یا مقامات کی تخصیص کے لئے ہے، بلکہ اگر اس اُمت کے اَن گنت اَفراد جمع ہو جائیں اور اُن میں سے ہر کوئی دوسرے کے برخلاف ایک طریقہ منتخب کر لے اور اپنے اس علیحدہ طریقہ میں اپنی نوعیت کا واحد بھی ہو تب بھی حروف سبعہ (سات طرز) کے دائرہ سے خارج نہیں ہوگا خواہ کسی مقام پر بھی ایسا کرے یا گذشتہ ائمہ قرأت کے بعد کسی بھی زمانہ میں ایسا کرے چاہے وہ منتخب کردہ قرأت اپنے منتخب کردہ طرز کے ساتھ شرط انتخاب ہی کیوں نہ ہو۔ (النشر - جلد ا - صفحہ ۴۳)

ابوالعلاء حسن ابن احمد ابن حسن ہمدانی عطار (متوفی ۵۶۹ھ) نے اس سلسلہ میں اپنی کتاب غایة الإختصار فی قراءۃ العشر ائمة الأمصار - تحقیق: ڈاکٹر اشرف طلعت - مطبوعہ ۱۴۱۴ھ میں لکھا ہے کہ کسی بھی قاری کا اُسلوب واضح نہیں تھا کہ جس کا بیڑا ابن جزری (متوفی ۸۳۳ھ) نے اُٹھایا ہے، اس لئے کہ ابن جزری (متوفی ۸۳۳ھ) نے صرف ابن مجاہد (متوفی ۳۲۴ھ) کی نظریاتی تنقید نہیں کی کہ اس نے مشہور قرائات کو سات میں منحصر کر دیا ہے، بلکہ اس نے عملی طور پر بھی اپنی کتاب میں اس کمی کو پورا کیا ہے اور ان میں اضافی قرائات کو تحریر کیا ہے کہ جس کی بناء پر ان کی تعداد دس تک پہنچ گئی۔

چنانچہ مقدمہ میں مصنف نے کہا ہے: ''جب میں نے دیکھا کہ اس سلسلہ میں لوگوں کے حوصلے پست ہو چکے ہیں،

اس علم شریف کے آثار مٹ کر رہ گئے ہیں اور دُنیا اب ائمہ قرأت سے خالی ہو چکی ہے اور [اس طرح سے] یہ نہیں پتا لگ سکتا کہ صحیح اختلافی موقف کیا ہے اور اتفاقی موقف کیا جبکہ یہی وجہ ہے کہ بیشتر مشہور قرائات کو ترک کر دیا گیا اور بیان کردہ صحیح روایات میں سے زیادہ تر بالائے طاق رکھ دی گئیں یہاں تک کہ لوگ صرف اسی کو قرآن سمجھ بیٹھے جو الشـــــاطبیة اور التیسیر میں درج تھا اور قرأت کے بارے میں صرف اُتنا کچھ ہی جانتے تھے جو ان کتابوں میں لکھ دیا گیا تھا، الہٰذا مجھ پر لازم تھا کہ میں قرأت کا صحیح تعارف کرواؤں اور مشہور روایات میں منقول قرائات میں سے مقبول کی تمیز کرلوں، چنانچہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ مجھ تک جو قرائات پہنچی ہیں، مختلف شہروں کے دس ائمہ قرأت کی روایات میں سے جو زیادہ قابل اعتماد ہیں اور گذشتہ اَدوار میں جن کی روش کو اپنایا جاتا رہا ہے اُنہیں ثبت کروں اور اس سلسلہ میں ہر امام قرأت کے دو راویوں پر اکتفا کیا ہے کہ ان میں سے ہر راوی کے دو طریق ہیں اور ہر طریق کے بھی دو پہلوؤں کو لیا ہے: مغربی اور مشرقی، مصری اور عراقی اور اس کے ساتھ ساتھ اُن تک منتہی ہونے والی اَسناد اور ان کے درمیانی فرق کو بھی نقل کر دیا ہے۔ بنابریں نافع سے نقل کرنے والے دو راوی قالون اور ورش ہیں، ابن کثیر سے نقل کرنے والے دو راوی بزی اور قنبل ہیں کہ انہوں نے اپنے اُن ساتھیوں کے ذریعہ نقل کیا کہ جنہوں نے (بلا واسطہ) ابن کثیر سے سُنا تھا، ابوعمرو کے دو راوی دوری اور سوسی ہیں کہ انہوں نے یزیدی کے ذریعہ اور اس نے ابوعمرو سے نقل کیا ہے، ابن عامر کے دو راوی ہشام اور ابن ذکوان ہیں کہ ان دونوں نے اپنے اُن ساتھیوں کے ذریعہ نقل کیا ہے کہ جنہوں نے (بلا واسطہ) ابن عامر سے سُنا، عاصم کے دو راوی ابوبکر شعبہ اور حفص ہیں کہ جنہوں نے اس سے نقل کیا، حمزہ کے دو راوی خلف اور خلاد ہیں کہ ان دونوں نے سلیم سے نقل کیا اور اس نے (بلا واسطہ) حمزہ سے سُنا، کسائی کے دو راوی ابوالحارث اور دوری ہیں کہ ان دونوں نے (بلا واسطہ) کسائی سے سُنا، ابوجعفر کے دو راوی عیسیٰ ابن وردان اور سلیمان ابن جماز ہیں کہ ان دونوں نے (بلا واسطہ) اس سے سُنا، یعقوب سے نقل کرنے والے دو راوی رویس اور روح ہیں اور خلف سے نقل کرنے والے دو راوی اسحٰق وراق اور ادریس حداد ہیں۔ (النشر - جلد۱ - صفحہ۵۴)

جن تین قُرّاء کو سات کے ساتھ ملحق کیا گیا اُن کا تعارف ذیل میں درج ہے:

۸۔ ابوجعفر مدنی (متوفی - ۱۲۷ھ) ابوجعفر یزید ابن قعقاع حلیف مخزومی، اہل مدینہ میں کا عجمی کہ قرأت کے طریقوں سے متعلق اس کی ایک تالیف بھی ہے۔

۹۔ یعقوب حضرمی (متوفی - ۲۰۵ھ) ابومحمد یعقوب ابن اسحٰق ابن زید حلیف حضرمی اور اہل بصرہ میں کا عجمی۔

۱۰۔ خلف بغدادی (متوفی - ۲۲۹ھ) ابومحمد خلف ابن ہشام ابن ثعلب بغدادی جو بغداد ہی کا باشندہ تھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے صرف ایک ہی شخص یعنی خلف بغدادی عرب تھا جس طرح کہ ان میں سے

صرف ایک ہی نے کتاب تالیف کی اور وہ ہے ابوجعفر مدنی (متوفی۔۱۲۷ھ) لیکن ان دونوں کے علاوہ سب کے سب عجمی تھے اور انہوں نے اپنے فن میں تخصص کے باوجود کوئی شے تالیف نہیں کی۔

(اور اس سے عجیب تر یہ ہے کہ) ابن مجاہد (متوفی۔۳۲۴ھ) نے ان آخری تین کی قراءات کو مشہور قراءات میں شامل نہیں کیا اور نہ ہی اس کی کوئی معقول وجہ بیان کی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قول تواتر اس کے ذاتی اجتہاد کی بناء پر تھا۔ اب قارئین کی خدمت میں ان کی سوانح حیات اور قرآئتی روش پیش کی جاتی ہے:

۸۔ ابو جعفر مدنی (متوفی۔۱۳۷ھ)

ذہبی (متوفی۔۷۴۸ھ) کہتا ہے: ''قاری ابوجعفر یزید ابن قعقاع جو دس میں سے ایک ہے، مدنی ہے، مشہور ہے اور لوگوں میں اس کی طوطی بولتی تھی''۔

اس نے تصدیق کی خاطر اپنے آقا عبداللہ ابن عیاش ابن ابی ربیعہ مخزومی کے سامنے قرأت کی تھی۔

کچھ لوگ کہتے ہیں: ''اس نے ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی قرأت کی تھی اور انہوں نے اُبی ابن کعبؓ کے سامنے قرأت کی تھی۔ نیز ابن عُمر نے اس کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے اَحادیث نقل کی ہیں لیکن اس کی اَحادیث تعداد میں کم ہیں''۔

اس نے ایک عرصہ تک قرآن پڑھانے کا بیڑا اُٹھایا، چنانچہ وارد ہے کہ اس نے واقعہ حرہ سے پہلے لوگوں کو قرأت سکھائی، یہاں تک کہ کہا گیا ہے: ''اس نے زید ابن ثابتؓ کے سامنے قرأت کی تھی لیکن انہوں نے اس کی قرأت کو صحیح تسلیم نہیں کیا تھا''۔

عمر کتانی نے ہم سے بیان کیا کہ ابن مجاہد نے ہمیں بتایا، اُس نے کہا کہ محمد ابن جہم نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا کہ سلیمان ابن داؤد نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا کہ اسماعیل ابن جعفر نے ہم سے بیان کیا، اس نے کہا کہ مجھ سے سلیمان ابن مسلم نے کہا کہ ابوجعفر نے مجھ سے یوں بیان کیا: حرہ کے وقوعہ سے پہلے وہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرأت سکھاتا تھا اور حرہ کا واقعہ ۶۳ھ میں پیش آیا تھا۔ نیز اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنے قرآنی نسخہ کی تصدیق اپنے آقا عبداللہ ابن عیاش ابن ابی ربیعہ سے کرواتا تھا اور تمام لوگوں میں بہترین قاری تھا۔ اس نے کہا: جو کچھ اس نے قرأت کیا میں نے اُسے بلاواسطہ سُنا اور میں نے اس سے قرأت سیکھی ہے جبکہ ابوجعفر نے مجھے بتایا کہ ایک دن وہ اُسے حضرت اُم سلمہؓ کے پاس لے آیا کہ اس وقت وہ کم سن تھا تو ام المومنینؑ نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لئے برکت کی دُعا کی تھی''۔

احمد ابن عبدالرحمٰن ابن وہب نے اپنے چچا سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: ''مالک نے مجھ سے کہا: قاری ابوجعفر نیکو کار شخص تھا جو مدینہ میں لوگوں کو فتویٰ دیتا تھا''۔

یونس ابن حبیب کہتا ہے: ''قتیبہ ابن مہران نے ہم سے بیان کیا، سلیمان ابن مسلم ابن جماز نے ہم سے بیان کیا: میں نے ابوجعفر کو سورۂ تکویر کی پہلی آیت: ﴿ اذا الشمس كوّرت ﴾ کے متعلق ابوہریرہؓ کی قرأت کو نقل کرتے ہوئے یہ کہتے سُنا: وہ اُسے اس طرح سے حزن کی حالت میں پڑھتا تھا جیسے کوئی مرثیہ ہو''۔

جہاں تک ابوجعفر کی قرأت کی بات ہے تو وہ احمد ابن زید حلوانی کے گرد ہی رہتی تھی، اس نے قالون کے ذریعہ، اس نے عیسیٰ ابن وردان حذاء کے ذریعہ اور اس نے ابوجعفر کے ذریعہ کہ اس قرأت کو فضل ابن شاذان داری اور جعفر ابن ہیثم نے حلوانی سے نقل کرتے ہوئے پڑھا تھا جبکہ اپنی اُستاد کے ساتھ قالون کے سامنے اپنی کی گئی قرأت کے مطابق زبیر ابن محمد عمری نے پڑھایا اور اسی قرأت کو سلیمان ابن مسلم نے بھی پڑھایا۔ جس وقت ابوجعفر کے پاس سے نافع گزرا تو اس نے مجھے بتایا: کیا تمہیں پتا ہے کہ جب یہ نوجوان تھا تب سے میرے پاس آ کر قرأت کرتا تھا اور بعد میں مجھے ہی کافر کہنے لگا - یہ کہتے ہوئے وہ ہنس رہا تھا۔ سلیمان کہتا ہے: میں جان کنی کے عالم میں ابوجعفر کے پاس موجود تھا کہ اس کے پاس ابوحازم اور اس کا اُستاد آئے اور آتے ہی وہ اس پر گر پڑے اور رونے پیٹنے لگے لیکن اس نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ (معرفة القُرّاء- صفحہ ۷۵)

قاضی نے ابوجعفر کی قرأتی روش میں درج ذیل نقاط بیان کیے ہیں:

ا۔ سوائے سورۂ انفال اور سورۂ برائت کے ہر دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا قائل تھا اور ان دونوں سورتوں میں وہی معروف تین طریقوں کا قائل تھا۔

۲۔ جمع کے میم پر پیش لگا کر اُسے واؤ سے ملا دیتا تھا بشرطیکہ اس کے بعد والا حرف متحرک ہو خواہ ہمزہ ہو یا کوئی دوسرا حرف۔

۳۔ لفظ يؤده، نوله، نصله، ونؤته اور فألقه میں حرف ''ہ'' پر جزم دیتا تھا۔

۴۔ مدِ منفصل کو قصر اور مدِ متصل کو توسط کے ساتھ چار حرکات کے برابر پڑھتا تھا۔

۵۔ اگر ایک ہی کلمہ میں باہم دو ہمزہ یکجا ہو جائیں تو دوسرے کلمہ کو تسہیل کے ساتھ پڑھا جائے گا اور ان دونوں کے درمیان الف کو شامل کر دیتا تھا، خواہ ہمزہ پر زبر ہو پیش ہو یا اس کے نیچے زیر دیا گیا ہو۔

۶۔ ایک سی حرکات والے دو کلمات میں اگر دو ہمزہ یکجا ہو جائیں تو دوسرے ہمزہ کو تسہیل کے ساتھ پڑھتا تھا، لیکن اگر حرکات باہم مختلف ہوں تو نافع، ابن کثیر اور ابوعمرو جس طرح سے اسے تبدیل کر دیتے تھے یہ بھی دوسرے ہمزہ کو تبدیل

کر دینے کا قائل ہے۔

۷۔ جزم دیے گئے حرف ہمزہ کو ہر حالت میں تبدیل کر دیتا تھا، خواہ کلمہ کے "ف" پر واقع ہو، "ع" پر یا "ل" پر۔

۸۔ أخذتم اور اس باب سے وارد ہونے والے کلمات کے حرف ذال کو، لفظ لبثت اور لبثتم کے حرف ثے کو اور عذت کے "ذ" کو حرف "ت" میں مدغم کر دیتا تھا۔

۹۔ جزم دیے گئے "ن" کو اخفاء کے ساتھ اور "خ" اور "غ" کے ساتھ تنوین کو غنّہ کے ساتھ پڑھتا تھا، جیسے من خیر، من غفور، علیمٌ خبیرٌ، عزیزٌ غفورٌ۔

۱۰۔ لفظ "أبت" جہاں کہیں بھی وارد ہو اس پر "ۃ" کے ساتھ وقف کرتا تھا۔

۱۱۔ سوائے مستثنیات کے جہاں قالون یائے اضافت پر زبر دینے کا قائل تھا وہاں یہ بھی زبر دینے کو کہتا ہے اور اسی طرح جہاں قالون جزم کا قائل تھا وہاں یہ بھی جزم دیتا ہے۔

۱۲۔ زائد "یۓ" کو ثابت رکھنے کے معاملہ میں وصل کے موقع پر قالون کا حامی ہے جبکہ کچھ "یۓ" کو ثابت رکھنے میں ورش کی حمایت کرتا ہے، لیکن چند دیگر یائے اضافت کو ثابت رکھنے میں ایک منفرد رائے رکھتا ہے کہ جس کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔

۱۳۔ تمام مقامات میں للملائكة اسجدوا میں "ت" پر پیش دینے کا قائل ہے۔

۱۴۔ سورتوں کے آغاز میں واقع حروف تہجی میں سے ہر حرف پر سکتہ کا قائل ہے جیسے الم اور كهيعص، البتہ بغیر سانس لئے معمولی سکتہ ہونا چاہیۓ۔

۱۵۔ سورۂ اسراء کی ۱۳ ویں آیت: ﴿ ونخرج له يوم القيامة كتاباً ﴾ میں زبر دیے گئے نون کی بجائے پیش دیے گئے "یۓ" اور حرف "ر" پر زبر دینے کا قائل ہے۔

۱۶۔ سورۂ نور کی ۲۲ ویں: ﴿ ولا يأتل أولوا الفضل منكم ﴾ میں "یۓ" کے بعد حرف "ت"، "ت" کے بعد حرف ہمزہ پر زبر اور لام پر زبر اور تشدید دینے کا قائل ہے۔

۱۷۔ سورۂ مومنین کی ۲۱ ویں اور سورۂ نحل کی ۶۶ ویں آیت: ﴿ نسقيكم مما في بطونه ﴾ میں پیش دیے گئے "ن" کی بجائے زبر دیے گئے "ت" کا قائل ہے۔

۱۸۔ سورۂ طٰہٰ کی ۳۹ ویں آیت: ﴿ ولتصنع على عيني ﴾ میں ولتصنع کے لام اور عین پر جزم دینے کا قائل ہے۔

۱۹۔ سورۂ صافات کی ۱۵۳ ویں آیت: ﴿ اصطفى البنات ﴾ میں ہمزہ کو ملا کر پڑھنے اور اس سے آغاز کرنے

پر اس کے نیچے زیر دینے کا قائل ہے۔

۲۰۔سورۂ ص کی ۴۱ویں آیت: ﴿ بنصب﴾ میں "ن" اور "ص" کو پیش دینے کا قائل ہے۔(تاریخ القرّاء۔ صفحہ ۴۰)

۹۔ یعقوب ابن اسحاق حضرمی (متوفی۔ ۲۵۰ھ)

ذہبی (متوفی۔۷۴۸ھ) نے اس کی سوانح حیات کو اس طرح سے بیان کیا ہے: ''حضرمی اپنے دور میں اہل بصرہ کا قاری، امام، ابومحمد یعقوب ابن اسحٰق ابن زید ابن عبداللہ ابن ابی اسحٰق حضرمیوں میں عجمی''۔

ابومنذر سلاّم ابن سلیم، ابواشہب عطاردی، مہدی ابن میمون اور شہاب ابن شرنفہ کے سامنے قرآن کی قرأت کی تھی۔

حمزہ زیات، شعبہ، ہارون ابن موسیٰ نحوی، سلیم ابن حیان، ہمام ابن یحییٰ، زائدہ، ابوعقیل دورقی اور اسود ابن شیبان سے روایات سنی تھیں۔

قرأت سکھانے میں ماہر تھا کہ روح ابن عبدالمومن، محمد ابن متوکل رویس، ولید ابن حسان توزی، احمد ابن عبدالخالق مکفوف، ابوحاتم سجستانی، ابوعمر دوری اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں نے اس کے سامنے قرأت کی تھی۔

اس سے نقل کرتے ہوئے ابوحفص فلاّس، ابوقلابہ رقاشی، اسحٰق ابن ابراہیم شاذان اور محمد ابن یونس کدیمی نے احادیث بیان کی ہیں۔

ابوحاتم سجستانی کہتا ہے: جن علمائے حروف کو میں نے دیکھا ہے اُن میں اس کا علم سب سے زیادہ ہے۔ نیز اُس کی یہی علمیت قرآن سے متعلق اختلافی آراء، اس کی علتوں، اس کی روش اور عربی گرامر کے طریقوں میں اُجاگر ہے۔

امام احمد ابن حنبل کا کہنا ہے کہ یہ سچ کا پیکر تھا۔

کسی شاعر نے کہا ہے:

أبوه من القُرّاء كان و جدُّه   و يعقوب في القُرّاء كالكوكب الدُّرى

تفرُّده محض الصواب و وجهه   فمن مثله في وقته و إلى الحشر

اس کے والد اور دادا (بھی) قاری تھے؛ جبکہ قاریوں میں یعقوب کی مثال چمکتے ستارے کی سی ہے۔۔ ہمیشہ صحیح تحقیق اور اس کی صحیح تعبیر کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہے؛ تو اُس کے دور سے لے کر قیام قیامت تک بھلا اس کی نظیر بھی کوئی ہوسکتا ہے؟

طاہر ابن غلبون کہتا ہے: ''جامع مسجد میں اہل بصرہ کی امامت کے فرائض اَدا کرتا تھا اور سوائے یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ کی قرأت کے دوسری کوئی قرأت نہیں پڑھتا تھا یعنی نماز کے دوران''۔

علی ابن جعفر سعیدی کہتا ہے: ''یعقوب اپنے زمانہ کا سب سے بہترین قاری تھا، لیکن وہ اپنے کلام میں لحن سے کام نہیں لیتا تھا؛ نیز ابوحاتم بھی اس کے شاگردوں میں سے تھا''۔

ابوالقاسم ہذلی کہتا ہے: ''یعقوب کے زمانے میں اس کی نظیر نہیں ملتی تھی؛ وہ عربی اور اس کے مختلف طریقوں سے بخوبی واقف تھا اور اسی طرح قرآن اور اس کے اختلافات کا عالم تھا، فاضل، خداترس، پاکیزہ صفت، انتہائی پرہیزگار اور زاہد تھا۔ اس کے زہد کا یہ عالم تھا کہ دوران نماز اس کے کاندھے سے رداچرا لی گئی پر اُسے پتا نہ لگا اور جب دوبارہ اُسے لوٹا دی گئی تب بھی چونکہ وہ نماز میں مشغول تھا اُسے کچھ محسوس نہ ہوا۔ نیز اُس سے لوگ اتنے مرعوب تھے کہ اُسے قید کیا جاتا تھا اور آزاد کر دیا جاتا تھا''۔

ابن سوار وغیرہ نے کہا ہے: ''اس کا انتقال ۲۰۵ھ میں ماہ ذی الحج میں ہوا تھا''۔ (معرفة القرّاء- جلد۱- صفحہ۱۵۷، ۱۵۸)

قاضی نے اس کی قرائتی روش کے متعلق مندرجہ ذیل نقاط بیان کئے ہیں:

۱۔ ہر دو سورتوں کے درمیان جو طریقے ابوعمرو نے اپنا رکھے تھے یہ بھی اُنہی کا قائل تھا۔

۲۔ رویس کی روایت کے مطابق لفظ قرآن میں جہاں کہیں لفظ الصراط واقع ہو جائے اسے سین سے پڑھنے کا قائل ہے چاہے معرفہ کے طور پر واقع ہو یا نکرہ کے طور پر۔

۳۔ جہاں کہیں جمع مذکر کی ضمیر جزم دیئے گئے یَے کے بعد واقع ہو جائے اس کے ''ہ'' پر پیش دینے کا قائل ہے، جیسے فیھُم اور علیھُم اور یہی صورت حال اس جمع مونث کی ضمیر کی ہے جو جزم دیئے گئے ''یَ'' کے بعد واقع ہو، جیسے علیھُن اور فیھُن، بلکہ تثنیہ کی ضمیر کے ''ہ'' کو بھی پیش دینے کا قائل ہے اگر وہ بھی جزم دیئے گئے ''یَ'' کے بعد واقع ہو جائے جیسے فیھُما۔ رویس کی روایت کے مطابق جمع کی ضمیر کا ''ہ'' اگر جزم دیئے گئے ''یَ'' کے بعد واقع ہو جائے لیکن کسی جزم دینے والے یا مبنی کلمہ کی وجہ سے حذف کر دی گئی ہو تب بھی اُس پر پیش دیا جائے گا جیسے اولم یکفھُم اور فاستفتھُم۔

۴۔ سوسی کی طرح بعض حروف متماثل میں ادغام کا قائل ہے جیسے سورۂ نساء کی ۳۶ویں آیت: ﴿ والصاحب بالجنب ﴾، سورۂ نمل کی ۳۶ویں آیت: ﴿ أتمدونن بمال ﴾ میں اور اسی سورت کی ۳۷ویں آیت: ﴿ لا قبل لھم بھا ﴾ میں۔

۵۔ لفظ بیدہ جہاں کہیں واقع ہو رویس کی روایت کے مطابق ہائے کنایہ کو اختلاس کے ساتھ پڑھا جائے گا - یعنی بغیر اشباع کے ''ہ'' پر کامل طور پر زیر دے کر پڑھیں گے۔

۶۔ مدِ منفصل کو قصر کے ساتھ جبکہ مدِ متصل کو توسط کے ساتھ چار حرکات کے برابر پڑھیں گے۔

۷۔ رویس کی روایت کے مطابق ایک ہی کلمہ کے دوسرے ہمزہ کو تسہیل کے ساتھ پڑھیں گے اور الف کو بھی شامل

نہیں کیا جائے گا۔

۸۔ رویس ہی کی روایت کے مطابق ایک جیسی حرکات والے دو کلموں میں واقع ہونے والے دو ہمزہ میں سے دوسرے کو تسہیل کے ساتھ پڑھیں گے، لیکن اگر دونوں کلمے حرکات کے لحاظ سے باہم مختلف ہوں تو دوسرے کو تغییر کے ساتھ پڑھیں گے جیسا کہ ابو عمرو پڑھتا تھا۔

۹۔ اِن الفاظ میں ہائے سکتہ کے ساتھ وقف کیا جائے گا: فیم، عم، مم، لم، بم، وھو، وھی، علیھن، لَدَیَّ، اِلَیَّ، یا اَسفیٰ، یا حسرتی اور ثَمَّ۔

۱۰۔ کچھ اضافت کے طور پر واقع ہونے والے حرفہائے ''یَ'' کو جزم کے ساتھ تو کچھ کو زبر کے ساتھ پڑھیں گے۔

۱۱۔ آیات کی ابتدا میں واقع ہونے والی زائد ''یَ'' کو وصل اور وقف دونوں موقعوں پر ثابت رکھا جائے گا، جیسے فلا تفضحون اور فلا تستعجلون، بالکل اسی طرح کہ جیسے اُن زائد حرفہائے یَ کو ثابت رکھا جاتا ہے جو آیات کی ابتدا میں واقع نہیں ہوتے۔

۱۲۔ سورۂ بقرہ کی ۱۶۵ ویں آیت: ﴿ اَنَّ القوۃ للہ جمیعاً و اَنَّ اللہ شدید العقاب ﴾ میں دونوں اَنَّ کو زیر کے ساتھ یعنی اِنَّ پڑھا جائے گا۔

۱۳۔ سورۂ اَنعام کی ۸۳ ویں اور سورۂ یوسف کی ۷۶ ویں آیت: ﴿ نرفع درجات من نشآء ﴾ میں نرفع اور نشآء کو ''یَ'' کے ساتھ پڑھیں گے حتیٰ کہ اُس مقام پر بھی کہ جہاں ''نون'' کے ساتھ مذکور ہے۔

۱۴۔ سورۂ اَنعام کی ۱۰۸ ویں آیت: ﴿ فیسبّوا اللہ عدواً ﴾ میں ''ع'' اور ''د'' پر پیش اور زبر دی گئی واو پر تشدید کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

۱۵۔ سورۂ طٰہٰ کی ۱۱۴ ویں آیت: ﴿ من اَن یقضی اِلیک وحیہ ﴾ میں پیش دیئے گئے ''یَ'' کی جگہ زبر کے ساتھ ''ن'' پڑھا جائے گا اور اس کے ساتھ نقضی میں حرف ''ض'' پر زیر اور ''یَ'' کو زبر کی حالت میں پڑھیں گے اور لفظ وحیہ میں حرف ''یَ'' کو بھی زبر کی حالت میں پڑھیں گے۔

۱۶۔ سورۂ توبہ کی ۴۰ ویں آیت: ﴿ و کلمۃُ اللہ ھی العلیا ﴾ میں تَ کو زبر کی حالت میں پڑھیں گے۔ (تاریخ القُرّاء۔ صفحہ ۴۴)

۱۰۔ خلف ابن ھشام (متوفی-۲۲۹ھ)

ذہبی (متوفی-۷۴۸ھ) اس کی سوانح حیات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''ابن ثعلب اور (اس کے علاوہ) ابن طالب بھی کہا گیا ہے، ابن غراب ابو محمد بغدادی قاری بزار (پارچہ فروش) جو ایک جید عالم تھا''۔

اس کی ایک منتخب کردہ قرأت ہے کہ جسے اس نے پڑھایا بھی تھا اور اس سلسلہ میں حمزہ سے اختلاف رکھتا ہے۔

حمزہ کے ذریعہ سلیم کے سامنے قرأت کی تھی اور مالک، ابوعوانہ، حماد ابن زید، ابوشہاب عبدربہ حناط، ابوالاحوص، شریک، حماد ابن یحییٰ ابح اور ایک گروہ سے سُنا۔ ابویوسف اعشی کے سامنے بھی عاصم کی قرأت کی تھی۔ نافع کے طریقہ کو اسحٰق مسیبی سے اور ابوبکر کی قرأت کو یحییٰ ابن آدم سے حاصل کیا۔

احمد ابن یزید حلوانی، احمد ابن ابراہیم وراق، محمد ابن یحییٰ کسائی صغیر، ادریس ابن عبدالکریم حداد، محمد ابن جہم، سلمہ ابن عاصم اور ان کے علاوہ کئی لوگوں نے اس کے سامنے قرأت کی۔

امام مسلم نے صحیح مسلم میں، امام ابوداؤد نے سُنن ابی داؤد میں، امام احمد ابن حنبل، ابوزرعہ رازی، احمد ابن ابی خیثمہ، محمد ابن ابراہیم ابن ابان سراج، ابویعلی موصلی، ابوالقاسم بغوی اور دیگر بے شمار علمائے حدیث نے اس سے مروی احادیث کو (اپنی اپنی کتابوں میں) نقل کیا ہے۔

ابن معین اور امام نسائی نے اسے قابل وثوق قرار دیا ہے جبکہ دار قطنی کا کہنا ہے: ''یہ عابد اور فاضل تھا''۔

قاری حمدان ابن ہانی کہتا ہے: ''میں نے خلف ابن ہشام کو یہ کہتے سُنا: ''عربی گرامر کا ایک باب مجھے مشکل لگا تو میں نے اَسی ہزار درہم خرچ کرڈالے، یہاں تک کہ میں اس کا ماہر ہوگیا''۔

بحوالہ خلف منقول ہے کہ اس نے کہا تھا: ''میں نے چالیس سال کی عبادت کا اعادہ کیا، کیونکہ اس عرصہ میں کوفیوں کے مذہب کے مطابق میں شراب پیا کرتا تھا''۔

حسین ابن فہم کہتا ہے: ''خلف ابن ہشام سے شریف تر میں نے کسی کو نہیں پایا، وہ اہل قرآن سے آغاز کرتا تھا اور اس کے بعد محدّثین کو اجازت دیتا تھا اور ہمارے سامنے ابوعوانہ کی پچاس حدیثیں پڑھتا تھا۔ نیز منقول ہے کہ خلف ہمیشہ روزے سے ہوتا تھا''۔

احمد ابن ابراہیم، وراق خلف (کے متعلق) کہتا ہے: ''میں نے اُسے یہ کہتے سُنا: کوفہ پہنچ کر میں سلیم کے پاس گیا؛ وہ کہنے لگا: یہاں کس واسطے آئے ہو؟ میں نے کہا: ابوبکر ابن عیاش کے سامنے قرأت کرنے کے لئے تو وہ کہنے لگا: کیا تم یہی چاہتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں! پس اُس نے اپنے بیٹے کو بلایا اور اس کے ساتھ ابوبکر کو ایک رقعہ لکھ بھیجا کہ میں نہیں

جانتا اس میں کیا لکھا تھا۔ چنانچہ ہم اس کے پاس پہنچے تو اس نے وہ رقعہ پڑھا اور میری جانب نظر اُٹھا کر کہنے لگا: کیا تم خلف ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! اس نے کہا: تمہارے بعد بغداد میں کوئی ایسا نہیں ہے جو تم سے بہتر قاری ہو اور (یہ کہہ کر) خاموش ہو گیا۔ پھر مجھ سے کہنے لگا: بیٹھ جاؤ اور اسے پڑھو! میں نے کہا: آپ کے سامنے؟ کہنے لگا: ہاں! میں نے کہا: نہیں بخدا، میں کسی ایسے شخص کے سامنے ہرگز قرأت نہیں کروں گا جو ایک حامل قرآن کو اس قدر کم تر جانے اور اس کے بعد میں وہاں سے نکل آیا تو اس نے سُلیم سے کہا کہ وہ مجھے دوبارہ اس کے پاس جانے کو کہے لیکن میں نے انکار کر دیا اور بعد میں مجھے ندامت بھی ہوئی کہ مجھے اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ ایسی صورت میں یحییٰ ابن آدم کے ذریعہ عاصم کی قرأت کو لکھ لیا"۔

۲۲۹ ھ میں ماہِ جمادی الآخر میں اس کا انتقال ہوا جبکہ ۱۵۰ ھ میں پیدا ہوا تھا۔ (معرفة القُرّاء۔ جلد ۱۱۔ صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۰)

قاضی نے خلف کی قرائتی روش سے متعلق درج ذیل نقاط بیان کئے ہیں:

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو شامل کئے بغیر سورت کے آخری حصہ کو بعد والی سورت کے ابتدائی حصہ سے ملا دیتا ہے جیسے حمزہ کرتا تھا۔

۲۔ مدِّ متصل اور مدِّ منفصل کو متوسط طور پر پڑھتا تھا۔

۳۔ السؤال کے صیغہ اَمر میں ہمزہ کی حرکت کو اس سے پہلے واقع حرف سین میں منتقل کر کے ہمزہ کو حذف کر دیتا تھا چاہے جہاں کہیں اور جیسی بھی حالت میں واقع ہو جائے بشرطیکہ سین سے پہلے واؤ ہو جیسے واسألوا اللہ من فضلہ یا پھر "ف" جیسے فاسألوا اٰهل الذکر۔

المختصر پورے قرآن میں اس کی قرأت حمزہ اور کسائی کی قراءات سے مختلف نہیں ہے سوائے سورۂ اَنبیاء کی ۹۵ ویں آیت: ﴿ وحرام علیٰ قریة ﴾ میں کہ اس نے حفص کی طرح وحرام پڑھا ہے جبکہ دوسروں نے وحرم پڑھا ہے۔

کتابوں میں مذکورہ تین قاریوں کی قرأت پر بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے کہ ان میں اہم ترین کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ النشر فی القراءات العشر۔ مؤلف: ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ)۔ مطبوعہ قاہرہ۔ تصحیح: علی محمد ضباع، مصری قُرّاء کا اُستاد۔ اس کے بعد آنے والے قاریوں نے اسی پر عمل کیا ہے، حتیٰ کہ دورِ حاضر کے قاری بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔

۲۔طلائع البشر فی توجیہ القراء ات العشر۔مؤلف: محمد صادق قمحاوی، رُکن مجلس مراجعت مصاحف۔مطبوعہ ۱۹۷۸ عیسوی۔

۳۔المھذب فی القراء ات العشر و توضیحھا عن طریق طیبة النشر۔مؤلف: محمد محمد سالم محیسن، رُکن مجلس مراجعت مصاحف۔مطبوعہ ۱۳۸۹ ہجری۔

قرائات اربعہ عشر (چودہ قرائات)

۱۰۸۲ھ میں شہاب الدین شیخ احمد ابن احمد ابن عبدالغنی دمیاطی عُرف بناء (متوفی۔۱۱۱۷ھ) نے اپنی کتاب اتحاف فضلاء البشر بالقراء ات الأربعة عشر میں ابن جزری (متوفی۔۸۳۳ھ) کی قرائات کی تکمیل کی، بایں معنیٰ کہ اس نے دیکھا کہ دیگر ایسے چار قاری ہیں کہ اُن کی قرائات قرأت کے مطلوبہ درجہ کو پہنچتی ہیں (لیکن اس نے شامل نہیں کیا) لہٰذا ان کے متعلق ایک کتاب تالیف کی۔

ابن بناء دمیاط میں پیدا ہوا اور قاہرہ کا سفر کیا اور پھر حجاز، یمن اور مدینہ منورہ کو بھی گیا اور مدینہ ہی کو اپنا وطن بنالیا یہاں تک کہ اس کا انتقال بھی ۳ محرم ۱۱۱۷ھ میں مدینہ ہی میں ہوا۔ کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ مؤلف اپنے اُستاد نورالدین علی ابن علی شبرا ملسی ضریر (نابینا) (متوفی۔۱۰۸۷ھ) سے متاثر تھا کیونکہ مقدمہ کتاب میں اس نے صرف اسی نام کا تذکرہ کیا ہے اور کسی کا نہیں بایں معنیٰ کہ لفظ ''ہمارے اُستاذ'' سے اُس کی مراد صرف یہی شخص ہے۔ اس کے اس اُستاد سے حاصل شدہ قرأت کی سند النشر میں مذکورہ اسانید کے سلسلہ کے مطابق ابن جزری (متوفی۔۸۳۳ھ) پر منتہی ہوتی ہے۔ (جلد۱۔صفحہ۱۰۰)

مؤلف نے یہ وضاحت بھی کردی ہے کہ باوجودیکہ اس کے علاوہ دیگر علماء نے متفقہ طور پر ان چار مشہور قاریوں کی قرأت کو شاذ قرائات میں شمار کیا ہے اس نے ان چار کا اضافہ کردیا ہے، چنانچہ اپنے اُسلوب سے متعلق اس کا کہنا ہے: ''اس کے بعد میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ معتبر کتابوں کے مطابق دس قرائات میں سے صحیح اور متواتر قرائات کا خلاصہ لکھ دوں کہ اس سلسلہ میں شیخ مذکور کی ان کتابوں پر مکمل اعتماد کیا جاتا ہے، جیسے "النشر فی القراء ات العشر"، "طیبة النشر فی القراء ات العشر" اور "تقریب النشر فی القراء ات العشر" اور اس کے مؤلف کے بارے میں علماء نے کہا ہے کہ یہ نابغہ رُوزگار و فقید المثال ہے جبکہ اس کی تالیف یعنی النشر کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے پہلے ایسی کتاب نہیں لکھی گئی اور جیسے اس کی شرح طیبة النشر فی القراء ات العشر جسے امام ابوقاسم عقیلی عُرف نوری نے تالیف کیا اور کتاب اللطائف جو صحیح بخاری کی شرح لکھنے والے احمد ابن محمد ابن ابوبکر قسطلانی کی تالیف ہے''۔

پھر میں نے ارادہ ترک کر دیا مگر میرے بعض دوستوں نے مجھے اس کی شدید ترغیب دلائی، لہٰذا میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد سے ہی اس کا آغاز کر دیا تو تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں کہ میرے لئے یہ کام انتہائی آسان ثابت ہوا کہ اس کے سائے میں ہر طالب کے لئے اس فن کی باریکیوں کو سمجھنا ممکن اور سہل ہو جاتا ہے، بلکہ میں اسے مختصر طور پر لکھنے میں بھی کامیاب رہا جو جامع خلاصہ تھا تاکہ اس کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو اور اس کے علاوہ ہمارے اُستاد ''ابوضیاء نور الدین علی شبراملسی'' -رحمہ اللہ تعالیٰ- جو ان فنون میں یکتا، ہردلعزیز اور محقق زمانہ تھے کے سامنے جب میں نے قرأت کی تھی اور اس وقت جو زیادہ سے زیادہ فوائد مجھے حاصل ہوئے تھے اور ان کی جو تحریریں میرے پاس تھیں اُنہیں بھی اس کتاب میں شامل کر لیا ہے۔ نیز جہاں کہیں میں نے صرف ''ہمارے اُستاد'' لکھا ہے تو ان سے یہی حضرت مراد ہیں جبکہ اگر کسی دوسرے عالم سے متعلق بات کی ہے تو اس کی وضاحت کر دی ہے''۔

اس کے بعد میرے دل میں آیا کہ ایک فائدہ کو ان چار قاریوں کے ذکر سے مکمل کروں: ابن محیصن، یزیدی، حسن اور اَعمش، گو کہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی قرائات شاذ ہونے کے باوجود کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل آگے چل کر بیان کریں گے ان کا درج کرنا اور ان میں کیا کچھ ہے اس کے متعلق گفتگو کرنا جائز ہے۔ (اتحاف الفضلاء- جلد ا- صفحہ ۶۵)

میں نے بشمول اس ضمیمہ کے اپنی اس تلخیص کا نام اتحاف فضلاء البشر بالقراء ات الاَربعة عشر رکھا ہے۔

قرأت کی اَقسام سے متعلق مؤلف نے کہا ہے: ''تواتر اور عدم تواتر کی بناء پر ان قرائات کی تین قسمیں ہیں:

ایک قسم وہ ہے کہ جس کے تواتر پر تمام علماء متفق ہیں اور وہ سات مشہور قرائات ہیں۔

دوسری قسم میں اختلاف پایا جاتا ہے اور صحیح ترین قول، بلکہ صحیح قول اُن قرائات کا انتخاب ہے کہ جن کا تواتر مشہور ہے، جس طرح کہ اس کی تفصیل گزر چکی اور یہ کُل تین قرائات ہیں۔

تیسری قسم میں وہ قرائات شامل ہیں کہ جن کے شاذ ہونے پر تمام علماء متفق ہیں اور وہ بقیہ چار قرائات ہیں۔ ان میں سے قرأت سبعہ کو میں نے سب سے پہلے، اس کے بعد تین قرائات کو اور سب سے آخر میں بقیہ چار قرائات کو بیان کیا ہے اور اس میں بھی سابقہ ترتیب کا خیال رکھا ہے۔ اگر ان تین میں سے کسی نے بھی اَگلے سات میں سے کسی کی پیروی کی ہے تو میں نے اُسی کے ساتھ اُسے بھی ملا دیا ہے مثال کے طور پر ابوجعفر اور اس سلسلہ میں کتاب لطائف الإرشادات کی تقلید کی ہے جو میرا حقیقی مطمحِ نظر ہے۔ پس اگر چاروں میں سے کسی کی موافقت میں کوئی بات کہی ہے تو میں نے اس قرأت کے متعلقہ کلام کو مکمل کر لینے کے بعد لکھ دیا ہے کہ مثلاً حسن ان کی موافقت میں ہے جبکہ اگر مخالفت کی ہوتی ہے تو میں نے لکھ دیا ہے کہ مثلاً حسن سے اس طرح منقول ہے۔

یہ تو اُصول کی بات ہے، لیکن فرش میں اکثر اس لفظ (اس طرح) ہی کو قلم انداز کر دیا ہے اور اس کی وجہ کلام کو مختصر طور پر نقل کرنا ہے'' (اتحاف فضلاء البشر - جلد ا - صفحہ ۸۰)

بنا، کی یہی کوشش رہی ہے کہ وہ اپنے سے اگلے علماء کی روش پر عمل پیرا ہو کہ ہمیشہ سے جن کی پیروی جاتی رہی ہے جیسے ابن جزری (متوفی - ۸۳۳) یعنی قاریوں تک منتہی ہونے والی اُسناد کو بیان کرنا اور چار قاریوں تک کے طریق کی بھی وضاحت کرنا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے: ''میں نے قراءات عشر کو حفظ کرنے کے بعد علاّمہ وقت کہ آج تک جن کی کوئی نظیر نہیں گزری ''ابوضیاء نورالدین علی شبراملسی'' کے سامنے میں نے ان قراءات سے مذکورہ طيبة النشر کے مطابق قرآن عظیم کو شروع سے آخر تک پڑھا۔

ہمارے اُستاد مذکور نے اپنے زمانہ کے قاریوں کے اُستاد کے سامنے قراءت کی تھی، یعنی شیخ عبدالرحمٰن یمینی کے سامنے۔

نیز یمینی نے اپنے والد شیخ شحاذہ یمینی اور شہاب احمد ابن عبدالحق سنباطی کے سامنے قراءت کی تھی۔

سنباطی نے مذکورہ بالا شیخ شحاذہ کے سامنے قراءت کی تھی۔

شیخ شحاذہ نے شیخ ابونصر طبلاوی کے سامنے قراءت کی تھی۔

طبلاوی نے شیخ الاسلام زکریا انصاری کے سامنے قراءت کی تھی۔

شیخ الاسلام نے شیخ برہان قلقیلی اور شیخ رضوان دونوں کے سامنے قراءت کی تھی۔

ان دونوں نے قاریوں اور محدثین کے پیشوا، روایات اور ان کے طریق کے محرر ابوالخیر محمد ابن محمد ابن محمد ابن علی ابن یوسف جزری کے سامنے اس کی النشر میں بیان کردہ اسانید کے مطابق قراءت کی تھی۔

جہاں تک آخری چار قاریوں کے طریق کی بات ہے تو بزی اور ابن شنبوذ نے ابن محیصن کے ذریعہ جو روایات نقل کی ہیں وہ شبل کے ذریعہ ہیں کہ اس نے اُس سے نقل کیا تھا، یہ المبهج اور مفردات الاهوازی سے منقول ہے۔

البتہ سلیمان ابن حکم (متوفی - ۲۳ھ) اور احمد ابن فرح (متوفی - ۳۰۳ھ) نے جو یزیدی سے نقل کیا ہے تو وہ المبهج اور المستنیر سے نقل کیا گیا ہے۔

اسی طرح مطوعی (متوفی - ۳۷۱ھ) اور شنبوذی (متوفی - ۳۸۸ھ) نے اعمش کے ذریعہ جو روایات نقل کی ہیں وہ قدامہ کے ذریعہ ہیں کہ اس نے اُس کے ذریعہ نقل کیا ہے المبهج سے۔

بلخی (متوفی - ۱۹۰ھ) اور دوری (متوفی - ۲۴۶ھ) نے حسن بصری سے جو نقل کیا ہے وہ عیسیٰ ثقفی کے ذریعہ نقل ہے کہ اس نے اُس سے نقل کیا تھا، مفردات الاهوازی سے۔ - والله تعالیٰ اعلم - (اتحاف الفضلاء - جلد ا - صفحہ ۸۰)

یہ چار قاری کون ہیں؟

مشہور قرائات کے سلسلہ میں بناء نے جن چار قاریوں کو شامل کیا ہے اُن کی قرائات کو شاذ میں شُمار کیا جاتا ہے اور قرائات کے مآخذ میں ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) وغیرہ نے ان کی جو سوانح حیات بیان کی ہیں اُن سے پتا چلتا ہے کہ قرائات میں ان کو بھی کافی عبور حاصل تھا اور ان کے ہمعصر قاریوں سے ان کی اہمیت کسی طور کم نہیں ہے، لہٰذا یہ بھی صاحب انتخاب ہیں، لیکن روایتی اقدار نے دوسروں کو مشہور کر دیا اور یہی وجہ تھی کہ بناء نے ان کے ناموں کو مشہور قاریوں کے ناموں کے ساتھ جوڑنے کی ہمت کی اور عملی طور پر ان کی قرأت کو شاذ ماننے سے انکار کر دیا اور اس کے اپنے اس قول ''گو کہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی قرائات شاذ ہیں'' اسی اتفاق کی طرف اشارہ ہے اور اس بات کی جانب بھی کہ یہ اتفاق اجتہادی ہے۔ نیز ان کی سوانح حیات سے ان کی بعض فعالیت سے پردہ اُٹھتا ہے کہ جس کی وجہ سے ان کی اہمیت ان کے طبقہ میں موجود قاریوں سے کوئی کم نہیں ہے، البتہ اس سلسلہ میں ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) کے اُس کلام پر اعتماد کیا گیا ہے کہ جو اس نے غاية النهاية میں بیان کیا ہے۔

۱۱۔ حسن بصری (متوفی۔ ۱۱۰ھ)

حسن ابن ابوالحسن یسار، سید، امام، ابوسعید حسن بصری (متوفی۔ ۱۱۰ھ) جو علم و عمل میں اپنے زمانہ کا پیشوا تھا کہ اس نے ابوموسیٰ اشعری کے ذریعہ حطان ابن عبداللہ رقاشی کے سامنے قرأت کی اور اُبیؓ، زیدؓ اور حضرت عمرؓ کے ذریعہ ابوعالیہ کے سامنے۔ اس سے نقل کرنے والے ابوعمرو ابن علاء، سلام ابن سلیمان طویل، یونس ابن عبید اور عاصم جحدری ہیں۔ ہذلی نے اس کی قرأت کی سند کو ابن عباد ابن راشد، عباد ابن تمیم، سلیمان ابن ارقم، عتبہ ابن عتبہ اور عمر ابن مقبل کی روایات سے بیان کیا ہے جبکہ ان سب نے حسن سے نقل کیا تھا، واللہ اعلم۔ اہوازی نے حسن کی قرأت کی سند کو شجاع بلخی کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ شجاع نے عیسیٰ ابن عمر نحوی کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ عیسیٰ نے حسن کے سامنے، واللہ اعلم۔ شجاع کے عیسیٰ ابن عمر کے سامنے اور عیسیٰ کے حسن کے سامنے قرأت کرنے کو حافظ ابوالعلاء نے ثابت کیا ہے اور یہی کافی ہے باوجودیکہ شجاع نے عیسیٰ ابن عمر اور عیسیٰ نے حسن سے سُنی تھی، لیکن ہمیں یہ نہیں معلوم کہ آیا ان دونوں میں سے کسی نے دوسرے کے سامنے قرأت کی تھی یا نہیں؟ احتمال اس بات کا پایا جاتا ہے کہ یہ سماعی روایت ہوگی نہ کہ خود اس کے سامنے قرأت کی ہوگی، واللہ اعلم۔ شافعی رحمہ اللہ کے ذریعہ ہم سے روایت نقل کی گئی ہے کہ اس نے کہا تھا کہ اگر میں یہ کہنا چاہوں کہ قرآن حسن کی زبان میں نازل ہوا ہے تو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں اور میرا یہ کہنا اس کی فصاحت کی وجہ سے ہوگا کیونکہ اس کے فضائل بہت بلند ہیں اور اس کی

روایات بہت طویل، حضرت عمرؓ کی خلافت میں دو سال باقی تھے کہ یہ پیدا ہوا اور یہ سن ۲۱ ہجری کی بات ہے۔ اس کا اِنتقال ۱۱۰ ھ میں ہوا تھا۔ (اتحاف الفضلاء۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۳۵)

۱۲۔ ابن محیصن (متوفی-۱۲۳ھ)

محمد ابن عبدالرحمٰن ابن محیصن سہمی عجمی مکی ابن کثیر کے ساتھ ساتھ اہل مکہ کا قابل وثوق قاری تھا۔ اس کی روایات کو مسلم نے نقل کیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کا نام عمر تھا، بقولے عبدالرحمٰن ابن محمد اور بقولے محمد ابن عبداللہ تھا۔ مجاہد ابن جبر، ابن عباسؓ کے غلام درباس اور سعید ابن جبیر کے سامنے قرأت کی تھی، جبکہ شبل ابن عباد اور ابوعمر و ابن علاء نے اس کے سامنے قرأت کی تھی۔ اس کے مختلف قرأتی انداز کو اسماعیل ابن مسلم مکی، عیسیٰ ابن عمر بصری اور یحییٰ ابن جرجہ نے سُنا تھا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس کے سامنے تقابلی قرأت کی تھی۔ ابن مجاہد نے کہا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو قرأت کے لئے وقف کر دیا تھا اور ابن کثیر کے دور میں اس کے لئے اقدام کیا تھا وہ محمد ابن عبدالرحمٰن ابن محیصن ہے اور میں کہتا ہوں کہ اس کی قرأت کتاب المبھج اور الروضۃ میں موجود ہے اور اس کے مطابق میں نے پورے قرآن کی قرأت کی تھی کہ اگر اس میں (مروجہ) مصحف سے کچھ مختلف باتیں نہ ہوتیں تو میں اسے بھی مشہور قراءات میں شامل کر لیتا۔ میمون ابن عبدالملک سے مروی ہے کہ اس نے کہا تھا: میں نے ابوحاتم کو یہ کہتے سُنا: ابن محیصن کا تعلق قریش سے تھا اور یہ نحوی (عربی گرامر کا ماہر) تھا کہ اس نے ابن مجاہد کے سامنے پورا قرآن پڑھا تھا۔ ابوعبید کہتا ہے: عبداللہ ابن کثیر، حمید ابن قیس، محمد ابن محیصن مکہ کے قاری تھے اور ان میں عربی کی سب سے زیادہ اور کما حقہ معرفت ابن محیصن کو حاصل تھی۔ ابن مجاہد نے کہا تھا: ابن محیصن نے قرأت کا انتخاب عربی زبان کے طرز پر کیا تھا لہٰذا اپنے شہر کے اجماع سے وہ خارج ہو گیا اور اس طرح لوگ اس کی قرأت سے دُور ہو گئے اور ابن کثیر کی اتباع کی وجہ سے انہوں نے اُسی کی قرأت پر اجماع قائم کر لیا۔

ابوالقاسم ہذلی نے کہا کہ اس کا انتقال ۱۲۳ ھ میں شہر مکہ میں ہوا تھا جبکہ قصاع اور سبط خیاط نے ۱۲۲ ھ کہا ہے۔ (غایۃ النہایۃ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۶۷)

۱۳۔ سلیمان اعمش (متوفی-۱۴۸ھ)

سلیمان ابن مہران اَعمش ابومحمد اَسدی کاہلی عجمی کوفی جلیل المرتبت امام جو ۶۰ ھ میں پیدا ہوا تھا۔ ابراہیم نخعی، زرّ ابن حبیش، زید ابن وہب، عاصم ابن ابی نجود، ابوحصین، یحییٰ ابن وثاب، مجاہد ابن جبر اور ابوعالیہ ریاحی سے تقابلی طور پر قرأت کو سیکھا۔ اس سے تقابلی اور سماعی طور پر حمزہ زیات، محمد ابن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ، جریر ابن عبدالحمید، زائدہ ابن قدامہ، ابان

ابن تغلب نے قرأت کونقل کیا ہے جبکہ طلحہ ابن مصرف، ابراہیم تیمی، منصور ابن معتمر، عبداللہ ابن ادریس اور ابو عبیدہ ابن معن ہذلی نے اس کے سامنے قرأت کی اور محمد ابن عبداللہ عُرف زاہر اور محمد ابن میمون نے اس سے مختلف انداز کونقل کیا ہے۔ ہشام کہتا ہے: ''میں نے کوفہ میں کتاب خدائے عزوجل کو اَعمش سے بہتر انداز میں کسی کو پڑھتے نہیں سُنا!'' اس کے حوالے سے ہم سے نقل کیا گیا ہے کہ اللہ نے کئی قوموں کو قرآن سے زینت بخشی اور میں اُن لوگوں میں سے ہوں کہ جسے اللہ نے قرآن کے ذریعہ زینت بخشی کہ اگر ایسا (کرم الٰہی) نہ ہوتا تو میں اپنی گردن میں ایک بڑا سا مٹکا لٹکائے کوفہ کی گلیوں میں گھومتا پھرتا رہتا۔ اسی کے حوالے سے ہم سے کئی عجیب وغریب اور مزاحیہ باتوں کونقل کیا گیا ہے کہ ایک روز یہ اپنے شاگردوں کے پاس جاکر کہنے لگا: ''اگر میرے گھر میں تم لوگوں سے بھی زیادہ قابل نفرت شخصیت نہ ہوتی تو میں کبھی تمہارے پاس نہ آتا!'' اس کا انتقال ۱۴۸ھ میں ماہِ ربیع الاوّل میں ہوا۔ (غاية النهاية۔ جلد ا۔ صفحہ ۳۱۶)

۱۴۔ یحییٰ یزیدی (متوفی۔ ۲۳۰ھ)

یحیٰ ابن مبارک ابن مغیرہ امام ابو محمد عدوی بصری عُرف یزیدی نحوی قاری قابل وثوق اور علامۂ کبیر تھا۔ بغداد میں فروکش ہوا اور چونکہ یزید ابن منصور حمیری جو مہدی کا ماموں تھا کے ساتھ رہتا تھا لہٰذا عرف عام میں یزیدی کے نام سے مشہور ہوگیا؛ دراصل یہ یزید ابن منصور کے بیٹے کا اتالیق تھا۔ ابوعمرو کے سامنے تقابلی طور پر قرأت سیکھی تھی اور یہ ابوعمر و وہی شخص ہے کہ جس نے قرأت کو عملی جامہ پہنانے میں اسے ہی اپنا جانشین مقرر کیا تھا، نیز اس نے حمزہ سے بھی قرأت سیکھی تھی۔ اس کے بیٹوں، محمد اور عبداللہ، نے اس کی قرأت کو نقل کیا ہے -اور چند دوسرے لوگوں نے بھی- ابو عبید قاسم ابن سلام نے اس سے قرأت کے مختلف انداز کونقل کیا ہے اور اس نے عبدالملک ابن جریج سے (قرأت) سُنی تھی جبکہ خلیل ابن احمد سے قرأت سیکھی تھی۔ اس کا ایک ایسا انتخاب ہے کہ جس میں اس نے ابوعمرو کی بہت تھوڑے حروف میں مخالفت کی ہے کہ میں نے المبهج اور المستنير وغیرہ سے ان کا مطالعہ کیا ہے اور یہ کُل دَس اِشباع ہیں جو بارئکم اور یأمرکم کے باب سے ہیں اور سورۂ بقرہ کی ۲۵۹ویں آیت میں لفظ یتسنه اور سورۂ انعام کی ۹۰ویں آیت میں فبهداهم اقتده میں ''ہ'' کو وصل کے موقع پر حذف کرنے کا قائل ہے۔ اسی طرح وصل کے موقع پر سورۂ آل عمران کی ۷۵ویں آیت میں لفظ یؤده، سورۂ نساء کی ۱۱۵ویں آیت میں لفظ نوله اور لفظ نصله، سورۂ شوریٰ کی ۲۰ویں آیت میں لفظ نؤته اور سورۂ اَعراف کی ۱۶۴ویں آیت میں لفظ معذرة میں موجود ہائے کنایہ کو اشباع کے ساتھ پڑھنے کا قائل ہے۔ سورۂ توبہ کی ۳۰ویں آیت میں لفظ عزیز پر تنوین دی ہے، سورۂ طٰہٰ کی ۱۰۲ویں آیت میں لفظ ینفخ کی ''ی'' پر پیش دیا ہے، سورۂ واقعہ کی تیسری آیت میں

خافضۃ رافعۃ میں دونوں کلموں کو زبر کی حالت میں (خافضۃ رافعۃ) پڑھا ہے اور سورۂ حدید کی ۲۳ ویں آیت میں بما آتاکم کو مدّ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن منادی کہتا ہے: میں نے اپنے کئی اُساتذہ سے کہ جن میں کچھ عربی کے ماہر اور کچھ اہل قرآن وحدیث تھے یزیدی کے بارے میں پوچھا کہ وہ کتنا سچ بولتا تھا اور اس پر کس حد تک بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟ تو ان سب نے یہی کہا کہ وہ قابل وثوق اور پیکر صداقت تھا کہ اس کے متعلق سوائے اُس وہم کے کہ جس میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا رجحان فرقہ معتزلہ کی طرف تھا اس کی کسی سُنی گئی شے کو رد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کسی اور شے میں اسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے ۔میں نے قاری محمد ابن احمد کے سامنے وجیہہ سے نقل کرتے ہوئے قرأت کی تھی اور اس نے کہا تھا، میرا خیال ہے کہ اس نے کہا تھا کہ سورۂ طلاق میں الیمین کا لفظ تھا۔ ابن مجاہد نے کہا تھا: ہم صرف یزیدی پر اعتماد کرتے ہیں اگرچہ ابو عَمرو کے سارے ساتھی ہی اس سے زیادہ جلیل القدر تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ابو عَمرو سے نقل کرنے کا بیڑا اُٹھایا تو دیگر تمام روایات کو چھوڑ کر صرف اسی کی روایات کو نقل کرتا تھا اور اُن تمام میں سے سب سے زیادہ (روایات) حفظ بھی اسی کو تھیں۔ حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ یہ قابل وثوق، علامہ، فصیح، شعلہ بیان اور لغت اور اُدبیات کا ماہر تھا کہ اس نے خلیل وغیرہ سے علم حاصل کیا تھا، یہاں تک کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف ابو عَمرو سے نقل کرتے ہوئے اس نے دس ہزار اَوراق املاء کروائے تھے نیز اس کی کئی ایک تصانیف ہیں کہ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: کتاب النوادر، کتاب المقصور ، کتاب المشکل، کتاب نوادر اللغۃ اور کتاب فی النحو (مختصر)۔ میں نے اس کے متعلق ایک اچھی نظم کہی ہے کہ جس کا ایک بند پیش خدمت ہے:

أنا المذنب الخطاء و العفو واسع	و إن لم یکن ذنب لما عُرف العفو
سَکرتُ فأبدت منی الکاس بعض ما	کرهت وما إن یستوی السکر والصحو

(میں گنہگار اور خطا کار ہوں حالانکہ عفو و درگذر کا دائرہ وسیع ہے کہ اگر گناہ نہ ہوتا تو عفو و درگذر کی معرفت نہ ہوتی -- میں مخمور تھا تو مجھ سے ایسا پیالہ ظاہر ہوگیا کہ جس کو کچھ حد تک میں ناپسند کرتا تھا اور ویسے بھی مستی اور ہوش کبھی برابر نہیں ہوسکتے)

اس کا انتقال ۲۰۲ھ میں ہوا؛ اس وقت اس کی عمر چوہتر (۷۴) سال تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی عمر نوے (۹۰) سے بھی تجاوز کر گئی تھی یا سو کے لگ بھگ تھی۔ (غایۃ النہایۃ- جلد۲- صفحہ ۳۷۷)

عرض مؤلف: جو اعتراض بنّاء نے ابن جزری پر کیا تھا وہی اعتراض خود اس کے اُوپر بھی وارد ہوتا ہے اور اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ ابن جزری نے ان دس قاریوں پر ہی اکتفا کیوں کیا؟ اس لئے کہ -ابن جزری کی اپنی تعبیر کے مطابق- قرأت کے سلسلہ کے اُن ائمہ کی تعداد اکتیس ہے کہ جن کی اقتدا کی جاتی ہے اور ان کے پاس جانے کے لئے سفر تک اختیار کیا جاتا ہے تاکہ ان سے قرأت کا علم حاصل کیا جاسکے کہ تمام اہالیان شہر اُن کی قرأت کو مقبولیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں حتیٰ کہ

کسی بھی شخص نے ان کی بات سے اختلاف نہیں کیا اور چونکہ انہوں نے ایک مخصوص قرأت کی تصدیق کی تھی اسی لئے اس قرأت کو ان سے منسوب کر دیا گیا۔

خود ابن جزری کے الفاظ یوں ہیں: ''اور پھر قرأت اور اس کی اصلاح کے لئے ایک جماعت نے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور اس طرح انہوں نے قرأت کو حفظ کر لینے کی طرف بھرپور توجہ دی یہاں تک کہ وہ اس سلسلہ کے امام و پیشوا ٹھہرے کہ جن کی اقتدا کی جاتی ہے اور ان سے یہ علم حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس پہنچنے کی غرض سے سفر تک کیا جاتا ہے کہ اُن کے شہر کے سب رہنے والے اُن کی قرأت کو قبول کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان سے کسی ایک نے بھی کوئی اختلاف نہیں کیا۔ چونکہ انہوں نے کسی نہ کسی مخصوص قرأت کی تصدیق کی ہے لہٰذا اُس قرأت کو اُنہی سے منسوب کر دیا گیا (چنانچہ مدینہ میں) ابو جعفر یزید ابن قعقاع ہے، اس کے بعد شیبہ ابن نصاح اور اس کے بعد نافع ابن ابو نعیم ہے (مکہ میں) عبداللہ ابن کثیر، حمید ابن قیس اعرج اور محمد ابن محیصن ہیں (کوفہ میں) یحیٰی ابن وثاب، عاصم ابن ابی نجود، سلیمان اعمش اور اس کے بعد حمزہ اور پھر کسائی ہیں (بصرہ میں) عبداللہ ابن ابی اسحٰق، عیسیٰ ابن عمر اور ابو عمر و ابن علاء ہیں اور ان کے بعد عاصم جحدری اور پھر یعقوب حضرمی ہیں (اور شام میں) عبداللہ ابن عامر، عطیہ ابن قیس کلابی اور عبداللہ ابن مہاجر ہیں اور ان کے بعد یحیٰی ابن حارث ذماری اور پھر شریح ابن یزید حضرمی'' (النشو - جلد۱ - صفحہ۸تا۹)

جن چودہ افراد کے نام بیان کئے گئے اُن کے علاوہ ابن جزری نے جن کے ناموں کی جانب اشارہ کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شیبہ ابن نصاح ابن سرحس ابن یعقوب (متوفی-۱۳۰ھ) مدینہ سے۔

۲۔ حمید ابن قیس اعرج (متوفی-۱۳۰ھ) مکہ سے

۳۔ یحیٰی ابن وثاب اسدی (متوفی-۱۰۳ھ) کوفہ سے

۴۔ عبداللہ ابن اسحٰق حضرمی نحوی (متوفی-۱۲۹ھ) بصرہ سے

۵۔ عیسیٰ ابن عمر ثقفی نحوی (متوفی-۱۴۹ھ) بصرہ سے

۶۔ عاصم ابن ابی صباح جحدری (متوفی-۱۲۸ھ) بصرہ سے

۷۔ عطیہ ابن قیس کلابی حمصی (متوفی-۱۲۱ھ) شام سے

۸۔ اسماعیل ابن عبداللہ مہاجر مخزومی (متوفی-۱۳۱ھ) شام سے

۹۔ یحیٰی ابن حارث ابن عمر ذماری دمشقی (متوفی-۱۴۵ھ) شام سے

۱۰۔ شریح ابن یزید حضرمی حمصی (متوفی۔ ۲۰۳ھ) شام سے

(یہ نہیں کہنا چاہئے کہ) ابن جزری نے اپنے طریق کو منحصر کیا ہے چونکہ اس نے کہا تھا: ''جو قرائات اور میرے نزدیک اُن کی صحیح روایات میں سے موثق ترین مجھ تک پہنچی ہیں۔ ۔ ۔'' (النشر - جلد۱ - صفحہ۵۴) کیونکہ دراین صورت اس نے دیگر ائمہ قرأت کو شامل نہیں کیا، یا تو اس لئے کہ اُن کی قرائات اس تک پہنچی ہی نہیں تھیں یا اس کے نزدیک ان کی روایات صحیح نہیں تھیں۔ کیونکہ ابن جزری کے منقولات میں غور وفکر سے کام لیتے ہوئے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں روایات کے جن مآخذ پر اس نے اعتماد کا اظہار کیا ہے اُن میں ان قاریوں کی روایات کی حالت یکساں تھی، لہٰذا اس کے زمانہ میں بھی یہ طریق عام تھے اور اُن کی حالت بھی ایسی ہی ہے جیسے کہ بیشتر مشہور ائمہ قرأت کی روایات کی۔

جمع قرائات

جو شخص تمام قرائات کے مطابق قرأت کرنا چاہتا ہے اُسے قرائات کی تعداد سات، دس یا پھر چودہ متعین کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور تمام قُراء نے اس سے منع کیا ہے نیز ضروری ہے کہ ختم القرآن کسی ایک ہی قرأت کے مطابق عمل میں آئے۔

امام ابوالحسن سخاوی نے اپنی کتاب جمال القراء ۃ میں کہا ہے: ''ان قرائات کو ایک دوسری سے ملا دینا غلط ہے اور یہ جائز نہیں!''

امام جعبری نے کہا ہے: ''ایک ہی کلمہ میں ترکیب کی اجازت نہیں ہے اور اسی طرح اگر دو کلموں میں باہم کوئی تعلق پایا جاتا ہو تو بھی ترکیب کی اجازت نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے''۔

اس کے علاوہ جس شخص نے ترکیب کے ممنوع ہونے پر بہت اصرار کیا ہے وہ شیخ ابوبکر ابن محمد ابن علی ابن خلف حسینی ہے کہ جس نے اپنے الآیات البینات فی حکم جمع القراء ات نامی کتابچہ میں اس کی تاکید کی ہے جو ۱۳۴۴ھ میں قاہرہ سے شائع ہوا تھا۔ نیز ۴ ذی القعدہ ۱۳۴۰ھ میں مصر میں علمائے قرائات کی ایک کمیٹی قائم کی اور اُنہوں نے اپنی (متفقہ) رائے کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا:

صدر اوّل میں ایک ہی ختم قرآن میں سات یا اس سے زیادہ یا پھر اس سے کم قرائات کو ہرگز یکجا نہیں کیا گیا، بلکہ اگلے علماء ایک ہی راوی کی روایت کے مطابق پورا قرآن پڑھتے تھے اور اس میں وہ کسی دوسری روایت کو مخلوط نہیں کرتے تھے اور ۱۰۵ھ کے اثناء تک یعنی دانی وغیرہ کے زمانہ تک یہ عمل جاری رہا اور اُس وقت سے ساری قرائات ایک ہی ختم القرآن

میں یکجا کردی گئیں تا کہ جلد از جلد قرأت کو سیکھ لیا جائے جبکہ بعض ائمہ قرأت نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے کہ اس سے صدر اسلام سے جاری عمل کی مخالفت ہوتی ہے حالانکہ یہ ثابت ہے کہ ہر شے میں حق اور صحیح وجہ صدر اسلام کی موافقت میں ہے اور اس کے علاوہ بھی اس طرح جمع کرنے سے قراءات باہم مخلوط ہوتی ہیں اور اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ بعد کے علماء کے لئے جائز اور ممنوع ہونے میں محل اختلاف سیکھتے وقت (ایک سے زائد) قراءات کو ایک دوسری سے ملا دینا ہے، جس طرح کہ یہ بات علت منصوصہ سے بالکل واضح بھی ہے، اس لئے کہ کسی عالم سے قرأت سیکھ نہ رہے ہوں تو قراءات کو باہم ملا دینے کے جواز پر کوئی نص قائم نہیں کی ہے، لہٰذا اگر ایسا کیا گیا تو یہ بدعت اور گمراہی ہوگی کہ کوئی نص اس کی تائید کرتی ہے اور نہ ہی کوئی قیاس، حتیٰ کہ نیکوکار گذشتگان کا عمل بھی اس کی تائید نہیں کرتا، بلکہ بسا اوقات اس طرح قراءات مخلوط ہو جاتی ہیں اور اشتباہ واقع ہو جاتا ہے حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو شخص ہمارے اس امر میں کوئی ایسی بات صادر کرے جو اس کا حصہ نہ ہو تو اُسے رد کر دیا جائے گا"۔ تمام علمائے قرأت اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی قرأت یا روایت کو دوسری سے ملا دینا ممنوع ہے خواہ کسی بھی طریقہ سے ہو اور کسی بھی محفل میں، بالکل اُسی طرح سے کہ جیسے علماء نے عوام الناس کی کسی ایسی محفل میں کہ جس میں کوئی عالم موجود نہ ہو غیر مروجہ روایت کو پڑھنے سے منع کیا ہے اور یہ بھی کہ جب کوئی قاری کسی روایت کو پڑھے تو اس سے کسی دوسری کی طرف اُس وقت تک عدول نہ کرے کہ جب تک پہلا قصہ ختم نہ ہو جائے اور پھر دوسری کو پڑھنا شروع کر دے، پس اُسے یہ اختیار حاصل ہے کہ جس دوسری روایت کو شروع کر دیا ہے اسی کو پڑھتا رہے اگرچہ بہتر یہی ہے کہ جس روایت سے آغاز کیا تھا محفل کے برخواست ہونے تک اسی کو پڑھتا رہے۔ (الآیات البینات۔ صفحہ ۷)

اس کے برعکس ڈاکٹر محیسن کی رائے کچھ یوں ہے: ''امام ابن جزری نے کہا ہے: درحقیقت اس کی ایک تفصیل ہے: اگر دونوں میں سے کوئی ایک قرأت دوسری سے متاثر ہے تو ایسی صورت میں اس ممانعت کی حیثیت حرام کی ہے، جیسے کوئی ﴿ فتلقّى آدمُ من ربه كلماتٍ ﴾ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۳۷) میں دونوں کو پیش کی حالت میں پڑھے یا زبر کی حالت میں یا جیسے ﴿ و كفّلها زكريّا ﴾ (سورۂ آل عمران۔ آیت ۳۷) کو تشدید اور پیش کی حالت میں پڑھے یا ان جیسی دیگر قراءات کو ملا دے کہ جس کی اجازت نہ عربی زبان دیتی ہے اور نہ ہی لغت کے لحاظ سے ایسا کرنا صحیح ہے۔

لیکن اگر مذکورہ صورت و کیفیت نہ ہو تو پھر ہم اس میں فرق کرتے ہیں کہ آیا اس نے بطور روایت پڑھا ہے یا کسی اور جہت سے، چنانچہ اگر اس نے بطور روایت اس طرح قرأت کی ہے تو ''یہ جائز نہیں ہوگا'' اس لئے کہ یہ روایت کے معاملہ میں جھوٹ سے کام لیا جا رہا ہے۔

اور اگر بطور روایت قرأت نہ کرے، بلکہ صرف قرأت یا تلاوت کی حیثیت سے اس طرح پڑھے تو یہ جائز، صحیح اور مقبول ہے گو کہ ائمۂ قرأت ایسا کریں تو ہم اسے معیوب گردانتے ہیں، کیونکہ علماء اور عوام الناس کی سطح برابر نہیں ہوتی۔ البتہ ان کے لئے بھی ایسا کرنا مکروہ یا حرام نہیں ہے اس لئے کہ ہر کلمہ کہ جسے رُوح الامین (حضرت جبرئیل علیہ السلام) نے ہمارے سردار سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا اللہ کی طرف سے ہے۔

انہی شرائط کی طرف ابن جزری نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

بشرطه فليرع وقفا و ابتدا ولا يركب وليجد حسن الادا

اس شرط پر، لہٰذا وقف کی رعایت کرتے ہوئے ابتدا کرنی چاہئے - تا کہ کسی اور پر سوار نہ ہو اور اَدائیگی کا حسن برقرار رہے۔ (الإرشادات الجلية- مؤلف: محیسن- صفحہ۱۴)

اس نے مزید کہا ہے: ''جو شخص قراءات کو ملانا چاہے اس کے لئے چار شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ . . وقف، ابتداء، حسنِ اَدائیگی اور عدم ترکیب کی رعایت کرنا۔ . البتہ ترتیب کی رعایت اور قاری کا بعینہٖ اسی کو پہلے پڑھنا ضروری ہونے کا جہاں تک سوال ہے تو یہ شرط نہیں ہے''(الإرشادات الجلية- صفحہ۱۴)

عــرضِ مـؤلف: اگر قراءات مخلوط ہو جائیں یا اشتباہ واقع ہو تو ایسی صورت میں چاروں شرائط کا حصول بھی کافی نہیں ہے، بنابریں جائز اور حرام ہونے کی کسوٹی حصولِ اشتباہ ہے اور یہ تو فطری اَمر ہے کہ تعلیم و تعلم کے موقع پر نہ تو قراءات مخلوط ہوتی ہیں اور نہ ہی کوئی اشتباہ واقع ہوتا ہے، لیکن جہاں تک دوسرے مقامات کی بات ہے تو ان میں ضروری ہے کہ نہ تو قراءات مخلوط ہوں اور نہ ہی اشتباہ واقع ہو اور اگر ان دونوں سے محفوظ نہ ہوں تو جائز نہیں ہے - واللہ العالم۔

اصطلاحات

علمائے قرأت نے قراءات کی اَسناد کے اعتبار سے کچھ اصطلاحات وضع کی ہیں جو حدیث کے نقل کرتے وقت محدِّثین کی استعمال کردہ اصطلاحات سے مختلف ہیں اور اس مقام پر قرأت کا عنوان ہر اس شے پر صادق آتا ہے جو سات یا دس قاریوں سے مروی ہے۔ روایت سے ان کی مُراد ہر وہ مروی بات ہے جسے راویوں نے ان قاریوں سے بلا واسطہ نقل کیا ہو جبکہ طُرُق[1] کا استعمال اس شخص کے لئے کیا جاتا ہے کہ جس نے ان سے بالواسطہ نقل کیا ہو اور اس کے بعد جس قدر نیچے کو سلسلہ چلا جائے۔

---

[1] طریق کی جمع۔

قاضی عبدالفتاح کا کہنا ہے: ''ہر وہ اختلاف کہ جسے دس ائمۂ قرأت میں سے کسی امام کی طرف منسوب کیا گیا ہو اور اس سے نقل کرنے والے راویوں کا اس پر اجماع (بھی) ہو اُسے قرأت کہیں گے؛ اور ہر وہ شے جسے اُس امام سے نقل کرنے والے (راوی) کی طرف منسوب کیا جائے اُسے روایت کہیں گے؛ اور ہر وہ شے جسے راوی کے ذریعہ نقل کرنے والے کی طرف منسوب کیا جائے خواہ کتنا ہی نیچے کو سلسلہ چلا جائے اُسے طریق کہیں گے، جیسے سورۂ روم میں لفظ ضعف کو زبر کے ساتھ پڑھنا حمزہ کی قرأت ہے اور شعبہ کی روایت اور اسی طرح عبید ابن صباح کا طریق حفص کے ذریعہ نقل کرنا ہے وغیرہ وغیرہ . . .

یہ جو واجب اختلاف ہے یہی تو عین قرائات، روایات اور طریق ہیں، بایں معنٰی کہ قاری پر لازم ہے کہ وہ ان سب پر عمل کرے اور اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ دیا تو یہ اس کی روایت کا نقص شمار ہوگا جس طرح کہ ورش کی رائے کے مطابق ''یَے'' کے ساتھ ہونے پر بدل کی وجوہات کہ یہ طرُق ہیں گو کہ عرف عام میں آسانی کی غرض سے انہیں وجوہات / طریقے کہا جاتا ہے۔ لیکن جو جائز اختلاف ہے یہ اُن وجوہات میں پایا جانے والا اختلاف ہے کہ جس میں قاری کو اختیار ہے اور اگر وہ اس کے مطابق بھی پڑھنا چاہے تو یہ اس کے لئے مباح ہوگا جیسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے طریقے اور عوارض جزم پر وقف کی وجوہات کہ ان میں بھی قاری کو اختیار ہے کہ جس طریقہ پر چاہے عمل کرے اور ایسی صورت میں اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ تمام وجوہات کے مطابق قرأت کرے، لہٰذا اگر ان میں سے کسی ایک طریقہ پر بھی عمل کر لے تو یہی کافی ہوگا اور اسے قاری کی تقصیر یا اس کی روایت میں نقص خیال نہیں کیا جائے گا۔ نیز (یاد رہے کہ) ان اختیاری وجوہات کو قرائات یا روایات کا نام نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی طریق کہا جا سکتا ہے، بلکہ انہیں صرف وجوہات / طریقے ہی کہہ سکتے ہیں اور اس کی وجہ بیان کردہ اختلاف ہے۔ (البدور الزاهرة۔اشاعت دہم۔صفحہ ۱۳۹۷)

قُراء نے یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر قاری کے لئے دو روایات شمار کی ہیں گو کہ باقاعدہ اس کا سبب معلوم نہیں ہو سکا اور یہی وجہ ہے کہ ابن حیان جیانی (متوفی ۷۴۵ھ) نے اس پر سخت تنقید کی ہے: ''اور اسی طرح دیگر ساتوں ائمۂ قرأت کے حوالے سے کئی ایسے راوی بھی مشہور ہیں کہ جن کا تذکرہ ان مختصر کتابوں میں نہیں ہے تو پھر ایسی صورت میں ان کے نقل کردہ کلام کو نظر انداز کرتے ہوئے (صرف) دو پر کیونکر اکتفا کیا جا سکتا ہے؟ اس کے علاوہ مذکورہ دو روایات میں ایسی کیا خاصیت یا فضیلت ہے کہ جس کی بناء پر انہیں ان کے دوسرے ساتھیوں پر ترجیح دی گئی جبکہ سب نے ایک ہی اُستاد سے نقل کیا ہے اور ان میں سے ہر کوئی قابل وثوق ہے کہ جس نے بالکل صحیح حفظ کیا ہے؟ نیز ان سات ائمۂ اسلام کے زمانے میں کہ جنہوں نے قرائات کو نقل کیا ہے یہ عالَم تھا کہ انہیں شمار ہی میں نہیں لایا جاتا تھا اور بعد میں ایک ایسا قاری آیا کہ جس نے ان کا انتخاب

کیا اوران کے ناموں کو ظاہر کیا جبکہ کچھ لوگوں کی کاہلی اور پست ہمتی اور اللہ کی علم میں کمی لانے کی مشیت کی وجہ سے لوگوں نے ان سات پر اکتفا کرلیا اوراس کے بعدان سات میں سے بھی صرف چندایک پر ہی اکتفا کیا گیا"۔تمام شد۔(النشر۔ جلد۱۔صفحہ۴۳)

عرضِ مؤلف: ابن جزری (متوفی۔۸۳۳ھ) وہ پہلا عالم ہے کہ جس نے ان طُرُق میں وُسعت پیدا کی اور ایسا لگتا ہے کہ اس توسیع کے ذریعہ وہ اجماع کو ثابت کرنا چاہتا تھا کیونکہ محض دوروایات سے حصولِ اجماع ممکن نہیں ہے۔

محیسن نے الارشادات الجلیة میں چودہ راویوں اوراُن کے طریق کاحسبِ ذیل تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے:

سات ائمہ قرأت میں سے ہرایک سے نقل کرنے والے دوراوی ہیں اوراس طرح راویوں کی تعداد چودہ بنتی ہے:

نافع کے دو راوی: قالون اور ورش

۱۔قالون کا تعارف: عیسیٰ ابن مینا مدنی جو عربی کا معلّم تھا کہ ابوموسیٰ اس کی کنیت اور قالون اس کا لقب تھا۔مروی ہے کہ نافع نے اس کی بہترین تجوید قرأت کی وجہ سے اسے یہ لقب دیا تھا، اس لئے کہ رُومی زبان میں قالون کا مطلب ہوتا ہے ''جید''۔ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا تھا اور مدینہ میں ۲۲۰ھ میں انتقال کرگیا۔

۲۔ورش کا تعارف: عثمان ابن سعید مصری کہ ابوسعید اس کی کنیت اور ورش اس کا لقب تھا۔انتہائی سفید ہونے کی وجہ سے اُسے ورش کالقب دیا گیا؛ اس کا انتقال ۱۹۷ھ میں ہوا تھا۔

ابن کثیر کے دو راوی: بزی اور قنبل

۳۔بزی کا تعارف: احمد ابن محمد ابن عبداللہ ابن ابو بزہ مؤذن مکی کہ اس کی کنیت ابوالحسن تھی۔ ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا اور ۲۵۰ھ میں انتقال کرگیا۔

۴۔قنبل کا تعارف: محمد ابن عبدالرحمٰن ابن محمد ابن خالد ابن سعید مکی مخزومی۔اس کی کنیت ابوعمرو اور لقب قنبل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مکہ کے اہل خانہ قنابلہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔مکہ میں ۲۹۱ھ میں انتقال کرگیا۔

ابو عمرو کے دو راوی: دوری اور سوسی

۵۔دوری کا تعارف: ابوعُمر حفص ابن عُمر ابن عبدالعزیز دوری نحوی؛ دور بغداد میں ایک جگہ کا نام ہے؛ اس کا انتقال ۲۴۶ھ میں ہوا تھا۔

۶۔سوسی کا تعارف: ابوشعیب صالح ابن زیاد ابن عبداللہ سوسی جو ۲۶۱ھ میں فوت ہوا۔

ابن عامر کے دو راوی: ھشام اور ابن ذکوان

۷۔ہشام کا تعارف: ہشام ابن عمار ابن نصیر قاضی دمشقی کہ اس کی کنیت ابوالولید تھی ۲۴۵ھ میں فوت ہوا اور

انتقال کے موقع پر اس کی عمر اکیانوے سال تھی۔

۸۔ابن ذکوان کا تعارف: عبداللہ ابن احمد ابن بشیر ابن ذکوان قریشی دمشقی ،اس کی کنیت ابو عَمر و تھی اور یہ ۱۷۳ھ میں پیدا ہوا اور دمشق میں ۲۴۲ ھ میں انتقال کر گیا۔

عاصم کے دو راوی: شعبہ اور حفص

۹۔شعبہ کا تعارف: ۔ابوبکر شعبہ ابن عیاش ابن سالم کوفی جو ۹۵ ہجری میں پیدا ہوا اور ۱۹۳ ھ میں کوفہ میں انتقال کر گیا۔

۱۰۔حفص کا تعارف: ابو عُمر حفص ابن سلیمان ابن مغیرہ اسدی کوفی ،اس کی کنیت ابو عُمر تھی اور یہ قابل وثوق راوی تھا۔ابن معین کا کہنا ہے: ''یہ ابوبکر سے بھی بہتر قاری تھا'' اس کا انتقال ۱۸۰ ھ میں ہوا تھا۔

حمزہ کے دو راوی: خلف اور خلاد

۱۱۔خلف کا تعارف: خلف ابن ہشام بزاز ،اس کی کنیت ابو محمد تھی۔ ۲۲۹ ھ میں بغداد میں فوت ہوا۔

۱۲۔خلاد کا تعارف: خلاد ابن خالد اور ابن خلید صیرفی بھی کہا جاتا ہے۔کوفہ میں ۲۲۰ ھ میں فوت ہوا۔

کِسائی کے دو راوی: ابو الحارث اور حفص الدوری

۱۳۔ابوالحارث کا تعارف: لیث ابن خالد بغدادی جو ۲۴۰ ھ میں فوت ہوا۔

۱۴۔حفص الدوری کا تعارف: اس نے ابو عَمر و کے ذریعہ نقل کیا ہے کہ جس کا ذکر پہلے گزر چکا۔

طُرق

۱۔قالون کا طریق: ابو نشیط محمد ابن ہارون ۔(متوفی-۲۵۸ھ)

۲۔ورش کا طریق: ابو یعقوب یوسف اَزرق (متوفی- حدود ۲۴۰ھ)

۳۔بزی کا طریق: ابو ربیعہ محمد ابن اسحاق (متوفی-۲۹۴ھ)

۴۔قنبل کا طریق: ابوبکر احمد ابن مجاہد (متوفی- ۳۲۴ھ)

۵۔دوری کا طریق: ابو زعراء عبدالرحمٰن ابن عبدوس (اس کا انتقال ۲۸۰ھ کے کچھ عرصہ بعد ہوا)

۶۔سوسی کا طریق: ابوعمران موسیٰ ابن جریر (متوفی-۳۱۶ھ)

۷۔ہشام کا طریق: ابوالحسن احمد ابن یزید حلوانی (متوفی-۲۵۰ھ)

۸۔ابن ذکوان کا طریق: ابوعبداللہ ہارون ابن موسیٰ اخفش (متوفی۔۲۹۲ھ)

۹۔شعبہ کا طریق: ابوزکریا یحییٰ ابن آدم صلحی۔

۱۰۔حفص کا طریق: ابومحمد عبید ابن صباح (متوفی۔۲۳۵ھ)

۱۱۔خلف کا طریق: احمد ابن عثمان ابن بویان (متوفی۔۳۴۴ھ)

۱۲۔خلاد کا طریق: ابوبکر محمد ابن شاذان (متوفی۔۱۸۶ھ)

۱۳۔ابوالحارث کا طریق: ابوعبداللہ محمد ابن یحییٰ بغدادی (متوفی۔۲۸۸ھ)

۱۴۔الدوری کا طریق: ابوالفضل جعفر ابن محمد نصیبی (متوفی۔۳۰۷ھ)

قرائات کا متواتر ہونا

جمہور علمائے مسلمین کی رائے یہی ہے کہ سات یا دس قرائات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں جبکہ کچھ دیگر علماء کہتے ہیں کہ یہ سات، دس یا چودہ قُرّاء ہی کی طرف سے متواتر ہیں۔ علماء کے ان بیانات سے عہد حضرت عثمانؓ میں تحریر شدہ نص قرآنی اور ان قرائات کی نص کا فرق واضح ہو جاتا ہے کہ وہ تو حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے دور حاضر تک متواتر ہے جبکہ نص قرائات صرف صاحبانِ قرأت کے اَدوار تک متواتر رہی اور بعض علماء نے طریق آحاد سے اس کی سند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتہی کی ہے تو ایسی صورت میں تواتر کا دعویٰ کیسے ممکن ہے جبکہ انہوں نے تو ایسا دعویٰ ہی نہیں کیا؟

قسطلانی (متوفی۔۹۲۳ھ) نے بحوالہ تاج الدین ابن سبکی اس کے کچھ فتاویٰ سے متعلق یوں نقل کیا ہے: ''جن قرائات سبع پر شاطبی نے اکتفا کیا ہے اور وہ تین قرائات یعنی قرأت ابوجعفر، قرأت یعقوب اور قرأت خلف تواتر سے ثابت ہیں اور قطعی طور پر ان کا شمار ضروریات دین میں سے ہوتا ہے کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئیں اور سوائے ایک جاہل انسان کے دوسرا کوئی اس کا انکار نہیں کرتا نیز ان کی کسی شے میں تواتر انہی افراد تک محدود نہیں ہے کہ جنہوں نے ان کو نقل کیا ہے، بلکہ یہ ہر اس مسلمان شخص کے نزدیک متواتر ہیں جو کہتا ہے کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود بجز اللہ کے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں'' اور پھر چاہے وہ مسلمان ایک اُجڈ گنوار ہی کیوں نہ ہو کہ جس نے قرآن کے کسی ایک حرف تک کو حفظ نہ کیا ہو''۔

وہ یہ بھی کہتا ہے: ''اس سلسلہ میں جس کی معلومات ہیں وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جنہوں نے ان دس قرائات کو پڑھا

اور گذشتہ نسلوں سے اسے سیکھا وہ اتنی نسلیں ہیں کہ جن کا شمار ممکن نہیں اور اتنے گروہ ہیں کہ ان کا بیان نہیں ہوسکتا اور اسی طرح ان سے حاصل کرنے والے بھی بے شمار ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی دائم و قائم ہے''۔ اس کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرائات سبع متواتر ہیں اور اسی طرح بعد میں آنے والے ابو جعفر، یعقوب اور خلف کی قرائات بھی اور ان کے بعد چار قاریوں کی قرائات متفقہ طور پر شاذ ہیں، لیکن علامہ کمال ابن ابی شریف کے نقل کے مطابق حنفیہ کے متاخرین میں سے البدیع کے مؤلف نے اس سے اختلاف کیا ہے؛ اس نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ قرائات سبع مشہور ہیں جبکہ سروجی حنفی نے الهداية کی شرح کتاب الغاية کے باب الصوم میں معتزلہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ قرائات آحاد ہیں حالانکہ باقی تمام علمائے اہلسنت سے نقل کیا ہے کہ یہ متواتر ہیں'' (لطائف الإرشادات- جلد ا- صفحہ ۷۷)

علامہ حلّی (متوفی-۷۲۶ھ) نے نهاية الأصول نامی کتاب میں قیاس منطقی کی رُو سے یہ استدلال قائم کیا ہے کہ قرائات سبع تواتر سے ثابت ہیں، اُن کے اَلفاظ کچھ یوں ہیں: ''اگر یہ قرائات متواتر نہیں ہیں تو پھر قرآن کا کچھ حصہ بھی متواتر نہیں رہے گا جیسے مالک اور ملک اور ان جیسے دیگر اَلفاظ جبکہ یہ بات تو سراسر غلط ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ غیر متواتر ہے تو نتیجتاً یہ بھی یکسر غلط ہے کہ قرائات غیر متواتر ہیں۔ اب ہم ان کی شرطیت کی تشریح کرتے ہیں: دونوں ہی سات قُرّاء سے منقول ہیں جبکہ ان میں سے کسی تواتر کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں تو ایسی صورت میں یا تو دونوں ہی متواتر ہوں گے کہ یہی ہمارا مطلوب و مقصود ہے اور یا پھر دونوں میں سے کوئی بھی متواتر نہیں ہے جبکہ یہ سراسر غلط ہے ورنہ تو قرآن قرآن ہی نہیں رہے گا جبکہ ایسا نہیں ہے''۔

عرض مؤلف: مذکورہ قیاس کی وجہ سے وجود لفظی یعنی قرأت اور تحریر شدہ قرآن باہم مخلوط ہوگئے ہیں، اس لئے کہ جس تحریر شدہ عبارت کی قرأت میں دو احتمال پائے جاتے ہیں یعنی مالک اور ملک اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں میں بالخصوص کوئی ایک وجہ متواتر ہو اور دونوں میں سے کسی ایک قرأت کے بھی متواتر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن متواتر نہیں ہے پس ایسی صورت میں قیاس کے ساتھ ساتھ فارق (ممتاز کرنے والی شے) بھی موجود ہے۔

ابن ندیم (متوفی-۳۸۰ھ) نے الفهرست میں یوں نقل کیا ہے: ''ابو طاہر نے ایک کتاب تالیف کی ہے کہ جس میں اس نے قرائات سبع میں کے شواذ[1] کو یکجا کیا ہے۔ ابو سعید فرج ابن لب جو علمائے مغرب میں سے ہے نے ایک کتابچہ تحریر کیا ہے اور اس میں یہ بیان کیا ہے کہ قرائات سبع کا تواتر سے ثابت ہونا ضروریات دین میں سے ہے کہ جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہے''۔

---

[1] شاذ کی جمع۔

سیدنا اُستاد الخوئیؒ نے اس دعویٰ کو یہ کہہ کر باطل کیا ہے: ''چلئے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ یہ قراات سب کے نزدیک متواتر ہیں تو کیا جو اس کے متواتر ہونے کا انکار کردے اُسے کافر گردانیں گے جبکہ یہ ضروریات دین میں سے نہیں ہیں اور بالفرض اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اس موہوم تواتر کی وجہ سے ضروریات دین میں شامل ہیں تو کیا ہر اس شخص کو کافر مانیں گے جو اس کا انکار کردے حتیٰ کہ اس شخص کو بھی کہ جس کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہیں؟ اے میرے اللہ! یہ دعویٰ تیرے سامنے جسارت اور تیری حدود کی پامالی ہے اور تیرے دین کے حامل اُفراد میں تفرقہ پردازی'' (البیان۔ صفحہ ۱۷۲)

المقاصد العلیة میں شہید (متوفی۔ ۹۹۶ھ) نے بھی رائے قائم کی ہے کہ یہ قراات متواتر ہیں، لہٰذا وہ کہتے ہیں: ''ان میں منقولہ طریقہ کے مطابق اعراب گزاری اور تشدید کی رعایت کرنا تواتر سے ثابت ہے اور یہ سات مشہور قراات ہیں، البتہ دس کی دس قراات کے تواتر سے ثابت ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے حالانکہ مصنف نے الذکریٰ میں ان کے تواتر کا اعلان اور خبر واحد کے ذریعہ اجماع کو نقل کیا ہے۔ پس (قراات کی) ہر شے کو اللہ کے ہاں سے رُوح الامین نے سید المرسلین کے قلب پر نازل کیا تاکہ اُمت کے لئے آسانی پیدا ہو اور اس اُمت کے تمام اُفراد کو اس پر عمل کرنا آسان لگے''۔

گویا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قرأت اور نص لازم وملزوم نہیں ہیں اور اس کے فوراً بعد یوں کہا ہے: ''اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان قراات میں وارد ہونے والی ہر شے تواتر سے ثابت ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تواتر سے ثابت ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ ان قراات میں اسے نقل کیا گیا ہو، اس لئے کہ ان سات قاریوں سے جو کچھ منقول ہے اُن میں سے بھی کچھ باتیں شاذ ہیں چہ جائیکہ وہ باتیں کہ جنہیں ان کے علاوہ دیگر قاریوں نے نقل کیا ہے''۔

عرض مؤلف: شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل بجا فرمایا ہے، لیکن جیسا کہ صاف ظاہر ہے ان میں کسی متواتر شے کے ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کی ہر شے تواتر سے ثابت ہے۔ بہر حال یہی میانہ روش ہے کہ نہ ہی یکسر متواتر قرار دیا جائے اور نہ ہی سراسر اس کے تواتر سے ثابت ہونے کی نفی کردی جائے کہ یہی بہترین طریقہ ہے۔

عاملی (متوفی۔ ۱۲۲۶ھ) نے یوں کہتے ہوئے انہیں متواتر قرار دیا ہے: ''اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ جوہری مادّہ سے مشروط ہونا لازمی ہے کہ جس کی وجہ سے قرآن کی عبارتیں اور معنی ایک دوسرے سے مختلف ہوجاتے ہیں، اس لئے کہ یہ قرآن ہیں، تو ایسی صورت میں ضروری ہے کہ یہ خود بھی متواتر ہوں ورنہ یہ لازم آئے گا کہ قرآن کا کچھ حصہ غیر متواتر ہو جبکہ یہ بات سراسر غلط ہے نیز یہ قیاس کی تیسری شکل ہوگی کہ جس کی تفصیل یوں ہے: قراات سبع قرآن ہیں اور قراات

سبع غیر متواتر ہیں تو اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ (بھی) غیر متواتر ہے۔ البتہ جہاں تک اُس ہیئت کی بات ہے کہ جس کی وجہ سے عبارتیں اور معنیٰ باہم مختلف نہیں ہوتے ہیں جیسے مدّ اور امالہ تو اس سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے کچھ علمائے متاخرین کا کہنا ہے کہ ان کا تواتر سے ثابت ہونا ضروری نہیں ہے (اور ان پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ) اس مقام پر قرآن سے مراد لفظ اور ہیئت ہے خواہ اس کے جوہر کا جُز نہ بھی ہو، لیکن یہ لازمی عارض ہے تو بغیر ان کے اسے نقل کرنا ممکن نہ رہے گا اور ایسی صورت میں یہ کہنا کہ پہلی شے تواتر سے ثابت ہے ان کا تواتر ہونا ضروری نہیں ہے والے قول کے منافی ہوگا (جواباً کہا گیا ہے کہ) یہ مخصوص ہیئت لازمی نہیں ہے، بلکہ وہ قدر مشترک لازمی ہے جو اس کے اور دوسرے کے درمیان ہے حالانکہ مطلوب یہ ہے کہ اگرچہ قدر مشترک کا متواتر ہونا ضروری ہے اس مخصوص ہیئت کا تواتر سے ثابت ہونا ضروری نہیں۔ لیکن، جس کی وجہ سے معنیٰ مختلف ہو جاتے ہیں لیکن عبارت نہیں بدلتی تو اس کا متواتر ہونا ضروری ہے ورنہ تو یہ شواذ میں سے شمار ہوں گی جیسے ملک (صیغہ ماضی سے) اور یہی صورت اس شے کی بھی ہے کہ جس سے فقط عبارت مختلف ہو جاتی ہے یعنی اس کا بھی متواتر ہونا ناگزیر ہے، بلکہ یہ ہیئت میں سے ہے، (یہی نہیں) بلکہ اس کا شمار مواد میں ہوتا ہے" (مفتاح الکرامۃ۔ جلد۲۔ صفحہ۳۹۵)

جواهر الکلام کے مؤلف (متوفی۔۱۲۶۶ھ) نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے: "قرآنیت میں اس مخصوص ہیئت کو صحیح ہیئت کے افراد میں سے شمار کیا جانا ممکن نہیں، لہٰذا اس کے قرآن ہونے کا علم اسی پر موقوف نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اُن الفاظ کی صفتیں ہیں جو قرآنیت کے دائرہ میں نہیں آتیں اور اس کی تائید کے طور پر مثلاً ہم امرؤالقیس کے قصیدہ اور صحیفۂ سجادیہ (صحیفۂ کاملہ) کی دُعا کی صحیح قرأت کو مقروءہ[1] کا مصداق قرار دے سکتے ہیں گو کہ ان دونوں کے کہنے والے کی مطلوبہ ہیئت خاصہ کا علم نہیں ہے، بلکہ عرف عام میں قرآن کی قرأت کا اطلاق اس کلام پر بھی ہوتا ہے جو عربی اور لغت کے قواعد کے مطابق ہو خواہ اس کی مطلوبہ ہیئت خاصہ کا علم بھی نہ ہو۔ بلکہ جس طرح کہ سید مرتضیٰؒ کی بعض تحریروں کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے انہوں نے بھی بعض اہلسنت علماء کی مانند دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کا اطلاق ترنم کے ساتھ قرأت کرنے والوں کے اُس لحن پر بھی ہوتا ہے کہ جس سے معنیٰ میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، لہٰذا انہوں نے عمداً ایسا کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے اگرچہ یہ ضعیف ہے"۔ (الجواہر۔ جلد۹۔ صفحہ۲۹۳)

قسطلانی (متوفی۔۹۲۳ھ) کا کہنا ہے: "اگر آپ یہ کہیں: کہ سات ائمۂ قرأت تک منتہی ہونے والی اسانید اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتہی ہونے والی اُن ساتوں کی اسانید - قرائات کی کتابوں کے مطابق- آحاد ہیں جو

---

[1] پڑھی جانے والی شے۔

تواتر کی حد کو نہیں چھوتیں تو ایسی صورت میں تواتر کہاں سے آیا؟ تو میں کہوں گا: مذکورہ اَسانید کا کسی ایک گروہ میں منحصر ہونا اس بات سے نہیں روکتا کہ ان کے علاوہ دیگر قُرّاء سے بھی قراءات وارد ہوں۔ درحقیقت قراءات کو ان ائمۂ قراءات سے جو منسوب کیا گیا ہے، ان کی اَسانید میں جن لوگوں کا ذکر ہوا ہے اور جن تک یہ اَسانید منتہی ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حروف کو محفوظ کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا اور اس سلسلہ میں اپنے اَساتذہ کی باتوں کو محفوظ رکھا تھا اور ان میں سے ہر ایک کے ہمراہ ایک ہی طبقہ میں اتنے اَفراد ہیں کہ جن کی تعداد تواتر تک جاتی ہے، اس لئے کہ ایک بہت بڑی تعداد نے ہر شہر کے ائمۂ قراءات سے ان کی قراءات کو سیکھا ہے اور اسی طرح اُمت مسلمہ نے ہمیشہ ان میں سے ہر کسی کو قبولیت کی نگاہ سے دیکھا ہے'' - تمام شُد -

سخاوی کا کہنا ہے: ''اگر قراءات سبع کو آحاد طریق کی طرف منسوب کیا جائے تب بھی ان کے متواتر ہونے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوگا جس طرح سے کہ اگر میں کہوں: فلاں نے فلاں کے ذریعہ مجھے بتایا کہ اس نے شہر سمرقند دیکھا حالانکہ اس شہر کا پایا جانا تواتر سے ثابت ہے تو پہلے کے علم (یقین) میں کوئی نقص واقع نہیں ہوگا۔ بنابریں قراءات سبع - سب کی سب - متواتر ہیں اور متفقہ طور پر یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تمام قرآنی نسخوں (مصاحف) کی عبارتوں کے تمام تر کلمات اور حروف متواتر ہیں۔ ایسی صورت میں اگر کوئی قراءات سبع کے متواتر ہونے سے متعلق نزاع کرے تو ہم اُس سے کہیں گے: آپ ابن کثیر کی قرأت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ مثلاً سورۂ توبہ (آیت ۷۲) میں ﴿ تجری منْ تحتها الانهار ﴾ میں منْ زائد ہے حالانکہ دیگر قاریوں نے اسے قلم انداز کر دیا ہے؟ اگر وہ کہتا ہے کہ ہاں متواتر ہے! تو یہی ہماری غرض ہے جبکہ اگر وہ اس کے متواتر ہونے کا انکار کرتا ہے تو اس نے اُس اجماع کو توڑ دیا جو ان دونوں کے ثابت ہونے پر قائم کیا گیا ہے یا پھر وہ مبہوت ہے کہ ان میں سے یقینی کون سا ہے، لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ کچھ حصہ متواتر ہے اور کچھ غیر متواتر تو ایسی صورت میں یہ ایک انوکھی بات ہوگی اس لئے کہ یہ تو ثابت ہے کہ ان دونوں کا درجہ برابر ہے، نتیجتاً اس سے لازم آتا ہے کہ ساتوں قاریوں کی قراءات متواتر ہیں''۔ (لطائف الإرشاد - جلد۱ - صفحہ۷۸)

قسطلانی (متوفی - ۹۲۳ھ) نے جو ذکر کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دیگر قاریوں کی قراءات صحیح نہیں ہے اور سخاوی نے جو کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اگر قراءات کے متواتر ہونے کی اسناد طریق آحاد ہو کھلی حقیقت کا کھلا انکار ہے کہ جس کی اَسناد از خود سات قاریوں نے اپنی جانب منسوب کی ہیں جبکہ اُن میں سے کسی نے بھی اپنی قرأت کے متواتر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ یا تو اُنہوں نے اپنی قراءات کو خود اپنے انتخاب کی طرف نسبت دی ہے یا دیگر قرّاء کی روایت کو طریق آحاد سے نقل کیا ہے، البتہ ان میں سے نافع ایک منفرد قاری ہے کہ اس نے ایسی قرأت کا انتخاب کیا ہے کہ

جس پر صرف دو راوی متفق ہیں حالانکہ صرف دو راویوں کا نقل کرنا متواتر ہونے کے لئے کافی نہیں ہے!

عاملی (متوفی-۱۲۲۶ھ) نے بالکل درست کہا ہے کہ ''جب ان میں سے کوئی قاری مہارت اور تخصص حاصل کر لیتا تھا تو لوگوں کے لئے قرأت کے کسی طریقہ کا آغاز کر دیتا تھا کہ جسے صرف وہ خود ہی جانتا تھا اور اس کا طریقہ اُس روش کے مطابق نہیں ہوتا تھا جو مروجہ، واضح، متواتر اور متعین ہوتی تھی ورنہ تو اس کا طریقہ اسی سے مخصوص نہ ہوتا اور عام طور سے چھا جانے کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس کا کوئی ہمعصر جو اُس فن کا فنکار ہو اور ماخذ ومنبع سے لاعلم نہ ہو اُسے جانتا ہو۔ لہٰذا ہم کیونکر جان سکتے ہیں کہ ان قاریوں کی قرائات متواتر تھیں یا نہیں حالانکہ اُن کو آپس میں ایک دوسرے کی قرأت کے متواتر ہونے تک کا علم نہیں تھا؟ لہٰذا یہ انتہائی بعید ہے سوائے اس کے کہ یہ کہہ دیا جائے کہ ساتوں میں سے ہر قاری نے پہلے سے متواتر طریقہ ہی تالیف کیا تھا کہ جس کے متعلق دوسرا بھی جانتا تھا مگر اس نے ان متواترات میں سے صرف اپنی قرأت کا انتخاب اس لئے کیا کہ اس کے نزدیک قابل ترجیح عامل ثابت تھا جیسے امالہ اور روم وغیرہ سے سالم ہونا تو پھر ایسی صورت میں تو اس کا طریقہ متواتر ہی ہوگا چاہے اس کی موجودہ مختصر اور ممتاز ترکیبی ہیئت متواتر نہ ہو جبکہ اگر رازی کی بات صحیح مان لی جائے کہ ان میں سے ہی بعض نے دوسرے قاری کی قرأت کو پڑھنے سے لوگوں کو منع کر دیا تھا تو بات بہت سنگین صورتحال اختیار کر جائے گی اور جواب دہی مشکل ہو جائے گی'' (مفتاح الکرامۃ- جلد۲- صفحہ۳۹۳)

زرکشی (متوفی-۷۹۷ھ) نے بہت ہی منصفانہ رائے قائم کی ہے، کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ یہ قرائات متواتر نہیں ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ قرائات صرف سات ائمۂ قرأت سے تواتر سے ثابت ہیں؛ اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ''جہاں تک ان قرائات کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تواتر سے ثابت ہونے کی بات ہے تو اس میں اشکال ہے، کیونکہ کتب قرائات میں ان ساتوں ائمہ تک ان سات قرائات کی نسبت درج ہے اور اسے شخص واحد نے شخص واحد کے ذریعہ نقل کیا ہے کہ جس میں طرفین اور واسطہ کے مساوی ہونے میں تواتر کی شرائط نہیں پائی جاتیں اور یہ چیز ان کی (اپنی) کتابوں میں بھی موجود ہے نیز شیخ شہاب الدین ابوشامہ نے بھی اپنی کتاب المرشد الوجیز میں کسی حد تک اس جانب اشارہ کیا ہے'' (البرھان- جلد۱- صفحہ۳۱۹)

کتاب الحدائق کے مؤلف (متوفی-۱۱۸۶ھ) نے نقل کیا ہے کہ سات اور دس (قرائات) کے تواتر سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان قرائات میں وارد ہونے والی ہر شے متواتر ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تواتر کا انحصار اسی میں ہے کہ جسے ان قرائات سے نقل کیا گیا ہے'' (الحدائق- جلد۹- صفحہ۹۵)

درحقیقت صاحب الجواہر (متوفی-۱۲۶۶ھ) نے جو بیان کیا ہے کہ ہم میں سے اور ملت کی بے شمار خلقت نے تواتر کا انکار کر دیا ہے، بلکہ بیشتر اگلے علماء سے یہ بھی منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ان قرائات اور دیگر پر بھی عمل کرنے کو

جائز جاتا ہے اور اس کی وجہ عدم تواتر قراءات ہے اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جو شخص اُن کتابوں کو ملاحظہ کرتا ہے کہ جن میں ان سات قاریوں، ان کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں کا تذکرہ ہے تو اُسے پتا لگتا ہے کہ تواتر سے ثابت ہونا تو بہت بعید ہے، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے راوی کی تعداد ایک یا پھر زیادہ سے زیادہ دو ہے، اس کے علاوہ ان سب کے متواتر ہونے پر ان میں سے ہر ایک کی ایک مستقل قرأت نہیں ہو سکتی با ایں معنٰی کہ لوگوں کو کسی اور قرأت سے باز رکھ سکتے۔ (الجواھر۔ جلد۹۔ صفحہ۲۹۵)

ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) نے ان قراءات کے متعلقہ قُرّاء کی طرف منسوب ہونے کی جو توجیہ بیان کی ہے وہ غیر منصفانہ ہے؛ وہ کہتا ہے: ''حروف اور قراءات کو ائمۂ قرأت اور ان کے راویوں سے منسوب کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس قاری اور اس امام قرأت نے اپنی پڑھائی کے حساب سے اپنی اس قرأت کو لغوی طریقہ پر منتخب کیا تھا اور اس طرح اسے دوسرے طریقہ پر ترجیح دے دی اور اس پر مداومت کی اور اس قدر مستقل رہا کہ وہی طریقہ مشہور و معروف ہو گیا، لہٰذا لوگوں نے اسی کی غرض سے اس کے پاس آ کر اس قرأت کو سیکھنا شروع کر دیا اور یوں اس طریقہ کو اسی سے منسوب کر دیا گیا حالانکہ یہ نسبت ایک اِنتخاب، دوام اور اِستقلال ہے نہ کہ اس قسم کا انتخاب بدعت، ذاتی رائے اور اِجتہاد ہے'' (النشر۔ جلد۱۔ صفحہ۵۲)

ابن جزری ہی نے اپنی کتاب النشر کی پہلی جلد کے صفحہ ۴۵ پر اسی بات پر اصرار کیا ہے کہ تواتر صرف قراءات سبع سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس تواتر میں دس کی دس قراءات شامل ہیں اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ قراءات مصحف کی عبارت سے میل کھاتی ہیں اور اس کے بعد مؤلف نے اس گفتگو کو نقل کیا ہے جو اُس کے اور قاضی القضاۃ ابونصر عبدالوہاب کے درمیان ہوئی: ''اس سلسلہ میں میرے اور اس کے درمیان کافی طویل گفتگو ہوئی اور میں نے اس سے کہا کہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ تم یہ کہہ دو کہ دس کی دس قراءات متواتر ہیں اور یہ لازمی طور پر ایسا ہی ہے تو وہ کہنے لگا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اختلاف سے آگاہ کر دیا جائے تو میں نے کہا کہ یہ اِختلاف کہاں ہے اور اسکا قائل کون ہے اور وہ کون ہے جو کہتا ہے کہ ابو جعفر، یعقوب اور خلف کی قراءات غیر متواتر ہیں؟ کہنے لگا: ابن حاجب کی اس عبارت سے یہی مفہوم نکلتا ہے: ''قراءات سبع متواتر ہیں'' تو میں نے کہا کہ وہ سات کون سی ہیں؟ اور بالفرض اگر یہی سات ہیں - جبکہ ابن حاجب کی عبارت اس پر دلالت نہیں کرتی۔ تب بھی خلف کی قرأت تو اُن میں سے کسی کی بھی قرأت سے مختلف نہیں ہے، بلکہ کسی ایک حرف کے لحاظ سے بھی کسی کوفی قاری کی قرأت سے مختلف نہیں ہے تو پھر کوئی بھی شخص یہ کیونکر کہہ سکتا ہے کہ یہ قراءات متواتر نہیں ہیں جبکہ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ (کم از کم) یہ سات تو متواتر ہیں؟ اس کے علاوہ بھی اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ سات سے مراد یہی سات قاری ہیں تب بھی کس روایت کی وجہ سے؟ کس طریق کے ذریعہ؟ اور کس کتاب کے مطابق؟ کیونکہ ابن حاجب نے بھی تخصیص کا

دعویٰ تو نہیں کیا اور اگر وہ اس قسم کا دعویٰ کرتا بھی تو اُسے تسلیم نہ کیا جاتا اور اب بات رہتی ہے اطلاق کی تو اس کا اطلاق ہر اس شے پر ہوگا جو ان سات قاریوں کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔ لہٰذا یعقوب کی قرأت عاصم، ابوعمر اور ابوجعفر کے ذریعہ نقل کی گئی ہے کہ یہی نافع کا اُستاد ہے جبکہ یہ سات قاریوں کے دائرہ سے خارج نہیں ہوگا'' (النشر - جلد ا - صفحہ ۴۵)

اب بھی سوال اپنی جگہ پر قائم ہے کہ کس روایت کے ذریعہ؟ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تک منتہی ہونے والا تواتر کس طریق سے ثابت ہے؟ اس لئے کہ یہ تو واضح ہے کہ قرائات سبع اپنے راوی اور طریق کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں کہ جس کی بناء پر معنٰی ہی تبدیل ہوجاتے ہیں بالکل ایسے ہی کہ جیسے لفظ تبدیل ہوجاتے ہیں، مثلاً: قرأت میں اختلافی مقامات بے شمار ہیں جبکہ تحریر شدہ نص پر کوئی آنچ نہیں آئی اور انہی میں سے مَــلِک اور مَــالِک ہے اور انہی میں سے یَطْهُرْنَ اور یَطَّهَّرْنَ، بَاعَدَ اور بَاعِدْاور نَنشرها اور نُنْشِزُها جیسے الفاظ ہیں جبکہ اعراب کی مثال کے طور پر اَرْجُلِكُمْ اور اَرْجُلَكُمْ کے الفاظ ہیں۔ اس قسم کا اختلاف تفسیر اور فقہ پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور یہ تو ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کہ ہم ان قرائات کے بارے میں تذبذب کے عالَم میں توقف کریں، بلکہ ضروری ہے کہ کتب تفاسیر میں بیان کئے گئے اقوال ہی میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔

سیدنا اُستاد الخوئیؒ نے کہا ہے: ''شیعوں کے نزدیک قول معروف یہی ہے کہ یہ قرائات غیر متواتر ہیں، بلکہ یہ قرائات یا تو قاری کا ذاتی اجتہاد ہیں یا پھر خبر واحد کے ذریعہ نقل کی گئی ہیں اور علمائے اہلسنت کے محققین کی ایک جماعت نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہی قول صحیح بھی ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے دو باتوں کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

اوّل: ہر عقیدہ اور مذہب کے حامل مسلمانوں نے یہ اتفاقی رائے قائم کی ہے کہ قرآن متواتر طریقہ سے ثابت ہے اور بے شمار سنی اور شیعہ علماء نے اس کی دلیل کے طور پر کہا ہے کہ نقل قرآن کے دعویدار وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں، اس لئے کہ یہ دین اسلام کی اَساس اور مسلمانوں کے نبیؐ کے ہاتھوں الٰہی معجزہ ہے، کیونکہ جس چیز کے نقل کرنے والے وافر مقدار میں ہوں یقیناً وہ متواتر ہی ہوتی ہے - یہاں تک کہ کہتے ہیں۔

دوّم: ان قرائات کو غیر متواتر ثابت کرنے کا بہترین راستہ خود ان قاریوں اور ان کے راویوں کے طُرُق کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا ہے'' (البیان - صفحہ ۱۳۸ ـ ۷)

مرحوم کے کلام کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ ان سات قاریوں کی قرائات کا تواتر سے ثابت ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ تمام طبقات میں خود قاری کا ذکر تواتر کے ساتھ کیا گیا ہو اور گو کہ مطلوب ہمارے دور میں تو حاصل ہے مگر ہمارے اور اُن کے بیچ گزرے ہوئے زمانہ میں ان کا تواتر معلوم نہیں تھا، اس لئے کہ ان میں سے اکثر کے راویوں کی تعداد

صرف دو ہے جبکہ دو سے تواتر ثابت نہیں ہوتا اور اس کے علاوہ بھی ان کے تمام راوی قابل وثوق بھی نہیں ہیں اور ان کے دو نوں راویوں کی روایات بے شمار موارد میں باہم مختلف ہیں۔

(علاوہ بریں) اسناد انہی پر منتہی ہوتی ہیں جبکہ قرأت اور زمانہ کے لحاظ سے وہ سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو ایسی صورت میں ان کے ذریعہ تواتر ثابت نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے ان کی قرأت کے حصول میں یا تو روایت پر تکیہ کرلیا جائے جیسا کہ ان میں سے کچھ روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خبر واحد ہیں یا پھر اجتہاد پر تکیہ کرلیا جائے جس طرح کہ دیگر بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی طریقہ تواتر کی حیثیت نہیں رکھتا۔

(خُلاصہ) قرائات کا تواتر سے ثابت ہونا دو مرحلوں میں تصور کیا جاسکتا ہے:

پہلا مرحلہ: دورِ حاضر سے قاریوں کے زمانہ تک ہے کہ اس کا انکار ممکن نہیں، اس لئے کہ ہر وقت اور ہر مقام پر یکے بعد دیگرے قُرّاء، حُفّاظ اور مؤلّفین کا کوئی نہ کوئی ایسا طبقہ موجود رہا ہے کہ جس نے اپنی قرائات کے سلسلہ میں جس چیز کی بھی قرأت کی، اُسے حفظ کیا اور ان تک پہنچنے والی اَسناد کے متعلق کتابیں تالیف کیں۔ ان قاریوں کی اَسانید گو کہ بذات خود آحاد کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن پشت بہ پشت اگا تار عنایتوں سے بھرپور رہیں بایں معنٰی کہ ان کی مختلف انداز میں کتابت کی گئی وغیرہ وغیرہ۔ اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ان سات قاریوں کے ذریعہ تواتر سے ثابت ہیں۔

دوسرا مرحلہ: قاریوں سے لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دور تک: ان سات قرائات کی تعداد کو سات میں منحصر کرنے والے یعنی ابن مجاہد (متوفی ۳۲۴ھ) کی بیان کردہ اَسانید پر عمیق نگاہ ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ قرائات متواتر نہیں تھیں اور اگرچہ اُن سات قاریوں نے اپنے سے اگلوں کے سامنے تقابلی قرأت کی تھی لیکن اس کی حیثیت بھی بس اتنی ہی مانی جاسکتی ہے کہ ان قاریوں نے آحاد روایات کو پڑھا تھا جبکہ سوائے نافع کے ان میں سے کسی نے بھی ہم سے یہ بیان نہیں کیا کہ ان کے قرأت کو منتخب کرنے کا اُسلوب کیا تھا البتہ نافع نے ان پر تکیہ کرلینے کا طریقہ بتادیا تھا کہ جس بات سے کوئی دو قاری متفق تھے اس نے اُسے اپنے انتخابات میں شامل کرلیا اور اختلافی بات کو شامل ہی نہیں کیا، لیکن یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ دو کے ذریعہ تواتر ثابت نہیں ہوتا مگر بلاشبہ روایت کے ثابت ہونے، استفاضہ کی نفی اور قرأت کی درست کتابت کے سلسلہ میں یہ شرعی حجت تو ہیں۔

ان میں یہ فرق ہے کہ جو سات قرائات مصحف کے عین مطابق ہیں وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مستفیضہ روایات کے ذریعہ منقول ہیں، لیکن جو قرائات مصحف سے میل نہیں کھاتیں جیسے ابن مسعودؓ کی قرأت وہ اُن راویوں سے بطور آحاد منقول ہیں۔

نیز اَحکام قرآن انہی سات قرائات پر مشتمل ہیں جبکہ اُن باقی قرائات میں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ جنہیں جملہ اَحادیث میں سے خیال کیا جاتا ہے، لہٰذا ان سات قرائات کی اَسناد کے متعلق تحقیق کرنے کی کوئی احتیاج نہیں لیکن ان کے علاوہ دیگر قرائات اس بات کی محتاج ہیں کہ ان میں صحیح اور ضعیف کی تمیز اُن قواعد کے مطابق کی جائے جو نقل حدیث کے علم کی بابت تصنیف کی گئی کتابوں میں درج ہیں۔

اس سلسلہ میں ابوشامہ کی رائے سب سے بجا معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس کا کہنا ہے: ''ان سات قاریوں کی شہرت اوران کی قرائات کے سلسلہ میں قائم کیے گئے اِجماع کی شہرت کی وجہ سے دل کہتا ہے کہ ان کے ذریعہ منقولہ قرائات کو دیگر اَفراد سے نقل کی گئی قرائات پر ترجیح دی جائے'' (النشر ۔ جلد۱۔ صفحہ۱۰۴)

صحیح قرأت

تقریباً تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ مصحف کی عبارت، اسناد کا صحیح ہونا اور قواعد عربی کے عین مطابق ہونا قرأت کی درستگی کے سلسلہ میں تین بنیادی اَرکان کی حیثیت رکھتے ہیں البتہ تفصیل میں اختلاف پایا جاتا ہے:

شیخ موفق الدین کواشی (متوفی۔۶۸۰ھ) کا کہنا ہے: ''ہر وہ روایت کہ جس کی سند صحیح ہے، عربی زبان کے لحاظ سے بھی بالکل درست ہے اوراس کے الفاظ مصحف امام کی عبارت کے عین مطابق ہیں اس کا شمار ان سات منصوصہ قرائات میں سے ہوتا ہے، خواہ اُسے ستر ہزار اَفراد نے مل کر نقل کیا ہو یا سب نے الگ الگ اور اسی کی بنیاد پر کہنے والا کہتا ہے کہ قرائات چاہے سات اَفراد سے منقول ہوں یا ستر ہزار سے، اور جب کبھی اس میں مذکورہ تین شرائط میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو تو اس کے متعلق یہ فیصلہ صادر کردو کہ وہ شاذ ہے؛ نیز شواذ (شاذ کی جمع) قرائات میں سے کسی شے کی قرأت نہیں کی جاتی اور اگر کوئی عالم شواذ کا ذکر کرتا ہے تو وہ صرف اس لئے کہ اس کے ذریعہ اپنے مدّعا پر دلیل قائم کرے یا اُسے ان شاذ قرائات پر ترجیح دی جاسکے'' (البرھان ۔ جلد۱۔ صفحہ۳۳۱)

قیسی مکی (متوفی۔۴۳۷ھ) کہتا ہے: ''اس کے بعد لوگوں نے (قرائات کا) اِنتخاب کیا اوران کے اِنتخابات میں وہی قرأت قابل تسلیم تھی کہ جس میں تین باتیں پائی جائیں: عربی زبان کے لحاظ سے کلام میں جان ہو، مصحف کے عین مطابق ہو اور عامہ اس پر متفق ہوں جبکہ عامہ سے اُن کی یہ مراد ہے کہ اہل مدینہ اور اہل کوفہ اس پر متفق ہوں اور یہ ان کے لئے اتنی قوی حجت ہے جو اِنتخاب کا موجب بنتی ہے، لیکن کبھی انہوں نے اس چیز کو معتبر جانا کہ جس پر نافع اور عاصم متفق ہوں۔ لہٰذا قرأت کے ان دَو اماموں کی قرأت بہترین قرأت مانی جائے گی نیز سند کے لحاظ سے صحیح ترین اور عربی کلام کے طور پر فصیح ترین، جبکہ

ان کے بعد فصاحت میں ابوعمرو کسائی کی قرأت کا شمار ہوتا ہے" (البرهان- جلد۱- صفحہ۳۳۱)

شیخ شہاب الدین ابوشامہ کہتا ہے: "ہر وہ قرأت کہ جس کی تائید مصحف کی عبارت سے ہوتی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اُسے صحیح طور پر نقل کیا گیا ہو اور عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے فصیح بھی ہو تو یہی صحیح اور معتبر قرأت مانی جائے گی۔ لیکن اگر ان تین ارکان میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو تو ایسی قرأت پر شاذ اور ضعیف کا اطلاق ہوتا ہے: اگلے ائمہ قرأت کی ایک جماعت نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے اور شیخ ابومحمد مکی ابن ابی طالب قیروانی نے قرائات سبع کے معانی سے متعلق اپنی منفرد تصنیف میں اسی پر نص قائم کی ہے نیز اس نے اسے کتاب الکشف میں ضمیمہ کے طور پر شامل کرنے کو کہا تھا جبکہ ہمارے اُستاد ابوالحسنؒ نے اپنی کتاب جمال القرّاء میں اس کا تذکرہ کیا ہے" (البرهان- جلد۱- صفحہ۳۳۱)

ابن جزری (متوفی- ۸۳۳ھ) کہتا ہے: "ہر وہ قرأت جو چاہے کسی طور سے بھی قواعد عربی کے مطابق ہو، مصاحف عثمانیہ میں سے خواہ احتمالی طور پر ہی چاہے کسی کے بھی مطابق ہو اور اس کی سند بھی صحیح ہو تو یہ صحیح قرأت کہلائے گی اور اس کو رد کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کے انکار کی شرعی اجازت ہے، بلکہ یہ اُن سات طرز میں سے ہوگی کہ جن کے مطابق قرآن نازل ہوا تھا اور تمام لوگوں پر اس کا قبول کرنا واجب تھا خواہ سات ائمہ قرأت سے منقول ہو، دس ائمہ قرأت سے یا ان کے علاوہ کچھ دیگر ایسے ائمہ قرأت سے منقول ہو کہ جو مقبول نظر ہوں، البتہ جب کبھی ان تین ارکان میں سے کوئی ایک رُکن بھی کم ہو جائے تو اس قرأت پر ضعیف، شاذ یا باطل کا اطلاق ہوگا چاہے سات ائمہ قرأت سے منقول ہو یا اُن ائمہ قرأت سے کہ جو ان سات سے بھی بڑے ہوں کہ اگلے اور بعد میں آنے والے ائمہ تحقیق کے نزدیک یہ قول صحیح ہے اور اس کی وضاحت امام و حافظ ابوعمر و عثمان ابن سعی دانی نے کی ہے نیز کسی دوسرے مقام پر امام ابومحمد مکی ابن ابی طالب نے اس پر نص قائم کی ہے۔ امام ابوالعباس احمد ابن عمار مہدوی نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور امام و حافظ ابوالقاسم عبدالرحمٰن ابن اسماعیل عُرف ابوشامہ نے اس کی تصدیق کی ہے کہ یہی اگلے علمائے قرأت کی روش ہے اور اُن میں سے کسی کی طرف سے بھی اختلاف دیکھنے میں نہیں آیا" (النشر- جلد۱- صفحہ۹)

اس کے بعد مؤلف نے مذکورہ ارکان سے اس کی کیا مراد ہے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ جس کا خلاصہ یوں ہے: قاعدہ یہ ہے کہ جو عربی گرامر کے مسلّمہ اُصول کے خواہ کسی طور سے بھی مطابق ہو، خواہ افصح (فصیح تر) ہو یا فصیح، اس پر سب متفق ہوں یا اس میں ایسا اختلاف پایا جاتا ہو کہ جس سے کوئی حرج واقع نہ ہو بشرطیکہ اس قرأت سے ہر خاص و عام واقف ہو اور ائمہ قرأت نے اُسے صحیح اسناد کے ساتھ حاصل کیا ہو کیونکہ یہی سب سے بڑا اُصول ہے جبکہ کتنی ہی ایسی قرائات ہیں کہ جن کا بعض یا اُن میں کے اکثر ماہرین علم نحو نے انکار کر دیا مگر ان کے انکار کو خاطر میں نہ لایا گیا اور اس کے برعکس

اُگلے وہ تمام ائمہ قرأت کہ جن کی پیروی کی جاتی ہے اس بات پر متفق ہو گئے کہ اسے قبول کرلیا جائے، جیسے کہ بارئکم اور تامرکم وغیرہ . . کو جزم دینا۔ - مؤلف مذکور نے چند دیگر مثالوں کو بھی بیان کیا ہے۔ (النشر- جلد۱- صفحہ۱۰)

عرضِ مؤلف: صحیح قرأت کے جن تین ارکان کو بیان کیا گیا ہے اُن کی کسوٹی کی درستگی کے بارے میں کئے گئے اجتہاد کے آگے اِن کی بات قابلِ قبول نہیں، اس لئے کہ پہلا رُکن یعنی قواعد عربی کے مطابق ہونا اگرچہ اکثر موارد میں ایک بنیادی قانون کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عربی قواعد حقیقی بنیاد ہیں باوجودیکہ ان میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے اور بلاشبہ یہ قواعد نص قرآنی سے پہلے موجود نہیں تھے، بلکہ (یوں کہنا چاہئے کہ) یہ قواعد بھی نص قرآنی اور استعمال کے ذریعہ وضع کئے گئے ہیں جبکہ قرآن سے زیادہ قابل وثوق یا قدیم کوئی نص نہیں ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں نص قرآنی کا عربی کے قواعد کے سامنے سرنگوں ہونا اس بات کا پیش خیمہ بنتا ہے کہ زمانی لحاظ سے بعد میں وضع کئے جانے والے قواعد کو ایسی نص کے لئے ضروری قرار دیا جارہا ہے جو اس سے پہلے سے موجود تھی اور یہ چیز علمی طور پر جائز یا موزوں نہیں سمجھی جاتی۔

دوسرا رُکن: یعنی اسناد کا صحیح ہونا بھی راویوں کے اجتہاد کے مقابل نہیں آسکتا اس لئے کہ ان کے تعداد میں سات متعین ہونے سے پہلے قاریوں میں سے ہر راوی یہی سمجھتا تھا کہ جو کچھ وہ قرأت کررہا ہے وہ بالکل صحیح روایت ہے اور اس سلسلہ میں عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ جس میں اُنہوں نے اپنی قرأت کو اپنانے کی یہ علت بیان کی تھی کہ اُنہوں نے متعلقہ قرأت کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے۔

تیسرا رُکن: یعنی قرآن کی عبارت کا اُن چھ قرآنی نسخوں میں سے کسی کے بھی مطابق ہونا کہ جنہیں حضرت عثمانؓ نے جمع کیا تھا - باوجودیکہ خود وہ نسخے بھی باہم مختلف ہیں۔ کبھی ایسی قرأت کا متحمل ہوتا ہے کہ جمہور قرّاء نے اسے ترک کردیا تھا اور اُسے شاذ قراءات میں سے شمار کیا تھا حالانکہ وہ مصحف کے مطابق تھی، کیونکہ لفظ مالک یا ملک کی بجائے ملیک پڑھا تھا البتہ اس تفصیل کے مطابق جو شواذ کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہے۔

(درحقیقت یہ کہنا چاہئے کہ) صحیح قرأت کا ایک ہی رُکن ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطور تواتر نقل کی گئی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ طبری (متوفی-۳۱۰ھ) ان سات قراءات میں سے بعض کو غلط قرار دیتا ہے تو اگر یہ متواتر ہوتیں تو اس کا ایسا کرنا صحیح نہ ہوتا، مثلاً اس نے عاصم کی قرأت کو غلط قرار دینے کی تائید میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا حوالہ دیا ہے: ﴿اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً﴾ (سورۂ بقرہ- آیت ۲۸۲) اور (کہتا ہے کہ) یہ قرأت شاذ ہے (تفسیر الطبری- جلد۶- صفحہ۸) پس تواتر اور شاذ میں ہم آہنگی کیونکر پیدا کی جاسکتی ہے؟ لہٰذا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چوتھی

صدی تک یہ قرائات متواتر نہیں تھیں یعنی اس صدی تک کہ جس میں ابن مجاہد (متوفی۔ ۳۲۴ھ) نے قرائات کو سات میں منحصر کر دیا تو پھر اس سے پہلے کے اَدوار میں متواتر کیسے ہو سکتی ہیں؟!

ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) کہتا ہے: ''کسی بھی مصاحف کے مطابق ہونے سے ہماری مراد وہ قرأت ہے جو بعض مصاحف میں تحریر ہو اور بعض میں تحریر نہ ہو جیسے کہ سورۂ بقرہ میں ابن عامر کی یہ قرأت: **قالوا اتخذ الله ولداً** جو بغیر واؤ کے ہے (آیت ۱۱۶ ملاحظہ کریں!) اور اسی طرح سورۂ آل عمران میں یہ قرأت: **وبالزبر وبالكتاب المنير** جس میں حرف ''ب'' زائد ہے (آیت ۱۸۴ ملاحظہ کریں!)۔ دیگر چند مثالیں بھی ذکر کی ہیں۔'' (النشر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۱)

اُس نے اپنے اس قول ''احتمالی طور پر'' کی وضاحت یوں کی ہے: ''یعنی وہ قرأت جو قرآن کی عبارت کے مطابق ہو خواہ تقدیر میں (باطنی طور پر) اور یہی احتمالی طور پر مطابق ہونا ہے جبکہ اجماعی طور پر کئی مقامات میں واضح عبارت کی مخالفت کی گئی ہے، جیسے السماوات، الصلحت، اليل، الصلوة، الزكوة اور الربوا''... الخ (النشر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۱)

ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) مبالغہ سے کام لیتے ہوئے کہتا ہے: ''ذرا دیکھو تو سہی کہ کس طرح سے **الصراط** (اور) **المصيطرون** میں سین کو صاد سے بدل دیا ہے اور سین سے عدول کر لیا جو اصل ہے تا کہ سین کی قرأت واقع ہو جائے اور اگر چہ یہ قرأت ایک طرح سے عبارت کے مخالف ہے لیکن اصل کے مطابق آئی ہے لہٰذا دونوں مساوی ہیں جبکہ اشمام سے قرأت کرنے کا بھی احتمال پایا جائے گا حالانکہ اگر اصل کے مطابق اسے سین ہی سے لکھ دیا جاتا تو یہ چیز فوت ہو جاتی اور سین کے علاوہ کوئی بھی قرأت عبارت اور اصل کے برخلاف مانی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ اعراف کے لفظ **بسطة** کے متعلق اختلاف مشہور ہے اور سورۂ بقرہ میں لفظ **بسطة** کا اختلاف مشہور نہیں ہے کیونکہ سورۂ بقرہ کا لفظ حرف سین سے لکھا گیا ہے اور اعراف کا حرف صاد سے؛ علاوہ ازیں حرف مدغم یا حرف بدل یا حرف ثابت یا حرف محذوف وغیرہ کا واضح عبارت کے برخلاف ہونا مخالف شمار نہیں کیا جائے گا بشرطیکہ اس کی قرأت ثابت ہو اور بطور مشہور و مستفاضہ وارد ہوئی ہو۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ علمائے قرأت نے زائد حرفِ ''یے'' کے ثابت رکھنے کو، سورۂ کہف (آیت ۷۰) میں **تسئلني** کے ''یے'' کو حذف کر دینے کو، **واكن من الصالحين** (سورۂ منافقون۔ آیت ۱۰) کی قرأت کو اور سورۂ تکویر کی ۲۴ ویں آیت میں **بضنين** کو حرف ''ظ'' سے پڑھنے وغیرہ۔۔۔ کو عبارت کا مخالف شمار نہیں کیا کہ جسے ردّ کر دیا گیا ہو کیونکہ ان سب اختلافات میں معانی کی گنجائش ہے، اس لئے کہ یہ تقریباً (یکساں) ہے اور اس سے ایک ہی معنی نکلتے ہیں اور قرأت کی درستگی، اس کی شہرت اور اس کو قبول کرنا (یہ سب) اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں تو اس طرح یہ اُس مورد سے یکسر مختلف ہے کہ جس میں کسی کلمہ میں کمی بیشی یا تقدیم و تاخیر کر دی جاتی ہے، حتیٰ کہ اگر حروف معانی میں سے صرف ایک حرفی کلمہ ہوتا تب بھی اس کا حکم

پورے کلمہ کا ہی ہوتا یعنی اس میں عبارت قرآن کی مخالفت جائز نہ ہوتی ؛ عبارت کے عین مطابق ہونا اور اس کے مخالف ہونے کی حقیقت میں یہی حدِ فاصل (فرق) ہے۔ (نیز ہمارا یہ کہنا کہ) ''اور اس کی سند بھی صحیح ہو'' سے ہماری یہ مراد ہے کہ اس قرأت کو نقل کرنے والا عادل ہو اور اسے قرأت اچھی طرح سے یاد ہو اور اُس نے بھی کسی ایسے ہی شخص کے ذریعہ نقل کیا ہو جو اس کی طرح سے عادل ہو اور اُسے قرأت اچھی طرح سے یاد ہو حتیٰ کہ جس تک یہ سلسلہ منتہی ہو اُن سب میں یہ دو باتیں پائی جانی چاہئیں۔ کیونکہ انہی خصوصیات کے ساتھ اس سلسلہ کے اُن ائمہ کے نزدیک یہ قرأت مشہور ہوگی کہ جنہوں نے اس پورے سلسلہ کو حفظ کیا ہے اور اُن کے نزدیک غلط یا اُس میں سے شمار نہیں ہوگی کہ جسے کچھ علماء نے بطور شاذ نقل کیا ہے۔

ابن جزری (متوفی ۸۳۳ھ) نے سختی کے ساتھ قرأت کے صحیح ہونے کے لئے تواتر کی شرط کی نفی کی ہے اور کہا ہے: ''متاخرین میں سے کچھ علمائے قرأت نے اس رُکن کو تواتر سے مشروط کیا ہے اور اس سلسلہ میں صرف سند کے صحیح ہونے کو کافی نہیں سمجھا، بلکہ اُنہوں نے یہ خیال کرلیا کہ قرآن صرف تواتر ہی سے ثابت ہوسکتا ہے اور بطور آحاد جو کچھ وارد ہوا ہے اس سے قرآن ثابت نہیں ہوتا۔ اس کلام کا نقص کسی سے مخفی نہیں، اس لئے کہ اگر تواتر ثابت ہو جائے تو اس میں آخری دو رُکن یعنی عبارت وغیرہ کی اِحتیاج نہیں رہے گی، کیونکہ جو اِختلافی طریقے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطور تواتر ثابت ہیں ان کا قبول کرنا اور یہ یقین کرلینا کہ یہ قرآن ہے واجب ہے خواہ وہ عبارت کے مطابق ہو یا اس سے مختلف حالانکہ اگر ہم یہ شرط لگادیں کہ ہر اختلافی طریقہ تواتر سے ثابت ہونا چاہئے تو ایسی صورت میں بے شمار ایسے اِختلافی طریقوں کی نفی کرنی پڑے گی جو ان سات ائمۂ قرأت وغیرہ سے ثابت ہیں۔ گو کہ میں بھی پہلے اسی کی طرف مائل تھا لیکن بعد میں مجھ پر عیاں ہوگیا کہ یہ قول صحیح نہیں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اگلے اور بعد میں آنے والے علماء کا نظریہ صحیح ہے۔ امام کبیر ابو شامہ نے اپنی کتاب **المرشد الوجیز** میں کہا ہے: ''بعد میں آنے والے قاریوں اور ان کے علاوہ مقلدین کی زبانوں پر یہی بات عام ہے کہ قراءات سبع کے سلسلہ کی تمام تر قراءات متواتر ہیں یعنی ان سات ائمۂ قرأت سے منقول ہر جز مستقل طور پر متواتر ہے؛ اُن کا کہنا تھا کہ یقیناً یہ قراءات اللہ کی جانب سے نازل کردہ اور واجب ہیں اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں لیکن صرف اُن روایات کی حد تک کہ جن میں ان سے نقل کرنے والے تمام تر طُرق متفق ہوں، تمام فرقے اُن پر متفق ہوں اور کسی ایک نے بھی ان کا اِنکار نہ کیا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ عام ہوں، مشہور ہوں اور مستفیضہ بھی، تو اگر اُن میں سے بعض کے متواتر ہونے پر متفق نہ ہوں تو کم از کم یہ شرط تو ہونی چاہئے'' (النشر - جلد۱ - صفحہ ۱۳)

عرضِ مؤلف: ابن جزری رحمہ اللہ نے تواتر کو مشروط نہ کرکے بالکل صحیح رائے قائم کی ہے، اس لئے کہ تواتر کیونکر صحیح ہوسکتا ہے جبکہ ان میں ایسے قاری بھی ہیں کہ جن کی آراء ایک دوسرے سے مختلف ہیں؟ نیز اُن کی ایسی اَسانید کا

بیان درست کیسے ہوسکتا ہے جو ایسی روایات پر مشتمل ہیں کہ وہ حدِ تواتر کو نہیں پہنچتیں اور ان میں سے بعض نے تو اپنے طریقہ کی شرح یوں کی ہے کہ دو صحابہ متفق الرائے تھے تو پھر اس طریق کا کیا ہوگا کہ جو ان دونوں صحابہ کے مطابق نہیں۔ چنانچہ یہ کسی طور بھی تواتر میں شمار نہیں کیا جا سکتا (ہاں) طُرق کی کثرت کی وجہ سے استفاضہ ثابت ہے اور مقام عمل میں یہی کافی ہے، اس لئے کہ یہ بھی تواتر ہی کی مانند ہے گو کہ بذات خود تواتر نہیں۔

(اس کی وضاحت) زبان سے ادا کیا گیا اور ہاتھ سے لکھا گیا لفظ کسی چیز کے وجود حقیقی کے تابع ہوتا ہے اور قرآن کی حقیقت وہی ہے کہ جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر وحی کے ذریعہ آخری تقابل کے موقع پر نازل کیا گیا اور وہ ایک ہی قرآن ہے کہ جس میں کوئی اختلاف نہیں اور (واضح رہے کہ) قرآن میں کسی قسم کی بھی زبانی یا کتابت کی غلطی ۔نعوذ باللہ۔ نبی مُرسل پر نازل کردہ قرآن میں غلطی شمار نہیں کی جائے گی۔

نیز یہ ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قرآن کو اپنے ہاتھ سے تحریر نہیں فرمایا، چنانچہ قرآنی عبارت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سُنت نہیں کہ جس کی پیروی کی جاتی ہے اور یہ چیز قرأت کے برعکس ہے، اس لئے کہ قرأت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر منتہی ہونے والی وہ سُنت ہے کہ جس کی پیروی کرنا فرض ہے۔

اس کے علاوہ بھی قرأت اَساس قرآن ہے اور اگر عبارت قرأت سے مختلف ہو تو اس تحریر کو خاطر میں نہیں لایا جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا متفقہ کلام یہی ہے کہ مندرجہ ذیل آیتوں کی بابت عثمانی عبارت قرآن سے مختلف ہے:

۱۔ ﴿ وَلَأَوْضَعُوا ﴾ (سورۂ توبہ - آیت ۴۷)

۲۔ ﴿ لَأَذْبَحَنَّهُ ﴾ (سورۂ نمل - آیت ۲۱)

۳۔ ﴿ وَجائَ ءَ ﴾ (سورۂ زمر - آیت ۶۹)

چنانچہ اگر حقیقت قرآن کے سلسلہ میں صرف عبارت ہی کافی ہوتی تو پہلی دو آیتوں کی قرأت لائے نفی (لا) کے ساتھ بھی صحیح ہوتی جو معنی ہی برعکس کر دیتا ہے حالانکہ ایسی بات تو کوئی بھی نہیں کہتا۔

اسی طرح حقیقت قرآن کے سلسلہ میں صرف اسناد ہی کافی نہیں ہیں خواہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہوں، البتہ یہ اُس وقت کی بات ہے کہ جب روایت حدِ تواتر کو نہ پہنچتی ہو اور استفاضہ اور تواتر کا درجہ ایک ہی ہے بایں معنیٰ کہ ان دونوں کو اسناد کی ضرورت نہیں ہے؛ یہی وجہ ہے کہ شاذ قراءات کو مروی اَحادیث خیال کیا جاتا ہے جو علم الحدیث کے قواعد کے آگے کام نہیں کرتیں جبکہ قرأت کے قواعد کے متعلق ایسی بات نہیں ہے۔

قسطلانی (متوفی-۹۲۳ھ) بیان کرتا ہے: ''صحیح قرأت دو قسموں پر مشتمل ہے: پہلی قسم: وہ ہے کہ جس کی

سند بھی صحیح ہے اور وہ قواعد عربی اور قرآنی عبارت کے مطابق ہے اور اس کی بھی دو ذیلی قسمیں ہیں: (پہلی ذیلی قسم) اتنی عام حد تک نقل کی گئی ہے کہ مستفیضہ بن کر رہ گئی اور ائمہ قرأت نے اسے قبول بھی کیا جس طرح کہ بعض راویوں نے اور بعض معتبر کتابوں میں مستقل طور پر اسے بیان کیا گیا ہے یا جیسے کہ مدّ کے سلسلہ میں قرأت کے مراتب وغیرہ. تو یہ صحیح اور یقینی ہے کہ اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا تھا؛ یہ قسم متواتر قرأت سے مُلحق کر دی گئی ہے گو کہ تواتر کے معیار پر پورا نہیں اُترتی اور جب کوئی عادل شخص کہ جسے اچھی طرح یاد بھی ہو کسی چیز کو منفرد طور پر بیان کرے کہ جس کے متعلق یہ احتمال ہو کہ یہ عربی اور قرآنی عبارت کے مطابق ہے اور اس کا یہ نقل استفاضہ کی حد تک ہو کہ جسے قبول کر لیا گیا ہو تو اس کا قطعی علم حاصل ہو جاتا ہے اور حدیث سے متعلق ائمہ نے یہی تو بیان کیا ہے کہ ''مقبول روایت سے یقین کا افادہ حاصل ہوتا ہے''۔ ابن صلاح نے علم الحدیث میں اس پر تحقیق کی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے یہ کارنامہ سرانجام نہیں دیا حالانکہ اس سے پہلے شیخ ابو اسحٰق شیرازی نے یہ بات کہہ دی تھی اور ابن تیمیہ نے ایک جماعت سے اسے نقل بھی کیا ہے کہ اس جماعت میں یہ علماء بھی شامل ہیں: قاضی عبدالوہاب مالکی، شیخ ابو حامد اسفرائینی، ابو الطیب طبری اور شیخ ابو اسحٰق شیرازی کہ یہ سب شافعی تھے؛ ابن حامد، ابویعلیٰ، ابوالخطاب، ابن زعفرانی کہ یہ سب حنبلی تھے اور شمس الائمہ سرخسی کہ یہ حنفی تھے۔ ابن تیمیہ کہتا ہے: ''یہ اشعری فرقہ کے اہل کلام کا نظریہ ہے جیسے اسفرائینی اور ابن فورک نیز تمام اہل حدیث کا نظریہ ہے اور گذشتہ تمام علماء کا بھی''۔

اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ ایک عادل شخص کہ جسے اچھی طرح یاد بھی ہو اگر قرائن اس کا ساتھ دیں تو اس کی روایت سے یقین کا افادہ حاصل ہوتا ہے۔

دوسری ذیلی قسم: وہ ہے جو صحیح تو ہے لیکن اُسے قبول نہیں کیا گیا اور نہ ہی وہ مستفیضہ ہے اور اس سلسلہ میں بے شمار علماء کے کلام سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ اس کی قرأت اور نماز میں بھی اس کو پڑھنا جائز ہے۔

دوسری قسم: وہ صحیح قرأت ہے جو عربی قواعد کے مطابق ہے اور اُس کی سند بھی صحیح ہے لیکن قرآنی عبارت سے مختلف ہے، جس طرح کہ صحیح روایت میں کمی بیشی، ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے بدل دینے اور اس قسم کی ایسی چیزیں وارد ہوئی ہیں جو ابن مسعودؓ وغیرہ سے منقول ہیں اور ہمارے زمانے میں ایسی قرأت کو شاذ کا نام دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ اُس قرآنی عبارت سے یکسر مختلف ہے کہ جس پر سب متفق ہیں گو کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔ لہٰذا اس کی قرأت جائز نہیں ہے، نہ نماز میں اور نہ ہی کسی اور موقع پر۔

لیکن جہاں تک اس روایت کی بات ہے جو قرآن کے معنیٰ اور عبارت کے مطابق ہے یا ان دونوں میں سے کسی

ایک میں قرآن کے مطابق ہے لیکن اسے نقل نہیں کیا گیا تو اسے شاذ کا نام نہیں دیا جائے گا، بلکہ یہ ایک من گھڑت ہے اور اس پر اعتماد کرنے والے کو کافر قرار دیا جائے گا'' (لطائف الاِشارات۔ جلد۱۔ صفحہ۷۲)

(خلاصہ) جن سات قرائات کو ابن مجاہد (متوفی۔ ۳۲۴ھ) نے سات بنایا تھا اس کے مقابلہ میں اختیار کئے گئے موقف کے مطابق ہم پر لازم ہے کہ حسب ذیل دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کریں:

اوّل: یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اِن ساتوں قرائات کے مطابق قرأت کی تھی جبکہ عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی، اس لئے کہ جب آخری مرتبہ تقابلی طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے قرآن پیش کیا گیا تھا تو اس حساب سے تو لازمی طور پر صرف ایک ہی قرأت کے مطابق پڑھا ہوگا اور کسی ایک ہی لفظ کو سات مرتبہ تکرار کرنا انتہائی عربی بدذوقی کی علامت سمجھی جاتی ہے (اس کے علاوہ بھی) خود ساتوں قاریوں کے اَصحاب نے ان کے انتخابات کی ایسی وجوہات بیان کی ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کے انتخابات کی سند بعض قرأت میں تحریر شدہ نص پر منتہی ہوتی ہے۔

دوّم: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آخری مرتبہ پیش کئے جانے والے قرآن سے پہلے ان ساتوں قرأت کے مطابق مختلف اوقات میں قرأت کی تھی تو اس کی وہی صورتحال ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اُن مروی اَحادیث کی ہیں کہ جنہیں اُن کی حیات مبارکہ کے مختلف مراحل میں وقتاً فوقتاً نقل کیا گیا اور یہ ایسی بات ہے کہ تواتر کے دعویداروں میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے اور اگر یہ بات صحیح ہوتی تب بھی اسے خاطر میں نہ لایا جاتا، اس لئے کہ معتبر صرف وہی ہے جسے سب سے آخر میں پیش کیا گیا۔

(سچ تو یہ ہے کہ) تواتر کے دعویدار ایسی بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ جس کا دعویٰ خود ان سات قاریوں نے بھی نہیں کیا، لہٰذا اُن کی اَسانید اگرچہ مستفیضہ ہیں لیکن تواتر کے ساتھ ان کا سلسلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تک نہیں ملتا تو ایسی صورت میں بات انہی سات قرائات کے اردگرد گھومتی رہے گی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے منسوب ہیں اور استفاضہ کی حد کو پہنچ چکی ہیں جبکہ اس سلسلہ میں ایسی کوئی شرعی دلیل نہیں کہ جس کی بنیاد پر ان میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے لہٰذا ان سب کو قبول کرنا ضروری ہے اگرچہ اس کو عملی جامہ پہنانا ممکن نہیں ہے سوائے اس کے کہ (قاری کو) یہ اختیار دے دیا جائے کہ جس قرأت کے مطابق چاہے قرأت کرلے یا ان کے متعلق اجتہاد سے کام لے جس طرح کہ طبری نے اپنی تفسیر میں یہی کیا ہے مگر چونکہ عام افراد کے لئے اجتہاد ممکن نہیں لہٰذا صرف اختیار ہی باقی رہ جاتا ہے اور یہی علمی لحاظ سے اس کا واحد حل ہے۔

یہی وجہ تھی کہ الحدائق کے مؤلف بحرانی (متوفی۔۱۱۸۶ھ) نے کہا تھا کہ جار اللہ زمخشری سات قرائات کے تواتر

کا منکر ہے اور وہ کہتا ہے کہ صحیح قرأت وہی ہے کہ جس کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرأت کی کیونکہ یہی کامل واتم ہے اور اپنی نوعیت کی یکتا ہے نیز ایک نمازی اُسی صورت میں اپنے واجب سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے کہ جب وہ تمام تر اختلافی وجوہات کے مطابق قرأت کرے جیسے مالک ، ملک ، صراط اور سراط وغیرہ . . -تمام شُد-

جو وضاحت اور توجیہ ہم نے بیان کی ہے اس کی بناء پر تو یہ بہت عمدہ بات کہی گئی ہے اور اگر ائمہ معصومین علیہم السلام ہمیں قرأت کے سلسلہ میں اس طرح سے پڑھنے کی اجازت نہ دیتے کہ جس طرح سے عوام الناس پڑھتے ہیں تو ہم پر واجب ہو جاتا کہ ہم بیان کردہ طریقہ کے مطابق قرأت کریں (الحدائق - جلد ۸ - صفحہ ۱۰۲)

شاذ قرائات

کواشی کی یہی رائے ہے کہ جو قرأت بھی مذکورہ تین ارکان پر مشتمل نہ ہو ابن جزری (متوفی - ۸۳۳ھ) کے بیان کے مطابق وہ شاذ ہے: ''شیخ الامام عالم اور ولی موفق الدین ابو العباس احمد ابن یوسف کواشی موصلی نے اپنی تفسیر کی کتاب التبصرۃ کے آغاز میں کہا ہے: ہر وہ قرأت کہ جس کی سند صحیح ہو، عربی قواعد کے مطابق ہو اور اس کی عبارت عین مصحف امام کی عبارت کے موافق ہو تو وہ اُن سات قرائات میں سے ہوگی کہ جن پر نص قائم کی گئی ہے خواہ اُسے ستر ہزار راویوں نے مل کر بیان کیا ہو یا الگ الگ۔ اسی مذکورہ بیان کی بنیاد پر قرائات کو قبول کیا جاتا ہے خواہ سات کے حوالے سے منقول ہو یا سات ہزار سے منقول ہو اور جب کبھی اس میں مذکورہ تین ارکان میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہوگا تو اُسے شاذ قرأت سمجھنا چاہئے۔ -تمام شُد-'' (النشر - جلد ۱ - صفحہ ۴۴)

امام وعلامہ شیخ الشافعیہ اور محقق علوم شرعیہ ابو الحسن علی ابن عبد الکافی سبکی نے شرح المنهاج میں نماز کی توصیف بیان کرتے ہوئے کہا ہے: ''وہ کہتے ہیں یعنی ہمارے فقہاء ساتھی کہ دوران نماز اور اس کے علاوہ بھی قرائات سبع کے مطابق قرأت کرنا جائز ہے اور شاذ قرائات کے مطابق جائز نہیں ہے؛ بظاہر یہ کلام انسان کو اس وہم میں مبتلا کر دیتا ہے کہ سات کے علاوہ جو بھی قرأت ہے اس کا شمار شاذ قرائات میں ہوتا ہے حالانکہ بغوی نے اپنی تفسیر کے آغاز میں ہی ان سات مشہور قرائات کے ساتھ ساتھ یعقوب اور ابو جعفر کی قرأت کے مطابق قرأت کرنے پر بھی اتفاق کو نقل کیا ہے، اس نے کہا تھا: یہی قول صحیح ہے! اب یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ سات مشہور قرائات کے علاوہ دیگر قرائات دو قسموں پر مشتمل ہیں: ایک تو وہ جو قرآنی عبارت سے مختلف ہے اور اس میں تو کوئی کلام ہی نہیں کہ نہ اس کی قرأت نماز میں جائز ہے اور نہ ہی کسی اور موقع پر؛ دوسری قسم وہ ہے جو قرآنی عبارت سے مختلف نہیں ہے مگر اس کی قرأت مشہور نہیں ہوئی اور ایسی قرأت صرف انوکھے طرق

کے ذریعہ نقل کی گئی ہوتی ہے کہ جن پر اعتماد نہیں کیا جاتا اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے مطابق قرأت کرنا بھی ممنوع ہے اور اسی میں وہ قرأت بھی شامل ہے کہ جو اس سلسلہ کے قدیم وجدید ائمۂ قرأت کے حوالے سے مشہور ہوگئی ہے اور اس کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ بھی نظر نہیں آتی اور یعقوب وغیرہ کی قرأت بھی اسی ڈھنگ پر منقول ہے جبکہ بغوی نے کہا ہے کہ اس سلسلہ میں جو ایسی قرأت پر اعتماد کرے اُس کے لئے لازم یہی ہے کہ وہ قاری ہو اور جمیع علوم کا فقیہ بھی، پھر وہ کہتا ہے: اور اسی طرح کی تفصیل ان قراءات میں بھی ہے جو ان سات قاریوں سے بطور شاذ وارد ہوئی ہیں، کیونکہ ان کے حوالے سے بے شمار چیزیں بطور شاذ نقل کی گئی ہیں۔ - تمام شد -'' (النشر - جلد۱ - صفحہ۴۴)

ابن جنی (متوفی - ۳۹۲ھ) نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ شاذ کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہوا ہے کہ جب سے ابن مجاہد نے قراءات کو سات میں منحصر کیا، کیونکہ اس نے قراءات کو دو قسموں میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد کہتا ہے: ''ایک قسم تو وہ ہے کہ جس پر تمام شہروں کے اکثر قاری متفق ہیں اور یہ وہی قسم ہے کہ جسے ابوبکر احمد ابن موسیٰ ابن مجاہد (رحمہ اللہ) نے اپنی قراءات السبعۃ نامی کتاب میں قلمبند کیا ہے: اور وہ اپنی شہرت کی بناء پر اس کی تشخیص سے بے نیاز ہے۔

جبکہ دوسری قسم وہ ہے جو اس سے بھی بڑھ کر ہے اور اُسے ہمارے زمانہ کے علماء نے شاذ کا نام دیا ہے یعنی مذکورہ سات قاریوں کی قراءات کے اس دائرہ سے خارج ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کے قاریوں کا قابل وثوق ہونا بھی محل نزاع ہے اور اس کے آگے پیچھے کئی روایات ہیں اور ایسی قرأت یا اس کا بیشتر حصہ فصاحت کے متفقہ معیار کے مطابق ہے۔ ہاں، کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی اور کے مقابلہ میں اس میں فنی لطافت اور فصاحت سے متعلق زیادہ سختی پائی جاتی ہے، اس کے قوی اسباب نے اسے پائیداری دی ہوتی ہے اور اعراب کے معاملہ میں اس کے قدم جمے ہوئے ہیں۔ (المحتسب - صفحہ ۳۲۰ - مطبوعہ ۱۳۸۶ھ)

شیخ محمد سعید عریان نے بڑی انوکھی بات کہی ہے، کیونکہ اس کا خیال یہ ہے کہ حتیٰ کہ قراءات سبع میں بھی شاذ روایات ہیں، چنانچہ کہتا ہے: ''کوئی قرأت بھی شاذ روایات سے محفوظ نہیں ہے حتیٰ کہ سات مشہور قراءات بھی نہیں، کیونکہ ان میں بھی ایسی کچھ باتیں پائی جاتی ہیں''۔

ان علماء کے نزدیک مؤثق سند کے لحاظ سے صحیح ترین قراءات عاصم اور نافع کی ہیں جبکہ مختلف طریقوں سے فصیح تر قراءات ابوعمرو اور کسائی کی ہیں۔ (اعجاز القرآن - مؤلف: رافعی - اشاعتِ چہارم - صفحہ۵۲)

جب فصاحت کے معیار پر پورا اُترنے کی بات آتی ہے تو عربی اَدبیات میں خصوصی اجتہاد کیا جاتا ہے اور اسی بناء پر ہم قطعی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص نے یہ رائے قائم کی ہے کہ کسائی اور ابوعمرو کی قراءات زیادہ فصیح ہیں یقیناً اُسی نے

قرأت کی تخصیص کے سلسلہ میں اپنے خصوصی اجتہاد کا سہارا لیا ہوگا۔

اب ہمارے سامنے سند کے لحاظ سے صحیح ترین قرأت کی بات رہ گئی تو آپ قارئین نے یہ بھی جان لیا ہے کہ علماء کے نزدیک عاصم (متوفی-۱۲۸ھ) اور نافع (متوفی-۱۶۹ھ) کی قرأت سب سے زیادہ صحیح ہیں اور یہ تقریباً امام جعفر صادق علیہ السلام (شہادت-۱۴۸ھ) اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (شہادت-۱۸۳ھ) کے زمانہ کے مطابق ہے۔

روایت اور عبارت کے شاذ ہونے کے سلسلہ میں قاضی نے ایک تفصیل بیان کی ہے، چنانچہ اس کا کہنا ہے:

''یہیں سے پتا چلتا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک شاذ وہی ہے جو تواتر کے ذریعہ ثابت نہ ہو جبکہ مکی اور اس سے متفق علماء کے نزدیک شاذ وہ ہے جو قرآنی عبارت سے مختلف ہو یا عربی قواعد کے مخالف اور اس صورت میں خواہ قابل وثوق افراد سے ہی منقول کیوں نہ ہو، یا پھر وہ شاذ ہے جو قرآنی عبارت اور عربی قواعد کے مطابق تو ہو لیکن اُسے کسی قابل وثوق راوی نے نقل نہ کیا ہو یا پھر راوی تو قابل وثوق ہو لیکن اسے قبول نہ کیا گیا ہو اور نہ ہی استفاضہ یا شہرت کے درجہ پر ہو۔ (القرائات الشاذۃ۔ صفحہ ۷)

سیوطی (متوفی-۹۱۱ھ) نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ سب سے پہلے جس نے شواذ کا اہتمام کیا وہ قاری (ہارون) ابن موسیٰ اعور (کانا) نحوی ازدی ابوموسیٰ کا حلیف ہے اور بقولے ابوعبداللہ بصری صاحب قرآن ولغت عربی ہے نیز اس نے طاؤس یمانی اور ثابت بنانی سے سنا تھا؛ خطیب کہتا ہے: یہ پہلے یہودی تھا اور بعد میں مسلمان ہوگیا اور اس کے بعد قرأت کی تلاش میں نکل پڑا؛ اس سلسلہ میں چوٹی کا عالم تھا اور اس نے علم نحو کو صحیح طرح سے سیکھا اور اس کو یاد بھی کیا اور اس کے بعد بیان کرنا شروع کر دیا، یہ پہلا شخص ہے کہ جس نے قرآن کے مختلف طریقوں کی بابت غور وخوض کیا، انھیں تالیف کیا، ان میں کے شاذ طریقہ کو تلاش کیا اور اس کی اسناد کی تحقیق کی اور یہ کٹر قدری تھا[1] اور ابن معین نے اسے قابل وثوق قرار دیا ہے جبکہ امام بخاری وامام مسلم نے اس کی روایات کو نقل کیا ہے۔ ایک روز اس نے کسی انسان سے مناظرہ کیا تو یہ اس پر غالب آ گیا اور مغلوب کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اب کیا کرے لہٰذا اس سے کہنے لگا کہ تم تو یہودی تھے اور بعد میں اسلام قبول کیا ہے تو ہارون نے اس سے کہا: تم نے بہت برا کیا ہے اور اس سلسلہ میں وہ بھی اس پر غالب آ گیا، اس کا انتقال ۱۷۰ھ کی حدود میں ہوا تھا۔ (بغیۃ الوعاۃ۔ صفحہ ۴۰۶۔ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ)

ہذلی کی رائے یہ ہے کہ شاذ وہ ہے جو دو رکن پر مشتمل ہو یعنی صحیح السند اور قرآنی عبارت کے مطابق ہو۔ ابن جزری (متوفی-۸۳۳ھ) نے اور اپنی کتاب الکامل میں ابوالقاسم ہذلی نے کہا ہے: کسی کو یہ کہنے کا حق حاصل نہیں ہے کہ زیادہ روایات بیان نہ کرو اور جو قرأت اس تک نہیں پہنچی اسے وہ شاذ کا نام دیتا ہے، اس لئے کہ جو قرأت بھی کی گئی اور جو روایت بھی نقل کی

---

[1] قدریہ فرقہ سے تعلق رکھنے والا جو انسان کو فاعلِ مختار سمجھتا ہے۔

گئی ہے اگر وہ مصحف امام کی عبارت کے مطابق ہے اور اجماع کے مخالف بھی نہیں ہے تو وہ صحیح ہے" (النشر - جلد۱۔ صفحہ ۳۷)

لیکن ہمارے زمانے میں قاریوں کے درمیان جو بات متفقہ طور پر کہی گئی ہے وہ یہی تین ارکان ہیں کہ جن کی تفصیل ابن جزری (متوفی - ۸۳۳ھ) نے بیان کی ہے، یعنی: ۱۔ سند کا صحیح ہونا ۲۔ عربی قواعد کے عین مطابق ہونا ۳۔ مصحف امام کی عبارت کے موافق ہونا خواہ کسی اور نسخہ کے موافق نہ بھی ہو۔

شواذ کی تعداد

بناء (متوفی - ۱۰۸۲ھ) نے اسے چار قاریوں میں منحصر کیا ہے جو یہ ہیں: حسن بصری (متوفی - ۱۱۰ھ)، ابن محیصن (متوفی - ۱۲۳ھ) اعمش (متوفی - ۱۴۸ھ) اور یحییٰ یزیدی (متوفی - ۲۰۲ھ) نیز اس کا کہنا ہے: "جب متواتر اور غیر متواتر کی بات آ جائے تو اس لحاظ سے قرائات کی تین اقسام ہیں: ایک وہ قسم ہے کہ جس کے متواتر ہونے پر سب متفق ہیں، دوسری قسم میں مشہور قرائات سبع شمار کی جاتی ہیں اور تیسری قسم میں اختلاف پایا جاتا ہے اور صحیح ترین، بلکہ صحیح منتخب اور مشہور قول یہی ہے کہ یہ قرائات متواتر ہیں اور اس کی تفصیل گزر گئی اور وہ تین قاری ان کے بعد ہیں۔

نیز ایک قسم وہ ہے کہ جس کے شاذ ہونے پر سب متفق ہیں اور وہ باقی چار قاری ہیں۔ میں نے سابقہ ترتیب کے مطابق سات قاریوں کی قرأت کو سب سے پہلے بیان کیا، ان کے بعد تین کو اور ان کے بعد چار کو۔ پس اگر تین قرّاء میں سے کسی نے بھی ان سات میں سے کسی کی پیروی کی ہے تو میں نے اسے بھی ان کے ساتھ ملا دیا ہے مثلاً ابوجعفر اور اس سلسلہ میں اپنی کتاب لطائف الإرشادات کی روش اختیار کی ہے کہ وہی میری اصلی مراد ہے۔ لہٰذا اگر چار میں سے کسی کے بھی موافق ہے تو اس قرأت پر گفتگو مکمل کر لینے کے بعد میں نے کہا ہے کہ مثلاً حسن نے ان کی موافقت کی ہے۔

اور اگر مختلف ہے تو میں نے کہا ہے کہ مثلاً حسن سے اس طرح منقول ہے۔ یہ تو اُصول میں کہا ہے لیکن فرش میں لفظ اس طرح (کذا) کو اکثر مقامات پر قلم انداز کر دیا ہے اور اس کی وجہ اختصار کلام ہے" (اتحاف فضلاء البشر - جلد۱۔ صفحہ ۸۰)

شواذ کو ان چار قرائات میں منحصر کر دینا ایک عجیب و غریب بات ہے، اس لئے کہ مفہوم شاذ کے تعین کے لئے جن قواعد و ضوابط کو بیان کیا گیا ہے وہ مختلف ہیں اور ان کے مختلف ہونے کی وجہ سے شواذ کی تعداد منحصر نہیں ہو سکتی اور جس طرح کہ ابن جنی (متوفی - ۳۹۲ھ) نے المحتسب میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے شواذ سے متعلق لکھی گئی کتابوں میں بے شمار موارد شامل کئے گئے ہیں (ملاحظہ کیجئے مطبوعہ ۱۳۸۶ھ - قاہرہ)

شاذ قرأت کے اَحکام

ابن جزری (متوفی-۸۳۳ھ) نے شاذ قرأت کے مطابق نماز میں قرأت کے اَحکام پر توجہ دیتے ہوئے کہا ہے: ''سات مشہور قرائات کے علاوہ دیگر قرائات کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جو قرآنی عبارت سے مختلف ہے اور اس میں تو شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ اس کے مطابق قرأت کرنا نہ تو نماز میں جائز ہے اور نہ ہی کسی اور موقع پر جبکہ دوسری قسم وہ ہے جو قرآنی عبارت سے مختلف نہیں ہے اور نہ ہی ان کے مطابق قرأت کرنا مشہور ہے بلکہ ان کا طریق اتنا انوکھا ہے کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے مطابق قرأت کرنا بھی ممنوع ہے جبکہ ایک قسم ایسی بھی ہے کہ قدیم و جدید ائمۂ قرأت کے نزدیک اس کے مطابق قرأت کرنا مشہور ہے تو اس سے ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور یعقوب وغیرہ کی قرأت اسی طرز پر ہے۔ بغوی نے کہا ہے کہ اس پر اعتماد کرنے والے کے لئے سزاوار یہی ہے کہ وہ قاری ہو اور جمیع علوم کا فقیہ بھی اور کہا ہے کہ یہی تفصیل سات قرأتوں کی شاذ روایات کی بھی ہے، اس لئے کہ ان سے نقل کی گئی بے شمار باتیں شاذ ہیں'' (النشر - جلد ا - صفحہ ۴۴)

شواذ کے مزید دفاع میں ابن جزری کہتا ہے: ''ہمارے بعض ائمۂ قرأت کہتے تھے کہ جو شخص شاذ قرأت کے مطابق پڑھنا حرام گردانتا ہے تو اس کے مطابق ایک صحابی عالم اور اُن کے پیروکار تو حرام کے مرتکب ہو گئے کہ انہوں نے شاذ قرأت کو پڑھا تھا اور ایسی صورت میں تو جو شخص ہمہ وقت حرام کا مرتکب ہوتا ہو اُس کی خبر حجت نہیں بن سکتی حالانکہ یہ لوگ تو اسلامی شریعت کو نقل کرنے والے ہیں اور اس طرح سے تو ہر وہ چیز پایۂ اعتبار سے گر جائے گی جسے انہوں نے نقل کیا ہے اور ان لوگوں کے کہنے کے مطابق تو پورا اسلامی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا، نعوذ باللہ! مزید کہتا ہے: اس سے تو یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو شاذ قرأتوں کے مطابق پڑھتے تھے اُنہوں نے کبھی نماز ہی نہیں پڑھی ہوگی، کیونکہ ایسی قرأت حرام قرار دی جا چکی ہے اور واجب میں فعل حرام شامل ہو جائے تو اس کی اَدائیگی نہیں ہوتی جبکہ مجتہد العصر ابوالفتح محمد ابن علی ابن دقیق العید اس مسئلہ میں بات کو اُلجھاتے ہوئے کہتا ہے: شاذ قرائات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بطور آحاد نقل کی گئی ہیں تو ایسی صورت میں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے شاذ کے مطابق قرأت کی تھی گو کہ اسے مُعیّن نہیں کیا تھا۔ مزید کہتا ہے: پس اگرچہ کسی مخصوص شخص کے ذریعہ متعین نہیں ہوئی لیکن یہی قرأت متواتر ہو گئی تو پھر اسے شاذ کا نام کیونکر دیا جا سکتا ہے حالانکہ شاذ تو متواتر ہو ہی نہیں سکتی؟'' (النشر - جلد ا - صفحہ ۱۵)

ابن جنی (متوفی-۳۹۲ھ) کا نظریہ یوں ہے کہ شاذ ایسی حجت شرعی ہے جس پر رضامندی کا اظہار کیا گیا ہے اور وہ کہتا ہے: ہم اس موسوم کی قوت کو شاذ خیال کرتے ہیں اور یہ وہی ہے کہ جس کو قبول کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور ہم

سے یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کے مطابق عمل کریں کہ یہ اس کے نزدیک محبوب ہے اور اس قول ہی میں اس کی خوشنودی ہے۔ ہاں، زیادہ سے زیادہ جو اعتراض اس پر وارد ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے علاوہ دیگر جن قرائات پر علماء متفق ہیں وہ اعراب کے لحاظ سے اس سے قوی تر ہیں اور اس سے زیادہ قابل قیاس بھی، کیونکہ ان دونوں قسموں کی اسناد گذشتہ علماء (رضی اللہ عنہم) پر منتہی ہوتی ہیں لہٰذا اگر ان میں کوئی عیب ہوتا یا ان پر عمل کرنا ممنوع ہوتا تو سات قاریوں میں سے بعض کے پڑھے گئے اعراب کو جو ضعیف قرار دیا گیا ہے تو اُن کا حال بھی بعینہٖ یہی ہوتا اور اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ابن کثیر کی قرأت میں لفظ ضــــــاء، دو ہمزہ کے درمیان الف کے ساتھ، کی قرأت ضعیف ہے اور ابن عامر کی قرأت میں وكذلك زين لكثير من المشركين قتل اولادهم شركائهم (سورۂ انعام۔ آیت ۱۳۷) کی قرأت بھی۔ ہم اسے اور اس جیسی دیگر مثالوں کو اُن کے اپنے مقامات پر ذکر کریں گے کہ جہاں ہم نے اسے دیگر مثالوں کے ساتھ متصل کر دیا ہے، حالانکہ ان سب کے باوجود بھی اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ (المحتسب۔ جلد۱۔ صفحہ۳۳۔ مطبوعہ ۱۳۸۶ھ)

قاضی نے ان اقوال کا ایک درمیانی حل نکالا ہے، لہٰذا اُس کا کہنا ہے: ''اس وجہ سے وہ قرائات کہ جنہیں صرف چار ائمۂ قرأت نے بیان کیا ہے یا ان میں سے کسی ایک نے یا ان کے راویوں میں سے کسی ایک راوی نے تو جمہور کی رائے کے مطابق ایسی قرأت کے مطابق پڑھنا کسی حالت میں جائز نہیں ہے چاہے عربی قواعد اور قرآنی عبارت کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ ان کا طریق متواتر نہیں ہے''۔

مکی اور ابن جزری کی رائے کے مطابق ہر اس قرأت کے مطابق قرأت کرنا جائز ہے جو عربی قواعد اور قرآنی عبارت کے مطابق واقع ہوئی ہو بشرطیکہ صحیح السند ہو، شہرت اور استفاضہ کے درجہ پر ہو اور اسے قبول کیا گیا ہو۔

جب آپ نے یہ جان لیا کہ شاذ قرأت کا پڑھنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے تو اب یہ بھی جان لیجئے کہ ان کا سیکھنا اور سکھانا، کتابوں میں انہیں درج کرنا، لغت، اعراب اور معنٰی کے لحاظ سے ان کی مختلف وجوہات اطریقے بیان کرنا، اس قول کے مطابق کہ ان کے ذریعہ دلیل قائم کرنا درست ہے ان سے شرعی احکام کا استنباط کرنا اور ان کے ذریعہ عربی زبان کے قواعد میں سے کسی بھی قاعدہ کی دلیل قائم کرنا جائز ہے اور قدیم وجدید علماء کے فتاویٰ بھی اس سے متفق ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (القرائات الشاذة۔ صفحہ۸)

اسی سلسلہ میں اپنی ایک کتاب القرائات الشاذة کو تالیف کیا ہے اور عربی زبان کے قواعد کے مطابق شاذ قرأتوں کی توجیہات بیان کی ہیں اور یہ کتاب عیسی، باب حلبی۔ قاہرہ سے ۱۳۷۱ھ میں شائع ہوئی تھی۔

عاملی (متوفی۔۱۲۲۶ھ) کا کہنا ہے: ''ہمارے اکثر (شیعہ) علماء نے کہا ہے کہ متواتر قرأت کے مطابق پڑھنا

واجب ہے اور یہ سات ہیں۔ جامع المقاصد میں اس کے تواتر پر قائم شدہ اجماع کو نقل کیا ہے اور اسی طرح العریة اور الروض میں بھی علماء کے اجماع کو نقل کیا ہے جبکہ مجمع البرهان میں اس سلسلہ میں کسی بھی اختلاف کی نفی کی گئی ہے اور اُصولی اور فقہی کتابوں میں تواتر سے موصوف کیا گیا ہے، جیسے المنتهیٰ، التحریر، التذکرة، الذکری، الموجز الحاوی، کشف الإلتباس، المقاصد العلیة اور المدارک وغیرہ میں جبکہ ایک جماعت نے کسی جماعت کے حوالے سے اس پر اجماع کو نقل کیا ہے اور اسی طرح سے ان کے مطابق قرآنی نسخہ تحریر کرنا اور ان کے متعلق کتابیں تدوین کرنا حتیٰ کہ ان کے ایک ایک حرف اور ان کی ایک ایک حرکت کو شمار کیا جانا اس بات کی دلیل ہے ان کا تواتر سے ثابت ہونا یقینی ہے جس طرح سے کہ مجمع البرهان میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور فطرت انسانی کا یہی تقاضا ہے کہ قرآن کریم کا ہر جزء، لفظ اور اس کی تمام حرکات وسکنات متواتر ہوں اور انہیں ان کی مناسب جگہوں پر رکھا گیا ہو اس لئے کہ اس کو نقل کرنے کے دعویدار بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں کہ جن میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ تمام تر اَحکام کا سرچشمہ یہی ہے اور ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو اس دعوے کو باطل کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ایک معجزہ ہے تو علماء نے اس کی مخالفت یا اس میں شک کرنے والے کی مخالفت کی بالکل پروانہیں کی'' (مفتاح الکرامة۔ جلد۲۔ صفحہ ۳۹۶)

مکی ابن محمد قیسی (متوفی۔ ۴۳۷ھ) کے حوالے سے قرأت سے متعلق یہ تفصیل منقول ہے کہ کس قرأت کا پڑھنا جائز ہے اور کس قرأت کا پڑھنا جائز نہیں ہے؟ حاصل کلام یہ ہے کہ پورا قرآن متواتر ہے، وہ کہتا ہے: ''اگر کوئی سائل یہ سوال کرے کہ قرآن کا کون سا حصہ قبول کیا جائے تاکہ اس کی قرأت کی جاسکے؟ نیز وہ کون سا حصہ ہے کہ جو مقبول نہیں ہے اور اس کی قرأت بھی نہیں کیا جائے گی؟ اور وہ کون سا حصہ ہے کہ جو مقبول تو ہے مگر اس کی قرأت نہیں کی جائے گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کے متعلق جو کچھ بھی مروی ہے ان سب کی تین اَقسام ہیں: ایک وہ قسم ہے کہ جسے آجکل بھی پڑھا جاتا ہے اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب اس حصہ میں تین خصوصیات پائی جائیں اور وہ یہ ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قابل وثوق اَفراد نے نقل کیا ہو، اس کا طریقہ اس عربی کے مطابق ہو کہ جس میں اللہ نے قرآن کو نازل کیا تھا اور قرآنی عبارت کے عین موافق ہو۔ لہٰذا اگر اس میں یہ تین خصوصیات موجود ہوں تو اس کی قرأت کی جائے گی نیز اس کے پس پردہ ہونے، اس کی درستگی اور اس کی صداقت کا قطعی علم حاصل ہے اس لئے کہ قرآنی عبارت کی مطابقت کی جہت سے اسے اجماع سے حاصل کیا گیا ہے اور اس کا انکار کرنے والے کو کافر قرار دیا جاتا ہے؛ مزید کہتا ہے: (دوسری قسم) وہ ہے کہ آحاد سے بالکل صحیح نقل کی گئی ہے اور عربی قواعد کے لحاظ سے بھی صحیح طرز پر ہے مگر اس کے الفاظ مصاحف کی عبارت کے مطابق نہیں ہیں تو اسے قبول کرلیا گیا ہے لیکن خبر واحد کے ذریعہ نقل کئے جانے کی وجہ سے اس کی قرأت نہیں کی جائے گی اور

دوسری علت یہ ہے کہ یہ اس بات سے مختلف ہے کہ جس پر اجماع قائم کیا گیا ہے لہٰذا اس کے پس پردہ ہونے اور اس کی درستگی کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا اور جس کے صحیح ہونے سے متعلق قطعی رائے قائم نہ کی جاسکے اس کی قرأت کرنا بھی جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کے منکر کو کافر قرار دیا جاسکتا ہے حالانکہ اگر وہ اس کا انکار کرتا ہے تو اس نے کتنا بُرا فعل انجام دیا! پھر کہتا ہے: (تیسری قسم) وہ ہے کہ جسے قابل وثوق شخص نے نقل نہیں کیا یا اُسے نقل تو قابل وثوق شخص نے کیا ہے لیکن عربی میں ایسا کوئی طریقہ ہی نہیں پایا جاتا تو ایسی قرأت کو قبول نہیں کیا گیا خواہ قرآنی عبارت کے عین مطابق ہی واقع ہوئی ہو۔ کہتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک قسم کے انسان کا (اس سلسلہ میں) اپنا ایک کردار ہے کہ کلام کو مختصر کرنے کی غرض سے ہم اُن کا ذکر نہیں کررہے۔ (التبصرة۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۴)

عرضِ مؤلف: اس تفصیل کا کوئی ماحَصَل نہیں، کیونکہ جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ قرآن وہ ہے کہ جس میں تینوں اَرکان یکجا ہوگئے ہیں یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حوالے سے ثقہ راویوں نے نقل کیا ہے، عربی قواعد کے مطابق ہے اور اس کی عبارت بھی موافق ہے جو کہ پہلی قسم ہے تو اس کے علاوہ کوئی شے قرآن نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس پر قرآن کے اَحکام جاری ہوں گے اور اس کی بات کا مرجع قرآن ہے جو تواتر سے ثابت ہے اگرچہ بغیر تواتر کے قابل وثوق راویوں سے نقل کیا گیا ہو۔ جیسا کہ مؤلف مذکور نے اس پر نص قائم کی ہے۔ تو اس کا حکم اُن آحاد روایات کا سا ہوگا جنہیں قابل وثوق مگر ایک ہی شخص سے نقل کیا جاتا ہے گو کوئی بھی مسلمان شخص اس کا قائل نہیں۔

اہلبیتؑ کی قرأت

اہلبیت علیہم السلام کی ایک مخصوص قرأت ہے جو نہ اُموی دَور میں مشہور ہوئی اور نہ ہی عباسی دور میں گو کہ قرأت سے متعلق کتابوں میں اس کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، پس حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ایک قرأت تھی کہ جس کی طرف مآخذ میں اشارہ ملتا ہے۔

طبری (متوفی۔ حدود ۵۰۲ھ) نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿و اذ اسرّ النبی الیٰ بعض ازواجه حدیثا﴾ (سورۂ تحریم۔ آیت ۳) کے متعلق کہا ہے: ''صرف کسائی نے (اس آیت میں موجود) لفظ عَرَفَ یعنی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ دیگر سب نے عـرّف یعنی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور تخفیف کو ابوبکر ابن عیاش نے بھی منتخب کیا ہے نیز یہ اُن دَس حروف میں سے ہے کہ جن کے متعلق اس نے کہا تھا کہ میں نے ان حروف کو علی ابن ابی طالب علیہما السلام کی قرأت سے عاصم کی قرأت میں شامل کرلیا ہے، حتیٰ کہ میں نے اُن کی قرأت ۔یعنی حضرت علی علیہ السلام۔ کی قرأت کو منتخب کیا اور یہی حسن

اورابوعبدالرحمٰن سلمی کی قرأت ہے اورابوعبدالرحمٰن کا تو یہ عالم تھا کہ جب کوئی انسان اسے تشدید کے ساتھ پڑھتا تھا تو یہ اُسے کنکر مارتا تھا'' (مجمع البیان۔ جلد۵۔ صفحہ۳۱۲۔ مطبوعہ ۱۳۵۶)

کچھ قاریوں نے حضرت علی علیہ السلام سے قرأت اخذ کی تھی کہ ان میں مشہورترین افراد کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔عبداللہ ابن عباسؓ (متوفی۔۶۸ھ)

۲۔سعید ابن جبیر کوفی (متوفی۔۹۵ھ)

۳۔ابوعبدالرحمٰن سلمی (متوفی۔۴۷ھ) اور یہی شخص عاصم کی قرأت کا اُستاد ہے۔ جو ہمارے زمانے میں مشہور ہے۔

اسی طرح کچھ لوگوں نے حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی قرأت کے متعلق قراءۃ امیر المؤمنین کے عنوان سے کتابیں تألیف کی ہیں کہ ان میں مندرجہ ذیل افراد بھی شامل ہیں:

۱۔ابوعبداللہ محمد ابن عباس ابن حجام (متوفی۔۳۲۸ھ) کہ شیخ طوسی (متوفی۔۴۶۰ھ) نے اس کا تذکرہ اپنی کتاب الفہرست کے صفحہ۱۷۷۔ مطبوعہ نجف میں کیا ہے جو ۱۳۸۰ھ میں شائع ہوئی تھی۔ اسی طرح اس نے بعنوان قرائۃ اھل البیت ایک اور کتاب بھی تألیف کی تھی۔

۲۔ابواحمد عبدالعزیز ابن علی جلودی (متوفی۔۳۰۲ھ) کتاب کا عنوان قراءۃ امیر المؤمنین تھا۔ (الذریعۃ۔ جلد۱۷۔ صفحہ۵۴)

۳۔زید شہید ابن علیؑ ابن حسینؑ (شہادت۔۱۲۲ھ) نے بھی قراءۃ امیر المؤمنین کے عنوان سے ایک کتاب تألیف کی تھی (الذریعۃ۔ جلد۱۷۔ صفحہ۵۴)

۴۔قاری ابوطاہر عبدالواحد (متوفی۔۳۴۹ھ) [رجال النجاشی۔ شمارۂ سوانح حیات ۶۴۹]

سید حسن صدر (متوفی۔۱۳۵۴ھ) نے شیعان اہلبیت میں سے چند ایسے افراد کا تعارف کروایا ہے کہ جنہوں نے ایک الگ قرأت پر کتاب لکھی اور ان میں مندرجہ ذیل افراد شامل ہیں:

۱۔اَعمش سلیمان ابن مہران اَسدی کوفی (متوفی۔۱۴۸ھ) جو قرّائے سبعہ میں سے حمزہ کا اُستاد تھا۔

۲۔ابان ابن تغلب ابن رباح (متوفی۔۱۴۱ھ) اس نے عاصم سے قرأت سیکھی تھی اور قرّائے سبعہ میں سے کسائی کا اُستاد تھا کہ اس کی اپنی ایک مستقل قرأت ہے۔

۳۔زید شہید ابن علیؑ ابن حسینؑ (شہادت۔۱۲۲ھ) ان کی اپنی ایک مستقل قرأت تھی۔

۴۔حمران ابن اعین (متوفی۔؟۱۳۰ھ) اس نے ابوالاسود سے قرأت سیکھی تھی اور اُس نے حضرت علیؑ سے۔ قرّائے

سبعہ میں سے حمزہ کا اُستاد تھا۔

۵۔احمد ابن محمد سیاری (متوفی۔حدود ۲۶۰ھ) اس نے قرأت کے متعلق کتاب تالیف کی تھی۔

۶۔فضل ابن شاذان نیشاپوری (متوفی۔حدود ۲۰۲ھ) امام رضا علیہ السلام کے صحابی کہ انہوں نے بھی قرأت کے متعلق کتاب تالیف کی تھی۔

۷۔ابوجعفر محمد ابن حسن رواسی کوفی (متوفی۔حدود ۱۴۸ھ) کہ اس کا قرأت کے سلسلہ کا ایک انتخاب ہے۔

۸۔حسن ابن محمد ابن عبدالوہاب کوفی (متوفی۔۵۲۴ھ) قراءات سے متعلق کتاب تصنیف کی۔

۹۔سلیمان ابن خالد اقطع (متوفی۔حدود ۱۴۸ھ) قرأت کے سلسلہ میں مشہور تھا۔

۱۰۔محمد ابن سعدان ضریر (نابینا) کوفی (متوفی۔۲۳۱ھ) اس کا شمار شیعہ قرّاء میں ہوتا ہے۔

۱۱۔علی ابن محمد ابن کوفی زبیر (متوفی۔۳۴۸ھ)

۱۲۔ثابت ابن اسلم حلبی (متوفی۔حدود ۴۶۰ھ) اس نے **قراءۃ عاصم** نامی کتاب تالیف کی تھی۔(**تاسیس الشیعۃ**۔صفحہ ۳۴۱ تا ۳۴۶)

ساتویں صدی میں لکھی گئی **مقراء رسول اللہ و اھل البیت** نامی ایک کتاب کا وجود ظاہر ہوتا ہے، اس لئے کہ ابن طاؤس (متوفی۔۶۶۴ھ) نے اسے دیکھا تھا اور اپنی کتاب **سعد السعود** کے صفحہ ۱۲۱ پر اس کی جانب اشارہ کیا ہے، جو شہر نجف سے ۱۳۶۹ھ میں شائع ہوئی تھی۔

اس کا تعارف یوں کروایا ہے: ''۔۔۔مجلد، قیمت کھدی ہوئی اور پرانی کتاب ہے کہ جس میں لکھا ہے: **مقراء رسول اللہ۔۔۔**''۔

اس کی سند: ابوالعباس کہتا ہے: حسن ابن قثم نے ہمیں خبر دی، اُس نے کہا: ہم سے علی ابن ابراہیم نے بیان کیا، اُس نے کہا: مجھ سے میرے والد نے یونس ابن ظبیان کے ذریعہ اور اس نے ابوعبداللہ (امام جعفر صادق علیہ السلام) سے نقل کیا۔(صفحہ ۱۲۱)

ان میں سب سے مشہور ترین ابان ابن تغلب ربعی (متوفی۔۱۴۱) کی **قرائۃ اھل البیت** ہے۔

طوسی (متوفی۔۴۶۰ھ) کا کہنا ہے: ''ابان ابن تغلب۔۔۔ہمارے ساتھیوں میں جلیل القدر اور عظیم المنزلت تھے۔۔۔ابان نے قرأت سے متعلق ایک مستقل کتاب تحریر کی تھی اور یہ بات ہمیں احمد ابن محمد ابن موسیٰ نے بتائی، اُس نے کہا: احمد ابن محمد ابن سعید نے ہم سے بیان کیا، کہا: قاری ابوبکر محمد ابن یوسف رازی نے قادسیہ میں سال ۲۸۱ھ میں بیان کیا، اُس

نے کہا: ابونعیم مفضل ابن عبداللہ ابن عباس ابن معمر ازدی طلقانی ساکن سواد بصرہ نے ۲۵۵ھ میں شہر رے میں مجھ سے بیان کیا، اُس نے کہا: محمد ابن موسیٰ ابن ابی مریم مؤلف اللؤلؤ نے ہم سے بیان کیا، اُس نے کہا: میں نے ابان ابن تغلب کو سُنا اور کوئی قاری بھی اس سے بہتر نہیں"۔ (الفہرست۔ صفحہ ۴۰)

ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) کا کہنا ہے: "ابان ابن تغلب ربعی ابوسعد اور بقولے ابو امیہ، کوفی، نحوی جلیل القدر نے عاصم، ابوعمرو شیبانی، طلحہ ابن مصرف اور اعمش کے سامنے قرأت کی تھی اور یہ اُن لوگوں میں سے ہے کہ جنہوں نے اس کے سامنے پورا قرآن پڑھا تھا جبکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سوائے تین افراد کے اعمش کے سامنے کسی نے بھی پورا قرآن نہیں پڑھا تھا اور اُن میں سے ایک ابان ابن تغلب ہے۔ محمد ابن صالح ابن زید کوفی نے اس کے سامنے تقابلی قرأت کے ذریعہ اسے سیکھا تھا، اس کا انتقال ۱۴۱ھ میں ہوا جبکہ قاضی اسد کے مطابق وہ ۱۵۳ھ میں فوت ہوا تھا" (غایۃ النہایۃ۔ جلد ۱۔ صفحہ ۴)

لیکن ہمارے زمانے میں قراءات میں سے اب کچھ بھی باقی نہیں رہا اور امامیہ شیعہ کے رُوحانی مرکز نجف اشرف میں بھی میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جو اہلبیت علیہم السلام کی قرأت کے مطابق قرأت کرتا ہو، بلکہ بلا استثناء وہاں کا ہر عالم حفص کی روایت کے مطابق عاصم کی قرأت پر عمل کرتا ہے بالکل ایسے ہی کہ جس طرح سے میں زیدیہ کے روحانی مرکز صعدہ کو گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں پر کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو زیدؒ کی قرأت پر عمل کرتا ہو، بلکہ بلا استثناء وہاں کا بھی ہر شخص قالون کی روایت کے مطابق نافع کی قرأت پر عمل کرتا ہے اور زید شہیدؒ (متوفی۔ ۱۲۲ھ) کی قرأت اُن کی شہادت کے ساتھ ہی متروک ہوگئی۔ البتہ مذہب شیعہ اثناعشری کے ائمہ نے غیر مشہور قرأت پر عمل کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

کلینی (متوفی۔ ۳۲۹ھ) نے یوں روایت کی ہے: "محمد ابن یحییٰ سے، اس نے محمد ابن حسین سے، اس نے عبدالرحمٰن ابن ابی ہاشم سے اور اس نے سالم ابوسلمہ سے نقل کیا کہ اس نے کہا تھا: ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے قرأت کی تو میں نے قرآن کے چند ایسے حروف کو سُنا جو عام طور سے لوگ نہیں پڑھتے تھے تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس قرأت سے باز رہو! جس طرح سے لوگ قرأت کرتے ہیں تم بھی اسی طرح سے قرأت کرو یہاں تک کہ حضرت قائمؑ (عجل اللہ فرجہ الشریف) قیام کریں، اس لئے کہ جب حضرت قائمؑ (عجل اللہ فرجہ الشریف) قیام کریں گے تو مختلف انداز سے قرأت کریں گے اور اُس قرآنی نسخہ کو ظاہر کریں گے کہ جسے حضرت علی علیہ السلام نے تحریر کیا تھا" الحدیث

ایضاً: ہمارے کچھ ساتھیوں سے، انہوں نے سہل ابن زیاد سے، اس نے محمد ابن سلیمان سے، اس نے اپنے کسی ساتھی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا تھا: میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان جاؤں! ہم

قرآن کی کچھ ایسی آیتیں سُن رہے ہیں جو ہمارے پاس تو اس طرح سے نہیں کہ جیسے ہم سُنتے ہیں اور نہ ہی ہم اُسے اتنے اچھے طریقہ سے اُدا کرسکتے ہیں کہ جیسے آپ حضرات (علیہم السلام) کے حوالے سے ہم تک پہنچی ہے تو کیا ہم گنہگار ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا: نہیں! تم لوگ اُسی طرح سے پڑھو کہ جیسا تمہیں سکھایا گیا ہے کہ عنقریب تمہیں سکھانے والا تمہارے پاس آئے گا"۔

ایضاً: اور اُنہیں سے، انہوں نے سہل سے، اس نے علی ابن حکم سے، اس نے عبداللہ ابن جندب سے، اس نے سفیان ابن سمط سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا تھا: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: جیسا تمہیں سکھایا گیا ہے اسی طرح سے پڑھا کرو!"۔

ایضاً: اور محمد ابن یحیٰ سے، اس نے احمد ابن محمد سے، اس نے علی ابن حکم سے، اس نے داؤد ابن فرقد اور معلّی ابن خنیس دونوں سے نقل کیا کہ ان دونوں نے کہا تھا: ہم لوگ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھے کہ آپؑ نے فرمایا: اگر ابن مسعودؓ ہماری قرأت کے مطابق نہیں پڑھتا تو وہ گمراہ ہے۔ اور پھر آپؑ نے فرمایا: جہاں تک ہماری بات ہے تو ہم اُبیؓ کی قرأت پر عمل کرتے ہیں" (الوسائل۔ جلد۴۔ صفحہ۸۲۱)

اس سلسلہ میں مذہب اہل بیتؑ کے علماء کا قرأتی اور فقہی موقف یکساں ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں نماز میں اور اس کے علاوہ بھی سات متواتر قراءات میں سے کسی ایک کے مطابق عمل کرنا اور شاذ قراءات پر عمل نہ کرنا واجب ہے خواہ یہ شاذ قراءات انہی سات سے منقول ہوں یا دیگر قاریوں سے۔

قواعد کے لحاظ سے اہلبیت علیہم السلام کی قرأت اُن تمام قراءات میں سب سے زیادہ قوی ہے کہ جن پر ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) کے دور سے عمل کیا جاتا رہا ہے اور وہ قواعد یہ ہیں:

۱۔ خط عثمانی کی عبارت کے موافق ہونا۔

۲۔ کسی طور سے بھی عربی قواعد کے مطابق ہونا۔

۳۔ سند کا صحیح ہونا۔

بطور مثال سورۂ مائدہ کی چھٹی آیت: ﴿ وامسحوا برؤسکم و ارجلکم ﴾ میں اہلبیت علیہم السلام کی قرأت کے مطابق دونوں الفاظ یعنی رؤوسکم اور ارجلکم کے نیچے زیر دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ حرف عطف (واؤ) نے لفظ ارجلکم کو اس سے قریب ترین کلمہ یعنی رؤوسکم پر عطف کیا ہے جبکہ خود رؤوسکم کو حرف "ب" نے زیر دیا ہے لیکن عاصم کی قرأت کے مطابق ارجلکم کو اس آیت میں موجود لفظ وجوھکم پر عطف کرتے ہوئے اس پر زبر دیا گیا ہے جو کہ حرف عطف سے کافی دُوری پر ہے۔ بنا بریں اہلبیت علیہم السلام کی قرأت عین عربی قواعد کے مطابق ہے اور وہ بھی

اس طریقہ کے مطابق کہ اس سے بہتر طریقہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ ان سب باتوں کے باوجود اہلبیت علیہم السلام نے مشہور قرأت پر عمل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور اس سے صرف ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ آپ حضرات علیہم السلام کی غرض یہ تھی کہ مبادا قرآن کریم کی عبارت کے متعلق مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کا اختلاف پیدا ہو جائے۔

گذشتہ علماء میں سے شیخ طوسیؒ (متوفی۔۴۶۰ھ) کا کہنا ہے: ''آپ لوگ یہ جان لیجئے کہ ہمارے مذہب (شیعہ) کے علماء کا معروف نظریہ اور اُن کی اخبار اور روایات میں یہ بات بہت عام ہے کہ ایک خدا کے نبی پر قرآن صرف ایک ہی طرز پر نازل ہوا تھا مگر ان تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ قاریوں کی مروجہ قرأت پر عمل کرنا جائز ہے اور اس سلسلہ میں کسی بھی انسان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس قرأت پر چاہے عمل کرے۔ نیز اُنہوں نے کسی قرأت کو بعینہٖ معین کرنے کو مکروہ جانا ہے، بلکہ کسی بھی مُجاز[1] قرأت پر عمل کرنا جائز قرار دیا ہے کہ جسے قاری حضرات جائز سمجھتے ہیں اور اس میں حرام کی حد کو نہیں چھوتے'' (التبیان۔ جلد۱۔ صفحہ۷)

متاخرین میں سے بلاغی (متوفی۔۱۳۵۲ھ) کا کہنا ہے: ''ہم امامیہ شیعہ قوم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس طرح سے دیگر لوگ یعنی مسلمان عوام قرأت کرتے ہیں اُسی طرح سے پڑھیں'' (آلاء الرحمن۔ صفحہ۳)

سیدنا اُستادؒ نے اس پر کتاب التبیان اور مجمع البیان میں بیان کردہ اجماع سے دلیل قائم کی ہے کہ اس اجماع کو معصومین علیہم السلام کی تائید حاصل ہے، یعنی آپ حضرات علیہم السلام کے اَدوار میں قطعی روش یہی رہی ہے کہ نماز وغیرہ میں مشہور اور مروجہ قرأت کے مطابق قرأت کی جاتی تھی اور معصومین علیہم السلام اس سے منع نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی کسی مخصوص قرأت پر عمل کرنے کو کہا کہ جس سے قطعی علم ہو جائے کہ آپ حضرات علیہم السلام اس قرأت سے خوش ہیں جیسا کہ صاف ظاہر ہے۔ (المستمسک۔ جلد۶۔ صفحہ۲۵)

عرضِ مؤلف: ان روایات میں غور کرنے پر ظاہر ہوتا ہے کہ عاصم اور نافع کی قرأت کے مطابق پڑھنا واجب ہے نہ کہ کسی اور کی قرأت کے مطابق، اس لئے کہ سائل کو اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اہلبیت علیہم السلام کے چاہنے والوں میں سے تھے خواہ امام کا وطن مدینہ رہا ہو یا کوفہ یعنی جس مقام کو بھی اہلبیت علیہم السلام کے چاہنے والوں نے وطن بنالیا ہو اور حیات امام جعفر صادق علیہ السلام (شہادت۔۱۴۸ھ) کے زمانہ کی تواریخ کے مطابق یہ ان تین میں سے کوئی ایک قرأت تھی: ابو عامر کی قرأت (متوفی۔۱۱۸ھ) کہ یہ دمشق میں معروف تھی اور اس زمانہ میں اس شہر میں اہلبیت علیہم السلام کے کسی چاہنے والے کا ذکر نہیں ملتا؛ ابن کثیر کی قرأت کہ اس کی قرأت مکہ میں معروف تھی لیکن اس کی شہرت کی وجہ اہلبیت

---

[1] جس کی اجازت دی گئی ہے۔

سے اس کی محبت نہیں تھی تو ایسی صورت میں صرف عاصم (متوفی-۱۲۸ھ) کی قرأت ہی واجب ہوجاتی ہے اور اس عرصہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی عمر مبارک ۴۵ برس تھی، کیونکہ آپؑ کا سن ولادت ۸۳ ہجری ہے، لہٰذا آپؑ کی حیات مبارکہ میں عاصم کی قرأت کا مشہور ہونا ثابت ہے۔

اب جہاں تک امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (شہادت-۱۸۳ھ) کی بات ہے تو وہ محض اپنے والد بزرگوار کی روایت کی تاکید ہے۔ آپ (علیہ السلام) مدینہ میں رہتے تھے اور بغداد میں قید کئے گئے تھے۔ آپؑ کے دور میں مشہور قراءات میں ایک نافع (متوفی-۱۸۹ھ) کی قرأت ہے جو مدینہ میں مشہور تھی اور ایک کسائی (متوفی-۱۸۹ھ) کی قرأت ہے جو کوفہ میں مشہور تھی۔ طرہ یہ کہ کسائی کی قرأت کو مستقل طور پر درج نہیں کیا گیا جبکہ نافع کی پوری قرأت کی تدریس ہوتی تھی لہٰذا اس بات کا احتمال پایا جاتا ہے کہ عاصم کی قرأت کے علاوہ یہ قرأت بھی تھی یا پھر محض امام جعفر صادق علیہ السلام کے کلام کی تاکید۔

(بالفاظ دیگر) ان روایات میں سے ایک تو وہ روایت ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اور ایک روایت امام ابوالحسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ بظاہر اس سے مراد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں۔ نیز تمام تر روایات ان دونوں حضرات علیہما السلام کے ادوار میں رائج قراءات پر زور دیتی ہیں۔ اگر ہم اُن قاریوں کی سوانح حیات کا بغور مطالعہ کریں جو ان دو اماموں کے دور میں موجود تھے تو اس سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ ہم اُن شہروں کی قرأت کا انتخاب کریں کہ جن میں آپ دونوں حضرات علیہما السلام نے زندگی بسر کی تھی یا پھر جن میں آپ کے چاہنے والے شیعہ تھے تو ایسا ایک شہر تو مدینہ ہے جو ائمہ کا مرکز تھا اور دوسرا کوفہ ہے جو شیعوں کا مرکز تھا جبکہ بصرہ اور بغداد وہ شہر ہیں کہ جن میں امام کاظم علیہ السلام نے قید خانہ میں زندگی گزاری اور اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن قاریوں میں سے صرف ایک ہی قاری مدنی تھا اور وہ ہے نافع ابن عبداللہ (متوفی-۱۶۹ھ) لہٰذا امام جعفر صادق علیہ السلام کا مقصود یہ تو نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ اس کی قرأت امام علیہ السلام (شہادت-۱۴۸ھ) کے بعد مشہور ہوئی تھی اور جہاں تک کوفہ کی بات ہے تو اس میں تین قاری موجود تھے کہ جن کے نام یہ ہیں: عاصم ابن ابی نجود (متوفی-۱۲۸ھ)، کسائی (متوفی-۱۸۹ھ) اور حمزہ زیات (متوفی-۱۸۹ھ) اور آخری دونوں قاری بعد کے ہیں، کیونکہ حمزہ تو امامین علیہما السلام کے بعد کا ہے اور یہی صورتحال کسائی کی بھی ہے۔

اب رہتی ہے عاصم کی قرأت کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور میں سب سے زیادہ شہرت اسی کو حاصل تھی یا نافع کی قرأت کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دور میں سب سے زیادہ مشہور یہی تھی جبکہ مذکورہ روایت میں واضح طور پر مشہور قرأت کا تذکرہ موجود ہے۔

حفص کی عاصم سے روایت

ہمارے زمانے میں مسلمانوں کے درمیان تین قراءات رائج ہیں -ان کے علاوہ کوئی نہیں-اور تاریخ کے لحاظ سے اسلامی دُنیا-یعنی تقریباً تمام اسلامی ممالک میں سب سے قدیم اور مشہور ترین عاصم ابن ابی نجود کوفی سے حاصل کی گئی حفص (متوفی-۱۸۰ھ) کی قرأت ہے جبکہ سوڈان اور نائیجیریا میں ابوعمر و زیان ابن علاء بصری (متوفی-۱۵۴ھ) سے حاصل کی گئی الدوری (متوفی-۲۴۶ھ) کی قرأت ہے اور اسلامی مغرب میں نافع ابن عبدالرحمٰن لیثی سے حاصل کی گئی ورش (متوفی-۱۹۷ھ) کی قرأت ہے اور یمن میں نافع سے حاصل کی گئی قالون کی قرأت ہے۔

باوجودیکہ سات قراءات کو سات میں منحصر کرنے والے ابن مجاہد بغدادی نے سب سے زیادہ نافع کی قرأت کا اہتمام کیا تھا اُس کی قرأت عراق میں جاری نہ رہ سکی اور اس کی بجائے اس ملک میں اور دیگر اسلامی ممالک میں عاصم کی قرأت مشہور ہوگئی۔

دمشق میں اُموی حکومت کے خاتمے اور عراق میں عباسی اقتدار قائم ہونے پر عاصم کی قرأت کی شہرت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

دوسری قراءات کو چھوڑ کر بالخصوص اس قرأت کے متعلق باقاعدہ کتابیں تالیف کی گئیں کہ اُنہی کتابوں میں سے ایک کتاب تذكرة الإخوان بأحكام رواية الإمام حفص ہے کہ جسے شیخ علی محمد ضباع (متوفی-۱۳۸۰ھ) نے تالیف کیا تھا جو مصری قاریوں کے اُستادالاساتذہ تھے۔

اسی طرح قاریوں کے اُستاد عفیف الدین ابوالتوفیق عثمان ابن عُمر ناشری (متوفی-۸۴۸ھ) نے عاصم کی قرأت سے متعلق ایک مستقل کتاب تالیف کی تھی کہ جس کا نام الدر الناظم لرواية حفص عن قراءة عاصم رکھا تھا، میں نے اس کا عکس لے کر اُسے محفوظ کرلیا ہے؛ اس کتاب کے مقدمہ میں مصنف کی عبارت کچھ یوں تھی: ''جس چیز نے مجھے یہ کتاب لکھنے پر مجبور کیا وہ اُس کی روایات کا بسہولت متفق علیہ ہونا اور مُطلق طور پر اُن کی شیریں بیانی اور فصاحت ہے، اس کے علاوہ برصغیر اور عراق میں فی الحال اسی پر سب سے زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے اور بے شمار لوگوں کے لئے موزوں ترین بات حفص کی روایت پر اعتماد کرنا ہے، اس لئے کہ سوائے سورۂ ہود میں لفظ مجراها کے یہ کہیں بھی امالہ سے کام نہیں لیتا اور سوائے سورۂ فصلت میں لفظ ءأعجمی کے حرفہائے ہمزہ کے کسی بھی ہمزہ پر تسہیل کا حکم جاری نہیں کرتا اور اسی طرح سے باب الذکرین میں ایسے مرجوح[1] طریقے کے مطابق کہ جس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی''۔

---

[1] جس پر ترجیح دی گئی ہو۔

یہاں تک کہ وہ کہتا ہے: "۔ ۔ ۔ میں نے الدوری کی نسبت حفص کی روایت کو علیحدہ سے بیان کیا، چنانچہ جس بات پر وہ دونوں متفق تھے اُسے ترک کر دیا اور جس میں دونوں کی آراء مختلف تھیں تو اختصار کی وجہ سے اُن میں سے صرف حفص سے منسوب طریقہ کو بیان کیا ہے" اس کے بعد حفص کی مکمل سوانح حیات کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

حفص اَسدی (۹۰ - ۱۸۰ھ) کون ہے ؟

حفص ہی ابوعُمر ابن ابی داؤد سلیم ابن مغیرہ اَسدی غاضری کوفی بزاز ہے جو عاصم کی بیوی کا فرزند تھا۔

یہ سن ۹۰ ھ میں پیدا ہوا اور ۱۸۰ ھ میں انتقال کر گیا۔ اس نے علقمہ ابن مرثد، ثابت بنانی اور دیگر کچھ لوگوں سے اَحادیث کو نقل کیا ہے اور بے شمار لوگ اس سے بھی مستفیض ہوئے ہیں۔ قرأت کو کما حقہ جاننے اور اسے صحیح طور پر یاد رکھنے میں عام قاریوں سے بڑھ کر تھا کہ شاطبی نے اپنے اس قول کے ذریعہ اس جانب اشارہ کیا ہے: "قرأت کی اُستواری کے معاملہ میں حفص کو سب پر ترجیح حاصل تھی"۔

حفص نے امام ابوبکر عاصم ابن ابی نجود مقری اَسدی کوفی خیاط کے سامنے قرأت کی تھی جو سات ائمہ قرأت میں سے ایک ہے۔ اس نے قاریوں کی ایک جماعت کے سامنے قرأت کی تھی جیسے ابوعبدالرحمٰن سلمی۔ اس کے علاوہ ابووائل، مصعب ابن سعید ابن ابی وقاص کے ذریعہ اَحادیث نقل کی ہیں اور یہ وہی ہے کہ جس کا شمار تابعین میں ہوتا ہے کہ اس کے سامنے اَعمش، اَبان ابن یزید اور حسن ابن صالح نے قرأت کی تھی اور اس سے ابوعُمر و ابن علاء، حمزہ ابن حبیب، دونوں حماد اور خلیل ابن احمد نے روایات نقل کی ہیں۔ یہ خوش الحان تھا کہ اس کے حلق میں جھنکار تھی۔ اس نے حفص کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا تھا: عاصم نے مجھ سے کہا: میں نے تمہیں ایسی قرأت تعلیم کی ہے کہ جس کے مطابق میں نے ابو عبدالرحمٰن سلمی کے سامنے قرأت کی تھی اور اس نے حضرت علیؑ سے حاصل کی تھی اور شعبہ کو وہ قرأت پڑھائی ہے جسے تقابلی طور پر زرابن حبیش کے سامنے قرأت کرتا تھا کہ اس نے ابن مسعودؓ سے حاصل کی تھی"۔

ذہبی کہتا ہے: "ہمارے لئے قرآن عظیم کی بابت سب سے اَعلیٰ باتیں اسی کی طرف سے واقع ہوئی ہیں۔ عاصم رحمہ اللہ کا انتقال ۱۲۸ ھ میں ہوا اور بقول یہ سال نہیں تھا، لیکن جب میں نے عاصم کے ذریعہ حفص کی نقل کردہ روایت میں غور کیا تو جس طرح کہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر بیان ہوگا میں نے دیکھا کہ اس نے **الجمع بین اللغات** سے تقابل کیا تھا جبکہ عاصم نے ابوعبدالرحمٰن سلمی کے سامنے قرأت کی تھی اور ابوعبدالرحمٰن نے ایک جماعت سے اسے حاصل کیا تھا کہ جن میں عبداللہ ابن مسعودؓ، عثمان ابن عفانؓ، علی ابن ابی طالبؑ، اُبی ابن کعبؓ اور زید ابن ثابتؓ شامل ہیں اور ان سب نے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے قرأت کی تھی۔ اس کے علاوہ عاصم نے ابومریم زر ابن حبیش اسدی کے سامنے بھی حضرت عثمان ابن عفان اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے سامنے پڑھی گئی قرأت کے مطابق پڑھا تھا۔ لہٰذا اس سند کی طرف نگاہ کریں کہ جسے جملہ پیشوائے دین اور مسلمانوں کے چوٹی کے علماء نے یکجا کیا تھا۔ اس سلسلہ میں میرا کہنا یہ ہے: اگر آپ قرأت کو آسان بنانا چاہتے ہیں تو عاصم کی قرأت کے متعلق حفص کی روایت پر اعتماد کریں"۔

"اس کی ایک انتہائی اچھی سند ہے جو ہادیٔ دین اور اولاد ہاشم حضرت (محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) پر منتہی ہوتی ہے" (الدر الناظم - خطی نسخہ)

خزرجی (متوفی - حدود ۹۲۳ھ) کہتا ہے: حفص ابن سلیمان اسدی غاضری (دو منقوط حروف اور پھر ایک غیر منقوط حرف) ابوعمر بزاز جو عاصم کی عورت کا فرزند تھا کہ اسے قاری حفیص ابن ابوداؤد کوفی کہا جاتا ہے نے علقمہ ابن مرثد اور محارب ابن دثار سے قرأت حاصل کی تھی اور اس سے آدم ابن ابی ایاس، محمد ابن سلیمان لوین، علی ابن حجر اور دیگر افراد نے قرأت سیکھی۔ امام بخاری کا کہنا ہے: "انہوں نے اسے ترک کر دیا تھا[1] اتا کہ [اس طرح] ذیب کو دیکھیں البتہ جہاں تک قرأت کی بات ہے تو وہ اجماع کے ساتھ اپنی جگہ قائم ہے؛ اس کا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا تھا۔ (خلاصة تهذيب الكمال - صفحہ ۴۷ - مطبوعہ ۱۳۲۲ھ)

ابن جزری (متوفی - ۸۳۳ھ) بیان کرتا ہے کہ اس نے حفص کے متعلق کہا تھا: "سوائے سورۂ روم کی آیت ۵۴: ﴿الله الذی خلقکم من ضَعف﴾ کے اس نے قرأت کی کسی شے میں بھی عاصم کی مخالفت نہیں کی، البتہ اس آیت میں اس نے پیش کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ عاصم نے زبر کے ساتھ" (طبقات القُرّاء - جلد ۱ - صفحہ ۲۵۴)

ذہبی کہتا ہے: "جہاں تک اس کی قرأت کی بات ہے تو (اس سلسلہ میں) وہ قابل وثوق تھا، اس کی کما حقہ معرفت رکھتا تھا اور اسے اچھی طرح سے یاد کر رکھا تھا گو کہ حدیث کے سلسلہ میں ایسا نہیں تھا" (التهذيب - جلد ۲ - صفحہ ۴۰۱)

دانی (متوفی - ۴۴۴ھ) (اس کے بارے میں) کہتا ہے: "بغداد میں فروکش ہوا اور وہاں قرأت سکھائی پھر مکہ کی مجاورت اختیار کی اور وہاں بھی قرأت سکھائی نیز یحییٰ ابن معین کہتا ہے: عاصم کی قرأت سے متعلق صحیح روایت وہ ہے کہ جسے ابو

---

[1] مطبوعہ نسخہ کے حاشیہ پر یوں تحریر ہے: اسی طرح دوسرے نسخہ میں بھی ہے اور یہ جملہ التهذيب میں ہے اور نہ ہی الميزان میں اور نہ ہی یہ جملہ مختصر ابن ملقن میں پایا جاتا ہے حتیٰ کہ الخلاصه کے نسخہ میں بھی نہیں ملتا کہ جسے ابوالخیر ابن عبدالعلیم خزرجی نے تحریر کیا تھا جو مؤلف کے قریبی تھے، بلکہ ان میں "انہوں نے اسے ترک کر دیا تھا" کے بعد یوں ہے: اس کا انتقال سن ... الخ حاشیہ۔

عرض مؤلف: مذکورہ کلمہ غلطی سے تحریر کر دیا گیا ہے اور بظاہر یہ اس طرح سے ہے "ذئب کی روایت کی وجہ سے" جو اس موجودہ اختلاف کی جانب اشارہ ہے کہ اس کلمہ کو ہمزہ سے پڑھیں گے یا "یے" سے؟

عُمر حفص ابن سلیمان نے نقل کیا ہے۔ ابو ہشام رفاعی کہتا ہے: عاصم کی قرأت کا سب سے زیادہ علم حفص کو حاصل تھا جبکہ ذہبی کہتا ہے: جہاں تک اس کی قرأت کی بات ہے تو (اس سلسلہ میں) وہ قابل وثوق تھا، اس کی کما حقہ معرفت رکھتا تھا اور اسے اچھی طرح سے یاد کئے ہوئے تھا۔ ابن منادی کہتا ہے: اس نے عاصم کے سامنے متعدد مرتبہ قرأت کی تھی۔ پہلے کے قاری حضرات حفظ کے سلسلہ میں اسے ابوبکر ابن عیاش سے بھی برتر شمار کرتے تھے اور اس کی یہ خوبی بیان کرتے تھے کہ اسے وہ تمام حروف اچھی طرح یاد تھے کہ جن کی قرأت عاصم کے سامنے کی تھی۔ نیز زمانے کا سب سے بہترین قاری تھا اور جو قرأت اس نے عاصم سے حاصل کی تھی اس کا سلسلہ حضرت علی علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے'' (تذکرۃ الإخوان۔ صفحہ ۴۳)

حفص کہتا ہے: ''عاصم نے مجھ سے کہا: جو قرأت میں نے تمہیں سکھائی ہے یہ وہی قرأت ہے کہ جس کو میں نے ابو عبدالرحمٰن سلمی کے سامنے پڑھا تھا کہ اس نے حضرت علیؑ سے حاصل کی تھی اور جو قرأت میں نے ابوبکر ابن عیاش کو سکھائی ہے اس قرأت کو میں نے تقابلی طور پر زرّ ابن حبیش کے سامنے پڑھا تھا جو اس نے ابن مسعودؓ سے حاصل کی تھی'' (طبقات القُرّاء۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۴۸)

ابن جزری نے سلمی کی سوانح حیات کے طور پر جو کچھ کہا وہ یوں ہے: ''عبداللہ ابن حبیب ابن ربیعہ ابو عبدالرحمٰن سلمی ضریر (نابینا) مقری، کوفی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوا تھا اور اس کے والد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے کہ تجوید اور حفظ کے طور پر قرأت اسی پر منتہی ہوتی ہے۔ اس نے تقابلی طور پر عثمان ابن عفانؓ، علی ابن ابی طالبؑ، عبداللہ ابن مسعودؓ، زید ابن ثابتؓ اور اُبی ابن کعبؓ سے قرأت سیکھی تھی جبکہ اس کے سامنے عاصم، عطاء ابن سائب، ابو اسحٰق سبیعی، یحییٰ ابن وثاب، عبداللہ ابن عیسیٰ ابن ابی لیلیٰ، محمد ابن ابی ایوب، ابو عون محمد ابن عبیداللہ ثقفی، عامر شعبی، اسمٰعیل ابن ابی خالد اور (امام) حسن اور (امام) حسین رضی اللہ عنہما نے تقابلی قرأت کی تھی۔

اس نے حضرت عثمانؓ سے قرآن سیکھا تھا اور حضرت علیؑ کے سامنے تقابلی قرأت کی تھی۔ سبیعی کہتا ہے: ابو عبدالرحمٰن نے مسجد اعظم میں لوگوں کو چالیس سال تک قرأت سکھائی'' (غایۃ النہایۃ۔ جلد ۱۔ صفحہ ۴۱۳)

ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) کا بیان ہے: ''حفص کے باون (۵۲) طریق ہیں'' اس کے بعد کہتا ہے: ''حفص اور ابوبکر نے کوفہ کے امام اور قاری ابوبکر عاصم ابن ابی نجود ابن بہدلہ اسدی عجمی کوفی کے سامنے قرأت کی تھی تو اس طرح عاصم کے ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) طریق ہیں جبکہ عاصم نے ابو عبدالرحمٰن عبداللہ ابن حبیب ابن ربیعہ سلمی ضریر (نابینا)، ابو مریم زرّ ابن حبیش ابن حباشہ اسدی، ابو عمر اور سعد ابن الیاس شیبانی کے سامنے قرأت کی تھی اور مذکورہ تینوں افراد نے عبداللہ ابن مسعودؓ کے سامنے۔ نیز سلمی نے اُبی ابن کعب اور زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کے سامنے بھی قرأت کی تھی حالانکہ ابن مسعودؓ، حضرت عثمانؓ،

حضرت علیؑ، اُبیؓ اور زیدؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرأت کی تھی"(النشر - جلدا - صفحہ ۱۵۵)

ضباع (متوفی-۱۳۸۰ھ) کہتا ہے: "اس کی روایت عراق کے شہروں میں مشہور ہوگئی تھی اور اس کے علاوہ ہند اور چین کے دور دراز علاقوں تک بھی اور یوں اب تک ان ممالک کے اکثر علاقوں میں پھیل گئی ہے۔

آخری اَدوار میں مصری اور شامی خطوں میں بھی مشہور ہوگئی تھی اور گیارہویں صدی ہجری سے لے کر اب تک ان میں ہر جگہ پھیل گئی ہے"(تذکرۃ الاِخوان - صفحہ ۴۳)

مصری قُرّاء کے اُستاد کا قرآنی نسخہ (۱۳۳۷ھ)

مشرقی دُنیا میں طباعت کے دَور سے مصحف شریف کے مختلف نسخے شائع ہوئے کہ جنہیں شمار میں لانا ممکن نہیں ہے اور ان میں سے اکثر تجارتی بنیاد پر شائع کئے گئے کہ جسے دینی اداروں نے عملی جامہ پہنایا یا کچھ اَفراد نے قربۃً الی اللہ شائع کئے جبکہ ان میں سے زیادہ تر میں طباعت کے مسلّمہ اُصولوں کو بیان کرنے کی ضرورت ہے!

سب سے پہلی طباعت مصر میں ۱۳۳۷ھ میں عمل میں آئی اور آپ قارئین مصحف اُمیری کے متعلق تو جان ہی گئے ہیں جس کا اہتمام چار اَفرادی کمیٹی نے کیا جو مندرجہ ذیل اَفراد سے تشکیل دی گئی تھی:

۱۔ محمد علی خلف حسینی - مصر کے قُرّاء کے اُستاد۔

۲۔ حفنی بک ناصف - وزارت اَوقاف میں عربی زبان کا پہلا محقق۔

۳۔ مصطفیٰ عنانی - مدرسہ معلمین ناصریہ کا مُعلّم۔

۴۔ اَحمد اسکندری - مدرسہ معلمین ناصریہ کا معلّم۔

شیخ حسینی کی سربراہی میں اس کی طباعت دَس ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ میں مکمل ہوئی اور ان اَفراد نے اس نسخہ کو اُصول، خطی روش، ہجوں کی درستگی، آیات، اَجزاء اور اَحزاب کے اَعداد، سورتوں کا مکی یا مدنی ہونا، وقف، علامتوں، سجدے، سکتے اور ضبط کی اِصطلاحات کی مکمل وضاحت سے آراستہ کیا تھا کہ جنہیں اُستاد محمد ابن علی ابن خلف حسینی، مصری قاریوں کے اُستاد نے مقرر کیا تھا اور ان اَفراد نے مختصراً اور تفصیلی طور پر اُن مآخذ کا بھی ذکر کیا تھا کہ جن پر اُنہوں نے اِعتماد کیا تھا۔ البتہ اس سلسلہ میں حفص کی اُس روایت کے مطابق عثمانی عبارت پر تکیہ کیا تھا کہ جسے اس نے عاصم اور قرأت کے اَساتذہ سے حاصل کیا تھا اور یہ وضاحت - گوکہ اِن میں بھی اِبہام پایا جاتا ہے۔ مطبوعہ مصاحف میں پائی جانے والی وضاحتوں میں سب سے وسیع اور دقیق ترین خیال کی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ طباعت اِعتماد کا معیار ٹھہری اور اس کے بعد بے شمار طباعتیں اسی کی بنیاد

پر عمل میں آئیں کہ ان میں سے ایک مصحف اُمیری ہے کہ جسے مصری حکومت نے ۱۳۴۲ھ میں الازہر یونیورسٹی کے اساتذہ کی زیر نگرانی شائع کروایا اور اس کے بعد مصاحف کی تصحیح کمیٹی سے رجوع کرنے کے بعد ایک طباعت ۱۳۸۱ھ میں عمل میں آئی اور یہ کمیٹی الازہر یونیورسٹی کے مندرجہ ذیل اساتذہ پر مشتمل تھی:

۱۔ اُستاد شیخ عبدالفتاح قاضی - کمیٹی کے سربراہ - اور اس کے ارکان مندرجہ ذیل اساتذہ تھے:

۲۔ شیخ محمد خلیل حصری

۳۔ شیخ احمد علی مرعی

۴۔ شیخ محمد سالم محیسن

۵۔ شیخ محمد سلمان صالح

۶۔ شیخ عبدالعظیم خیاط

۷۔ شیخ عبدالرؤف محمد سالم

۸۔ شیخ محمد صادق قمحاوی

اس کی طباعت ربیع الآخر ۱۳۸۱ھ میں مکمل ہوئی۔

کمیٹی کے مآخذ

شیخ عبدالفتاح قاضی کی سربراہی میں قائم کردہ دوسری کمیٹی نے اپنے مآخذ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، بلکہ اس کی بجائے صرف یہ کہا ہے: ''قرائات، عبارات، ضبط اور فواصل کی بنیادی کتابوں سے اس کی تصحیح اور نظر ثانی کا وظیفہ مجلس مراجعت و تصحیح مصاحف نے ازہر شریف کے اساتذہ کی مدد سے انجام دیا''۔

مذکورہ کلام محمد علی خلف حسینی، مصری قاریوں کے اُستاد کی سربراہی میں ۱۳۳۷ھ میں قائم کردہ پہلی کمیٹی کے بیان کے زیر اثر کہا گیا، کیونکہ اس کمیٹی نے اپنے مآخذ کے طور پر مندرجہ ذیل حوالہ دیا تھا:

۱۔ (عبارت) جسے شیخ ابوعمرو دانی (متوفی - ۴۴۴ھ) اور شیخ سلیمان ابن نجاح نے نقل کیا تھا جبکہ اختلاف کے موقع پر دوسرے (شیخ سلیمان) کو ترجیح دی گئی: مورد الظمآن - مؤلف: محمد ابن محمد شریشی خراز (متوفی - حدود ۸۰۰ھ) جس میں عبدالواحد ابن عاشر اُندلسی (متوفی - ۱۰۴۰ھ) کی تشریحات بھی شامل تھیں۔

۲۔ (ضبط) الطراز علی ضبط الخراز - مؤلف: امام تنسی جبکہ اُندلسی اور مغربی قاریوں کی علامت کو مشرق کے

خلیل ابن احمد اور اس کے پیروکاروں کی علامتوں سے بدل دیا گیا تھا۔

۳۔(شمار آیات) امام شاطبی (متوفی-۵۹۰ھ) کی تألیف کردہ کتاب ناظمة الزهر سے کوفیوں کے طریقہ کو بیان کیا گیا ہے اور اس کی شرح ابن عبد رضوان مخللاتی نے کی تھی۔ کتاب ابی القاسم عُمر ابن محمد ابن عبد الكافی اور شیخ محمد متولی مصری شہروں کے قاریوں کے اُستاد کی تألیف کردہ کتاب تحقیق البیان اور ابوعبد رضوان مخللاتی کی کتاب ارشاد القُرّاء والكاتبين۔

۴۔(اَجزاء اور اَحزاب کا بیان) غیث النفع جسے علاّمہ سفاقسی (متوفی-۱۱۱۷ھ) نے تألیف کیا، ناظمة الزهر اور اس کی شرح، تحقیق البیان اور ابوعبد رضوان مخللاتی کی کتاب ارشاد القُرّاء والكاتبين۔

۵۔(مکی مدنی کا بیان) مذکورہ کتابیں اور قرائات اور تفسیر سے متعلق تألیف کی گئی کتابیں، البتہ کچھ میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے نیز کتاب ابی القاسم عُمر ابن محمد ابن عبد الكافی۔

۶۔(وقف اور علامتوں کا بیان) اُن قواعد کے مطابق کہ جنہیں اُستاد محمد ابن علی خلف حسینی، مصری قاریوں کے اُستاد نے مقرر کیا تھا۔

۷۔(سجدوں کا بیان) مذاہب اربعہ کی فقہی کتابیں۔

۸۔(سکتوں کا بیان) الشاطبیة اور اس کی شرح اور اساتذہ سے شفاہی طور پر حاصل شدہ۔

اس وضاحت میں جہاں بے شمار ابہام پائے جاتے ہیں وہاں ان میں بہت ساری باتیں پیچیدہ اور قابل وضاحت ہیں کہ ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱۔عبارت کے متعلقہ مآخذ کے بارے میں کہا گیا ہے: ''اُن قواعد کی رعایت کی گئی ہے کہ جنہیں رسم الخط کے علماء نے شیخ ابوعمر ودانی اور شیخ ابوداؤد سلیمان ابن نجاح کے بیان کے مطابق مختلف جہتوں سے استنباط کیا ہے اور اختلاف کی صورت میں دوسرے (شیخ ابوداؤد) کے قول کو ترجیح دی گئی ہے'' (صفحہ ھ) اس میں رسم الخط کے علماء کا ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ کون تھے؟ جس طرح کہ یہ بھی ذکر نہیں کیا کہ معتمد کتابی نسخے دانی کے تھے یا سلیمان کے؟ اور نہ ہی ان کے جزئیات کو بیان کیا ہے کہ وہ کیا ہیں؟ بلکہ یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ کون سا سبب تھا کہ جس کی وجہ سے اختلافی موقع پر دوسرے شیخ کو ترجیح دی گئی ہے؟

۲۔مکی اور مدنی کے بیان میں اس کمیٹی نے کہا کہ قرائات اور تفسیر کی کتابوں سے لیا گیا ہے، گو کہ بعض میں اختلاف پایا جاتا ہے (صفحہ ھ) تو پھر وہ کون سی کتابیں ہیں کیونکہ ایسی تو بے شمار کتابیں ہیں؟ اور جب بعض میں اختلاف پیدا ہوا تو اس موقع پر اس کا کیا حل تلاش کیا؟ تو یہ بات بھی نامعلوم ہی رہی۔

۳۔سجدے اوران کے مقامات (کے تعین) کے بارے میں کمیٹی نے کہا تھا کہ یہ چاروں مذاہب کی فقہی کتابوں سے ماخوذ ہے تو وہ کون سی کتابیں ہیں، اس لئے کہ یہ تو لا تعداد ہیں؟ اور اختلاف کے موقع پر کیا حل نکالا؟

۴۔سکتوں کے بیان میں کمیٹی نے کہا تھا کہ الشاطبیة ، اس کی شرح اور اساتذہ کی زبانی سُن کر اخذ کیا (صفحہ و) تو اس کی کن شروحات سے اخذ کیا؟ یہ اساتذہ کون ہیں؟ لہٰذا یہ بھی نامعلوم ہے اوران کے انتخابات میں ترجیح کا سبب بھی مبہم ہی ہے۔

۵۔وقف اور علامتوں کے بیان میں کمیٹی نے کہا تھا کہ یہ اُن قواعد کے مطابق ہیں کہ جنہیں اُستاد محمد ابن علی ابن خلف حسینی جو فی زمانہ ۔یعنی ۱۳۳۷ھ میں۔ مصر کے قاریوں کے اُستاد ہیں نے اس لحاظ سے مقرر کیے تھے کہ وہ معانی انہی کے متقاضی ہوتے ہیں کہ جن کی طرف ائمہ تفسیر کے اقوال رہنمائی کرتے ہیں۔(صفحہ و) اگر چہ شیخ حسینی کی قابلیت میں کوئی شک نہیں اور نہ ہی ان کی قابل قدر کوششوں میں لیکن ان سب کے باوجود مقرر کردہ اُسلوب اب بھی نامعلوم ہے تو پھر ایسی صورت میں ائمہ تفسیر میں سے کسی ایک کے قول کو منتخب کر کے دوسرے کے قول کو کیونکر رَد کیا تھا؟ اور اس کی بنیاد کس چیز پر رکھی تھی؟ اور وہ امام کون شخص تھا؟

اب تک میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا کہ جس نے ان اجتہادی کوششوں کا مرجع مصحف کے آغاز سے لے کر اس کی انتہا تک ان کے اُصولوں کو قرار دیا ہو حالانکہ ان میں سے ہر فن کے متعلق کتابیں تالیف کی گئی ہیں۔

محمد طاہر کردی ان کے بعض نقاط کی تشریح کی طرف متوجہ ہوا تھا تو اس نے شیخ محمد ضباع جو مصری قُرّاء کا اُستاد اور دوسری کمیٹی کا سربراہ بھی ہے سے ۱۳۶۳ھ میں کچھ سوالات پوچھے تھے اور شیخ ضباع کے جوابات سے کچھ حد تک یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کا اُسلوبِ عمل کیا ہے اوراس کتابچہ اور جوابات کو اس کی کتاب تاریخ القرآن-اشاعت اوّل کے آخر میں صفحہ ۱۸۳ تا صفحہ ۲۲۴ پر ملحق کر دیا گیا ہے: یہ کتاب مصر سے شائع ہوئی تھی۔

۱۳۷۱ھ کی طباعت

ڈاکٹر ابراہیم اَبیاری اوراس کے ساتھیوں نے مصحف اَمیری میں دو اُمور کے اضافہ کے ساتھ اس کی تجدید اشاعت کا اہتمام کیا، چنانچہ اس کا کہنا ہے: یہ سب اوّل الذکر کمیٹی کی کوششوں کا نتیجہ ہے، نیز اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک عظیم کاوش ہے مگر یہ کہ اس وقت ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۲ء میں اس مصحف کی دوسری اشاعت کے متعلق غور کیا جا رہا ہے -یہ وہی کتاب ہے جو اس وقت آپ قارئین کے ہاتھ میں ہے۔ اس غرض سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو مندرجہ ذیل اَفراد پر مشتمل ہے:

۱۔علی محمد ضباع

۲۔محمد علی نجار

۳۔عبدالفتاح قاضی

۴۔بعدالحلیم بسیونی

۵۔احمد عبدالعظیم بردونی اور

۶۔ابراہیم اطفیش

اس کمیٹی کے ذمہ اس مصحف پر نظر ثانی کرنا تھا، لہٰذا پہلی طباعت میں انہیں بہت ہی کم اَغلاط ملیں جو عبارت، ضبط، وقف اور سورتوں کے ترجمے سے متعلق تھیں۔اَب قارئین کی خدمت میں وہ اَغلاط نامہ پیش کیا جارہا ہے، یہ اَغلاط نامہ اس کی دوسری اشاعت میں شامل کردیا گیا تھا جو اس الموسوعۃ میں شامل ہے:

۱۔عبارت

کلمہ	آیت	سورت	اشاعت اوّل	اشاعت دوّم
کلمۃ	۱۲۷	اَعراف (ساتویں)	تائے مکتوبی کے ساتھ	تائے ملفوظی کے ساتھ "کلمت" نیز تمام طُرق نے متفقہ طور پر حفص سے نقل کیا ہے کہ عبارت کی رعایت کرتے ہوئے اس پر "ت" کے ساتھ وقف کیا جائے گا۔
للطاغین	۵۵ ۲۲	ص (اَڑتیسویں) نبأ (چونتیسویں)	"ط" کے بعد الف	اس میں بغیر الف کے تحریر ہے جیسے کہ سورۂ صافات (۳۷ویں) کی ۳۰ویں آیت اور سورۂ قلم (۶۸ویں) کی ۳۱ویں آیت میں۔

۲. ضبط

(الف) اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ أفمن هو قائم على كُلِّ نفسٍ بما كسبت ﴾ (سورۂ رعد- آیت ۳۳) میں لفظ قائم کے ہمزہ کو "ئ" کی شکل کے اُوپر تحریر کیا گیا ہے جبکہ اس کا حق تو یہ تھا کہ اُسے اصل کے مطابق اس کے نیچے لکھا جاتا جیسے کہ قرآن میں اس طرح کی دوسری مثالوں میں کیا گیا ہے۔

(ب) بعض سورتوں کے آخر میں اور اُن کے بعد والی سورتوں کی ابتداء میں کچھ کلمے اس بنیاد پر تحریر کئے گئے ہیں کہ اس سورت کا اختتامی حصہ اس کے بعد آنے والی سورت سے ملا دیا گیا ہے اور ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بھی شمار نہیں کیا گیا جبکہ حفص کے طریقہ سے یہ چیز میل نہیں کھاتی۔ (الموسوعۃ- جلد۱- صفحہ۱۱۲)۔ [1]

مصحف مرتّل (۱۳۷۸ھ - ۱۹۵۹ء)

۱۳۷۸ھ بمطابق ۱۹۵۹ء میں اللہ تعالیٰ نے ایک عالم کو یہ توفیق عنایت کی کہ انہوں نے قرآن کریم کی خدمت کے سلسلہ میں مکتبِ قرآنی میں موجود خلا کو پُر کیا اور قاریوں کے لئے یہ کام آسان کردیا۔ اُن کا نام ہے سید لبیب سعید جو مصر میں ادارہ تخطیط الدعوۃ وتدریب الدعاۃ کے ڈائریکٹر جنرل ہیں۔ اس کو عملی جامہ اس طرح سے پہنایا کہ پورے قرآن کریم کو صوتی انداز میں جمع کیا گیا اور اس قرآن کا نام "مصحف مرتّل" رکھا۔ عالَم اسلام میں اسے انتہائی شہرت حاصل ہوئی۔ نیز خوش قسمتی سے ازخود انہوں نے اپنی ایک مستقل کتاب میں الجمع الصوتی الاوّل للقرآن الكريم يا المصحف المرتّل و بواعثه و مخططه کے زیرعنوان اس پر عمل کرنے کے طریقہ کو لکھ دیا جو قاہرہ سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔ ہم اس میں سے کچھ اقتباسات تحریر کرتے ہیں، انہوں نے کہا تھا: میں قاہرہ کے بڑے بڑے قاریوں میں قرأت کے ممتاز علماء کی کھوج میں ہوں، اس لئے کہ یہ بات مجھے ملول کردیتی ہے کہ جب ان میں سے کوئی ماہر اُستاد انتقال کر جاتا ہے تو بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے بعد آنے والے میں وہ اُستادانہ جوہر اور مہارت نہیں پائی جاتی جو اس اُستاد میں تھی اور اس طرح بطور سوغات ملنے والے اس مرحوم کی قابلیت کے نمونے ہمیشہ کے لئے ضائع ہوکر رہ جاتے ہیں کہ انہیں محفوظ نہیں کیا جاتا۔ (صفحہ۱۰۱)

---

[1] امریکہ اور مغربی ممالک میں اب قرآن مجید کی طباعت Roman Letters میں عربی تلفظ کے مطابق ہورہی ہے۔ قرأت کے اغلاط سے بچنے اور ضوابط کی پابندی کے لئے ایسے اصول معین کئے جانے کی ضرورت ہے جو غیر عربی دانوں تک قرآن مجید کے صحیح طریقے تک پہنچنے کی ضامن ہوں (ت۔ ذ)

عین مشورہ

۱۹۵۹ء میں فروری کے آخر اور مارچ کی ابتدا میں قرآن کریم کی ازلی وابدی حفاظت کی غرض سے قائم کردہ ادارہ جمعیت عامہ کے سامنے ان کی بلاواسطہ روایت اور شفاہی تلقین کو پیش کیا گیا جو بالشافہ کی گئی تھی اور قرآن کے ماہر علماء کے نزدیک یہی ایک قابل اعتماد طریقہ ہے، اس لئے کہ قرأت کو سماعی یا شفاہی طور پر ہی اُستوار کیا جاسکتا ہے اور اس سلسلہ میں ہونے والی تبدیلیوں کا پاس رکھتے ہوئے، شفاہی طور پر نقل کئے جانے والے طریقہ کو اُستوار کر کے اور اس میں پیشرفت کے ذریعہ ہی فی زمانہ قرآن کریم کو صوتی طور پر محفوظ کیا جاسکتا ہے اور شاید یہی ایک طریقہ دور حاضر کا سب سے قابل عمل طریقہ ہے کہ مختلف قرائات کے مطابق تجوید اور تلاوت کے ساتھ پڑھی جانے والی کتاب خدا کے سلسلہ میں مسلمانوں کو انتہائی آسانی مہیا ہوسکتی ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا تھا: دیکھنے میں آرہا ہے اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ بیشتر مسلمان تجوید کے صحیح اُصولوں کے مطابق قرآن عظیم کی تلاوت نہیں کرسکتے جبکہ قرآن کریم پر ایمان اُن کے بنیادی عقائد میں سے ہے اور وہ اس سے محبت کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے ہدایت کے بھی طالب ہیں۔ نیز یہ بھی صاف نظر آرہا ہے کہ قرآن کریم کے زیادہ تر حافظ حضرات حفص کے علاوہ کسی کی قرأت کی معرفت نہیں رکھتے اور یہ اور وہ دونوں ایسے اُمور ہیں جو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اور ان دونوں کے حوالہ سے محافظت قرآن کے سلسلہ میں قائم کردہ ادارہ جمعیت عامہ پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

ریکارڈنگ کے متعلق کہتے ہیں: ''ریکارڈنگ کے لئے تشکیل دی گئی کمیٹی کے اراکین سے میں نے مندرجہ ذیل اُمور کا مطالبہ کیا:

۱۔ ہر قاری الفاظ کی اَدائیگی کے سلسلہ میں انتہائی باریک بینی سے کام لے، اس لئے کہ ریکارڈنگ کے کسی موقع کو بھی نظرانداز کرنے سے ممتاز اَدائیگی ممکن نہیں اور اس چیز کا خیال رکھنا اس قدر بنیادی ہے کہ اس میں ہرگز کوئی رُخصت نہیں۔

۲۔ تمام قاری حضرات اُس قرآنی حصہ پر خوب کان دھریں کہ جس کی ریکارڈنگ مقصود ہے اور یہ چیز قاری کے ادائیگی میں وقت سے کام لینے اور اُس کے اَحکام کی رعایت کرنے پر بھی مقدم ہے اور اسے تمام تر لازمی توجیہات سے آراستہ کیا جانا چاہئے اور بالخصوص تا کہ سنت اور معانی کے تقاضوں اور جس پر تمام علمائے قرآن متفق ہیں کے مطابق مقامات وقف کی نشاندہی کردی جائے۔

ریکارڈنگ کے سلسلہ میں عاصم سے نقل کردہ حفص کی روایت پر عمل کیا گیا ہے اور آواز شیخ حصری کی ہے کہ اس روایت کی ریکارڈنگ کے لئے میں نے ازخود اس کا انتخاب اس منصوبہ کو مالی اُمور کی حمایت کے لئے وزارت اَوقاف کے

سامنے پیش کرنے سے بھی پہلے کرلیا تھا کہ ابھی میں نے اس کی وضاحت کردی۔

یہ ریکارڈنگ کوئی آسان کام نہ تھا، پس ایک ممتاز قاری ہونے اور اس وقت کے قُرّاء کے اُستاد ہونے کے باوجود اس کمیٹی نے اسے کافی توقف کروایا تھا تاکہ مطلوبہ مثالی نہج پر ریکارڈنگ کا اعادہ کیا جاسکے۔

ریکارڈنگ کمیٹی کا کہنا تھا: ''یہ کمیٹی کئی علمائے کبار اساتذہ سے تشکیل دی گئی تھی: عبدالفتاح قاضی: ''بالکل آغاز میں ہی انہوں نے کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا تھا اور اس کے بھی کچھ اسباب تھے کہ ان میں سے ایک یہ تھا کہ ان کی ملازمت قاہرہ سے خاصے فاصلہ پر تھی''، عامر عثمان، عبدالعظیم خیاط، محمد سلیمان صالح اور محمود حافظ برانق: آخری چار قاری الازہر کے ماتحت قائم کردہ ادارۂ قرائات کے مدیر تھے''۔

---

۱ دیگر قرائتوں کے متعلق سعید کے بارے میں جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یوں ہے:

اس کے بعد، ۱۹۶۲ء میں الدوری کی روایت کے مطابق ابوعمرو کی قرأت کی ریکارڈنگ کروائی۔ سوڈان، نائیجیریا اور عام طور سے افریقہ کے وسطی خطوں میں زیادہ تر یہی قرأت رائج ہے اور مصر میں بھی زیادہ تر یہی مشہور تھی یہاں تک کہ ترک حکومت آئی تو اس انتشار میں حفص کی روایت بازی لے گئی۔

نیز الازہر نے ایک ایسی کتاب شائع کی کہ جس میں سوائے حفص کی روایت کے کسی دیگر روایت اور شیخ حصری کی آواز کے علاوہ کسی دیگر آواز کو اس میں شامل نہیں کیا کہ مبادا - کتاب المشیخة میں کی گئی وضاحت کے مطابق- مسلمانوں کے درمیان یہ اختلافی فضا قائم ہو جائے کہ کون سی قرأت بہترین ہے اور کون سی آواز سب سے سُر ملی؟

اس منصوبہ کے بانی (رحمہ اللہ) اس ممانعت کی وجہ سے فکرمند تھے اور اس سلسلہ میں الازہر کے وائس چانسلر سے جس طویل احتجاجی ملاقات کے متحمل ہوئے - حالانکہ اُس موقع پر وہ بیمار تھے- اس میں سب سے قابل توجہ احتجاج یہ ہے:

عام طور سے اکثر قرائات کے باہمی اختلاف کی وجہ قرآن کا سات طرز پر نازل ہونا ہے اور یہ اختلافات امام بخاری و مسلم، ابن جریر، ابن حبان اور بیہقی کی نقل کردہ روایات اور امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور طیالسی وغیرہ کی اُن روایات کے درمیان پائے جاتے ہیں جو انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا تھا: شیخ - رحمہ اللہ - نے میری ہر بات کی تائید کی تھی اور بعض اوقات تو اُن کی تائید ہی میرے جملوں کو مکمل کرتی تھی نیز انہوں نے فی الفور وزیر اوقاف کے نام باقاعدہ ایک خط لکھا کہ صرف شاذ اور غیر متواتر قرائات ہی ہیں کہ جن کی ریکارڈنگ سے اتفاق نہیں کیا جارہا اور اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ ریکارڈنگ اسی قاعدہ کے مطابق ہونی چاہئے کہ قرائات ایک دوسری سے مخلوط نہ ہو جائیں اور ادائیگی میں باریک بینی اور اس کے احکام کی رعایت اچھی آواز پر مقدم ہونی چاہئے اور یہ اُمید ظاہر کی کہ ہر قرأت اپنے اپنے متعلقہ شہروں میں پھیلے گی کہ جن شہروں نے اس مخصوص قرأت کو منتخب کیا تھا اور اس بنیاد پر کہ ان شہروں کے مسلمان اسے حاصل کرسکیں۔

اس اشاعت کا آغاز مئی ۱۹۶۰ء میں ہوا اور ۲۳ جولائی ۱۹۶۱ء میں اس کی تکمیل ہو سکی: نویں عید الاضحیٰ، کیونکہ تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ مصحف مرتّل کی نشریات کا آغاز کیا گیا تھا۔ (مجمع الصوتی۔ صفحہ ۱۱۴) لے

شیخ محمود حصری نے ۱۹۷۵ء میں مجھ سے بیان کیا کہ ان کی قرأت کی آڈیو کیسٹ میں اُن کی یہ کوشش رہی تھی کہ حتی الامکان اُدائیگی کی بابت انتہائی باریک بینی سے کام لیا جائے۔ میں نے شیخ مذکور میں پرہیزگاری اور علم کے اُن آثار کا مشاہدہ کیا جو کسی مصری یا غیر مصری قاری میں آج تک دیکھنے میں نہیں آئے نیز انہوں نے مجھے اپنی کتاب کا ایک نسخہ ہدیہ کیا تھا کہ جس کا نام احکام قراءۃ القرآن الکریم رکھا تھا۔

قرأت کی سند

قاری حضرات نے ہمیشہ سے قرأت کے سلسلہ کو اپنے اُدوار سے لے کر پشت بہ پشت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ملانے کو بڑی اہمیت دی ہے بالخصوص قراٰت سبع کے معاملہ میں۔ اس سلسلہ میں ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) نے اپنی کتاب النشر میں (صفحہ ۱ تا ۹۹) بڑے وسیع انداز میں کام کیا جبکہ ابو محمد مکی ابن ابی طالب قیسی (متوفی۔ ۴۷۳ھ) اپنی کتاب التبصرة میں (صفحہ ۳۴ تا ۴۸) متوسط طور پر بحث کی اور قاریوں کے اُستاد علی محمد ضباع نے اپنی کتاب تذکرۃ الإخوان میں (صفحہ ۴۴ تا ۵۳) صرف مصری قاریوں پر اکتفا کیا۔ ان سب نے عاصم کے حوالے سے حفص کی اسانید پر کام کیا اور سب نے اسی بات پر زور دیا کہ ان قراٰت کا سلسلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر منتہی ہوتا ہے۔

ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳) کا کہنا ہے: ''ان کے حوالے سے تحریر کردہ طُرق کی مجموعی تعداد ایک ہزار ہے اور فی زمانہ قرأت کی دُنیا میں یہ سب سے صحیح اور اعلیٰ طُرق ہیں کہ ہم نے ان میں صرف اُسی طریق کو شامل کیا ہے کہ جس کی عدالت ہمارے نزدیک یا ہمارے گذشتہ پیشواؤں کے نزدیک ثابت ہے اور یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جس سے اس طریق نے حاصل کیا تھا اُس نے بھی بلا واسطہ حاصل نقل کیا ہے اور یوں وہ دونوں ہمعصر تھے۔ یہ وہ امتیازی خصوصیت ہے کہ ہمارے علاوہ اس سلسلہ میں تالیف کرنے والوں میں سے کسی نے اس کا خیال نہیں رکھا'' (النشر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۹۳)

اہمیت مضمون کی جانب یوں اِشارہ کیا ہے: ''جو شخص کتب قراٰت کی اسانید پر غور کرے گا اور علمی لحاظ سے اس کے راویوں کی سوانح حیات کا مطالعہ کرے گا تو اُسے ہماری عمیق تحقیق، درستگی اور اُن روایتوں کی قدر معلوم ہوگی کہ جسے ہم نے معتبر جانا اور اُسے صحیح قرار دیا ہے گو اَب لوگ اس علم کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے اور یہ ایک بند دروازہ ہے حالانکہ یہی چیز بیشتر قراٰت کو ترک کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے اب اللہ سے یہی دُعا ہے کہ بقیہ کی حفاظت فرمائے''۔

چونکہ سند کا صحیح ہونا قرأت کے اَرکان میں سے ایک ہے کہ اس کی تفصیل گزر چکی، لہٰذا ناگزیر یہی ہے کہ جس طرح سے کہ رجال علم الحدیث کے اَحوال سے کماحقہ آگاہی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح سے رجال قرأت کے اَحوال سے بھی پوری آگاہی ہونی چاہئے اور اس میں تو کوئی کلام نہیں ہے کہ گذشتہ لوگوں نے اس بات کا پورا خیال رکھا تھا اور اُن کی یہی خواہش تھی کہ اسے صحیح طرح سے محفوظ کیا جائے اور ہمارے علم کے مطابق جس نے اس کی تحقیق کا پورا حق اَدا کر دیا اور حتیٰ کہ اس سلسلہ کے غیر مانوس اور مطلق الفاظ تک کو قلمبند کیا وہ مغرب و مشرق میں قرأت کے سلسلہ کے دو امام ہیں: ایک حافظ کبیر اور قابل وثوق، ابو عمرو عثمان ابن سعید دانی جو التیسیر، جامع البیان اور تاریخ القُرّاء وغیرہ کے مؤلّف ہیں اور اُندلس اور مغربی قطر میں اس علم کی تحقیق، اسے حفظ اور اُستوار کرنے کا سلسلہ انہی پر منتہی ہوتا ہے۔ دوسرے حافظ کبیر ابوالعلاء حسن ابن احمد عطار ہمدانی ہیں جو کتاب الغایۃ فی القراء ات العشر اور طبقات القُرّاء وغیرہ کے مؤلّف ہیں اور عراق کے شہروں اور مشرقی قطر میں (قراءات کو) نقل کرنے والے والوں کے اَحوال اور ان کی سوانح حیات کی کماحقہ آگاہی کا سلسلہ انہی پر منتہی ہوتا ہے۔ (النشر - جلد۱ - صفحہ۹۳)

ان اَسانید میں غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورے قرآن کی قرأت سے متعلق ہیں یا پھر اس کے کسی جز سے متعلق، بلکہ ان میں سے بعض قاریوں نے تو مکرّر اپنی قرأت کو بعض دیگر قاریوں کے سامنے دُہرایا جیسے کہ نافع کی قرأت کے سلسلہ میں ابن مجاہد (متوفی - ۳۲۴) کے ساتھ یہی صورتحال تھی البتہ اُسے ہر اُستاد نے ہر طبقہ کے سامنے قرأت نہیں کیا، بلکہ اُنہوں نے محض اُس کی مستفیضہ شہرت پر اکتفا کر لیا اور اسناد کی ضرورت محسوس نہیں کی، اس لئے کہ قرأت کے سلسلہ میں اسناد کو یعنی اَساتذۂ قرأت اور اُن کے طبقات سے آگاہی کا بیان صرف تبرکاً اور تیمناً ہی نقل کیا جاتا ہے۔

ابو محمد مکی ابن ابی طالب قیسی (متوفی - ۴۳۷ھ) نے اپنی اَسانید کا ذکر کرتے ہوئے یہ وضاحت کی ہے کہ اُس کی تمام تر اَسانید قرأت نہیں ہیں، بلکہ ''ان میں سے بیشتر قرأت ہے'' ''اور وہ بھی کہ جنہیں میں نے نقل کیا لیکن اُن کے مطابق قرأت نہیں کی''

اب آپ کی خدمت میں اس کی قرأت سے متعلق اَسانید حاضر ہیں:

کہتا ہے: ''جان لو کہ ان سات ائمۂ قرأت تک میری قرأت بے شمار طُرق پر محیط نہیں ہے کہ روایت اور قرأت کے لحاظ سے اُن کا ذکر ایک سے زیادہ قاریوں کے ذریعہ طویل ہو اور میں اس کتاب میں قریب ترین طُرق پر اکتفا کروں گا کہ جن میں سے اکثر کو میں نے ابو الطیب - رحمہ اللہ - کے ذریعہ قرأت کیا اور اس کے علاوہ اس سلسلہ کی بے فائدہ مکرّر اسناد کو ترک کر دیا اور وہ کہ جنہیں میں نے نقل تو کیا لیکن اُن کے مطابق قرأت نہیں کی۔

نافع کی قرات اور ورش کی روایت میں جو کچھ اس نے نافع سے نقل کیا تو اسے میں نے ابو عدی عبدالعزیز ابن ابی الفرج کے ذریعہ نقل کیا، اس نے ابوبکر ابن سیف سے، اس نے ابو یعقوب ازرق سے، اس نے ورش سے اور اس نے نافع سے نقل کیا۔

نافع کے ذریعہ قالون کی روایت کو میں نے ابوالطیب سے نقل کیا، اس نے ابن مستفاض سے، اس نے اسماعیل ابن اسحق قاضی سے، اس نے قالون سے اور اس نے نافع سے۔ اس کے علاوہ (میں نے) ابوالطیب کے ذریعہ نقل کیا، اس نے ابوسہل صالح ابن ادریس سے، اس نے ابوالحسن علی ابن سعید سے، اس نے ابوبکر احمد ابن محمد اشعث سے، اس نے ابونشیط سے، اس نے قالون سے اور اس نے نافع سے نقل کیا۔

عاصم کی قرات کو اس روایت میں کہ جسے ابوبکر نے اس سے نقل کیا اُسے میں نے ابوالطیب سے نقل کیا، اس نے ابوسہل سے، اس نے احمد ابن محمد دیباچی سے، اس نے ادریس ابن عبدالکریم سے، اس نے خلف سے، اس نے ہشام بزاز سے، اس نے یحییٰ ابن آدم سے، اس نے ابوبکر سے اور اس نے عاصم سے نقل کیا۔

عاصم سے حفص کی روایت کو میں نے ابوالطیب کے ذریعہ نقل کیا، اس نے ابوالحسن نظیف ابن عبداللہ صمد ابن محمد عیونی سے، اس نے عمروابن صباح سے، اس نے حفص سے اور اس نے عاصم سے نقل کیا۔

ابن کثیر کی قرات کو قنبل کی روایت میں ابوالطیب کے ذریعہ نقل کیا، اس نے ابراہیم ابن عبدالرزاق سے، اس نے قنبل سے، اس نے ابن احمد ابن محمد ابن عون قواس سے، اس نے ابواخریط وہب (ابن) واضح سے، اس نے اسماعیل ابن عبداللہ قسط سے، اس نے شبل ابن عباد اور معروف ابن مشکان سے اور انہوں نے ابن کثیر سے نقل کیا۔

ابو عمرو کی قرات کو ابوشعیب سوسی کی روایت میں ابوالطیب کے ذریعہ نقل کیا، اس نے ابواحمد جعفر ابن سلیمان مشحلانی سے، اس نے ابوشعیب سے، اس نے یزیدی سے اور اس نے ابوعَمرو سے نقل کیا۔

الدوری کی روایت کو میں نے ابوالطیب کے ذریعہ نقل کیا، اس نے ابوالقاسم مجاہدی سے، اس نے ابن مجاہد سے، اس نے ابوزعراء عبدالرحمٰن ابن عبدوس سے، اس نے یزیدی سے اور اس نے ابوعمرو سے نقل کیا۔

اس کے علاوہ ابوالطیب نے مجھے ابوخلاد کی روایت یزیدی کے ذریعہ بیان کی اور اس نے ابوعمرو سے نقل کیا تھا۔ نیز اس نے ابوخلاد سے کسی اختلاف کو بھی بیان نہیں کیا، بلکہ اُسے الدوری اور اس کے دونوں ساتھیوں کی جگہ پر رکھا کہ ان سب نے یزیدی سے بغیر کسی باہمی اختلاف کے نقل کیا البتہ اس بناء پر کہ الدوری کے حوالے سے جس کا ذکر انشاء اللہ ہم بعد میں کریں گے۔

حمزہ کی قرأت کو خلف اور الدوری کی روایت میں ان دونوں میں سے کسی ایک روایت کو میں نے ابوالطیب کے ذریعہ نقل کیا، اس نے عبداللہ ابن احمد ابن صقر سے، اس نے ابوبکر آدمی سے، اس نے ابوایوب ضبی سے، اس نے خلف سے، اس نے سلیم سے اور اس نے حمزہ سے نقل کیا۔ البتہ دوسری روایت مجھ سے ابوالطیب نے محمد ابن علی عطوفی کے ذریعہ بیان کی، اس نے قاری جعفر ابن محمد سے، اس نے ابوعُمر حفص ابن عبدالعزیز ابن صہبان الدوری سے، اس نے سلیم سے اور اس نے حمزہ سے نقل کیا نیز اس نے الدوری اور خلف کے درمیان کسی اختلاف کو بھی بیان نہیں کیا۔

کِسائی کی قرأت کو اس کے ذریعہ سے الدوری کی روایت میں ابوالطیب کے ذریعہ نقل کیا، اس نے محمد ابن علی عطوفی سے، اس نے ابوالفضل جعفر ابن محمد ابن اَسد سے، اس نے الدوری سے اور اس نے کِسائی سے نقل کیا۔

ابوالحارث کی روایت کو ابوالطیب کے ذریعہ نقل کیا، اس نے ابوسہل اور ابن خالویہ سے، ان دونوں نے ابن مجاہد سے، اس نے محمد ابن یحییٰ سے، اس نے ابوالحارث سے اور اس نے کِسائی سے نقل کیا۔

ابن عامر کی قرأت کو ابن ذکوان کی روایت میں ابوالطیب کے ذریعہ نقل کیا، اس نے ابوعلی حسن ابن حبیب دمشقی اور ابوعبداللہ ہارون ابن موسیٰ اَخفش سے، انہوں نے ابن ذکوان سے، اس نے ایوب ابن تمیمی سے، اس نے یحییٰ ابن حارث ذماری سے اور اس نے ابن عامر سے نقل کیا۔

ابن عامر کے ذریعہ ہشام کی روایت کو میں نے ابوالطیب سے نقل کیا، اس نے ابوعلی حسن ابن حبیب دمشقی سے نقل کیا، اس نے احمد ابن معلّی سے، اس نے ہشام ابن عمار سے، اس نے عراک ابن خالد سے، اس نے یحییٰ ابن حارث ذماری سے، اس نے ابن عامر سے نقل کیا۔ اس کے علاوہ ابوالطیب نے اس روایت کو مجھ سے ابواحمد عبداللہ ابن محمد دمشقی کے ذریعہ بیان کیا، اس نے احمد ابن انس سے، اس نے ہشام ابن عمار سے ماسبق کی طرح نقل کیا ہے۔'' (التبصرۃ۔ صفحہ ۴۱)

عُلوِ اَسناد

ابن جزری (متوفی۔ ۸۳۳ھ) نے قرائات سے متعلق عُلوِ اَسناد (اُوپری سلسلہ) کی طرف خاص توجہ دی ہے، چنانچہ اس کا کہنا ہے: ''اس سلسلہ کے ائمہ کے نزدیک صحیح شرائط کے مطابق تلاوت قرآن سے متصل جو اعلیٰ سلسلہ ہم تک پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ میرے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے درمیان چودہ اَفراد کا فاصلہ ہے اور یہ خصوصیت حفص کی روایت کے مطابق عاصم کی قرأت میں، رویس کی روایت کے مطابق یعقوب کی قرأت میں اور ابن ذکوان کی روایت کے مطابق ابن عامر کی قرأت میں پائی جاتی ہے نیز اس بات کے ثبوت کے طور پر کہ ابن عامر نے ابودرداء رضی اللہ عنہ کے

سامنے قرأت کی تھی اس روایت میں تیرہ اَفراد شریک ہیں۔اس کے علاوہ ہاشمی کے طریق سے حفص کی روایت کہ جسے اس نے اشنانی کے ذریعہ نقل کیا اور حفص سے ہبیرہ کے متصل طریق کی بھی یہی صورتحال ہے اور یہی سبط خیاط کی کفایت ہے۔ آج کل اس سے اعلیٰ اَسانید نہیں پائی جاتیں اور جس طرح کہ میں نے اس مضمون کے علاوہ دوسرے مقام پر بیان کیا ہے ان میں سے بعض میں تو امام ابوالقاسم شاطبیؒ بھی شانہ بشانہ ہمارے ساتھ ہیں اور اُن کے کچھ اَساتذہ بھی۔میرے پاس قرآن کا کچھ حصہ بھی اسی طرح پہنچا ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ سورۂ صف مجھ تک تیرہ قابل وثوق اَفراد کے ذریعہ ایسے تسلسل کے ساتھ پہنچی ہے کہ یہ سلسلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاملتا ہے جبکہ سورۂ کوثر گیارہ اَفراد کے ذریعہ اور قرآن کے سلسلہ کی یہ اعلیٰ ترین اَسناد ہیں'' (النشر۔جلد۱۔صفحہ۱۹۴)

اب آپ کے سامنے اس کی سورۂ کوثر تک کی اسناد پیش کی جارہی ہے: ''پس شیخ ومرجع الناس ابوعُمر محمد ابن اَحمد ابن عبداللہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی نے دِرّہ قاسیہ میں جو دمشق کے سامنے والے حصہ میں واقع حنابلہ کی عبادت گاہ تھی میرے سامنے قرأت کرکے مجھے بتایا؛ اُس نے کہا: شیخ الامام ابوالحسن علی ابن احمد ابن عبدالواحد حنبلی نے دمشق کے ظاہری حصہ میں واقع مذکورہ دِرّہ ہی میں اُس کے سامنے قرأت کرکے ہمیں بتایا؛ ابوعلی حنبل ابن عبداللہ حنبلی نے بغداد میں واقع مدینۃ السلام میں اُس کے سامنے قرأت کرکے ہمیں بتایا۔ابوعلی حسن ابن مذہب حنبلی نے بغداد میں اس کی قرأت کرتے ہوئے ہمیں بتایا، ابوبکر احمد ابن جعفر ابن مالک قطعی حنبلی نے بغداد میں ہمیں بتایا، عبداللہ ابن امام احمد ابن محمد ابن حنبل نے بغداد نے ہمیں بتاتے ہوئے کہا: میرے والد نے بغداد میں مجھ سے بیان کیا (ہم سے) محمد ابن فضیل نے مختار ابن فلفل کے ذریعہ بیان کیا اور اس نے انس ابن مالکؓ سے نقل کیا کہ اس نے کہا تھا: ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غشی طاری ہوئی اور پھر آپ نے تبسم فرماتے ہوئے اپنا سر اُٹھایا'' (راوی کا بیان ہے کہ) یا تو۔آپؐ نے اُن لوگوں سے کہا۔ یا پھر ۔اُن لوگوں نے آپؐ سے عرض کیا۔آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اَبھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی تھی۔پھر آپؐ نے (اُس سورت کو) پڑھا، یعنی ﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم إنّا أعطینا ک الکوثر فصل لربک وانحر إنَّ شانئک ھو الأبتر﴾ یہاں تک کہ آپ نے اُسے تمام کرکے فرمایا: کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ کوثر کیا ہے؟ اُن لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ واقف ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک نہر ہے جو میرے پروردگار عزوجل نے مجھے جنت میں عطا کی ہے اور اس پر خیر کثیر ہے کہ روز قیامت اس پر میری اُمت وارد ہوگی۔اس میں ستاروں کی تعداد میں ظروف ہوں گے کہ جن کو دیکھ کر انسان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی تو میں کہوں گا: اے میرے پروردگار! یہ میرے اُمتی ہیں تو کہا جائے گا: آپ کو نہیں پتا کہ آپؐ کے بعد ان لوگوں نے

کیا کیا؟!'' یہ صحیح حدیث ہے کہ جو صحیح مسلم میں انہی الفاظ میں درج ہے اور امام ابوداؤد اور نسائی نے محمد ابن فضیل اور علی ابن مسہر کے طریق سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے مختار ابن فلفل کے ذریعہ اور اس نے انسؓ سے نقل کیا ہے'' (النشر - جلد ا- صفحہ ۱۹۶)

اس کے بعد کہا ہے: ''یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اسی سورت کے ساتھ نازل ہوئی تھی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اسی سورت میں ہونے یا اس کی ابتدا میں ہونے کے متعلق احتمال پایا جاتا ہے نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے حالانکہ جتنے علمائے عدد اور نزول کو ہم جانتے ہیں اُن سب کا اسی بات پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اَعلم'' (النشر - جلد ا- صفحہ ۱۹۶)

سندِ مؤلف

قراءات سبع اسناد سے بے نیاز ہیں، اس لئے کہ پشت بہ پشت قُرائے سبعہ کے حوالے سے یہ بطور تواتر نقل کی گئی ہیں اور ابن جزری کے النشر کی پہلی جلد کے صفحہ ۹۳ پر تفصیلی طور پر اُن بیان کردہ اَسانید کی وجہ سے بھی جو عام طور سے اجازہ کے ساتھ روایت کے تسلسل کے دائرہ سے باہر نہیں جاتیں۔ اس کے علاوہ علمائے اَعلام نے بھی ان کی حفاظت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ یہ قاریوں کے ذریعہ تواتر سے ثابت ہے۔ میں نے بھی بچپن میں قرآن کریم کو عاصم کے ذریعہ حفص کی روایت کے مطابق اپنی والدہ کے سامنے پڑھا تھا جو علویہ، حسینیہ اور خراسان سے تعلق رکھتی تھیں اور وہ اپنی شفقت اور تمام تر ماِمتا سے بھرپور ہونے کے باوجود تعلیم قرآن کے معاملہ میں سخت تھیں؛ وہ کربلا میں ۱۳۲۹ھ میں پیدا ہوئی تھیں۔ اپنے والد محترم کی ہمراہی میں ۱۳۶۶ھ میں خراسان کی جانب سفر اختیار کیا اور ۱۳۸۴ھ میں حج بیت اللہ بجالائیں؛ عبادت اور علم سے اُن کا انتہائی گہرا تعلق تھا اور حضرت فضہ رضی اللہ عنہا کی پیروی کرتے ہوئے یہ چیز اُن کی عادت میں شامل تھی کہ وہ مناسب قرآنی آیات سے جوابات دیا کرتیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ قرآن حفظ کئے ہوئی، خدا کی فرمانبردار، انتہائی پرہیزگار اور خداترس تھیں؛ اُنہوں نے تالیف کتاب میں حصہ لیتے ہوئے نور المسجدین نامی کتاب تحریر کی جو مسجد کوفہ اور مسجد سہلہ کے اَعمال سے متعلق تھی؛ اپنے گھر کو اُنہوں نے تعلیم قرآن کے لئے مدرسہ بنالیا تھا اور اس کام کو بڑے صبر و ایمان اور حب و اخلاص کے ساتھ انجام دیتیں کہ آج کے دور میں ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ انہی علویہ نیک کردار مومنہ کی گود میں پل کر میں نے قرأت کے ذریعہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۵، جمادی الاوّل ۱۴۰۱ھ کو مجھے اُن کے انتقال کی خبر ملی؛ اُن کی تدفین نجف اَشرف میں اُن کے جد حضرت علی امیر المومنین علیہ السلام کے جوار میں عمل میں آئی۔ خدا کی راہ میں جو صعوبتیں

---

[1] یہ علویہ جلیلہ فقیہہ اکبر آیت اللہ العظمیٰ سید ہادی خراسانی اعلی اللہ مقامہ کی صاحبزادی تھیں۔

اُنہوں نے برداشت کی تھیں اُس کے بدلے میں اللہ نے اُنہیں جزائے خیر عطا کرے! اور خدا تمام مسلمان ماؤں کو یہ توفیق عنایت کرے کہ وہ اپنی نسل کے مستقبل کو یوں محفوظ رکھیں کہ اُن کے دلوں میں مبادئ قرآن کا شجر لگائیں، حلاوت ایمان پیدا کریں اور اُن کی نیک تربیت کی طرف ہمہ وقت متوجہ رہیں۔

میں نے کچھ قرآن کو بعض علمائے کرام سے قرأت، تفسیر اور اُن کے اجازہ کے ذریعہ سیکھا۔ اس کتاب میں اُن کا ذکر کروں گا تاکہ یہ اُن پر رحمت خدا کا سبب بنے اور انہوں نے جو قرآن کریم کی حفاظت کی وہ سلسلہ بھی جاری رہے اور خدا ہی کارساز توفیق ہے۔

والد محترم سید محسن جلالی (۱۳۳۰-۱۳۹۶ھ)

میرے آقا و اُستاد اور وہ کہ جن کی رہنمائی ہی میرا سہارا تھی کہ آپؒ دُنیوی آسائشوں سے کنارہ کش اور ہمہ وقت اور ہر حالت میں اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے، ہر موقع پر اپنے اعمال پر سخت نگران رہتے تھے، اپنی زندگی کے ہر لحہ اپنے جدّ اطہر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور اُن کی آل پاک کی سُنت پر عمل پیرا تھے؛ اُن کا ایک مخصوص دستور العمل تھا کہ جس کے وہ انتہائی پابند تھے، حتیٰ کہ اُن کے دیگر ساتھی بھی اُس کی پابندی نہیں کر پاتے تھے۔ اُن کے اوقات کا ایک حصہ اُن کے پروردگار کے لئے مخصوص تھا، ایک حصہ تدریس کے لئے مقرر تھا اور ایک لوگوں کے سوالات کے جوابات دینے کے لئے معین کیا ہوا تھا۔ اُن کی ابتدا آخر شب (سَحر) میں نماز تہجد سے ہوتی تھی اور اس کے بعد آپ سرِ مقدس امام حسین علیہ السلام کے پاس طلوع فجر تک قرآن کی تلاوت فرماتے اور مسلسل تلاوت ہی فرماتے رہتے سوائے اس کے کہ کسی نمازی وغیرہ کے فقہی سوال کا جواب دینا ہوتا تو اُسے جواب دینے کے بعد بھی طلوع شمس تک تلاوت فرماتے اور اگر اس میں کوئی رکاوٹ آجاتی تو کسی دوسرے وقت میں اپنی تلاوت کو تمام کرتے؛ تا وفات اُن کی یہی عادت رہی۔ البتہ جہاں تک رمضان کی بات ہے تو وہ ہر ہفتہ ایک ختم القرآن اَدا کرتے اور اس کے باوجود اُن کے علمی فرائض یعنی تدریس، امامت اور لوگوں کی حاجت روائی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنی کئی تحریریں چھوڑ گئے ہیں کہ جنہیں وہ بے وقعت شمار کرتے تھے اور اُن کی اشاعت سے گریزاں تھے کہ مبادا خود پسندی غالب آجائے۔ اس کے علاوہ آئندہ نسل، فقہ اور اُصول کی حفاظت کرنے والے، احیائے سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور معقول و منقول میں علمائے کبار کی سیرت کو قائم رکھنے کے سلسلہ میں اپنے آپ کو ذمہ دار گردانتے تھے۔ اُنہوں نے اس راہ میں وہ صعوبتیں برداشت کیں کہ پہاڑ بھی جس کے متحمل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اس سلسلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا کرتے تھے۔ بالآخر ۲۰، صفر ۱۳۹۶ھ میں اپنی شائستہ زندگی کے اختتام پر اپنے

پروردگار کی طرف سرخرو لوٹے۔ آپؒ سوائے حفص کے کسی کی قرأت پر عمل نہ کرتے اور آپ کا نظریہ یہی تھا کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ذریعہ بطور تواتر آئی ہے۔ جس طرح کہ اُن کا یہ نظریہ بھی تھا کہ کتابت میں قرآنی تحریر کا پاس رکھنا واجب ہے۔ جہاں تک طباعت کی بات ہے تو آپ کو خطاط حافظ عثمان کی طباعت سب سے زیادہ پسند تھی اور آپؒ مجھے بھی اس طباعت کی اُن خصوصیات سے آگاہ کرتے تھے جو دوسرے خطاط کے نسخوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اس کے آخر میں لکھا تھا: ''اِسے اپنے قادر مطلق پروردگار کی رحمت کے محتاج بندہ جو قرآن کی جمع آوری کرنے والے کا ہم نام ہے، یعنی حافظ عثمان نے لکھا۔ وہ اپنے انتہائی محسن پروردگار کے لطف وکرم کا اُمیدوار ہے کہ وہی احسان ومغفرت کا سرچشمہ ہے اور اسی طرح اُس روز محشر اور میزان اَعمال میں مہبط قرآن کی شفاعت کا طلبگار رہوں؛ اس نسخہ کو میں نے اُس معروف اُستاد کے مصحف کے مطابق لکھا ہے جو فاضل اور جید علماء کے نزدیک قاری علی مکی کے نام سے جانا جاتا ہے؛ خدائے دیّان کی عنایت کے طفیل ماہ شعبان کے اَوائل میں ۱۰۹۷ھ میں اس کی کتابت سے فارغ ہوا کہ ساری عزت وشرف اُسی پروردگار کے لئے مخصوص ہے''۔

علامتوں کی جو تعریف اس مطبوعہ میں بیان کی گئی ہے وہ کسی اور میں بیان نہیں ہوئی، اصل عبارت یوں ہے: ''اس مصحف کے تلفظات کو اس کے اُستاد اور محقق کبیر مقری فقیہ اُصولی عُرف علی ابن سلطان محمد ہروی مکی اپنے دور میں امام حرم مکہ کی کتابوں سے حاصل کیا اور اسے مشہور خطاط حافظ عثمان علی نے اُس بناء پر نقل کیا کہ جسے اہل مشارق نے منتخب کیا تھا''۔

اِس مصحف میں اِستعمال ہونے والی علامتوں کی تفصیلات

م	وقف لازم کی علامت ہے یعنی اس میں وقف معین ہے بایں معنیٰ کہ وصل خلاف مقصود ہے۔
ط	وقف مُطلق کی علامت ہے یعنی اس مقام پر وقف بہتر ہے وصل سے۔
ج	وقف جائز کی علامت ہے یعنی اس میں وقف اور وصل یکساں ہیں۔
ز	وقف مجوز کی علامت ہے یعنی اس مقام پر وقف کی اجازت ہے لیکن وصل بہتر ہے۔
ص	وقف مرخص کی علامت ہے یعنی ضرورت کے تحت اس مقام پر وقف کیا جاسکتا ہے۔
ق	ایسے وقف کی علامت ہے کہ اکثر علماء اس کے قائل نہیں ہیں۔
قف	وقف مستحب کی علامت ہے یعنی وصل میں کوئی حرج نہیں۔
لا :	عدم وقف کی علامت ہے سوائے اس کے کہ اس کے نیچے ابتدائے آیت کی علامت ہو تو ایسی

صورت میں اکثر کی رائے کے مطابق اس میں وقف سے کام لینا مستحب ہے۔

ک بیان وقف کی علامت ہے یعنی اس پر اپنے سے پہلے واقع علامت کا حکم جاری ہوتا ہے۔

س سکتہ کی علامت ہے یعنی بغیر سانس لئے ذرا سا توقف کیا جائے۔

تعانق وقف کی علامت ہے یعنی اگر دونوں میں سے کسی ایک مقام پر وقف کیا تھا تو دوسرے پر وقف کرنا صحیح نہیں ہے۔

ء کوفی عدد کے مطابق دس آیتوں کے مکمل ہونے کی علامت ہے۔

عب بصری عدد کے مطابق دس آیتوں کے مکمل ہونے کی علامت ہے۔

ہ کوفی عدد کے مطابق پانچ آیتوں کے مکمل ہونے کی علامت ہے۔

خب بصری عدد کے مطابق پانچ آیتوں کے مکمل ہونے کی علامت ہے۔ نیز جب کبھی پانچ یا دس سے متعلق دو اعداد یکجا ہوں تو کوفی علامت پر اکتفا کیا جائے گا۔

لب یہ علامت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اس کے نیچے تحریر شدہ علامت بصری عدد کے مطابق ابتدائے آیت کی علامت نہیں ہے۔

تب یہ علامت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اس کے نیچے تحریر شدہ علامت بصری عدد کے مطابق ابتدائے آیت کی علامت ہے۔

ب حزب کے مکمل ہونے کی علامت ہے۔

اُن کا کہنا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ "جیسے تمھیں سکھایا گیا ھے اُسی طرح قرأت کرو!" اس سے مراد صرف قرأت کے ذریعہ ہی حاصل ہو جیسے کہ علمائے کبار کی بھی یہی روش رہی ہے اور اس سلسلہ میں قرآن سے متعلق اجازہ پر اکتفا نہیں کیا جائے گا اور یہی وجہ تھی کہ آپؒ اجازہ کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ وہ حدیث سے مختص ہو اور یہ کہ قراءات کی اسانید قرأت کی اسانید نہیں بلکہ روایت کی اسانید ہیں جبکہ قرآن کریم کے متعلق ضروری ہے کہ اسے قرأت کے ذریعہ ہی حاصل کیا گیا ہو نہ کہ اجازہ کے ذریعہ اور علمائے اعلام کے سامنے قرأت کی ہو، کیونکہ یہی کی قرأت قرآن کریم کی محافظت ہے۔

۱۔ شیخ محمد علی سرابی (متوفی-۱۳۸۴ھ)

میں ان کے تفسیر کے دُروس میں حاضر ہوتا تھا؛ انتہائی زُہد کے حامل تھے، لوگوں سے کنارہ کش اور گوشہ نشین رہتے اور لوگوں سے صرف درس کے موقع پر ملتے تھے۔ میں نے اُن سے اُن کے اَساتذۂ قرأت اور اُن کی اسناد کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے: عاصم کی قرأت متواتر ہے۔ یہ رائے اُن کے اُستاد سید آغا حسین قمی (متوفی-۱۳۶۶ھ) کی تھی کہ جنہوں نے اس کی وضاحت اپنے ایک درس میں کی تھی اور اُن کی اسناد اُنہی کی اِسناد تھی۔ وہ صرف عاصم کی قرأت کو متواتر خیال کرتے تھے دیگر کسی قرأت کو نہیں۔

ہمارے شیخ العلاّمہ نے ان کی سوانح حیات کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے: ''شیخ محمد علی ابن یحیٰ سرابی، عالم جلیل اور فاضل پرہیزگار۔ اَوائل عمر میں مشہد رضوی خراسان میں مشغول تعلیم رہے اور اس کے بعد عراق ہجرت کی اور وہاں سامراء میں ایک عرصہ کچھ علماء کے سامنے قرأت کی اور کربلا کے علماء کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے کہ اُن میں سے ایک سید آغا حسین قمی ہیں؛ ایک مدت ان کے ساتھ گزاری یہاں تک کہ وافر فضل ومعرفت کے حامل ہوئے اور اپنے علم وتقویٰ کی بنیاد پر اپنے اُستاد کے اعتماد کو حاصل کیا۔ ۱۳۶۶ھ میں اُستاد کے انتقال کے بعد نجف میں فروکش ہوئے اور سطحیات کی تدریس کا آغاز کیا تو اُن کی خدمت میں بے شمار طلباء نے حاضر ہو کر اُن سے استفادہ کیا وہ درس دیا کرتے تھے۔

اَخلاقی رفعت، متوازن سیرت، بھرپور تواضع، نیک نفسی، نیکوکاری، پرہیزگاری، نفع رسانی اور فائدہ پہنچانے کی طرف متوجہ رہنے کی وجہ سے ممتاز شخصیت کے حامل تھے؛ زندگی کے آخر میں فالج کا حملہ ہوا۔ بغداد کے اَطباء سے اُن کو افاقہ نہ ہوا، ایک عرصہ تک اپنے گھر ہی میں بیٹھے رہے اور یوں ۲۸، ذی الحج ۱۳۸۴ھ میں انتقال کر گئے۔ بڑے احترام کے ساتھ اُن کی مشایعت عمل میں آئی اور وادی السلام میں مقام مہدی (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کے قریب دفن کئے گئے۔ اُن کی کوئی اَولاد نہیں تھی، اُن کی تحریر کردہ مختلف اور مفید باقیات شیخ عبداللہ لنکرانی ابن شیخ مجتبیٰ کے پاس محفوظ ہیں جو اُن کی زوجہ کے بھائی ہیں۔ (طبقات اعلام الشیعة-جلد۱۴-صفحہ۱۵۶)

اُن کے مذکورہ اُستاد سید آغا حسین محمد تقی حائری (متوفی-۱۳۶۶ھ) سید مرتضیٰ کشمیری (متوفی-۱۳۲۳ھ) کے ذریعہ نقل کرتے ہیں اور وہ سید میرزا ہاشم خونساری (متوفی-۱۳۱۷ھ) کے ذریعہ، وہ سید صدر الدین عاملی (متوفی-۱۲۶۳ھ) کے ذریعہ، وہ سید محمد مہدی بحرالعلوم (متوفی-۱۲۱۲ھ) کے ذریعہ، وہ محمد باقر وحید بہبہانی (متوفی-۱۲۰۶ھ) کے ذریعہ، وہ مُلاّ محمد باقر مجلسی (متوفی-۱۱۱۱ھ) کے ذریعہ، وہ اپنے والد محمد تقی مجلسی (متوفی-۱۰۷۰ھ) کے ذریعہ، وہ شیخ بہاء الدین عاملی (متوفی-۱۰۳۱ھ) کے ذریعہ، وہ اپنے والد حسین ابن عبدالصمد (متوفی-۹۸۴ھ) کے ذریعہ، وہ شیخ زین الدین- شہید ثانی-

(شہادت-۹۶۶ھ) کے ذریعہ، وہ نورالدین علی ابن عبدالعال میسی (متوفی-۹۴۰ھ) کے ذریعہ، وہ شمس الدین محمد عُرف ابن المؤذن جزینی کے ذریعہ، وہ ضیاء الدین علی عاملی کے ذریعہ اور وہ اپنے والد شمس الدین محمد ابن مکی- شہید اوّل- (شہادت-۷۸۶ھ) کے ذریعہ، وہ اپنے اُستاد جمال الدین احمد ابن محمد ابن حداد تمیمی عاملی (متوفی- حدود ۸۴۹ھ) کے ذریعہ۔ کہتے تھے: [جیسا کہ بحارالانوار میں نقل کیا گیا ہے] میں نے سید جمال الدین ابوالمحاسن یوسف ابن ناصر ابن حماد حسینی غروی کے سامنے ابوبکر عاصم ابن ابی نجود ابن بہدلہ حناط کوفی کی روایت کے مطابق قرآن پڑھا، اس کے دونوں راوی ابوبکر اور حفص ابن سلیمان ابن مغیرہ بزاز کوفی کی روایت کے مطابق اور کسائی اور اس کے دونوں رواۃ کی روایت کے مطابق بھی۔

کہتے تھے: میں نے ان دونوں کے مطابق شروع سے لے کر آخر تک سید رضی الدین ابوعبداللہ الدوری، ابو الحارث لیث ابن خالد بغدادی اور قاری حسین ابن قتادہ ابن مزروح حسنی رے کے سامنے قرآن کریم کی قرأت کی۔ نیز کہتے تھے: میں نے ان دونوں کے مطابق کئی اُساتذہ کے سامنے قرأت کی کہ اُن میں سے کچھ یہ ہیں: ابوحفص عُمر ابن معن زبری ضریر جو روضہ میں مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے امام تھے اور اُنہوں نے ان دونوں کے مطابق محدّث ابوعبداللہ محمد ابن عمر ابن یوسف قرطبی کے سامنے قرأت کی تھی اور اُنہوں نے ان دونوں کے مطابق ابوالحسن علی ابن محمد ابن احمد جذامی ضریر مالقی عُرف ابن عُماد کے سامنے قرأت کی تھی اور اُنہوں نے ان دونوں کے مطابق ابومحمد عبداللہ ابن سہل اور خطیب ابوالقاسم خلف ابن ابراہیم ابن حصاد قرطبی کے سامنے قرأت کی تھی۔ دونوں کہتے تھے: ہم نے ان دونوں کے مطابق ابوعُمر عثمان ابن سعید ابن عثمان دانی کے سامنے اُس طریق کے مطابق قرأت کی تھی جو انہوں نے اپنی کتاب التیسیر میں درج کیا ہے جبکہ عاصم نے ابوعبدالرحمٰن عبداللہ ابن حبیب سلمی کے سامنے قرأت کی تھی اور انہوں نے حضرت علی امیرالمومنین صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے سامنے قرأت کی تھی اور اُنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے۔

نیز کسائی نے بھی حمزہ کے سامنے قرأت کی تھی اور حمزہ نے (امام) صادق علیہ السلام کے سامنے قرأت کی تھی اور اُنہوں نے اپنے والد کے سامنے اور اُنہوں نے اپنے والد کے سامنے اور اُنہوں نے اپنے والد کے سامنے قرأت کی تھی جبکہ اُنہوں نے حضرت علی امیرالمومنین علیہ السلام کے سامنے قرأت کی تھی اور اُنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے قرأت کی تھی۔ (بحارالانوار- جلد ۱۰۷- صفحہ ۲۰۱)

۲. سید علوی ابن عباس مالکی (۱۳۳۵ھ-۱۳۹۱ھ)

موسم حج میں کہ جب میرا پہلا حج تھا ۱۳۸۳ھ میں ان سے مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی اور محلّہ قرارہ میں واقع ان کے

گھر پر کئی مرتبہ گیا تو میں نے انہیں محدِّث جلیل پایا کہ جنہیں کئی علوم پر دسترس حاصل تھی۔ جب میں نے اُن کے نسب اور زندگی کے متعلق سوال کیا تو کہنے لگے کہ نام بھی اُن کا علوی ہے اور نسبی طور پر بھی وہ علوی ہی ہیں، ابن عباس ابن عبدالعزیز ابن محمد جو نسبی طور پر حسنی اور مذہبی طور پر مالکی تھے۔ نیز ۱۳۲۵ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد سے ابتدائی علوم کو حاصل کیا۔ ۱۳۴۷ھ سے مدرسہ فلاح میں درس دیا کرتے تھے تو میں نے ان سے اجازہ مانگ لیا، لہٰذا انہوں نے ۱۵، ذی الحج ۱۳۸۳ھ کو مجھے اجازہ دے دیا۔ ۱۳۹۱ھ میں مجھے اُن کے انتقال کی خبر ملی۔ مرحوم نے مجھے اپنی کئی تالیفات ہدیہ کی تھیں کہ جن میں یہ بھی شامل ہیں: **العقد المنظم فی أقسام الوحی المعظم** اور **شرح منظومة أصول التفسیر**، اپنی اسناد میں قراءات کے متعلق ایک اجازہ کا حوالہ دے کر مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ موسم حج کے بعد مجھے ارسال کریں گے لیکن مجھ تک وہ نہیں پہنچا حالانکہ کسی بات کو نظر انداز کرنا اُن کا خاصہ نہیں تھا، اس لئے کہ میں نے اُنہیں علم و عمل کا پیکر پایا تھا۔ کتاب **نور النبراس** میں اُن کے والد عباس (متوفی-۱۳۵۰ھ) کے حالات زندگی میں قراءات سے متعلق اُن کی اسناد دیکھیں جسے میں بعینہٖ درج کر رہا ہوں:

محدِّث مُجاز (اجازہ یافتہ) سید علوی ابن عباس مالکی (متوفی-۱۳۹۱ھ) نے اپنے والد (متوفی-۱۳۵۰ھ) کے ذریعہ، وہ محدِّث شیخ ابو یسر محمد فالح ظاہری مہوی کے ذریعہ نقل کیا۔ اُنہوں نے کہا: ہمارے شیخ و اُستاد شیخ الاسلام والمسلمین امام ابوعبداللہ محمد ابن علی سنوسی شریف خطابی حافظ شلفی نے ہمیں بتایا۔ کہا: ہم نے قرآن عظیم کو کئی ماہر اور نیکوکار اساتذہ کرام سے سیکھا یعنی اُن کی تمام قراءات و روایات، طُرق و وجوہات کو سماعی اور تقابلی طور پر حاصل کیا۔ نیز مذکورہ دونوں طریقوں سے ان کے نظریہ کے مطابق جو اس سلسلہ میں حدیث اور قراءات میں کوئی فرق نہیں کرتے اجازہ بھی لیا اور بلاواسطہ حاصل بھی کیا کہ اسی کو تائید حاصل ہے اور گذشتہ اور بعد میں آنے والے علماء بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔ پس میں اسے اپنے آقا محمد ابن عبدالسلام ناصری سے نقل کرتا ہوں اور وہ میرے آقا علی ابن ناصر سے یہ کہتے ہوئے نقل کرتے ہیں: میں نے ورش اور قالون کی روایت کے مطابق نافع کی قرأت، بزی اور قنبل کی روایت کے مطابق ابن کثیر کی قرأت، الدوری اور نوسی کی روایت کے مطابق ابوعمرو کی قرأت کے مطابق سماعی طور پر قرآن عظیم کو سیکھا، اپنے والد سے بھی اور دیگر علماء سے بھی۔ انہوں نے ابو اسحٰق سباعی کے ذریعہ، اُنہوں نے ابو زید عبدالرحمٰن ابن قاضی کے ذریعہ، اُنہوں نے میرے آقا عبدالرحمٰن سلجماسی کے ذریعہ، اُنہوں نے ابوعبداللہ شریف کے ذریعہ، اُنہوں نے ابوالقاسم دُکالی کے ذریعہ، اُنہوں نے امام ابن غازی کے ذریعہ، اُنہوں نے ابوعبداللہ صغیر کے ذریعہ، اُنہوں نے ابوالعابس فیلالی کے ذریعہ، اُنہوں نے ابوعبداللہ فخار کے ذریعہ، اُنہوں نے ابوالعابس زواوی کے ذریعہ، اُنہوں نے علی ابن سلیمان کے ذریعہ، اُنہوں نے ابوجعفر ابن زبیر کے ذریعہ،

اُنہوں نے ابوالولید اسماعیل عطار کے ذریعہ، اس نے ابوبکر بن حسّون کے ذریعہ، اس نے ابوعبداللہ ابن بقی کے ذریعہ، اس نے ابومحمد عبداللہ ابن عمر ابن عرجاء کے ذریعہ، اس نے طبری اور ابن نفیس کے ذریعہ، اس نے ابوبکر ابن سیف کے ذریعہ، اس نے ابویعقوب اَزرق کے ذریعہ، اس نے ورش اور قالون کے ذریعہ، ان دونوں نے نافع کے ذریعہ، اس نے ابوہریرہؓ سے، انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ذریعہ سے نقل کیا جبکہ اُن میں بقیہ اَفراد کا سلسلہ اسناد ابن نفیس پر منتہی ہوتا ہے اور باقی سات کا سلسلہ بھی بطور اجازہ ابن نفیس پر منتہی ہوتا ہے، (اور یہ سلسلہ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر منتہی ہوتا ہے۔(نور النبراس۔ صفحہ ۱۰۰۔ مطبوعہ ۱۴۱۶ھ)

۳۔ شیخ محمود حصری (۱۳۳۷-۱۴۰۱ھ)

میں نے ۱۳۹۹ھ میں ماہِ رمضان میں ان سے گفتگو کی جبکہ وہ اپنے مہمان شیخ محمد جواد شری سے بات چیت کر رہے تھے اور اُنہوں نے اُس شیخ کو امام امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام کی شہادت کی مناسبت سے ۱۳، اگست ۱۹۷۹ء کو مرکز اسلامی میں تلاوت قرآن کریم میں شرکت کی دعوت دی تھی اور کہا تھا کہ وہ ۱۳۳۷ھ میں شہر طنطا کے مضافات میں واقع شبرا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔

ان کا شمار فاضل علماء اور قُرّاء میں ہوتا ہے کہ اُس دور میں (بھی) ان جیسے بہت کم دیکھنے میں آتے تھے۔ میں نے برکت کی خاطر اُن کے سامنے عاصم سے حفص کی روایت کے مطابق سورہٴ فاتحہ کی قرأت کی۔ اُنہوں نے مجھے اپنی کتاب مع القرآن الکریم کا حوالہ دیا اور اسناد کے متعلق علی محمد ضباع جو مصر کے تمام قُرّاء کے اُستاد ہیں کی تألیف کردہ کتاب تذکرة الإخوان بأحکام روایة الإمام حفص بن سلیمان کی طرف رجوع کرنے کو کہا اور یہ بھی کہنے لگے کہ مرویہ تمام تر شرائط اُنہی کے حق میں ہیں۔ میں نے ان کی بلاواسطہ نگرانی میں کام کیا ہے اور یہ کہ تفصیل کتاب المصحف المرتّل میں مذکور ہے جو ڈاکٹر لبیب سعید کی تألیف ہے۔ محرم ۱۴۰۱ھ میں مجھے اُن کے انتقال کی خبر ملی۔

تذکرة الإخوان میں مذکورہ اسناد کا سلسلہ قرأت سے متعلق مشہور کتابوں کے مؤلّفین پر منتہی ہوتا ہے مگر اُن میں سے مندرجہ ذیل پر اکتفا کیا گیا:

۲۔ علی محمد ضباع - مصری قاریوں کے اُستاد۔

۳۔ شیخ احمد ابن محمد ابن منصور سکری کے سامنے قرأت کے ذریعہ -الحرز کے طریق سے [حرز الأمانی، تألیف: شاطبی (متوفی-۵۹۰ھ)]

۴۔شیخ سید خیاط شبینی کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۵۔شیخ علی ابن حمودہ منہی کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۶۔شیخ حلبی طند تائی کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۷۔شیخ سلیمان شہداوی کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۸۔شیخ مصطفیٰ مہی کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۹۔اپنے والد شیخ علی مہی کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۱۰۔شیخ اسماعیل ازہری کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۱۱۔شیخ محمد سنودی منیر کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۱۲۔شیخ علی رمیلی کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۱۳۔شیخ احمد رشیدی کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۱۴۔شیخ احمد ابن رجب بقری کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۱۵۔شیخ محمد ابن قاسم بقری کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۱۶۔شیخ عبدالرحمن یمینی کے سامنے قرأت کے ذریعہ-الطیبة کے طریق سے[طیبة النشر فی القراء ات العشر، تألیف:ابن جزری (متوفی-۸۳۳)]

۱۷۔شیخ شاذہ یمینی کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۱۸۔ناصر طبلاوی کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۱۹۔شیخ الاِسلام زکریا انصاری کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۲۰۔ابونعیم رضوان ابن محمد ابن مکی کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۲۱۔شیخ القرّاء محمد ابن جزری کے سامنے قرأت کے ذریعہ جنہوں نے الطیبة اور النشر تألیف کیں۔

۲۲۔قاضی ابوالعباس احمد ابن حسین ابن سلیمان ابن قرارہ حنفی کے سامنے قرأت کے ذریعہ-التیسیر کے طریق سے۔[التیسیر فی القراء ات السبع، تألیف:دانی (متوفی-۴۴۴ھ)]

۲۳۔اپنے والد حسین سلیمان کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۲۴۔ابومحمد قاسم ابن احمد ابن موفق کوفی کے سامنے قرأت کے ذریعہ-انہوں نے ایسے کئی ائمۂ قرأت کے سامنے

قرأت کی تھی جو قرأت سکھاتے تھے۔

۲۵۔ شیخ ابو العباس احمد ابن علی ابن یحییٰ ابن عون اللہ حصار کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۲۶۔ ابو الحسن علی ابن محمد ابن ہذیل بلنسی کے سامنے قرأت کے ذریعہ۔

۲۷۔ ابو داؤد سلیمان ابن نجاح کے سامنے۔

۲۸۔ امام ابو عمر ودانی، مؤلف التیسیر کے سامنے۔ [التیسیر فی القراء ات السبع]

۲۹۔ طاہر ابن غلبون کے سامنے۔

۳۰۔ ابو الحسن ابن محمد ابن صالح ابن داؤد ہاشمی کے سامنے۔

۳۱۔ ابو العباس احمد ابن سہل اُشنانی کے سامنے۔

۳۲۔ ابو محمد عبید ابن صباح کے سامنے۔

۳۳۔ حفص ابن سلیمان کے سامنے۔

۳۴۔ ابو بکر عاصم ابن ابی نجود ابن بہدلہ اسدی عجمی کوفی کے سامنے۔

۳۵۔ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ ابن حبیب ابن ربیعہ سلمی ضریر کے سامنے۔

۳۶۔ حضرات عثمان ابن عفانؓ، علی ابن ابی طالبؑ، اُبی ابن کعبؓ، زید ابن ثابتؓ اور عبد اللہ ابن مسعودؓ کے سامنے۔ اور ان پانچوں حضرات نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرأت کی تھی۔ (تذکرۃ الإخوان کے صفحہ ۴۴ یا ۴۰ کو ملاحظہ کیجئے!)

۴۔ سید اسد اللہ مدنی (۱۳۹۳-۱۴۰۱ھ)

ان سے میری واقفیت نجف اشرف میں ہوئی اور میں ان کے تفسیر کے درس میں شریک ہوا تھا تو میں نے دیکھا کہ دیگر علماء کی طرح یہ بھی باریک بینی سے کام لیتے ہیں، زاہدوں کا سا تواضع ہے ان میں اور مجاہدانہ اشتیاق بھی، جبکہ یہ تینوں صفات عام طور سے اُن کے ہمعصر علماء میں بہت کم میں پائی جاتی تھیں۔ ان سے میرے تعلقات اُس وقت اُستوار ہوئے کہ جب وہ ۱۳۸۳ھ میں عازم حج ہوئے تو میں بھی خشکی کے راستہ اُن کے ساتھ ہو لیا یعنی نجف اشرف سے عرعر تک اور پھر تین دن میں مدینہ منورہ۔ اس مختصر سفر کے دوران میں نے اُن میں چند ایسی کریمانہ خوبیوں کا مشاہدہ کیا جو اُن کے ہمعصروں میں نادر الوجود تھیں نیز تواضع کی انتہاء پر تھے اور ہم میں ہم ہی میں سے ایک تھے بمصداق اَشداء علی الکفار رُحماء بینھم۔

جب کبھی موقع ملتا تلاوت قرآن سے نہ رُکتے۔ میں نے اُن کی ولادت کی بابت پوچھا تو کہنے لگے کہ وہ ۱۲۹۳ھ میں آذربائیجان کے شہر آذر میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے والد سید علی دہخوارقانی تھے۔ اقمشہ (پشمینہ کے کپڑے) کا کاروبار کرتے تھے۔ چار سال کی عمر میں ہی ماں کی ممتا سے محروم ہوگئے تھے۔ جب سولہ سال کے ہوئے تو باپ کی شفقت سے محروم ہوگئے اور یوں یتیمی کے تجربوں کا سامنا کیا اور اس چیز نے انہیں اُن کی تکالیف اور آرزوؤں کے معاملہ میں حساس بنادیا تھا۔

قُم کی طرف ہجرت کی اور وہاں کے علمائے اَعلام کے پاس کافی عرصہ رہے اور اس کے بعد نجف اَشرف کا رُخ کیا۔ اتفاق سے اُنہی دنوں میں نے امام رضا علیہ السلام کی زیارت کا ارادہ کیا تو اُنہوں نے مشورہ دیا کہ میں ہمدان میں واقع دَرہ مراد بیگ کی زیارت کروں۔ چنانچہ بادل نخواستہ اُن کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے میں وہاں فروکش ہُوا اور اس گاؤں میں تین مہینے بسر کئے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر والوں کا اس قدر دُور رہتے ہوئے بھی کتنا خیال کرتے ہیں تو میں وہاں سے بادل نخواستہ چلا گیا حالانکہ اُس وقت کی ظالم حکومت اُن کے فعالیت کی وجہ سے اُن کے پیچھے پڑگئی تھی لیکن وہ جہاں کہیں بھی رہے اپنے کردار کو بخوبی نبھاتے رہے؛ ۸، ذی القعد بروز جمعہ ۱۴۰۱ھ میں تبریز میں اُن کے انتقال کی خبر ملی۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

میں نے اُن کی قرأت سے متعلق پوچھا تو کہنے لگے: عاصم کی قرأت ہی اُن کے اُستاد سید محمد حجت کوہ کمری کی قرأت ہے جو ۱۳۷۲ھ میں فوت ہوئے۔

اور یہ حضرت اپنے اُستاد شیخ میرزا فتح اللہ نمازی (متوفی-۱۳۳۹ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ جو **انارة الحالک فی قراءة ملک و مالک** کے مؤلف ہیں اور اُنہوں نے پہلے بیان کی گئی اسناد کے مطابق میرزا ہاشم خونساری (متوفی-۱۳۱۷ھ) سے نقل کیا ہے۔

۵۔ سید شهاب الدین مرعشی (۱۳۱۸-۱۴۱۱ھ)

سردار و پیشوائے دین، شریک علم سید محمد حسین عُرف شہاب الدین ابن محمود حسینی مرعشی نجفی؛ دار الایمان قُم میں واقع ان کے مکان میں ان سے جا کر ملا تو میں نے اُنہیں پیشوا اور ایسے علوم اسلام سے واقف پایا کہ ہر کوئی اُس سے غافل ہے جیسے اسناد، علم الانساب اور قراءات اور دیگر وہ علوم بھی جانتے تھے جو ہمارے دور میں رائج ہیں یعنی فقہ، اُصول، حدیث اور رجال جیسے علوم۔ آپؒ بے شمار کتابوں کو جمع کرتے رہتے تھے اور اس چیز کی طرف غیر معمولی طور پر متوجہ تھے، ان کی ایک لائبریری ہے جہاں کوئی بھی جا کر مطالعہ کرسکتا ہے کہ اُنہوں نے اسے عمومی مطالعہ اور کسب علم کے لئے وقف کر رکھا تھا اور یہ

بھی بتایا جاتا ہے کہ عاصم اور دیگر قاریوں سے حاصل شدہ قرأت کے سلسلہ میں اُن کا ایک طریق تھا اور اس طریق میں اُنہوں نے اپنے اُساتذہ کا ذکر کیا تھا نیز کہا تھا کہ اُن کے پاس پورا قرآن نہیں پڑھا تھا، بلکہ بقدرِ ضرورت اس کے کچھ حصہ ہی کی قرأت کی تھی؛ قرائات کے سلسلہ میں عاصم کے علاوہ کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ ۵،صفر ۱۴۱۱ھ کو مجھے ان کے انتقال کی خبر ملی۔

اُنہوں نے کئی افراد کے ذریعے عاصم کی قرأت کو نقل کیا ہے کہ جن میں یہ بھی شامل ہیں:

۱۔ سید آغا تستری نجفی کہ جنہوں نے تعوید اللسان بتجوید القرآن تألیف کی تھی۔

۲۔ میرزا فرج اللہ تبریزی عُرف عباجی زادہ (متوفی-۱۳۳۹ھ) کے ذریعہ۔

۳۔ شیخ الشریعہ اصفہانی (متوفی-۱۳۳۹ھ) کے ذریعہ۔

۴۔ پہلے بیان کی گئی اسناد کے مطابق میرزا ہاشم خونساری کے ذریعہ۔

جس طرح کہ قرائات کے سلسلہ میں اُن کی سند شمس الدین محمد ابن جزری سے اُن کے بے شمار طُرق سے جاملتی ہے۔

اُن کے اجازہ میں مرقوم ہے: ''مشہور قاریوں جیسے عاصم اور نافع وغیرہ تک ہمارے لئے کچھ مخصوص طُرق ہیں جو تعداد میں بے شمار ہیں۔ ان میں سے ایک طریق تو وہ ہے کہ جسے میں اُستاد قاری صاحب تجوید ضابط حافظ قرآن شریف اور اپنے وقت کے حامی تلاوت شیخ نورالدین شافعی عُرف شیخ نوری کے ذریعہ نقل کرتا ہوں کہ وہ اپنے اُستاد نظام الدین قاری بغدادی بکتاشی کے ذریعہ، وہ اپنے اُستاد عمادالاسلام مصری کے ذریعہ، وہ اپنے اُستاد شیخ مصطفیٰ بغدادی کے ذریعہ اور وہ اپنے اُستاد شیخ احمد کردعلی کے ذریعہ نقل کرتے ہیں''۔

حیلولہ: ''اور اسی سند کے مطابق حالیہ بیان کردہ شیخ احمد کردعلی کے ذریعہ، وہ اپنے قاری اُستاد عُرف شیخ عثمان زیلہ شیخ کے ذریعہ جو آستانہ میں واقع جامع مسجد سلطان محمد خان (ملوک آل عثمان میں سے تھا) میں شیخ القرّاء ہیں، انہوں نے اپنے اُستاد الحاج محمد افندی عُرف بجلی امام کے ذریعہ، انہوں نے اپنے اُستاد شعبان ابن مصطفیٰ کے ذریعہ جو جامع مسجد سلطان محمد خان کے پیش امام ہیں اور جامع مسجد سلطان سلیمان میں خطیب بھی، انہوں نے اپنے اُستاد شیخ محمد بیاتی اور شیخ اَولیا محمد اور شیخ محمد مدرس جو جامع سلطان سلیمان میں پیش امام ہیں کے ذریعے اور ان تینوں حضرات نے شیخ میسیری کے ذریعہ، انہوں نے شیخ ابوعبداللہ ناصر الدین طبلاوی کے ذریعہ، انہوں نے شیخ الاسلام قاضی زکریا انصاری کے ذریعہ، انہوں نے شیخ نوبری کے ذریعہ جو کتاب طیبة النشر فی القرائات العشر کے شارح ہیں، انہوں نے امام قرّاء اور کتاب اللہ العزیز کے

بہترین حافظ شیخ شمس الدین ابوالخیر محمد ابن علی ابن یوسف جزری شافعی کے ذریعہ سے اُن طرُق کے مطابق نقل کیا جنہیں اپنی دو کتب غاية النهاية اور منجد القرّاء بلکہ دیگر کتابوں میں بھی درج کیا تھا۔ بلاشبہ یہ دونوں کتابیں معرکۃ الآراء ہیں'' (الاجازة الكبرى۔ صفحہ ۴۵۴) : حصری کی اِسناد میں ابن جزری کی اسناد شمارہ ۲۱ کے تحت پہلے بیان ہو چکی ہیں۔

٦ . عبد الله صديق (١٣٢٨-١٤١٣ھ)

آپؒ ۱۴۰۲ھ میں مجھ سے ملنے آئے تھے تو میں نے اُنہیں علم وہدایت اور پرہیزگاری کے اعتبار سے گذشتہ نیکوکار علماء کی مانند پایا؛ یہ قرأت اور حدیث کے ماہر مطلق اُستاد تھے اور انہوں نے مغرب ومشرق کے علوم کو یکجا کیا اور اس میں سبقت لے گئے؛ یہ سید عبداللہ ابن محمد ابن محمد ابن احمد ابن محمد ابن قاسم ابن محمد ابن عبدالمومن صدیق اور نسبی اعتبار سے ادریسی تھے جبکہ اصلاً غماری تھے، ہجرت کے لحاظ سے قاہری تھے اور ان کا مقام پیدائش، رہائش گاہ اور مدفن طنجہ ہے نیز اسی لئے طنجی کہلاتے تھے۔

موصوف طنجہ میں جو مغرب میں واقع ہے ۱۳۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ علوی الطرفین تھے؛ اپنے والد کی گود میں پرورش پائی اور اُنہی سے نافع کے ذریعہ ورش کے روایت کے مطابق قرأت سیکھی نیز عاصم کی روایت کے مطابق حفص کی قرأت بھی۔ ۱۳۴۹ھ میں فاس، قرویین اور قاہرہ کی طرف ہجرت کی اور ۱۳۵۰ھ میں ڈپلوما حاصل کیا نیز ان کی متعدد تالیفات بھی ہیں۔

۱۹ شعبان بروز جمعرات ۱۴۱۳ھ میں مجھے اُن کے انتقال کی خبر ملی۔ طنجہ ہی میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ اُن کی وفات پر پوری قوم اپنا ایک صدّیق محدّث کھو بیٹھی جو قرائات کے سلسلہ میں مشرق ومغرب کے بہترین علماء میں سے تھے۔ ولاحول ولاقوۃ الاّ باللہ۔

انہوں نے جو متعدد کتابیں لکھیں اُن میں قرآن کی بابت لکھی گئی کتابوں میں جواهر البيان في تناسب سور القرآن۔ مطبوعہ قاہرہ اور بدع التفسير۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۸۵ھ بھی شامل ہے۔

میں نے ان کے سامنے سورہ فاتحہ کی قرأت کی تھی اور قرآن کا کچھ انتہائی مختصر حصہ بھی جبکہ اُنہوں نے اپنے والد محمد ابن صدیق (متوفی۔ ۱۳۵۴ھ) کے سامنے نافع کے ذریعہ ورش کی روایت کے مطابق قرأت کی تھی اور اسی طرح شیخ محمد بخیت مصری مطیعی حنفی (متوفی۔ ۱۳۵۴ھ) کے سامنے عاصم کے ذریعہ حفص کی روایت کے مطابق قرأت بھی کی تھی۔

میں نے اُن کے سامنے دو روایتیں انہی کی اسناد کے مطابق پڑھیں تو انہوں نے مجھے اس کا تحریری حوالہ دیا اور وہ

یوں روایت کرتے ہیں:

۱۔اپنے والد شیخ محمد صدیق (متوفی-۱۳۵۴ھ) کے ذریعہ۔

۲۔سید محمد جعفر کتانی (متوفی-۱۳۴۵ھ) کے ذریعہ۔

۳۔اُن کے والد سید جعفر ادریس کتانی (متوفی-۱۳۲۴ھ) کے ذریعہ۔

۴۔عابد سندی (متوفی-۱۲۵۷ھ) کے ذریعہ۔

ہمارے اُستاد ابوالفیض محمد یاسین ابن عیسیٰ فادانی مکی جو ۲۸، ذی الحج بروز جمعہ ۱۴۱۰ھ میں مکہ میں فوت ہوئے اور جنت المعلاۃ میں مدفون ہیں نے اپنی کتاب اسانید الفقیہ احمد ابن حجر الهیثمی (متوفی-۹۷۴ھ)- مطبوعہ بیروت ۱۴۰۸ھ کے صفحہ ۱۰۷ پر یوں رقم کرتے ہیں:

سندی کی اسناد حسب ذیل ہے:

محمد عابد سندی کے ذریعہ، اس نے محمد حسین ابن مراد ابن محمد یعقوب انصاری کے ذریعہ، اس نے اپنے والد کے ذریعہ، اس نے شیخ محمد ہاشم ابن عبدالغفور سندی کے ذریعہ، اس نے مکہ میں فقہ حنفی کے مفتی شیخ عبدالقادر ابن ابی بکر ابن عبدالقادر صدیقی کے ذریعہ، اس نے شیخ حسن عُجیمی کے ذریعہ، اس نے شیخ ابوالوفاء احمد ابن محمد عجل یمنی کے ذریعہ، اس نے سید صدیق الخاص یمنی کے ذریعہ، اس نے مسند داؤد ابن علی ابن شعبان اصابی یمنی کے ذریعہ، اس نے شہاب احمد ابن محمد ابن حجر مکی کے ذریعہ، اس نے حافظ جلال (الدین) سیوطی کے ذریعہ نقل کرتے ہوئے کہا: مجھے شرف اسماعیل ابن ابی بکر زبیدی نے بطور اجازہ امام القراء حافظ قاضی القضاۃ شمس الدین ابوالخیر محمد ابن محمد ابن محمد ابن علی ابن جزری شافعی دمشقی کے ذریعہ طیبة النشر -جو منظومہ کتاب ہے- اور النشر فی القرائات العشر اور عدة الحصن الحصین کو سنتے ہوئے (اس کے متعلق) بتایا۔ (اسانید الفقیه ابن حجر -مؤلف: فادانی- صفحہ ۱۰۸- مطبوعہ ۱۴۰۸ھ)

ابن جزری کی اسناد پہلے بیان ہو چکی ہے لہذا صفحہ ۴۷۹ پر ملاحظہ کیجیے!

۷۔ شیخ حمود ابن عباس مؤید

شیخ العلامہ اور مقری فطین شیخ حمود ابن عباس مؤید سے پہلی مرتبہ مسجد الحرام میں دوسرے حج کے دوران ۱۳۹۶ھ میں ہوئی اور میں نے اُن کے نسب کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے اپنے شجرۂ نسب کو نواسہ رسولؐ امام حسن علیہ السلام پر منتہی کیا۔

جب میں نے انہیں صاحب فضل پایا تو اُن سے اجازہ کی درخواست کردی اور مجھے یہ بات معلوم ہونے پر اس سے بھی زیادہ حیرت اور خوشی ہوئی کہ وہ قرائات کی طرف کس قدر توجہ دیتے ہیں، کیونکہ اُنہوں نے اپنی تحریر میں کئی مصاحف تحریر کئے اور اُن خطی نسخوں میں عاصم اور نافع کی جن قرائات کے مطابق وہ خود پڑھتے تھے اُنہیں سُرخ رنگ سے ممتاز کردیا تھا اور اُن میں سے ایک مصحف - یعنی تعبیر کے مطابق ایک ختمہ - کہ جسے اُنہوں نے ۱۳۹۷ھ میں تحریر کیا تھا اور اُسے "مصحف المومنین" کا نام دیا تھا جامع مسجد صنعاء کو وقف کردیا تھا جو سورۂ مریم سے آخر قرآن پر مشتمل تھا اور اس سلسلہ میں صنعاء میں جامع مسجد ابہر میں موجود اپنی نوعیت کے واحد نسخہ کو معتمد جانا تھا کہ جس کی عکسی طباعت مطبع الخیر نے کی تھی اور اس کا حجم (۱+۱۸+۲۳) انچ تھا جو ۶۰۱ صفحات پر مشتمل تھا لیکن افسوس کہ طباعت میں اس کے رنگ صحیح طور پر سامنے نہیں آئے۔

نسخۂ جامع مسجد ابہر - جس طرح کہ ہمارے اُستاد نے بیان کیا - ایک قدیمی نسخہ تھا۔ اس میں نہ ہی لکھنے والے کا نام تحریر ہے اور نہ ہی تاریخ کتابت، لیکن اس میں ایک بے مثال خوبی پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ ہر صفحہ کے اُوپر سے پہلی سطر کا پہلا حرف اگلے صفحہ کی آخری سطر کے پہلے حرف کے مطابق ہے اور آخرِ مصحف تک دیگر ساری سطور بھی اسی طرح سے لکھی گئی ہیں! نیز مکرر مفردات کو مخصوص رنگ سے لکھا گیا ہے۔

خدا اُنہیں جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے مجھے اپنے اس بے نظیر نسخہ کو ارسال کرکے شکریہ کا موقع دیا تھا۔ میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ یمن جا کر اس نسخہ کی تطبیق کروں گا لیکن صد حیف کہ جامع ابہر میں مجھے وہ نسخہ نہیں ملا!

خدا اُن کے عمل خیر کو قبول فرمائے! اُنہوں قرآن کریم کے پانچ نسخے مختلف رنگوں سے تحریر فرمائے تھے تاکہ مختلف قرائات سے اُنہیں ممتاز کیا جاسکے گو کہ وہ نافع کی قرأت اور قالون کی روایت کو قابل اعتماد جانتے تھے اور اُن کی رائے یہی تھی کہ صحیح ترین قرأت یہی ہے اور خود بھی اسی کے مطابق قرأت کیا کرتے تھے۔ جب میں نے اُن سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے: نافع کی قرأت صحیح ترین قرأت ہے اس لئے کہ یہ مدنی ہے جبکہ قالون کی روایت کو اختیار کرنے کے سبب کے بارے میں کہنے لگے: یہ ان کے اساتذہ کی سیرت ہے۔ نیز انہوں نے اپنا مخصوص تصحیح کردہ نسخہ مجھے عطا کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اُن کی جانب سے اس سے بہتر تحفہ نہیں ہوسکتا - خدا انہیں محفوظ رکھے۔

وہ عاصم اور نافع کی قرأت کو یوں نقل کرتے ہیں:

۱۔ حسین ابن مبارک غیثی (صنعاء۔ یمن میں قرائات سبع کے اُستاد الاساتذہ) کے ذریعہ۔

۲۔ احمد ابن ناصر خولانی کے ذریعہ۔

۳۔ علی ابن احمد سلامی (اور) خطیب محمد حسن دلال دونوں کے ذریعہ۔

۴۔علی ابن احمد شرفی کے ذریعہ۔

۵۔اُن کے اُستاد عماد یحییٰ ابن ہادی شرفی کے ذریعہ۔

۶۔اُن کے اُستاد شیخ یاقوت ابن احمد الماس مہدی کے ذریعہ۔

۷۔اُن کے اُستاد ہادی ابن حسین قادنی کے ذریعہ۔

۸۔اُن کے اُستاد علامہ علی ابن عثمان عجمی استنبولی کے ذریعہ۔

۹۔اُن کے اُستاد سلطان محمود ابو محمد الحاج عبداللہ ابن محمد یوسف کے ذریعہ۔

۱۰۔اُن کے والد محمد ابن یوسف کے ذریعہ۔

۱۱۔اُن کے والد یوسف کے ذریعہ۔

۱۲۔اُن کے اُستاد مقری محمد کے ذریعہ۔

۱۳۔اُن کے اُستاد شیخ محمد مصری کے ذریعہ جو اُس مدرسہ کے باہر مدفون ہیں کہ جسے وزیر ابن محمد پاشا نے ابوایوب انصاریؓ کی زمین پر بنایا تھا۔

۱۴۔اُن کے اُستاد شریف ناصر الدین عبداللہ ابن محمد ابن سالم بطلاوی کے ذریعہ۔

۱۵۔اُن کے اُستاد شیخ الاسلام زکریا ابن محمد انصاری کے ذریعہ جو الجزریہ کے شارح ہیں۔

۱۶۔اُن کے اُستاد ابوالعباس احمد ابن بکر قلقیلی (اور) ابونعیم ابن محمد ابن زین (اور) طاہر ابن محمد ابن علی نویری کے ذریعہ جو مصری شہروں میں موجود قاریوں کے اُستاد تھے جبکہ ان مذکورہ افراد نے امام و مقری محمد ابن محمد ابن محمد ابن علی جزری شافعی کے سامنے قرأت کی تھی۔

۱۷۔اُن کے اُستاد ابو محمد عبدالرحمن ابن احمد کے ذریعہ۔

۱۸۔اُن کے اُستاد شیخ محمد ابن احمد ابن عبدالخالق عُرف صباح کے ذریعہ۔

۱۹۔اُن کے اُستاد ابوالحسن علی ابن شجاع ابن سالم کے ذریعہ۔

۲۰۔اُن کے اُستاد امام ابوالحسن علی ابن محمد ابن علی اُندلسی کے ذریعہ۔۔

۲۱۔اُن کے اُستاد ابوالفتح عبداللہ ابن محمد ابن یوسف قرطبی کے ذریعہ۔

۲۲۔اُن کے اُستاد شیخ القرّاء ابوالقاسم ابن فیروز ابن خلف رعینی شاطبی کے ذریعہ۔

۲۳۔اُن کے اُستاد ابوعبداللہ محمد ابن علی ابن ابی العاص کے ذریعہ۔

۲۴۔ اُن کے اُستاد ابو عبداللہ محمد ابن حسن ابن محمد قرشی کے ذریعہ۔

۲۵۔ علی ابن عبداللہ انصاری کے ذریعہ۔

۲۶۔ ابو عمرو عثمان ابن سعید ابن عثمان دانی کے ذریعہ اور یہ قالون عیسیٰ ابن مینٰی مدنی رقی کی روایت کو نقل کرتے ہیں۔

۲۷۔ اُن کے اُستاد ابوالفتح فارس ابن احمد ابن موسیٰ ابن عمران مقری ضریر کے ذریعہ۔

۲۸۔ وہ کہتے ہیں: میں نے اس کے مطابق قاری ابوالحسن عبدالباقی ابن حسن مقری کے سامنے قرأت کی تھی۔

۲۹۔ وہ کہتے ہیں: میں نے اس کے مطابق ابراہیم ابن عُمر مقری کے سامنے قرأت کی تھی۔

۳۰۔ وہ کہتے ہیں: میں نے اس کے مطابق ابوالحسین احمد ابن عثمان ابن جعفر ابن یونان مقری کے سامنے قرأت کی تھی۔

۳۱۔ وہ کہتے ہیں: میں نے اس کے مطابق ابوبکر احمد ابن محمد ابن اشعث کے سامنے قرأت کی تھی۔

۳۲۔ وہ کہتے ہیں: میں نے اس کے مطابق ابونشیط محمد ابن ہارون مغربی کے سامنے قرأت کی تھی۔

۳۳۔ وہ کہتے ہیں: میں نے قالون کے سامنے قرأت کی تھی۔

۳۴۔ وہ کہتے ہیں: میں نے نافع ابن عبدالرحمٰن ابن ابی نعیم کے سامنے قرأت کی تھی۔

۳۵۔ اُنہوں نے ابوجعفر ابن یزید قعقاع (اور) ابوداؤد عبدالرحمٰن ابن ہرمز اعرج (اور) قاضی شیبہ ابن نصاح (اور) ابوعبداللہ مسلم ابن جندب ہذلی (اور) ابویزید ابن رومان کے ذریعہ۔

۳۶۔ اُنہوں نے ابوہریرہؓ (اور) ابن عباسؓ (اور) عبداللہؓ ابن عباسؓ اور ابن ابی ربیعہ کے ذریعہ۔

۳۷۔ اُنہوں نے اُبی ابن کعبؓ کے ذریعہ۔

۳۸۔ اُنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ۔

جبکہ حفص ابن سلیمان مغیرہ اسدی کی روایت کو حسب ذیل ذرائع سے نقل کیا ہے:

۱۔ پس ابو عمرو دانی نے کہا ہے: میں نے اس کے مطابق

۲۔ ابوالحسن ہمارے اُستاد [= طاہر ابن غلبون مقری] [1] کے سامنے قرأت کی۔

---

[1] قوسین میں تحریر کردہ اضافی نام کتاب التیسیر فی القرائات السبع - تالیف ابو عمرو دانی (متوفی - ۴۴۴) کے صفحہ ۱۴ اور ۱۵ سے ماخوذ ہے جو استنبول میں ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی تھی۔

[2] التیسیر میں یوں مرقوم ہے: ''میں نے اس کے مطابق ہاشمی کے سامنے قرأت کی'' اور عین عبارت یوں ہے: ''میں نے پورے قرآن کی قرأت اُستاد ابوالحسن کے سامنے کی تھی اور انہوں نے مجھ سے کہا تھا: میں نے اس کے مطابق ہاشمی کے سامنے قرأت کی تھی، نیز کہتے تھے: میں نے الاشنانی کے سامنے بھی قرأت کی کہ جس نے عبید ابن حفص سے اور اس نے عاصم سے حاصل کی تھی'' (صفحہ ۱۵)

۳۔ وہ کہتے تھے: میں نے ہاشمی [= بصرہ کے ابن محمد ابن صالح ہاشمی مقری] ؎ کے سامنے قرأت کی تھی۔

۴۔ وہ کہتے تھے: میں نے الاستانی کے سامنے قرأت کی [= ابو عباس احمد ابن سہل]۔

۵۔ اُنہوں نے عبید کے ذریعہ [ابو محمد عبید ابن صباح]۔

۶۔ اُنہوں نے حفص کے ذریعہ۔

۷۔ اُنہوں نے عاصم ابن ابی نجود کے ذریعہ اور انہوں نے

۸۔ عبدالرحمٰن ابن حبیب سلمی (اور) ابو مریم زرّ ابن حبیش کے ذریعے کہ اس نے عبدالرحمٰن سے حاصل کی تھی۔

۹۔ حضرات علیؑ (اور) عثمان ابن عفانؓ (اور) اُبی ابن کعبؓ (اور) زید ابن ثابتؓ (اور) عبداللہ ابن مسعودؓ کے ذریعہ سے۔

۱۰۔ اُنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

خدا ان کی تائیدات میں اضافہ کرے؛ ایسا لگتا ہے کہ آپؒ کے بعد آپ جیسا کوئی نہیں ہوگا، اس لئے کہ میرے اَساتذہ میں یہ واحد اُستاد ہیں کہ جنہوں نے عاصم اور نافع دونوں کی روایات کو یکجا کیا اور پورے قرآن کے پانچ نسخے تحریر کیئے۔ نیز آپؒ نے اُن میں سے اپنے قلم مبارک سے ہی تصحیح کردہ ایک نسخہ مجھے ہدیہ کیا تھا اور اُس میں دونوں قرائات کی روایت کا تسلسل نبیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

اے میرے اللہ! قرآن عظیم کے صدقہ میں ہم پر رحم فرما اور اُسے ہمارے لئے راہبر، نور، ہدایت اور رحمت قرار دے۔ اے میرے اللہ! جس طرح تو نے مجھے اپنی کتاب سیکھنے کی توفیق دی بالکل اُسی طرح میرے دل میں اس کو حفظ کرنے کا عزم جاگزین کر دے اور مجھے ایسے نہج پر اس کی تلاوت کی توفیق دے جو تیری خوشنودی کا سبب بنے۔ اے میرے اللہ! اپنی کتاب کے وسیلہ سے میری بصارت کو منور کر دے، اس کے ذریعہ سے مجھے شرح صدر عطا فرما، اس کے ذریعہ سے میرے دل میں فرحت پیدا کر دے، اس کے ذریعہ سے میری زبان میں شیرینی عطا کر اور اس کے ذریعہ سے میرے اُعضاؤ جوارح نیک اُعمال انجام دیں۔

اپنے پروردگار کی رحمت کا محتاج محمد حسین ابن محسن ابن علی جو نسب کے اعتبار سے حسینی اور لقب کے لحاظ سے جلالی ہے، پیدائش کے لحاظ سے حائری اور مسکن کے لحاظ سے نجفی ہے اور ان شاء اللہ مدفن کے لحاظ سے بھی نجفی ہی ہوگا۔ یہ الفاظ اپنے قلم سے لکھے اور اپنے قلم ہی سے اُنہیں رَقم کیا۔

نیز عربی سے اُردو زبان میں اسے اَحقر عمران حسین رآجانی نے ترجمہ کیا۔ گر قبول اُفتد زہے عز و شرف۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اصطلاحات

۱۔ دو فرزند: عبداللہ ابن کثیر (متوفی-۱۲۰ھ) اور عبداللہ ابن عامر (متوفی-۱۱۸ھ) قُرائے سبعہ میں سے ہیں۔

۲۔ اختلاس: کسی حرکت کو اُس کے نصف سے زیادہ مقدار میں پڑھنا لیکن پورا نہیں۔

۳۔ اختیار: وہ وجہ کہ جس کا مقری (پڑھانے والا) یا قاری اپنے اجتہاد سے مختلف وجوہات میں سے انتخاب کرے۔

۴۔ دونوں بھائی: حمزہ ابن حبیب زیات (متوفی-۱۵۴ھ) اور علی ابن حمزہ کسائی (متوفی-۱۸۹ھ) اور یہ دونوں قُرائے سبعہ میں سے ہیں۔

۵۔ ادغام کبیر: ایک ہی حرف میں تشدید کے ذریعہ دو حروف کو باہم ملا دینا خواہ دونوں ہم مثل ہوں، ہم جنس ہوں یا متقارب ہوں۔

۶۔ ادغام صغیر: دو ایسے حروف کو ایک دوسرے میں ملا دینا کہ جن میں سے پہلا حرف ساکن (جزم کے ساتھ) ہو اور دوسرا متحرک (زبر، زیر، پیش کے ساتھ) ہو خواہ دونوں حروف دو کلمات میں ہوں جیسے فقد ظلم یا دونوں حروف ایک ہی کلمہ میں یکجا ہو گئے ہوں جیسے فنبذتها اور اسے صغیر کا نام اس لئے دیا کہ ایسا بہت کم واقع ہوتا ہے۔

۷۔ اشباع: پیش کو واؤ کے ساتھ ملا دینا۔ ۲

۸۔ اشمام: فعل کے ابتدائی حصہ کو ایسی حرکت کے ساتھ پڑھنا جو دو حرکتوں سے تشکیل دی گئی ہو یعنی پیش اور زیر۔ ایسی صورت میں پیش سے ابتدا کریں گے اور پھر زیر دیں گے جیسے قیل اور غیض (سورۂ ہود- آیت ۴۴)

۹۔ اُصول: یعنی وہ عام قواعد کہ چودہ قاریوں کے باہمی اختلاف کے باوجود اُن سب نے ان کا پاس رکھا۔

۱۰۔ امالہ = کبریٰ = اضطجاع: الفاظ متقاربہ، بایں معنی کہ "الف" کو "یے" کے قریب یا زبر کو زیر کے

---

۱ طاہر ابن غلبون (متوفی-۳۹۹) نے اپنی کتاب التذکرہ کی پہلی جلد کے صفحہ ۴۳ پر قاریوں سے متعلق اصطلاحات کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، لہذا (مزید معلومات کے لئے) اس کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

۲ عربی میں کچھ ایسے حروف استعمال ہوتے ہیں کہ جن کے بعد یہ وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی کہ آیا حرکات ثلاثہ تنوین کے ساتھ ہیں یا بغیر تنوین کے لیکن الفاظ کے انتہائی ثقیل ہونے کی بنا پر اردو میں اس میں فرق نہیں کیا گیا، البتہ میں نے کوشش کی ہے کہ جہاں تنوین کے ساتھ کوئی حرکت استعمال کی گئی ہو تو اس کے متعلق میں نے "اس کی حالت میں" لکھ دیا ہے۔ مثلاً زبر کی حالت میں یعنی زبر مع تنوین...مترجم۔

قریب قریب تلفظ کرنا جیسے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (سورۂ ابراہیم - آیت ۴۸)

۱۱۔بصری: جس کا قائل میمون جحدری بصری (متوفی - حدود ۱۳۰ھ) ہو۔

۱۲۔دونوں بصری: ابوعمرو زبان ابن علاء بصری (متوفی - ۱۵۴ھ) قُراءِ سبعہ میں سے اور یعقوب ابن اسحٰق ابن زید بصری (متوفی - ۲۰۵ھ) قُراءِ عشرہ میں سے۔

۱۳۔تجوید: حُروف اور کلمات کا بالکل صحیح طور پر اَدا کرنا۔

۱۴۔تحقیق: حرف کو بطور کامل اَدا کرنا۔ اس کے مقابلہ میں تسہیل کی اصطلاح ہے۔

۱۵۔ترتیل: سوائے وقف ضروری کے مسلسل قرأت کرنا۔

۱۶۔تفخیم: اَدا کئے جانے والے حرف کو موٹا (گاڑھا کر کے) پڑھنا۔ اس کے مقابلہ میں ترقیق کی اصطلاح ہے جیسے لفظ اللہ میں حرف لام۔

۱۷۔حدر: بغیر کسی خلل کے سُرعت کے ساتھ قرأت کرنا۔

۱۸۔حرق: قرأت۔

۱۹۔حَرَمیٌ: جس پر مکی اور مدنی دونوں متفق ہوں۔

۲۰۔حَرَمیَان: نافع ابن عبدالرحمٰن مدنی (متوفی - ۱۶۹ھ) اور عبداللہ ابن کثیر مکی (متوفی - ۱۲۰ھ) جو قُراءِ سبعہ میں سے ہیں۔

۲۱۔رسم: مصحف اِمام یا مصاحف عثمانیہ کی عبارت۔

۲۲۔روایت: چودہ قاریوں میں سے ہرایک نے جس کا انتخاب کیا ہو، پس ان میں سے ہرایک کی کچھ روایات ہیں جیسے ورش کی روایت نافع کے ذریعہ سے اور عاصم سے حفص کی روایت وغیرہ . . . .

۲۳۔روم: نصف حرکت کو اَدا کرنا نہ کہ پوری اور اس میں آواز بھی دھیمی پیدا کی جائے گی۔

۲۴۔سکتہ: بغیر سانس لئے آواز کو توڑ دینا ورنہ تو قطع ہو جائے گا۔

۲۵۔شامی: قُراءِ سبعہ میں سے جو راءِ عبداللہ ابن عامر (متوفی - ۱۱۸ھ) ہو اس کے مطابق۔

۲۶۔طریق: چودہ قُراء سے بلا واسطہ روایت کرنے والے کے بعد آنے والا، پس ان دونوں میں سے ہرایک کا ایک طریق ہے جیسے اصبہانی کا طریق کہ اس نے ورش سے نقل کیا اور ورش نے نافع سے (بلا واسطہ)۔

۲۷۔عراقی: جس پر بصری اور کوفی متفق ہوں۔

۲۸۔علی: یہ قُرّائے سبعہ میں سے علی ابن حمزہ کسائی (متوفی-۱۸۹ھ) ہے۔

۲۹۔فاصلہ: نثر میں سجع کی مناسبت سے اور شعر میں قافیہ کی مناسبت سے انتہائے آیت۔

۳۰۔فرش: قرآن میں موجود ہر وہ کلمہ کہ جس کے تلفظ میں قُرّاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہو۔

۳۱۔قاری: جو قرائات کو دوسروں کے سامنے پڑھے اور دوسروں کو نہ پڑھائے، بلکہ ایک مخصوص قرأت پر اکتفا کرے۔

۳۲۔علم قرأت: قرآنی کلمات کو بالکل صحیح طور پر اس طرح سے اَدا کرنے کے اُصول کا علم جو تلفظ کی غلطی سے محفوظ رکھے۔

۳۳۔قرأت: ہر وہ چیز جسے چودہ قُرّاء میں سے کسی نے اختیار کیا ہو جیسے عاصم کی قرأت، نافع کی قرأت وغیرہ . .

۳۴۔صحیح قرأت: جس کی سند صحیح ہو اور خواہ کسی طور سے بھی عربی کے مطابق ہو اور اس کے ساتھ ساتھ خواہ احتمالاً ہی سہی مصاحف عثمانیہ کے بھی مطابق ہو۔

۳۵۔شاذ قرأت: سات، دس یا چودہ قرائات کے علاوہ جو بھی قرأت ہو۔

۳۶۔قصر: اِشباع کے بغیر حرکت کو بطور کامل اَدا کرنا۔

۳۷۔قطع: خواہ ایک لحمہ کے لئے ہی سہی قرأت کو روکتے ہوئے آواز کو توڑ دینا اور سانس بھی لیا جائے۔

۳۸۔کوفی: جس پر کوفہ کے قُرّاء متفق ہوں اور وہ یہ ہیں: عبدالرحمن ابن حبیب سلمی (متوفی-۴۷ھ)، عاصم ابن ابی نجود (متوفی-۱۲۸ھ) حمزہ ابن حبیب زیات (متوفی-۱۵۴ھ) اور علی ابن حمزہ کسائی (متوفی-۱۸۹ھ) جو قُرّائے سبعہ میں شمار ہوتے ہیں۔

۳۹۔کوفی حضرات: عاصم ابن ابی نجود اَسدی (متوفی-۱۲۸ھ)، حمزہ ابن حبیب زیات (متوفی-۱۵۴ھ) اور علی ابن حمزہ کسائی (متوفی-۱۸۹ھ) جو قُرّائے سبعہ میں سے ہیں۔

۴۰۔مدّ: حروف مدّ اور حروف لین میں آواز کو بنا بر اختلاف چار یا تین حرکات کے برابر کھینچنا۔

۴۱۔مدنی: جس پر مدینہ کے قُرّاء متفق ہوں اور اُن میں سے مشہور ترین یہ ہیں: قُرّائے سبعہ میں سے نافع ابن عبدالرحمن (متوفی-۱۶۹ھ)، یزید ابن قعقاع (متوفی-۱۳۰ھ) جو قُرّائے عشرہ میں شمار ہوتا ہے، شیبہ ابن نصاح اور اسماعیل ابن ابی ویس ابن مالک ابن انس (متوفی-۲۲۷ھ)۔

۴۲۔مکی: جس پر مکہ کے قُرّاء متفق ہوں اور اُن میں سے مشہور ترین عبداللہ ابن کثیر (متوفی-۱۲۰ھ) ہے جو قُرّائے سبعہ میں کا ایک ہے۔

۴۳۔مقری: جس کے پاس وہ قرائات کی جائیں کہ جنہیں اس نے سماعی طور پر اپنے اُساتذہ سے حاصل کیا ہو

البتہ اس کا مشہور قرائات سے واقف ہونا ضروری ہے۔

۴۴۔دونوں نحوی: علی ابن حمزہ کسائی (متوفی-۱۸۹ھ) قُرائے سبعہ میں سے اور ابوعمر وزبان ابن علاء بصری (متوفی-۱۵۴ھ) کہ یہ بھی قُرائے سبعہ میں سے ہے۔

۴۵۔نقل: ہمزہ کی حرکت کو اس سے پہلے والے حرف پر منتقل کر دینا بشرطیکہ وہ حرف ساکن (جزم دیا گیا) اور حرف صحیح ہو جیسے ردءاً

۴۶۔ھائے کنایہ: مفرد مذکر کی ضمیر اور اسے ہائے زائدہ (یا زائد "ہ") سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے تا کہ اس قسم میں سے وہ "ہ" خارج ہو جائے جو کلمہ ہی کا حصہ ہے جیسے لفظ تفقہ میں۔ پس اگر ہائے کنایہ دو متحرک حروف کے درمیان واقع ہو جائے تو تلفظ میں اُسے "یٰ" سے ملا دینا ضروری ہے جیسے تساءلون به والارحام یا تلفظ میں "یٰ" سے ملا دینا چاہئے جیسے له ملک السماوات والارض جبکہ اس کے علاوہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۴۷۔وجہ: ہر وہ چیز کہ جس کا انتخاب قُراء نے اُن طُرق کو چھوڑ کر کیا ہو جو چوتھے طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں یا اس کے بعد جیسے طبری کا انتخاب اور ابن جزری کا انتخاب وغیرہ . .

۴۸۔وقف: قرأت کو از سرنو شروع کئے بغیر آواز کو توڑ دینا لیکن وسط کلمہ میں نہ ہو۔

۴۹۔وقف تام: جس کا تعلق اپنے بعد والے کلمہ سے نہ ہو جیسے کہ اکثر آیات کے اختتام پر۔

۵۰۔وقف کافی: جو معنوی لحاظ سے بعد والے کلمہ سے متعلق ہو جیسے ﴿حُرِّمت علیکم اُمّھاتکم﴾ (سورۂ نساء-آیت ۲۳)

۵۱۔وقف حسن: جو لفظی اور معنوی (دونوں) لحاظ سے بعد والے کلمہ سے متعلق ہو جیسے ﴿ربّ العالمین الرّحمٰن الرّحیم﴾ (سورۂ فاتحہ-آیت ۲ اور ۳)

۵۲۔وقف قبیح: جس سے معنیٰ میں خلل واقع ہو جائے جیسے صفت کو چھوڑ کر صرف موصوف پر وقف کر لینا۔

۵۳۔یائے اضافت: وہ "یٰ" جو متکلم پر دلالت کرے (یائے متکلم) جیسے: انّی، لی اور عھدی۔ اس طرح کے حرفہائے "یٰ" مصحف میں کلمہ کے آخر میں ثبت ہیں۔ انہیں اَدا کرتے وقت زبر دیا جائے گا یا جزم اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۵۴۔یائے زائدہ: کلمۂ اسم کے آخر میں واقع ہونے والی "یٰ" جیسے اسم مُنادیٰ، مثلاً ﴿یقوم﴾ (سورۂ اعراف-آیت ۹۳) یا فعل کے آخر میں واقع ہوئی ہو جیسے یتقی. یہ والی "یٰ" مصحف میں ثبت نہیں ہے۔ پڑھتے وقت اسے اَدا کیا جائے گا یا حذف کر دیا جائے گا اس میں اختلاف ہے۔

مشہور قاریوں کی فہرست

قاریوں کی شہرت کے حساب سے اُن کے نام اور روایات
ترتیب میں لفظ "ابن" اور "ابو" کو نظر انداز کیا گیا ہے

۱۔ ابن ابان: ولید الہشام ابن عمار ابن نصیر سلمی دمشقی۔ اس نے ابن عامر (متوفی ۔۲۴۵ھ) کے سامنے قرأت کی تھی۔

۲۔ احمد ابن فرج: قاری یزیدی (متوفی۔ ۳۰۳ھ)

۳۔ اِدریس: ابوالحسن ابن عبدالکریم حداد بغدادی قاری خلف (متوفی۔ ۲۹۲ھ)

۴۔ اَعمش: ابومحمد سلیمان ابن مہران اَسدی کوفی (متوفی۔ ۱۴۸ھ) جو چودہ قُرّاء میں سے شمار ہوتا ہے۔

۵۔ بزی: ابوالحسن احمد ابن محمد ابن عبداللہ مخزومی مکی (متوفی۔ ۲۰۵ھ)۔ اس نے علی ابن کثیر کے سامنے قرأت کی تھی۔

۶۔ ابوبکر: شعبہ ابن عیاش ابن سالم اَسدی (متوفی۔ ۱۹۳ھ)۔ اس نے عاصم کے سامنے قرأت کی تھی۔

۷۔ ابوجعفر: یزید ابن قعقاع مخزومی (متوفی۔ ۱۳۰ھ) مدنی جو قُراءِ عشرہ میں سے ہے۔

۸۔ ابن جماز: ربیع ابن سلیمان ابن مسلم زہری مدنی (متوفی۔ ۱۷۰ھ)۔ ابوجعفر کا قاری۔

۹۔ حسن بصری: ابوسعید ابن ابی الحسن انصاری بصری (متوفی۔ ۱۱۰ھ) جو چودہ قُراء میں سے شمار ہوتا ہے۔

۱۰۔ حفص: ابوعمر وحفص ابن سلیمان ابن مغیرہ بزاز (متوفی۔ ۲۸۰ھ)۔ عاصم کا قاری۔

۱۱۔ حمزہ: حمزہ ابن حبیب ابن عمارہ زیات (متوفی۔ ۱۵۴ھ) جو قُراءِ سبعہ میں سے شمار ہوتا ہے۔ کوفہ کا قاری۔

۱۲۔ خلف: ابومحمد ابن ہشام بزاز کوفی (متوفی۔ ۲۲۹ھ)۔ حمزہ کا قاری تھا اور قُراءِ عشرہ میں سے شمار ہوتا ہے۔

۱۳۔ خلاّد: ابوعیسیٰ خلاد صیرفی کوفی (متوفی۔ ۲۲۰ھ): حمزہ کا قاری تھا۔

۱۴۔ الدوری: ابوعُمر حفص ابن عمر ابن صہبان بغدادی (متوفی۔ ۲۴۶)۔ اس نے ابوعمرو، کسائی اور حسن بصری کے سامنے قرأت کی تھی۔

۱۵۔ ابن ذکوان: ابوعمر وعبداللہ ابن احمد ابن بشیر قریشی دمشقی (متوفی۔ ۲۴۲ھ)۔ اس نے ابن عامر کے سامنے قرأت کی تھی۔

۱۶۔ روح: ابوالحسن ابن عبدالمومن ابن عبدہ ہذلی بصری (متوفی۔ ۲۳۵ھ): یعقوب کا قاری تھا۔

۱۷۔رویس: ابوعبداللہ ابن متوکل لولوی بصری (متوفی-۲۳۸ھ)؛ یعقوب کا قاری تھا۔

۱۸۔سلیمان ابن حکم: ابوایوب خیاط صاحب بصری بغدادی (متوفی-۲۳۵ھ)؛ یزیدی کا قاری تھا۔

۱۹۔سوسی: ابوشعیب صالح ابن زیاد ابن عبداللہ اہوازی (متوفی-۲۶۱ھ) اس نے ابوعُمر کے سامنے قرأت کی تھی۔

۲۰۔ابن شنبوذ: ابوالحسن محمد ابن احمد ابن ایوب بغدادی (متوفی-۳۲۸ھ) ابن محیصن کا قاری۔

۲۱۔شنوذی شطوی: ابوالفرج محمد ابن احمد ابن ابراہیم (متوفی-۳۸۸ھ) اَعمش کا قاری۔

۲۲۔عاصم: عاصم ابن ابی نجود اسدی کوفی (متوفی-۱۲۸ھ) جو قُراءِ سبعہ میں سے ہے؛ کوفہ کا قاری تھا۔

۲۳۔ابن عامر: عبداللہ ابن عامر ابن یزید یحصبی (متوفی-۱۱۸ھ) جو قُراءِ سبعہ میں سے ہے۔شام کا قاری تھا۔

۲۴۔ابوعمرو: زبان ابن علاء ابن عمار مازنی (متوفی-۱۵۴ھ) جو قُراءِ سبعہ میں سے ہے؛ بصرہ کا قاری تھا۔

۲۵۔قالون: عیسیٰ ابن مینا زرقی مدنی (متوفی-۲۰۵ھ)۔اس نے نافع کے سامنے قرأت کی تھی۔

۲۶۔قنبل: ابوعُمر محمد ابن عبدالرحمٰن ابن محمد مخزومی مکی (متوفی-۲۹۱ھ)۔اس نے ابن کثیر کے سامنے قرأت کی تھی۔

۲۷۔ابن کثیر: عبداللہ ابن کثیر ابن عُمر والداری (متوفی-۱۲۰ھ) قُراءِ سبعہ میں سے؛ مکہ کا قاری تھا۔

۲۸۔کِسائی: علی ابن حمزہ ابن عبداللہ (متوفی-۱۸۹ھ) جو قُراءِ سبعہ میں سے ہے؛ کوفہ کا قاری تھا۔

۲۹۔لیث: ابوالحارث لیث ابن خالد مروزی (متوفی-۲۴۰ھ)؛ کِسائی کا قاری تھا۔

۳۰۔ابن مجاهد: احمد ابن موسیٰ ابن عباس تمیمی بغدادی (متوفی-۳۲۴ھ)، قرأات سبع کا بانی۔

۳۱۔ابن محیصن: ابوعبداللہ محمد ابن عبدالرحمٰن ابن محیصن مکی (متوفی -۱۲۳ھ) چودہ قاریوں میں شمار ہوتا ہے۔

۳۲۔مروزی: اسحٰق ابن ابراہیم ابن عثمان وراق بغدادی (متوفی-۲۸۶ھ)؛ خلف کا قاری تھا۔

۳۳۔مطوعی: ابوالعباس حسن ابن سعید (متوفی-۳۷۱ھ)؛ اَعمش کا قاری تھا۔

۳۴۔نافع: نافع ابن عبدالرحمٰن ابن ابی نعیم اصبہانی (متوفی-۱۶۹ھ) جو قُراءِ سبعہ میں سے ہے؛ مدینہ کا قاری تھا۔

۳۵۔ابونعیم بلخی: شجاع ابن ابی نصر بلخی (متوفی-۱۹۰ھ) جو حسن بصری کا قاری تھا۔

۳۶۔ورش: ابوسعید عثمان ابن سعید قبطی (متوفی-۱۹۷ھ)۔اس نے نافع کے سامنے قرأت کی تھی۔

۳۷۔ابن وردان: عیسیٰ ابن وردان حذاء مدنی (متوفی-حدود ۲۶۰ھ)۔اس نے ابوجعفر کے سامنے قرأت کی تھی۔

۳۸۔یزیدی: ابومحمد یحیٰ ابن مبارک عدوی بصری (متوفی-۲۰۲ھ) جو چودہ قاریوں میں سے شمار ہوتا ہے۔

۳۹۔یعقوب: ابومحمد ابن اسحٰق ابن زید حضرمی بصری (متوفی-۲۰۵ھ) جو دس قاریوں میں شمار ہوتا ہے۔

کتاب هذا کے اَہم مآخذ

۱۔آلاء الرحمٰن فی تفسیر القرآن: محمد جواد بلاغی (متوفی۔۱۳۵۲ھ) مطبوعہ صیدا۔۱۳۵۵ھ۔

۲۔الآیات البینات فی حکم جمیع القرائات: ابوبکر ابن محمد ابن علی ابن خلف حسینی، مطبوعہ مصر۔۱۳۴۴ھ

۳۔اسباب النزول: ابوالحسن علی واحدی نیشاپوری (متوفی۔۴۶۸ھ) مطبوعہ بیروت، آفسٹ چھپائی۔۱۳۱۶ھ

۴۔اُسد الغابة فی معرفة الصحابة: علی ابن احمد ابن اثیر (متوفی۔۶۳۰ھ) مطبوعہ بیروت۔۱۹۷۰ء

۵۔الإرشادات الجلیة فی القرائات السبع من طریق الشاطبیة: محمد محمد محمد سالم محیسن۔ کتب خانہ الکلیات الازہریہ۔ قاہرہ ۱۳۹۴ھ بمطابق ۱۹۷۴ء

۶۔الإصابة فی أحوال الصحابة: احمد ابن حجر عسقلانی (متوفی۔۸۵۲ھ) مطبوعہ مصر۔۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء

۷۔أصل الخط العربی و تطوره حتیٰ نهایة العصر الأموی: سہیلہ یاسین جبوری مطبع ادیب۔بغداد ۱۹۷۷ء

۸۔الإعتقادات (رسالہ): ابوجعفر محمد ابن علی ابن حسین شیخ صدوق (متوفی۔۳۸۱ھ) کتاب ہذا کی عبارات میں، مطبوعہ بیروت۔۱۴۰۸ھ بمطابق ۱۹۸۸ء

۹۔إعجاز القرآن: مصطفیٰ صادق رافعی (متوفی۔۱۳۵۶ھ) اشاعت دوم، قاہرہ۔۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۶ء

۱۰۔اعراب القرائات الشواذ: ابوالبقاء عکبری (متوفی۔۶۱۶ھ)، مطبوعہ بیروت، عالم الکتب: ۱۹۹۶ء

۱۱۔اعراب القرآن: احمد ابن محمد نحاس (متوفی۔۳۳۸ھ) مطبوعہ بغداد۔۱۳۹۷ھ بمطابق ۱۹۷۷ء

۱۲۔أقدم المخطوطات العربیة فی العالم: کورکیس عواد مطبوعہ بغداد: ۱۹۸۲ء

۱۳۔أنوار التنزیل و أسرار التأویل: عبداللہ ابن عمر بیضاوی (متوفی۔۶۸۵) مطبوعہ بولاق: ۱۲۶۳ھ

۱۴۔ایقاظ الاعلام لوجوب اتباع مصحف الإمام: شیخ محمد حبیب اللہ ابن عبداللہ شنقیطی (متوفی۔۱۳۶۳) مطبوعہ حمص: ۱۳۹۲ھ

۱۵۔ارشاد الجلیل فی رد مفتریات المسمّٰی بخلیل: محمد ابن سعودی ازہری، مطبع العاہد، مصر: ۱۳۲۵ھ

۱۶۔ارشاد الساری شرح صحیح البخاری: احمد ابن محمد قسطلانی (متوفی۔۹۲۳ھ) مصر: ۱۳۰۵ھ

۱۷۔ارشاد المرید الیٰ مقصود القصید "شرح الشاطبیة": علی محمد ضباع (متوفی۔۱۳۸۰ھ) تاج

کتب خانہ-طنطا (دت)

۱۸۔ابراز المعانی من حرز الامانی: عبدالرحمٰن ابن شامہ دمشقی (متوفی-۶۶۵ھ)، مطبع الباب الحلبی (دت)

۱۹۔اتحاف فضلاء البشر بالقرائات الاربعة عشر = "منتهی الامانی": احمد ابن محمد بناء (متوفی-۱۱۱۷ھ) ؛تحقیق: ڈاکٹر شعبان اسماعیل، بیروت؛ ۱۴۰۷

۲۰۔اتحاف البررة بالمتون العشرة: اسے علی محمد ضباع نے جمع کیا تھا (متوفی-۱۳۸۰ھ)، مطبع القاہرہ-۱۳۵۴ھ

۲۱۔الاتقان فی علوم القرآن: جلال الدین سیوطی (متوفی-۹۱۱ھ) مطبوعہ قاہرہ-۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء

۲۲۔احسن الاثر فی تاریخ القرّاء الاربعة عشر: محمود حصری (متوفی-۱۴۰۱ھ)، مطبع الشعب، قاہرہ (دت)

۲۳۔احسن البیان فی جواز ترجمة القرآن: عبدالرحمٰن جزیری (متوفی-۱۳۶۰ھ)، مطبع الارشاد، قاہرہ (دت)

۲۴۔اجوبة مسائل جار الله: عبدالحسین شرف الدین (متوفی-۱۳۷۷ھ)، اشاعت دوم، مطبع العرفان، صیدا ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹۵۳ء

۲۵۔الاستیعاب فی معرفة الاصحاب: ابن عبدالبر نمیری (متوفی-۴۶۳ھ)، مطبوعہ حیدر آباد (دکن) ۱۳۳۶ھ

۲۶۔البحث و الاستقراء فی تراجم القرّاء: محمد صادق قمحاوی، مطبوعہ قاہرہ-۱۴۰۱ھ

۲۷۔بحار الانوار: محمد باقر مجلسی (متوفی-۱۱۱۱ھ) مطبوعہ تہران؛ ۱۳۷۶ھ

۲۸۔البدور الزاهرة فی القرائات العشر المتواترة: شاطبیہ کے طریق سے: قاضی عبدالفتاح، مطبوعہ قاہرہ-۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء

۲۹۔البرهان علی عدم تحریف القرآن: میرزا مہدی بروجردی، مطبع المصطفوی-تہران ۱۳۷۵ھ

۳۰۔البرهان فی علوم القرآن (جلد ۱ تا ۴): محمد ابن عبدالله زرکشی (متوفی-۷۹۴ھ) مطبوعہ باب حلبی- قاہرہ ۱۳۹۱ھ

۳۱۔البیان فی تفسیر القرآن: ابوالقاسم موسوی الخوئی (متوفی-۱۴۱۳ھ) مطبوعہ بیروت-۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء

۳۲۔البیان المفید فی رسم خط القرآن المجید: احمد عزہ بغدادی (متوفی-۱۳۵۲ھ)، تحقیق: عبدالرحیم محمد علی- نجف اشرف ۱۳۹۵ھ

۳۳۔تأسیس الشیعة لعلوم الاسلام: سید حسن صدر (متوفی-۱۳۵۴ھ)، مطبوعہ شرکت النشر-بغداد (دت)

۳۴۔تاریخ القرآن و غرائب رسمه و حکمه: محمد طاہر کردی مکی اشاعت دوم-مصر ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء

۳۵۔تاریخ بغداد: احمد ابن علی خطیب بغدادی (متوفی-۴۶۳ھ)، مطبع دار الفکر- بیروت (د ت)

۳۶۔تاریخ القرّاء العشرة و رواتهم: قاضی عبدالفتاح، مطبع المشہد الحسینی- قاہرہ ۱۹۷۰ء

۳۷۔تاریخ الیعقوبی: احمد ابن ابی یعقوب ابن واضح (متوفی-۲۸۴ھ)، مطبع دار صادر- بیروت ۱۳۷۹ھ

۳۸۔تاریخ القرآن: ابوعبداللہ زنجانی (متوفی-۱۳۶۰ھ)، مطبع الاعلمی- بیروت ۱۳۸۸ھ

۳۹۔التبصیر فی الدین: شہفور ابن طاہر اسفرائینی (متوفی-۴۷۱ھ)، مطبوعہ قاہرہ: ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء

۴۰۔التبصرة فی القرائات: ابومحمد مکی ابن ابی طالب قیسی (متوفی-۴۳۷ھ)، تحقیق: محی الدین رمضان- کویت ۱۴۰۵ھ بمطابق ۱۹۸۵ء

۴۱۔التبیان فی تفسیر القرآن: محمد ابن حسن طوسی (متوفی-۴۶۰ھ)، تحقیق: احمد حبیب قصیر- نجف ۱۳۷۶ھ

۴۲۔تحبیر التیسیر فی قرائات الائمة العشرة: محمد ابن محمد جزری (متوفی-۸۳۳ھ)، مطبع دار الوعی حلب ۱۳۹۲ھ

۴۳۔التحدید فی الا تقان و التجوید: عثمان ابن سعید دانی (متوفی-۴۴۴ھ)، تحقیق: ڈاکٹر غانم قدوری حمد، مطبوعہ بغداد ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۹۸۸ء

۴۴۔التحفة الاثنی عشریة: شاہ عبدالعزیز دہلوی (متوفی-۱۲۳۹ھ)، تصحیح: محمود آلوسی، مطبوعہ استنبول ۱۹۸۱ء

۴۵۔تخریج الدلالات السمعیة: علی ابن محمد خزاعی تلمسانی (متوفی-۷۸۹ھ)، مطبوعہ قاہرہ ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۰ء

۴۶۔تذکرة الإخوان: علی محمد ضباع (متوفی-۱۳۸۰ھ)، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۴۸ء

۴۷۔ترجمة القرآن و ما فیها من المفاسد: محمد رشید رضا (متوفی-۱۳۵۴ھ)، مطبوعہ مصر- ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء

۴۸۔ترجمة القرآن: بلاشیر (فرانسیسی میں) Blacher, Regis. La Qoran' Paris 1957

۴۹۔التعریف فی اختلاف الرواة عن نافع: عثمان ابن سعید دانی (متوفی-۴۴۴ھ)، تحقیق: ڈاکٹر تہامی راجی ہاشمی- ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹۸۲ء

۵۰۔تصویر و تجمیل الکتب العربیة: محمد عبدالجواب اصمعی، مطبوعہ دار المعارف- قاہرہ ۱۹۷۱ء

۵۱۔تقریب التہذیب: احمد ابن علی ابن حجر عسقلانی (متوفی-۸۵۲ھ)، تحقیق: عبدالوہاب عبداللطیف، مطبوعہ دار المعرفہ- بیروت ۱۳۹۵ھ بمطابق ۱۹۷۵ء

۵۲۔تقریب النشر فی القرائات العشر: محمد ابن محمد ابن جزری (متوفی-۸۳۳ھ)، مطبوعہ

قاہرہ: ۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۹۶۱ء

۵۳۔تقریب النفع فی القرائات السبع: علی محمد ضباع (متوفی-۱۳۸۰ھ)' مطبع الباب الحلبی: ۱۳۴۷ھ

۵۴۔التیسیر فی القرائات السبع: عثمان ابن سعید دانی (متوفی-۴۴۴ھ)' مطبوعہ استنبول-۱۹۳۰ء

۵۵۔تنویر الاذهان فی الرد علی مدعی تحریف القرآن: شیخ محمد زکی الدین سند۔اسے ۱۳۰۹ھ میں تالیف کیا اور ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوئی۔

۵۶۔التنزیل و التحریف: ابوعبداللہ سیاری (متوفی-حدود ۲۶۰ھ)۔یہ نسخہ محمد ابن طاہر سماوی کی تحریر میں ہے' مطبوعہ ۱۳۳۶ء

۵۷۔الجامع لاحکام القرآن: محمد ابن احمد قرطبی (متوفی-۶۶۸ھ)' مطبوعہ دارالفکر-بیروت ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

۵۸۔الجامع الصحیح "صحیح مسلم": مسلم ابن حجاج نیشاپوری (متوفی:۲۶۱ھ)' کتب خانہ التجاری-بیروت (دت)

۵۹۔الجمع الصوتی الاوّل للقرآن "المصحف المرتل بواعثه و مخططاته": لبیب سعید' مطبوعہ قاہرہ-۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء

۶۰۔جمع القرآن و تدوینه: شیخ علی خفیف' مطبع الازہر-۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء

۶۱۔جوهرة البیان فی تحریف بعض آی القرآن: جواد محفوظ (متوفی-۱۳۵۶ھ)' خود مؤلف کی تحریر میں لکھا نسخہ-۱۳۲۸ھ

۶۲۔الجواب المنیف فی الرد علی مدعی التحریف: یوسف احمد نصر وجوی (متوفی-۱۳۶۵ھ)' مطبع النہضہ-قاہرہ ۱۳۳۱ھ

۶۳۔جواهر الکلام فی شرح شرائع الاسلام: شیخ محمد حسن نجفی (متوفی-۱۲۶۶ھ) دارالکتب الاسلامیہ-نجف ۱۳۸۰ھ

۶۴۔حجة القرائات: ابوزرعہ عبدالرحمن ابن زنجلہ (متوفی-حدود ۳۸۲ھ)' تحقیق: سعید افغانی' بن غازی-۱۳۹۴ھ

۶۵۔الحجة فی القرائات السبع: عبداللہ ابن حسین ابن خالویہ (متوفی-۳۷۰ھ)' تحقیق: ڈاکٹر عبدالعال سالم مکرم' مطبوعہ دارالشروق-۱۹۷۱ء

۶۶۔الحجة للقرائات السبعة: ابوعلی حسن ابن عبدالغفار فارسی (متوفی-۳۷۷ھ)' مطبوعہ دارالمأمون-دمشق ۱۹۸۴ء

۶۷۔الحدائق الناضرة فی أحکام العترة الطاهرة: شیخ یوسف بحرانی (متوفی-۱۱۸۶ھ) دارالکتب الاسلامیۃ-نجف ۱۳۷۷ھ

۶۸۔حرز الأمانی و وجه التهانی: قاسم ابن فیروز رعینی شاطبی (متوفی-۵۹۰ھ) مطبوعہ قاہرہ-۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء

۶۹۔خلاصة تهذیب الکمال: احمد ابن عبداللہ خزرجی (متوفی-حدود ۹۲۳ھ) مطبوعہ مصر-۱۳۲۳ھ

۷۰۔دراسة فی تطور الکتابات الکوفیة علی الأحجار فی مصر فی القرون الخمسة الأول للهجرة: ڈاکٹر ابراہیم جمعہ مطبوعہ دارالفکر العربی-قاہرہ ۱۳۸۷ھ بمطابق ۱۹۶۷ء

۷۱۔در الناظم فی روایة حفص عن عاصم: عثمان ابن عمر ناشری (متوفی-۸۴۸ھ) اشاعت اوّل، مطبوعہ المدرسۃ الحرہ-۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۹۹۸ء

۷۲۔الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور: جلال الدین سیوطی (متوفی-۹۱۱ھ) مطبوعہ بیروت (دت)

۷۳۔الدقاق المحکمة فی شرح المقدمة "الجزریة": ابو یحییٰ زکریا انصاری (متوفی-۹۲۶ھ) تحقیق: عبداللہ عمر بارودی مطبوعہ دارالجنان-بیروت ۱۴۱۱ھ

۷۴۔دلیل الحیران: ابراہیم ابن احمد مارغینی تیونسی (متوفی-حدود ۱۳۲۵ھ) خراز کی کتاب مورد الظمآن فی الرسم کی شرح-مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ بمطابق ۱۹۹۵ء

۷۵۔الذریعة إلی تصانیف الشیعة: محمد محسن طہرانی (متوفی-۱۳۸۹ھ) مطبوعہ نجف اشرف-۱۳۵۵ھ

۷۶۔راهنمای گنجینة قرآن (فارسی): احمد گلچین معانی مطبوعہ ایران-۱۳۴۷ھ

۷۷۔رحلة ابن جبیر: محمد ابن احمد ابن جبیر اندلسی (متوفی-۶۱۴ھ) مطبوعہ قاہرہ-۱۹۹۲ء

۷۸۔السبعة فی القرائات: ابن مجاہد (متوفی-۳۲۴ھ) تحقیق: ڈاکٹر شوقی ضیف مطبوعہ دارالمعارف-مصر ۱۹۷۲ء

۷۹۔السبیل المیسر فی قراءة الإمام ابی جعفر: محمود حصری (متوفی-۱۴۰۱ھ) مطبع الشمرلی-قاہرہ ۱۹۶۴ء

۸۰۔سراج القاری المبتدی شرح حرز الأمانی -بمع اصل کتاب-: علی ابن عثمان ابن قاصح عذری (متوفی-۸۰۱ھ) مطبوعہ دارالفکر-بیروت اور مطبوعہ قاہرہ-۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۹۵۵ء

۸۱۔السیرة النبویة: عبدالملک ابن ہشام حمیری (متوفی-۲۱۳ھ) تحقیق: مصطفیٰ سقا اور کچھ دیگر افراد اشاعتِ دوم (دت)

۸۲۔شرح متن الدرة فی القراءات الثلاث جو حافظ محمد ابن محمد ابن جزری شافعی کی کتاب القراءات العشر کا تکملہ ہے: تألیف: عثمان ابن عمر ابن ابی بکر ناشری (متوفی ۸۴۸ھ)، تحقیق: عبدالرزاق علی ابراہیم موسیٰ۔ صیدا، کتب خانہ العصریہ۔ ۱۹۸۹ء

۸۳۔شرح رسالة قالون: علی محمد ضباع (متوفی ۱۳۸۰ھ)، مطبع صبیح اینڈ سنز (د ت)

۸۴۔شرح السمنوری علی متن الدرة تکملۂ القراءات العشر: محمد ابن محمد ابن جزری (متوفی ۸۳۳ھ)، تحقیق: علی محمد ضباع، مطبع علی صبیح۔ قاہرہ

۸۵۔شرح الشاطبیة طیبة النشر فی القراءات العشر: محمد ابن محمد ابن محمد جزری (متوفی ۸۳۳ھ)، تحقیق: علی محمد ضباع، مطبع البابی الحلبی۔ قاہرہ ۱۳۶۹ھ

۸۶۔شرح شعلة علی الشاطبیة = کنز المعانی شرح حرز الامانی: محمد ابن احمد موصلی (متوفی ۶۵۶ھ)، اشاعت اوّل۔ قاہرہ ۱۳۷۴ھ بمطابق ۱۹۵۵ء

۸۷۔صحیح البخاری: محمد ابن اسماعیل بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) نسخۂ سلطانیہ۔ مطبوعۂ استنبول ۱۳۱۳ھ

۸۸۔صحیح مسلم = الجامع الصحیح۔

۸۹۔الصحیفة السجادیة: امام زین العابدین علیہ السلام (شہادت ۹۵ھ) کی دعاؤں کا مجموعہ۔ مطبوعہ ۱۹۸۸ء

۹۰۔الصراط المستقیم: علی ابن یونس بیاضی (متوفی ۸۷۷ھ)، مطبع الحیدری۔ تہران ۱۳۸۴ھ

۹۱۔صریح النص فی الکلمات المختلف فیها عن حفص: علی محمد ضباع (متوفی ۱۳۸۰ھ)، مطبع البابی الحلبی۔ ۱۳۴۶ھ

۹۲۔طبقات اعلام الشیعة: محمد حسن تہرانی (متوفی ۱۳۸۹ھ)، مطبوعۂ نجف اشرف۔ ۱۳۷۳ھ

۹۳۔طلائع البشر فی توجیه القراءات العشر: محمد صادق قمحاوی۔ مطبوعہ ۱۹۷۸ء

۹۴۔طیبة النشر فی القراءات العشر: محمد ابن محمد ابن جزری (متوفی ۸۳۳ھ)، تحقیق: محمد تمیم زعبی۔ ۱۴۱۴ھ بمطابق ۱۹۹۴ء

۹۵۔العقد المنظم فی انواع الوحی المعظم: علوی ابن عباس علوی مالکی (متوفی ۱۳۹۱ھ)، اشاعت دوم، مطبع المدنی۔ ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء

۹۶۔علل الوقف: امام ابوعبداللہ محمد ابن طیفور سجاوندی (متوفی ۵۶۰ھ)، مطبوعۂ ریاض۔ ۱۴۱۵ھ

۹۷۔عنوان البیان فی علوم التبیان: محمد حسنین مخلوف (متوفی-۱۳۵۵ھ) مطبع المعاہد-مصر ۱۳۴۴ھ

۹۸۔غایة الاختصار فی قراءات العشرة ائمة الأمصار: حسن ابن احمد عطار ہمدانی (متوفی-۵۶۹ھ) تحقیق: اشرف فؤاد طلعت مطبوعہ جدہ-۱۹۹۴ء

۹۹۔غایة النہایة فی طبقات القُراء: محمد ابن جزری (متوفی-۸۳۳ھ) اس کی نشر کا عزم براجسٹر نے کیا تھا، مطبوعہ مصر-۱۳۵۱ھ

۱۰۰۔غیث النفع فی القراءات السبع: علی نوری صفاقسی، مطبع الباب الحلبی-قاہرہ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء

۱۰۱۔فصل الخطاب فی تحریف الکتاب: شیخ میرزا حسین نوری (متوفی-۱۳۲۰ھ) اشاعت حجری-۱۲۹۸ھ

۱۰۲۔الفصل فی الملل و النحل: علی ابن احمد ابن حزم (متوفی-۴۵۶ھ) مطبوعہ بیروت-۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء

۱۰۳۔فنون الافنان فی عیون علوم القرآن: ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن جوزی (متوفی-۵۹۷ھ) پیشکش: احمد شرقاوی، مطبع النجاح، الدار البیضاء-۱۹۶۵ء

۱۰۴۔فہرس کتب الخزانة المتوکلیة بجامع صنعاء-عدنی، المنارة الشرقیة: امامی متوکلی تحوی کے کہنے پر شائع کی گئی، مطبوعہ صنعاء-۱۹۶۴ء

۱۰۵۔الفہرست: محمد ابن محمد ابن اسحٰق ندیم وراق (متوفی-۳۸۰ھ) تحقیق: رضا تجدد-تہران ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء

۱۰۶۔فہرست کتاب خانۂ سلطنتی (قرآن): بدری اتاپای-تہران ۱۳۵۲ھ بمطابق ۱۹۷۳ء

۱۰۷۔الفوائد المرتبة علی الفوائد المہذبة فی بیان حفص: علی محمد ضباع (متوفی-۱۳۸۰ھ) مطبع الباب الحلبی-۱۳۴۷ھ

۱۰۸۔القرآن الکریم: مندرجہ ذیل اشاعتیں:

* ۱۳۳۷ھ مطبوعہ مصر-مصری مقاریوں کی جماعت-آفسٹ چھپائی ۱۳۷۱ھ ۱۳۹۴ھ اور اس کے بعد بھی۔
* ۱۳۹۵ھ مطبوعہ ایران-خطاطی: احمد خالق زنجانی-انتشارات علمیہ اسلامیہ۔
* ۱۴۰۸ھ مطبوعہ ہند-خطاطی: شیخ محمد یوسف قاسمی عظیم آبادی-دہلی (بھارت)۔
* ۱۴۱۳ھ مطبوعہ سعودی عرب-خطاطی: عثمان طٰہٰ-وزارت حج و اوقاف، مدینہ منورہ۔
* ۱۴۱۰ھ مطبوعہ سوڈان-ابو عمرو کے ذریعہ الدوری کی روایت کے مطابق-مرکز اسلامی، خرطوم۔
* ۱۴۱۰ھ مطبوعہ مدرسہ حرہ-شکاگو-امریکہ۔

*(دت) مطبوعہ نائیجیریا- ناشر: الحاج حسن انودن ماکنو۔

*(دت) مطبوعہ تیونس، ورش کی روایت کے مطابق- ناشر: تیجانی محمدی، مطبع المنار- تیونس۔

*(دت) مطبوعہ پاکستان، تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی، لاہور- اہتمام: عنایت اللہ مینیجنگ ڈائریکٹر

*(دت) مطبوعہ یمن، امام قالون کی روایت اور رسم عثمانی کے مطابق- کتب خانہ الیمن الکبریٰ- صنعاء

۱۰۹- قراءۃ ابی عمرو البصری (متوفی-۲۴۶ھ): عبدالکریم طبری (متوفی-۴۷۸ھ)، خطاطی: موسیٰ ابن یوسف عرف ابن بائس (متوفی-۶۰۴ھ)، مخطوط ۵۷۵ھ- جامع مسجد الکبیر- صنعاء

۱۱۰- القراءات الشاذۃ و توجیهها: قاضی عبدالفتاح، مطبوعہ الباب الحلبی- قاہرہ

۱۱۱- کشف الإرتیاب عن تحریف کتاب رب الأرباب: شیخ محمود معرب تہرانی- ا ۱۳۰۲ھ میں کتاب فصل الخطاب کی ردّ میں تالیف کیا تھا- کتب خانہ مؤلف - مخطوط

۱۱۲- کشاف اصطلاحات الفنون: محمد علی تھانوی (متوفی- حدود ۱۱۵۸ھ)، مطبوعہ بیروت- ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء

۱۱۳- الکافی: ابوجعفر محمد ابن یعقوب کلینی (متوفی-۳۲۹ھ)، مطبوعہ تہران- ۱۳۸۱ھ

۱۱۴- الکامل فی التاریخ: محمد ابن اثیر (متوفی-۶۳۰ھ)، تحقیق: قاضی عبداللہ- بیروت ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء

۱۱۵- لسان العرب: محمد ابن مکرم ابن منظور افریقی (متوفی-۷۱۱ھ)، مطبوعہ بیروت- ۱۳۸۹ھ

۱۱۶- لسان المیزان: احمد ابن علی ابن حجر عسقلانی (متوفی-۸۵۲ھ)، مطبع الاعلمی- بیروت ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۱ھ

۱۱۷- لطائف الإشارات لفنون القراءات: شہاب الدین عسقلانی (متوفی-۹۲۳ھ)، تحقیق: شیخ عامر سید عثمان ود، شاہین- قاہرہ ۱۳۹۲ھ

۱۱۸- مجمع البیان فی تفسیر القرآن: فضل ابن حسن طبرسی (متوفی- حدود ۵۰۲ھ)- صیدا ۱۳۳۳ھ

۱۱۹- المحتسب فی تبیین وجوه شواذ القراءات: ابوالفتح عثمان ابن جنی (متوفی-۳۲۹ھ) جلد ۲، تحقیق: علی حیدری ناصیف اور کچھ دیگر افراد- قاہرہ ۱۳۸۶ھ

۱۲۰- مختصر بلوغ الأمنیة شرح نظم تحریر مسائل الشاطبیة: شیخ علی محمد ضباع (متوفی-۱۳۸۰ھ)، مطبع الباب الحلبی- قاہرہ ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۹۵۵ء

۱۲۱- مخلفات الرسول فی المسجد الحسینی فی القاهرة: ڈاکٹر سعاد ماہر- قاہرہ ۱۹۶۵ء

۱۲۲- مستمسک العروۃ الوثقی: سید محسن الحکیم (متوفی-۱۳۹۱ھ)، مطبع النجف- ۱۳۸۹ھ

۱۲۳۔مسند احمد ابن حنبل(متوفی-۲۴۱ھ)؛اس کے حاشیہ پر منتخب کنز العمال تحریر تھی، مطبوعہ مکتب اسلامی-بیروت،دت

۱۲۴۔المصاحف: عبداللہ ابن سلیمان بجستانی (متوفی-۳۱۶ھ)، تحقیق: ڈاکٹر آرثر جفری، اشاعت اوّل-مصر ۱۳۵۵ھ بمطابق ۱۹۳۶ء

۱۲۵۔مصوّر الخط العربی: ناجی زین الدین-بغداد ۱۳۸۸ھ

۱۲۶۔المطلوب فی الکلمات عن ابی یعقوب: علی محمد ضباع (متوفی-۱۳۸۰ھ)، مطبع الباب الحلبی-قاہرہ ۱۳۴۹ھ

۱۲۷۔معجم القرائات القرآنیة: پیشکش: عبدالعال سالم مکرم اور مختار عمر-کویت ۱۴۰۲ھ بمطابق ۱۹۸۲ء

۱۲۸۔معانی القرآن و إعرابه: ابراہیم ابن سری زجاج (متوفی-حدود ۳۱۱ھ)، تحقیق: عبدالجلیل شلبی، اشاعت اوّل-بیروت ۱۹۷۲ء

۱۲۹۔معانی القرآن: ابوالحسن سعید اخفش (متوفی-۲۱۵ھ)، تحقیق: ڈاکٹر ہدیٰ قراعہ-مطبوعہ قاہرہ ۱۴۱۱ھ

۱۳۰۔عمدۃ الحفاظ فی تفسیر اشرف الالفاظ = معجم القرآن (جلد ۱ تا ۴): احمد ابن یوسف سمین، مطبوعہ عالم الکتب-بیروت ۱۴۱۴ھ بمطابق ۱۹۹۳ء

۱۳۱۔المعجم المفهرس لالفاظ القرآن الکریم: محمد فؤاد عبدالباقی-قاہرہ ۱۹۵۵ء

۱۳۲۔معرفة القُرّاء الکبار علی الطبقات والامصار: شمس الدین ابن محمد ابن احمد ذہبی (متوفی-۷۴۸ھ)، تحقیق: بشار عواد معروف اور کچھ دیگر افراد-مطبوعہ الرسالہ فاؤنڈیشن (جلد ۱و۲)-۱۴۰۴ھ بمطابق ۱۹۸۴ء

۱۳۳۔معجم المؤلفین: عُمر رضا کحالہ (متوفی-۱۴۰۸ھ) دمشق (دت)

۱۳۴۔مفاتیح الاسرار و مصابیح الابرار: محمد ابن عبدالکریم شہرستانی (متوفی-۵۴۸ھ)-تہران ۱۴۰۹ھ

۱۳۵۔مفتاح الکرامة فی شرح قواعد العلامة: محمد جواد عاملی (متوفی-حدود ۱۲۲۶ھ)، مطبع الشوریٰ-مصر ۱۳۲۶ھ

۱۳۶۔علوم قرآن کے متعلق دو (۲) مقدمے جو مندرجہ ذیل ہیں:

*مقدمة کتاب المبانی فی نظم المعانی: نامعلوم مغربی مؤلف (متوفی-حدود ۴۲۰ھ)

*مقدمة ابن عطیة: عبدالحق ابن ابی بکر ابن عطیہ (متوفی-حدود ۵۴۵ھ)، تحقیق: ڈاکٹر آرثر جفری، کتب خانہ

الخانجی۔ مصر ۱۹۵۴ء

۱۳۷۔مقرء نافع: موسیٰ ابن یوسف عُرف ابن بائس (متوفی۔۶۰۴ھ)' نسخہ پر ۵۷۵ھ کی تاریخ درج ہے جو بظاہر مؤلف نے خود تحریر کی ہے' کتب خانہ الجامع الکبیر۔صنعاء

۱۳۸۔المقصد لتلخیص ما فی المرشد فی الوقف والإبتداء: شیخ الاسلام ابویحییٰ زکریا ابن محمد انصاری (متوفی۔۹۲۶ھ)' اشاعت دوّم۔ قاہرہ ۱۳۹۳ھ

۱۳۹۔المقنع فی معرفة مرسوم المصاحف: عثمان ابن سعید دانی (متوفی۔۴۴۴ھ)' تحقیق: محمد احمد دہمان، دمشق ۱۳۵۹ھ بمطابق ۱۹۴۰ء

۱۴۰۔منار الهدی فی بیان الوقف والإبتداء: احمد ابن محمد اشمونی' گیارہویں صدی کی شخصیت' اشاعت دوّم۔ قاہرہ ۱۳۹۳ھ

۱۴۱۔مناهل العرفان فی علوم القرآن: محمد عبدالعظیم زرقانی' مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ۔ قاہرہ ۱۹۴۳ء

۱۴۲۔المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم: عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی۔۵۹۷ھ)' حیدرآباد۔ بھارت ۱۳۵۸ھ

۱۴۳۔منجد المقرئین و مرشد الطالبین: محمد ابن محمد ابن جزری (متوفی۔۸۳۳ھ)' کتب خانہ القدسی۔ قاہرہ ۱۳۵۰ھ

۱۴۴۔المهذب فی القراءات العشر: محمد محمد محمد سالم محیسن۔ قاہرہ ۱۳۸۹ھ بمطابق ۱۹۶۹ء

۱۴۵۔الموسوعة القرآنية الميسرة: ابراہیم ابیاری۔ قاہرہ ۱۳۹۴ھ بمطابق ۱۹۷۴ء

۱۴۶۔المیزان فی تفسیر القرآن: محمد حسین طباطبائی (متوفی۔۱۴۰۲ھ)' مطبوعہ الاعلمی۔ بیروت ۱۹۷۲ء

۱۴۷۔الناسخ والمنسوخ: ابوالقاسم ہبۃ اللہ ابن سلامہ (متوفی۔۴۱۰ھ)' تالیف واحدی اسباب النزول کے حاشیہ پر' اشاعت اوّل۔۱۳۱۶ھ آفسٹ

۱۴۸۔نثر المرجان فی رسم نظم القرآن: محمد غوث النائطی ارکانی' مطبع عثمان پریس۔ حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ

۱۴۹۔النشر فی القراءات العشر: محمد ابن محمد ابن جزری (متوفی۔۸۳۳ھ)' مطبع مصطفیٰ محمد۔ مصر

۱۵۰۔النقد اللطیف فی نفی التحریف: محمد حسن طہرانی (متوفی۔۱۳۸۹ھ)' کتب خانہ صاحب الذریعہ۔ نجف' (خطی نسخہ)

۱۵۱۔التنقیط (کتاب المقنع کے ساتھ): عثمان ابن سعید دانی (متوفی۔۴۴۴ھ)، تحقیق: محمد احمد دہمان۔دمشق ۱۳۵۹ھ بمطابق ۱۹۴۰ء = "النقط و الضبط" خطی نسخہ در کتب خانہ دار الکتب المصریہ تحت شمارہ ۱۹۳۷/۴۹۱

۱۵۲۔نور القلوب فی قراءة الإمام یعقوب: محمود حصری (متوفی۔۱۴۰۱ھ) دار التحریر۔قاہرہ ۱۳۸۶ھ

۱۵۳۔نور النبراس فی التعریف بأسانید و مرویات الجد عباس (متوفی۔۱۳۵۰ھ): اُن کے پوتے سید محمد ابن علوی مالکی کے قلم سے، مطبوعہ دار الفکر۔حلب ۱۴۱۶ھ

۱۵۴۔الهجاء فی مرسوم خطوط المصاحف "المقنع": عثمان ابن سعید دانی (متوفی۔۴۴۴ھ)، دار الکتب المصریہ کا خطی نسخہ۔تحت شمارہ ۱۹۳۷/۴۱۹

۱۵۵۔هدایة المرید إلیٰ روایة أبی سعید "شرح منظومة محمد المتولی": تألیف علی محمد ضباع (متوفی۔۱۳۸۰ھ)، اشاعت دوم۔محمد علی صبیح۔قاہرہ، د ت

۱۵۶۔النقط و المصاحف: ابوعمر عثمان ابن سعید دانی (متوفی ۔۴۴۴ھ)، تحقیق: محمد صادق قمحاوی۔قاہرہ ۱۹۷۸ء

۱۵۷۔هدی البریة فی الخلاف بین حفص و دوری من الشاطبیة: عبدالرؤف محمد سالم، مطبع صبیح اینڈ سنز۔قاہرہ ۱۳۷۷ھ

۱۵۸۔الوافی: محمد محسن فیض کاشانی (متوفی۔۱۰۹۱ھ)، حجری طباعت۔تہران ۱۳۲۴ھ

۱۵۹۔وسائل الشیعة: محمد ابن حسن حر عاملی (متوفی۔۱۱۰۴ھ) بیروت ۱۳۷۷ھ

۱۶۰۔وفیات الأعیان: احمد ابن محمد ابن خلکان (متوفی۔۶۸۱ھ)، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، مطبوعہ دار صادر۔بیروت ۱۹۶۹ء

NAJAFI BOOK LIBRARY Shop No. H.L. Heights Bold Saddar C/1

تواریخ قرآن کریم

۱۲قبل از ہجرت:	غارِ حرا۔ مکہ مکرمہ میں ماہِ رمضان میں نزولِ وحی کا آغاز ہوا تھا
۱۱بعد از ہجرت:	مدینہ منورہ میں قرآنی وحی کا سلسلہ رُک گیا
۱۱۔ہجری	مصاحف صحابہ
۱۱۔۱۳ہجری	خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی جمع آوری
۱۴۔۲۲ہجری	خلیفۂ ثانی رضی اللہ عنہ کی جمع آوری
۲۳ہجری	خلیفۂ ثالث رضی اللہ عنہ کی جمع آوری = مصحف امام
۵۳ہجری	تنقیط مصحف
۹۵ہجری	اعجام مصحف
۱۷۰ہجری	تشکیل مصحف
۲۱۸ہجری	تجزیٔ مصحف
۳۲۴(تقریباً)	قراءات سبع کہ جسے ابن مجاہد (متوفی۔۳۲۴ھ) نے متعین کیا تھا
۸۳۳ہجری	قراءات عشر کہ جسے ابن جزری (متوفی۔۸۳۳ھ) نے متعین کیا تھا
۱۰۸۲ہجری	قراءات اربعہ عشر کہ جسے ابن بناء (متوفی۔۱۰۸۲ھ) نے متعین کیا تھا
۱۳۳۷ہجری	مصری قاریوں کا مصحف
۱۳۷۹ہجری	عاصم کوفی کے ذریعہ حفص کی روایت اور شیخ محمود حصری (متوفی۔۱۴۰۱ھ) کی ترتیل کے مطابق

SIRATEHAOFOUNDATION SIRATEHAOFOUNDATION SIRATEHAOFOUNDATION

SIRATEHAQFOUNDATION

Quran Shanasi

P.O.Box 2 Princeton Junction, New Jersey, U.S.A

E-mail: siratehaq@yahoo.com